تحریکِ حریت کشمیر



۱۹۳۶ء — ۱۹۳۹ء

جلد سوم

از

رشید تاثیر

تحریکِ حریّت کشمیر

۱۹۴۷ء ——— ۱۹۴۹ء

جلد سوئم

از

رشید تاثیر

محافظ پبلیکیشنز
مخدوم منڈو، سرینگر-۱۹۰۰۰۲ کشمیر

اشاعت : ۱۹۸۴ء
تعداد (بار اوّل) :
قیمت : ۵۰ (پچاس) روپے
تصاویر : گورنمنٹ پریس،
مطبوعہ : علی پرنٹنگ پریس۔
ٹائیٹل : تاج پرنٹنگ پریس سرینگر

سول ایجنٹس :-
کپور برادرس بک سیلرز
لال چوک، سرینگر ۱۹۰۰۰۱ کشمیر

(نوٹ) :- پریس مشین کی خرابی کے نتیجے میں کئی صفحات پر کہیں کہیں حروف / الفاظ چھپے، شکستہ اور مسخ ہونے کے علاوہ پروف ریڈنگ میں سہواً غلطی رہ گئی ہے۔ براہِ کرم اسے صحت نامہ بر صفحہ [illegible] کے مطابق درست فرمائیں۔

انتساب

اُن ریاستی باشندوں کے نام
جو آزادی کے نام پر
اپنے ہی وطن میں بے وطن ہوئے۔
اُن معصوم اور بے گناہ
دختران کشمیر کے نام
جن کی عزت، عصمت اور زندگی
آزادی کے نام پر نیلام ہوئی۔

میں اپنی سزا آپ ہوں۔ تعزیر میں کیا ہے
اک زخم صدا ہے، مری زنجیر میں کیا ہے
یا درد کے رشتوں کے تماشوں میں اُلجھ جاؤں
یا پھر یہی سوچوں، مری تقدیر میں کیا ہے
(حکیم منظور)

پیش لفظ

جناب سید میر قاسم سابق وزیر اعلیٰ جموں و کشمیر

محترم رشید تاثیر صاحب

آپ کی تصنیف "تحریک حریت کشمیر" قسط کا میں نے بغور مطالعہ کیا ہے۔ گو یہ تاریخ اہم واقعات کو قلمبند کرنا لازمی کام نہیں ہے۔ بلکہ تاریخ ساز حقیقتوں کے پس منظر اور رونما ہونے والے واقعات کا تجزیہ بھی لازمی ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری نہیں کہ ہیں واقعات کے بارے میں آپ نے بھی تاریخ سے اپنے تجزیے متفق ٹھہراؤں لیکن یہ کہنا بجا بھی نہیں رہ سکتا ہوں کہ مواد کو جمع کرنے میں جس قدر آپ نے محنت کی ہے وہ یقیناً قابل ستائش ہے۔

تحریک سے میری واقفیت طالب علمی کے زمانہ یعنی ۱۹۳۰ء سے ہے۔ میری سیاسی سرگرمیوں کا آغاز بھی انہی ایام میں ۱۹۴۲ء

میں اس دور میں اور بعد میں ۴۷ء-۱۹۴۶ء سے گہری وابستگی تحریک کے ساتھ ہونے کے ناطے اتنا ضرور کہوں گا کہ زیر نظر تصنیف میں کچھ شخصیتوں کو وہ نمایاں جگہ نہیں ملی ہے جس کے وہ مستحق تھے۔ میں اس ضمن میں تفصیل میں جانا نہیں چاہتا ہوں۔

بہرحال آپ کی تصنیف سے بہت ایسے حقائق قلمبند ہو کر محفوظ ہوئے ہیں جن کے ضائع ہونے کا احتمال تھا۔ ہماری ریاست کے لوگوں اور ملک میں تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے آپ نے نہایت ہی عمدہ کام سرانجام دیا ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ تاریخی واقعات کے ساتھ قریبی تعلق ہونے کی وجہ سے تاریخ ساز اشخاص کی پہچان مکمل غیر جانبداری سے نہیں ہو سکتی۔

پھر بھی آپ نے اپنی دیانتدارانہ رائے ظاہر کر کے ان واقعات سے آئندہ نسلوں کو مواد فراہم کیا ہے۔ جو تحقیق اور جائزہ کے لئے نہایت کارآمد اور مفید ہو سکتا ہے۔ میں آپ کی محنت پر آپ کو مبارکباد عرض کرتا ہوں۔

سید میر قاسم

یکم مارچ ۱۹۸۴ء
نئی دہلی



پنڈت جواہر لال نہرو اور خان عبدالغفار خان ۱۹۴۰ء میں جموں کانگریس کے ممتاز ورکروں کے سا



شملہ کانفرنس ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ اور کانگریسی رہنما



جناب سید میر قاسم

راز و نیاز

کشمیر کی سیاسی جنگِ آزادی کی تاریخ کا یہ تیسرا حصہ ریاست میں دو عملی حکومت بننے کے یکم جنوری ۱۹۴۹ء کی ہندوپاک جنگ بندی کے اُن واقعات و شذرات پر مشتمل ہے جب میں کشمیر اور اہلِ کشمیر کو کئی ایسے جانگداز حادثات و سیاسی تغیر و تبدل سے گذرنا پڑا جس کی خلش اور چبھن آج بھی ایک رِستے ناسور کی طرح کشمیر کی سیاسی معاشی اور ثقافتی زندگی پر حاوی ہے۔ تحریکِ تخلیہ کشمیر ریاست کے دم توڑتے ہوئے جاگیردارانہ نظام کے خلاف اہلِ ریاست کی وہ آخری یلغار تھی جس نے اس کی بنیادیں ہلا کے رکھ دیں۔ یہ تحریک اسوقت شروع کی گئی جب برطانوی سامراج نے اس دیش سے اپنا لاؤ لشکر لے کر واپس جانے کا اعلان کر چکا تھا۔ ہندوستان اور پاکستان کی دو آزاد مملکتیں دنیا کے نقشے پر صاف اُبھرتی نظر آ رہی تھیں۔ ہندوستان کی ۵۶۲ دیسی ریاستوں کے راجے مہاراجے اور نواب اقتدارِ اعلیٰ کی سرپرستی سے محروم ہونے کے باعث ہراساں اور خوفزدہ تھے۔ برطانوی اربابِ اقتدار نے ان کی اس حالت کا بخوبی اندازہ لگا کر انہیں ہند و پاک کی دو آزاد مملکتوں میں سے کسی ایک میں شمولیت کا ایڈوائس دیتے اس بات کا بھی اشارہ دیا کہ ہندوستان سے برطانوی اقتدار کے خاتمہ پر وہ تمام معاہدے جو تاجِ برطانیہ اور غیر منقسم ہندوستان کے دیسی راجوں اور نوابوں کے درمیان طے پائے ہیں خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ اقتدارِ اعلیٰ کے خاتمے کے ساتھ ہی ریاستیں خود مختار بن جائیں گی کیونکہ اقتدارِ اعلیٰ نے معاہدوں کے تحت ہی اُن کو اپنا تابع بنایا تھا۔

یہ وہ پس منظر ہے جس نے ریاست کے جاگیردارانہ نظام کے آخری فرمانروا مہاراجہ ہری سنگھ کو مخمصے میں ڈالا اور وہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے قبل کوئی فیصلہ نہ لے سکے کیونکہ ہند کی تقسیم دو قومی نظریہ کے تحت عمل میں لائی گئی تھی اور اس نظریہ کی وضاحت میں یہ امر صاف اور واضح تھا کہ جہاں کہیں بھی کسی ریاست کا کسی ڈومینین میں شامل ہونا باعثِ تنازعہ ہو اس کا فیصلہ وہاں کے عوام کی مرضی کے مطابق کیا جائے۔ مہاراجہ کا ذاتی عندیہ جس میں ریاست کے وزیرِ اعظم رام چندر کاک کا بڑا حصہ تھا ریاست کو آزاد اور خود مختار رکھا جائے۔ لیکن مہاراجہ نے گاندھی جی کے دورہ سری نگر کے بعد اپنی رائے بدلی۔ کیونکہ مہاراجہ جو کوئٹ کشمیر تحریک سے خوفزدہ ہو گئے تھے ان کے انداز فکر میں تبدیلی اس بات کی دلیل تھی کہ وہ کب تک اس مسلم اکثریت والی ریاست میں آزادی کی سانس اور خود مختاری کی بنسری بجا سکتے ہیں۔ دراصل مہاراجہ اور اس دور کے سیاسی رہنماؤں میں کوئی تعلق اور با اعتماد رابطہ قائم نہیں تھا۔ حریفین ایک دوسرے کو شک کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ مہاراجہ ہری سنگھ کو جہاں اپنا اور اپنے خاندان کے مفادات عزیز تھے وہاں ۱۹۴۷ء کے ریاستی سیاستدان ماضی بعید کی روایات کو دہرانے میں مصروف کار تھے۔

نیشنل کانفرنس کے رہنما جناب شیخ محمد عبداللہ نے جہاں ہندوستان کی جانب رُخ کر کے آزادی کی عطر اور سیکولر ہواؤں کو سونگھنے کے عمل میں تیز گامی شروع کی وہاں مسلم کانفرنس کے رہنماؤں نے باہمی اختلافات کے بھونڈے مظاہروں کے ساتھ خود مختار کشمیر کی حمایت سے دوش بدوش قبائلیوں کے استقبال کی تیاریوں میں اپنا وقت ضائع کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ چودھری حمید اللہ خان نے خود مختار کشمیر کے حق میں بیان داغ ڈالا۔ میر واعظ کشمیر مولانا یوسف شاہ صاحب قبائلیوں کو کشمیر پر حملہ کرنے کے ضمن میں بہ نفسِ نفیس راولپنڈی میں ڈیرہ جمائے بیٹھے۔ جموں کے لیڈروں نے فرقہ پرستی کے نام پر مسلمانوں کی نکاسی شروع کی۔ گویا ۱۹۴۷ء کے ریاستی سیاستدانوں نے اپنے ناپختہ سیاسی سوجھ بوجھ کا بھرپور ثبوت مہیا کر کے ہند و پاک کی

حکومتوں کے ساتھ ساتھ اہل ریاست کیلئے مشکلات، مصایب اور حادثات کے سامان مہیا کرنے کے سوا کوئی متاع نہیں چھوڑی۔

پس اس نقطۂ نظر سے جب غور کیا جائے تو کشمیر تحریک نے مہاراجہ کے دل میں مخفی وسوسوں اور اندیشوں کو جہاں تقویت پہنچائی وہاں ریاستی عوام کے لئے سود مندی کا کوئی ثمر پیش نہیں کیا۔ بادی النظر کا تقاضہ ہے کہ اس حقیقت کا اعتراف کیا جائے کہ تحریک کشمیر دیسی ریاستوں کی تحریک آزادی کی جد و جہد کے باب میں یہ کتنا ہی بلند مقام کیوں نہ رکھتی ہو اور یہ تحریک غلام قوموں کی آزادی کے باب میں شجاعت، جوانمردی کے کتنے ہی پرچم کیوں نہ گاڑ چکی ہو لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ تحریک بے محل، بے موقع اور بے مقصد ثابت ہوئی ہے۔ جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ یقینی تھا۔ البتہ اگر اپنے پیش ہمارے مافوق الفطرت طاقتوں کے مظہر بننے والے سیاستدان اپنے سیاسی نظریات میں تھوڑی سی لچک پیدا کرتے تو وزیر اعظم رام چند رکاک کے آزاد اور خود مختار ریاست کے نظریہ کی جس کا مہاراجہ ہری سنگھ نے حامی بھری تھی مہاراجہ ہری سنگھ کی تمہید ذہنی مطابق الف لیلیٰ جو دستور کی جواہمیوں اور جاگیردارانہ نظام بھی خادموں اور وزیر اعظم کاک کی جمہوریت پسندی اور دستور میں حقوق کے باوجود ریاست کے مستقبل اور خوشحالی ... ریاست کی شکل و صورت کچھ اور ہوتی۔

مہاراجہ ہری سنگھ کو الحاق کے مکمل اختیارات حاصل تھے لیکن ریاستی عوام سے کٹ جانے کی بنا پر وہ عارضی الحاق کے شکنجے میں ایسے پھنسے کہ اپنے وجود کو بھی ہمیشہ کو بیٹھے۔ مہاراجہ کی ان ڈھیلی تین دو فرزانہ ملکوں کے درمیان کشیدگی اور عدم اعتماد کی ایسی فضا قائم کی جس کی وجہ سے دونوں ملک ہنگامی بنیاد پر ایک دوسرے کے ... ہونے کے دوش بدوش اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے دروازے کھٹکھٹانے پر مجبور ہوئے جہاں یہ مسئلہ پچھلے چھتیس برسوں سے فائلوں پر دیمک کی خوراک بنا ہے۔

یہ بات فخریہ کہی جائے گی کہ قبائلی حملے کے دوران جہاں صوبہ کشمیر کے باشندوں اور قائدین نے وادی کشمیر میں فرقہ وارانہ اتحاد قائم رکھے اور اقلیتوں کو مکمل تحفظ دے کر ایک شاندار اور لاثانی کردار ادا کیا وہاں صوبہ جموں میں ایک منصوبہ بند سازش کے تحت مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑنے اور فنا کرنے کی باضابطہ سکیم پر عمل ہو رہا تھا اور یہ حقیقت تاریخ کے صفحوں پر ہمیشہ مرقوم رہے گی کہ رات کی تاریکی میں فرار ہونے والا "والئے جموں و کشمیر" جموں کے مسلمانوں کو تحفظ دینے میں ہچکچاہٹ، بہانہ سازی اور لیت و لعل کے پردوں میں بھی عریاں رہا۔ اس طرح عدل و انصاف اور فرزانگی کی کسوٹی پر مہاراجہ ہری سنگھ پورے نہیں اترتے ہیں کہ وہ رعایا کا خون ہوتے دیکھنا نہ مہاراجی شان کو قائم رکھتی ہے اور نہ ایسے لوگ بے گناہوں کے خون سے مبرا ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔

نیشنل کانفرنس کے اقتدار سنبھالتے ہی جاگیردارانہ نظام کے بہیمہ برداروں اور مفاد خصوصی رکھنے والے ایک خاص طبقے نے شخصی نظام کے اس ڈوبتے جہاز سے جھٹ پٹ کودنا شروع کیا اور ایک ایسے انقلابی جہاز میں سوار ہو گئے جو متاع اقتدار کو لادنے کے لئے ریاست کی غیر قدرتی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا تھا۔ نیشنل کانفرنس زعماء مستی میں یہ اندازہ ہی نہ لگا سکے کہ ان کے کندھوں سے کندھے ملانے والی یہ نئی مخلوق کہاں سے مشروموں کی طرح ابھر آئی۔ وہ صرف اس تاک میں رہے کہ کوئی ایسا فرد خصوصاً مسلمان جس نے ماضی میں ان کا ساتھ نہ دیا ہو، اقتدار کی اس بندر بانٹ میں شامل ہونے نہ پائے۔ وہ یہ بھول گئے کہ اقتدار کسی کی میراث نہیں۔ انہوں نے حزب اختلاف کی آزادی سلب کرنے کے لئے طرح طرح کی پابندیاں عاید کیں اور ہر اس فرد سے نمٹنا چاہا جو ان سے سیاسی اور نظریاتی اختلاف رکھتا تھا۔ اس سے ایک نئی قسم کی انارکی پھیلی۔ حالات اور مخدوش ہوئے جس سے وقتی طور بے تعلق ہونے والوں کی ایک بڑی تعداد چند مہینوں میں تیار ہوئی جو نہ غداری کے مرتکب تھے اور نہ اقتدار میں حصہ تلاش کرنے کے متمنی۔ لیکن ان کی اس خاموشی اور رضامندی نے ریاست میں دغابازی، اغوا، لوٹ مار اور سیاسی دوغلہ بازی کا وجود قائم کرنے میں مدد دی۔

تحریکِ حریت کشمیر حصہ سوم ہماری سیاسی جدوجہد، قتل و غارت، فرقہ وارانہ اتحاد و فساد، اغوا، ہجرت، پناہ گزینوں کے مسائل، ناپختہ سیاسی داؤ پیچ، مہاراجہ ہری سنگھ کی والہانہ مکارانہ سادہ لوحی، ہند و پاک مفکرین کی لفاظی شعلہ نوائی، ریاست جموں و کشمیر کے سینے پر جنگ بندی کی سیاہ لکیر اور ان سے اخذ نتائج سے عبارت ہے۔

اس دستاویزی مجموعہ کو ترتیب دینے کا مقصد و مفہوم موجودہ صدی کے غیور کشمیریوں کی حب الوطنی اور جانبازی کو آیندہ آنے والی نسل کیلئے محفوظ کرنا بھی مقصود ہے جو تاریخ کو ایک صاف ستھرا آئینہ کے مانند دیکھ کر اپنے اسلاف کی بہادری اور شجاعت سے لبریز کارناموں اور صحیح و غلط اندازِ فکر کا جائزہ لینے کے متمنی ہوں جس سے وہ اپنے گذرے ہوئے کل کی تصویر اتنی صاف اور روشن دیکھ سکیں کہ آزادی حاصل کرنے کیلئے ہم کن مقامات سے گذرے، کہاں پڑاؤ ڈالا، کہاں قیام کیا اور منزل کہاں ہے۔ رہنماؤں کی خام خیالی، باہمی رقابت، اتحاد و عمل کا فقدان، ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی تگ و دو نے اس قوم کو کس قدر زیاں پہنچایا، یہ قوم کس حد تک جاگیردارانہ، جابرانہ اور آمرانہ قوتوں سے نبرد آزما ہو کر اپنے وجود کو قائم و دائم رکھنے میں کامیاب و کامران ہوئی۔

اس تاریخی دستاویز کو پیش کرنے کا ایک مقصد بقولِ بیدل یہ بھی ہے ؎

از بیابانِ عدم تا سرِ بازارِ وجود
بہ تلاشِ کفنے آمدہ عریانے چند

آغازِ کائنات سے گمنامی کے اس عالم میں کفن تلاش کرنے والے ان ہی کروڑوں انسانوں میں ہماری ارضِ گیتی پر کئی ایسے لوگ بھی آئے جو اپنے حیات بخش نقوش چھوڑ کر چلے گئے جنہیں مشعلِ راہ بنا کر آنے والی نسلیں زندگی اور آزادی کی قندیلیں روشن کر سکیں گے۔ ہماری تحریکِ آزادی میں ایسے افراد کی کمی نہیں جنہوں نے اس قوم کے لئے سراغِ منزل کا سامان بہم کیا ہے۔ بیش بہا قربانیوں سے روشنی کے مینار تعمیر کئے اور ان روشن میناروں کی جوت سے جوت جلا کر جذبۂ آزادی کو ضو فشاں رکھا۔

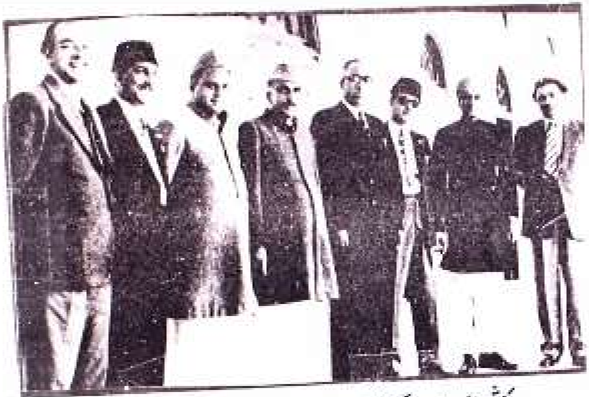
محققین اس امر سے متفق ہیں کہ تاریخ نویسی ایک سائنس ہے جو کسی مادہ سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ حقیقتاً یہ سائنس ہے یعنی سچائی، حق و صداقت کی تلاش، حقائق کی کھوج اور ان پر بلا جھجک، بلا خوف و ڈر اور بغیر کسی لالچ کے حقائق کی نقاب کشائی کرنے کا مسلسل عمل۔ اس کا فیصلہ میں قارئین پر چھوڑتا ہوں کہ میں اس مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔

تحریکِ حریت کشمیر کی اس جلد کے بارے میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ اسے "کشمیر غلامی سے آزادی تک" کے عنوان سے شایع کیا جائے گا۔ بعض دوستوں کے مشورے پر ایسا نہیں کیا گیا۔ انشاء اللہ اس سلسلے کا اگلا حصہ بھی تحریکِ حریت کشمیر جلد چہارم کے نام سے ہی شایع کیا جائے گا۔ اس موقع پر میں شری بلدیو پرشاد شرما، خواجہ عبدالصمد وانی مدیر کشمیر اولینہ اور پنڈت نند لال واتل کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اپنے زریں مشوروں اور مواد کی فراہمی سے میری مدد کی۔ میں جناب بی احمد آرٹسٹ کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کیلئے ٹائٹل تیار کیا۔ میں جناب مرزا محمد افضل بیگ مرحوم، جناب بخشی غلام محمد مرحوم، شری شیام لال صراف مرحوم، خواجہ غلام محمد صادق مرحوم، شری کشپ بندھو اور جناب مولانا محمد سعید مسعودی کا بھی ممنون و مشکور رہوں جن سے وقتاً فوقتاً میں نے بے شمار معلومات اور وضاحتیں حاصل کیں۔

مجھے امید ہے کہ سیاسیاتِ کشمیر سے رغبت رکھنے والے حلقے دلچسپی سے میری اس کاوش کا مطالعہ کریں گے۔

رشید تاثیر

۱۵/ مئی ۱۹۸۴ء
مخدوم منڈو، سری نگر ۱۹۰۰۰۲



شیخ صاحب کے کابینہ ممبران، ۱۹۴۸ء



۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ اور کانگریس کی ملی جلی مرکزی کابینہ



رشید تاثیر

فہرستِ ابواب

(۱)

دوعملی حکومت

آکہ دونوں سر جھکائیں وقت کی آواز پر
تو میرے انجام پر رو میں ترے آغاز پر

۱۹۴۴ء میں ہی کشمیر کی سیاسی زندگی نے سیلابی دریا کے مانند نئے موڑ کاٹنے شروع کئے۔ جب شیخ محمد عبداللہ نے ریاست کے وزیراعظم سر گوپالا سوامی آئینگر سے ریاستی سیاسیات پر ۹ نومبر ۱۹۴۲ء کو وزیراعظم کے آفس میں [illegible] گفت و شنید کی اور یہ چرچے سننے جانے لگے کہ حکومت رموزِ مملکت میں ریاستی باشندوں کو شریک کار بنانے اور انتظامی امور میں عوامی تعاون حاصل کرنے کی غرض سے ریاست کی ایسی سیاسی جماعتوں سے جنہیں عوامی اکثریت کی تائید حاصل ہو دو منسٹر کیبنٹ میں لینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ شیخ آئینگر ملاقات [illegible] اسمبلی کی

کٹری کا نام دیا گیا۔ مگر یہ منصوبہ گوپالا سوامی آئینگر کی ملازمت سے سبکدوشی کے بعد وقتی طور پر التوا میں پڑ گیا۔ البتہ اصلاحی کمیشن سے بائیکاٹ نیشنل کانفرنس کے آئینی منصوبہ "نیا کشمیر" کے مشتہر ہونے اور ریاستی عوام کی جانب سے مہاراجہ ہری سنگھ کے دورۂ محاذِ جنگ سے واپسی پر شاندار استقبال کو وجوہات کی اساس بنا کر سر تیج بہادر سپرو جو ان دنوں مہاراجہ ہری سنگھ کا مشیر خصوصی تھے کے مشورے اور سفارش پر مہاراجہ نے ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو ایک شاہی اعلان کے ذریعہ اصلاحات کی دوسری قسط کے طور پر دو ایسے ممبران اسمبلی کو ریاستی کابینہ میں لینے کا اعلان کیا جن میں سے ایک کو صوبہ کشمیر کے مسلم عوام کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو اور دوسرا صوبہ جموں کے ہندوؤں کے اعتماد کا اہل قرار پائے۔

شاہی اعلان کے مطابق مہاراجہ کے سامنے چھ ممبران اسمبلی کی فہرست پیش کی گئی جس میں سے مہاراجہ نے مرزا محمد افضل بیگ ڈپٹی لیڈر نیشنل کانفرنس کو صوبہ کشمیر سے اور وزیر گنگا رام کو صوبہ جموں کی جانب سے وزارت میں دو سال کے لئے شامل کرنے کا فرمان جاری کیا۔ مرزا محمد افضل بیگ نے بحیثیت پبلک ورکس منسٹر اور وزیر گنگا رام نے بحیثیت ہوم منسٹر کے ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۴ء قبل از دوپہر حلف لے کر اپنے عہدوں کا چارج سنبھالا۔

۱؎: اس کا تذکرہ تحریک حریت کشمیر جلد دوم صفحہ ۲۶۰ تا ۲۷۲ پر مفصل آیا ہے۔
۲؎: دوسری جنگ عظیم میں مہاراجہ کے یورپی جنگی محاذ سے واپسی مراد ہے۔
۳؎: ۱۹۴۶ء میں جب بمبئی میں جہازیوں نے بغاوت کی تو تمام ہندوستان میں طلبا نے اس بغاوت کی حمایت میں مظاہرے کئے۔ ریاست میں کشمیر سٹوڈنٹس فیڈریشن، ہندو سٹوڈنٹس فیڈریشن، سٹوڈنٹس یوتھ کانگریس اور مسلم سٹوڈنٹس یونین نے جہازیوں کی حمایت میں اپنی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صوبہ کشمیر میں مسلم کانفرنس نے جو ریاستی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کا داعی تھی، مہاراجہ کی اس پیش کش کا سرے سے ہی بائیکاٹ کا اعلان کیا اور کہا ان منسٹروں کا انتخاب اس اسمبلی کے ۷۵ ممبروں سے کیا جا رہا ہے جس میں صرف ۲۱ منتخب ممبران ہیں۔ مسلم کانفرنس کے اسمبلی گروپ اور مجلس عاملہ نے وزارت میں شرکت کے لئے یہ امر شرط ٹھہرایا کہ منسٹری کے لئے ہر جماعت اپنا امیدوار کھڑا کرے اور عوام سے براہ راست اعتماد حاصل کرے۔ مہاراجہ نے مسلم کانفرنس کے اس مطالبے کو قابل اعتنا نہ سمجھا۔

چودھری غلام عباس خان نے اپنی سوانح حیات "کشمکش" میں اس واقعہ کا تذکرہ کرتے لکھا ہے: "دوسرے دن سر بی۔ این۔ راؤ نے اپنی گورنمنٹ کے چیف سیکرٹری چودھری نیاز احمد کے ذریعے مجھے اپنے طور سے یہ پیغام بھیجا کہ اس سلسلے میں مسلم کانفرنس کا فیصلہ نہایت مستحسن ہے۔"

قریشی محمد یوسف نے اپنے سلسلہ ہائے مضامین ہفت روزہ "محافظ" سرینگر جلد ۹، شمارہ ۳۵، مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۶۹ء میں اس بائیکاٹ کی ایک اور اہم وجہ بتلاتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸) سرگرمیاں تیز کیں جس کے نتیجے میں نور محمد، ہنس راج ڈوگرہ، اشتی محمد اور عبدالحمید قرہ گرفتار کر لئے گئے۔ یہ دو عملی کا ہی رد عمل تھا کہ نیشنل کانفرنس نے ان کی گرفتاری پر مداخلت کی اور دبے لفظوں میں دھمکی دی اگر حکومت نیشنل کانفرنس کو ناراض کرنا نہیں چاہتی تو انہیں رہا کیا جائے۔ چنانچہ خواجہ غلام محمد صادق کی ضمانت پر گرفتار شدہ طالب علم لیڈر رہا کئے گئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نیشنل کانفرنس بھی طلباء کی اس حرکت سے ناخوش تھی کیونکہ انہیں تازہ حاصل شدہ اقتدار میں خلل پیدا ہونے کا اندیشہ لاحق ہوا تھا۔
ان دنوں سرگرم سٹوڈنٹ لیڈروں میں ڈاکٹر سید نصیر احمد، نور محمد جو صادق صاحب کی وزارت میں تعلیم کے وزیر رہ چکے ہیں، پران ناتھ جلالی، موتی لال مصری، است بھوشن، سومناتھ ٹکو، پروفیسر کمل لال، دینا ناتھ کاچرو، عبدالحمید قرہ، علی محمد دار، غلام نبی حسین، اشتی محمد، اونکار ناتھ وغیرہ بھی اہمیت رکھتے تھے۔

ہوئے انکشاف کیا ہے کہ مسٹر جناح نے سرینگر میں اپنے قیام کے آخری ایام میں انہیں اور چودھری غلام عباس خان سے ریاستی سیاست پر انتہائی تبادلۂ خیالات کے دوران ہدایت کی کہ عنقریب مہاراجہ اصلاحات کے نام طلسماتی جال پھیلائے گا۔ مگر میں آپ لوگوں سے وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ آپ اس سے عدم تعاون کریں گے۔

دلائل چاہیں مسلم کانفرنس زعماء کچھ بھی کیوں نہ دیں لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اسمبلی میں نیشنل کانفرنس کے منتخب ممبران کی تعداد زیادہ تھی اور ریاستی حکومت ہندوستانی سیاسیات کے پیش نظر مسلم کانفرنس پر بہرصورت قوم پرستوں کو فوقیت دینا چاہتی تھی۔ نیشنل کانفرنس کو سرکاری ذرائع سے مشورہ دیا گیا کہ وہ اپنا نمائندہ نامزد کرے۔ ان دنوں میاں احمد یار خان اسمبلی میں نیشنل کانفرنس کا پارٹی لیڈر تھا اور کانفرنس کے زعماؤں نے باہمی صلاح و مشورے سے طے کیا کہ ڈپٹی لیڈر کو ہی کیبنٹ میں شامل ہونے کو کہا جائے تاکہ اسمبلی میں اسے یہ خیال رہے کہ میرا لیڈر وزیر اعظم نہیں بلکہ وہ پارٹی لیڈر ہے جو ایوان میں موجود ہے۔

شروعات میں مرزا محمد افضل بیگ کو ریاستی حکومت یہ تاثرات دینے میں کامیاب رہی کہ وہ اپنے آپ کو اس قدر خود مختار تصور کرے کہ وہ منسٹر ہونے کی صورت میں بھی حکومت پر تنقید کرنے کی حد تک جرأت کر سکتا ہے۔ مگر یہ سلسلہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہا اور پاپولر منسٹری کا یہ رنگ محل حکومت کے دباؤ سے خود بخود پاش پاش ہونے لگا۔ قواعد اور ضوابط کے اس سخت دلدلی ایوان کی گرتی ہوئی دیواروں کو جبراً کھڑا رکھنے اور اپنی گرفت کو زیادہ مضبوط بنانے کی خاطر حکومت نے مرزا محمد افضل بیگ کی راہ میں مزید رکاوٹیں کھڑی کرنی شروع کیں۔[1]

[1]: ان دنوں بانہال ٹاؤن ایریا کمیٹی کے چیئرمین شیخ احمد الدین جو مسلم کانفرنس کے سرگرم رکن تھے نے بانہال کے ڈاک بنگلہ میں مرزا محمد افضل بیگ سے ملے کیا کہ مسلم کانفرنس
(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱ پر)

ان حوصلہ شکن حالات کو جن سے کابینہ میں رہ کر مرزا محمد افضل بیگ دوچار ہوئے نیشنل کانفرنس جان چکی تھی۔ بالآخر ۱۵ اور ۱۶ مارچ ۱۹۴۶ء کو نیشنل کانفرنس

(بقیہ حاشیہ ص) اور نیشنل کانفرنس کو متحد کر کے کسی نئے نام سے پارٹی تشکیل دی جائے چنانچہ اس سلسلے میں کیپٹن نصیر الدین کی بلڈنگ۔ دسمبر ۱۹۴۷ء جو تقسیم فسادات کے بعد جب کیپٹن نصیر الدین جالندھر چلے پاکستان ہجرت کر گئے تو کسی کشمیری پنڈت نے اس بلڈنگ پر قبضہ جما کر اس میں ہوٹل چلانا شروع کیا جو آج تک قائم ہے۔ (شیر کشمیر چوک جموں میں) دونوں جماعتوں کے کئی منتخب ممبران کی ایک میٹنگ ہوئی اس مسئلہ پر طویل گفت و شنید ہوئی لیکن کسی حتمی فیصلہ پر پہنچے بغیر ہی میٹنگ اگلے دن تک ملتوی کی گئی تاکہ ممبران اپنی اپنی جماعت کے قائدین سے مزید صلاح و مشورہ کر سکیں۔ اگلے روز نیشنل کانفرنس میٹنگ میں شریک نہیں ہوئے البتہ شیخ احمد الدین کو مرزا محمد افضل بیگ کے سرکاری قیام گاہ پر بلوا کر کہا گیا چونکہ قائد اعظم محمد علی جناح گلمرگ آنے والے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ پہلے ان سے اس مسئلے پر بات چیت کی جائے تاکہ اس تحریک کو جو ان کے دورہ کشمیر کے دوران پیدا ہوئی شہ پا جائے اسکے بعد ہی اس قسم کی میٹنگ بار آور ثابت ہو سکتی ہے لیکن اس طرح کی کوئی میٹنگ نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس لیڈروں کے درمیان نہیں ہوئی۔ اس ملاقات کے دوران بیگ صاحب نے شیخ احمد الدین بانہالی کے سامنے اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ شیخ صاحب کو اس بات پر رضامند کریں کہ وہ میرے کابینہ سے مستعفی ہونے کے لئے مجھ پر دباؤ نہ ڈالیں۔ شیخ صاحب ان دنوں مرزا بیگ کے ہاں ہی اقامت پذیر تھے۔ شیخ احمد الدین نے اسی دن شیخ صاحب سے دوسرے کمرے میں ملاقات کی اور باتوں باتوں میں کہا کہ بہتر یہ ہے کہ مرزا محمد افضل بیگ کابینہ سے مستعفی ہونے کے لئے نہ کہا جائے اس سے ہمارا ریاستی مسلمانوں کو یہ فائدہ ہوگا کہ جو بھی کارروائی حکومت ہمارے خلاف کرے گی اس کی بروقت اطلاع ہمیں ملتی رہے گی۔ شیخ صاحب نے اس خیال سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ ہم ایک ایسی تحریک چلانا چاہتے ہیں جس کا انجام تخت یا تختہ ہو سکتا ہے اس لئے بیگ صاحب کا کابینہ میں رہنا مناسب نہ ہوگا اور نہ اُن کے لئے کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ بیگ صاحب یہ تمام گفتگو دیوار سے کان لگائے سنتے رہے اور جونہی شیخ احمد الدین کمرے سے باہر نکلے

(باقی حاشیہ ص ۲۲ پر)

کی ورکنگ کمیٹی نے شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں یہ فیصلہ لیا کہ پاپولر منسٹری کا تجربہ نیشنل کانفرنس اور ریاستی عوام کے لئے سود مند نہیں دوغلی کا تجربہ ناکام ہوا ہے۔ بریں بنا نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی اپنے نمائندے کو کیبنٹ سے مستعفی ہونے کا مشورہ دیتی ہے۔ ۱۷ مارچ ۱۹۴۶ء کو ایک سال ۳ ماہ ۲۷ دن کے بعد مرزا محمد افضل بیگ نے وزارت سے یہ کہہ کر استعفیٰ دیا — "میں سرکاری بنچ پر بیٹھ کر اپنی آزادانہ رائے کے حق سے محروم ہو گیا ہوں۔" ۱۸ مارچ کو جب اسمبلی کا بجٹ اجلاس شروع ہوا بیگ صاحب لنچ کے بعد اسمبلی میں اپوزیشن کو بنچ پر بیٹھ گئے جن کا نیشنل کانفرنس گروپ کے ممبروں نے پرزور تالیوں سے خیر مقدم کیا اور پارٹی لیڈر میاں احمد یار خان نے انہیں پھولوں کا ہار پہنایا۔

تو نہیں اور سہی

ہے خوش بہت کہ اس سے بھی اک کام ہو سکا
وہ کچھ نہیں تو غم کے پودے ہی بو سکا

اس جھٹکے کو ریاست کے وزیراعظم پنڈت رام چندر کاک نے ایک گھمبیر اور کھرانٹ سیاستدان کی طرح برداشت کیا اور ان سے وقتی طور پر [illegible] نیشنل کانفرنس کے پارٹی لیڈر میاں احمد یار خان کو شیشے میں اتارا۔ ابھی نیشنل کانفرنس رہنما اپنی تنظیم میں ربط و ضبط اور نظم و نسق پر غور کرنے بھی نہ پائے تھے کہ بجلی کی کڑک کی طرح ان کے کانوں میں آواز آئی کہ نیشنل کانفرنس کے ڈپٹی لیڈر کی جگہ کانفرنس کی اسمبلی پارٹی کے لیڈر میاں احمد یار خان نے کابینہ میں شرکت کی۔ (۳۱)

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱ سے) بیگ صاحب نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور کہا آپ نے احسن طریقے پر بات چیت کی اور کہا سمجھتا ہوں کہ شیخ صاحب اس سلسلے میں قاطعانہ رائے رکھتے ہیں۔

خبر نے نیشنل کانفرنسیوں کے ہوش اُڑا دیئے۔ کیف و مستی کا سماں جاتا رہا۔ وہ خمار ہرن ہوا جس کے بل بوتے پر یہ پر تولنے لگے تھے۔ نیشنل کانفرنسی حلقوں میں اضطراب انگیز ہیجان پیدا ہوا اور انہوں نے اندر ہی اندر رام چند کاک کی حکومت سے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ سری نگر میں میاں احمد یار خان کی غداری اور ڈسپلن شکنی کی عوامی حلقوں میں شدید مذمت کی گئی۔ انہوں نے ہر جگہ شہر کے کتّوں کو جمع کیا، اُن کے گلے میں "میاں احمد یار خان" نام کے پٹے حمایل کر کے اُن کا جلوس نکالا گیا۔ اور شیخ محمد عبداللہ کی بلند قد و قامت والی شخصیت سے لے کر ادنیٰ نیشنل کانفرنسی تک ہر ایک نے میاں احمد یار خان کو میاں احمق یار خان کے نام سے پکارا۔ اسے پانچ سال کے لئے پارٹی سے خارج کیا گیا۔ حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ میاں صاحب پہلے ہی پارٹی چھوڑ چکے تھے۔

منصب پرستانہ غداری

میاں احمد یار خان کی اس حرکت پر اخبار "زمیندار" لاہور نے "منصب پرستانہ غداری" کے عنوان سے ایک مقالہ سپرد قلم کیا جس میں مرزا محمد افضل بیگ کے ایثار اور خودداری کی داد دیتے ہوئے میاں احمد یار خان کو برعکس پھٹکار دی ہے۔ روزنامہ "زمیندار" کا اقتباس مندرجہ ذیل ہے۔

"مرزا محمد افضل بیگ نے وزارت کشمیر سے اس لئے استعفیٰ دے دیا تھا کہ وزیر کو انفرادی آزادی سے محروم ہو کر سرکاری گراموفون بننا پڑتا ہے۔ اس خودداری اور بیدار ضمیری سے ریاستوں کی تاریخ میں درخشاں باب کا اضافہ ہو گیا ہے لیکن ہمیں یہ سن کر حیرانی ہوئی کہ مرزا صاحب نے جو ہڈی چھوڑ کر پھینکی تھی، اُسے اُن ہی کے ایک جماعتی ساتھی نے چبانا

شروع کر دیا۔ اس ساتھی کا نام میاں احمد یار ہے۔ یہ حضرت کشمیر اسمبلی کی نیشنل کانفرنس پارٹی کے لیڈر تھے لیکن وزارت کے شوق میں اس درجہ بدحواس ہو گئے کہ انہیں اصول اور قواعد بھی یاد نہ رہے۔ نیشنل کانفرنس نے انہیں پانچ برس کے لئے رکنیت سے محروم کر دیا ہے لیکن یہ تعزیری کارروائی ایک ایسے شخص کے لئے کب عبرت ناک ہو سکتی ہے جو وزارت ہی کو نجات کا ذریعہ سمجھتا ہو۔"

۱۸ اپریل ۱۹۳۹ء — روزنامہ "زمیندار" لاہور

مسلم کانفرنس کے قریشی محمد یوسف نے مسلم پارک جامع مسجد میں میاں احمد یار خان کے منسٹر بننے پر وزیراعظم رام چند کاک پر پھبتی کستے ہوئے اُسے مبارک باد دی اور کہا کہ میاں جی کو پھنسا کر کاک جی تو آئینگر سے بھی قابل سیاست[۱] دان ثابت ہوئے ؎

تو نے جس ملبوس سے ڈھانپے امارت کے جذام
حادثوں کا ہاتھ اس ملبوس کو اُلٹا گیا!

استعفیٰ کی تشریح

مرزا محمد افضل بیگ کے مستعفی ہونے پر شیخ محمد عبداللہ نے ایک طویل بیان میں کہا۔ گذشتہ اٹھارہ ماہ کے عرصہ میں ہم نے صبر و استقلال کے ساتھ تجربہ حاصل کیا اور اس تجربے کی رفتار کو ہر زاویہ سے پرکھا۔ یہاں تک کہ ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جس کابینہ میں فیصلے طے کرنے میں غیر ذمہ دار عناصر کو بالادستی حاصل ہو، اُس میں ایک عوامی وزیر کا پنپنا ناممکن ہے۔ چنانچہ اختلافات کی

۱؎ یعنی سازشی

ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اسمبلی کے اجلاس میں عوامی وزراء کو اپنا ووٹ عوام کے حق میں دینے کی بجائے حکومت کے حق میں دینے پر مجبور کیا جا رہا ہے اور اسی بناء پر نیشنل کانفرنس نے اپنے نمائندے کو کشمیر کی وزارت کی رکنیت سے مستعفی ہونے کی ہدایت کی۔

اس حقیقت میں شک و شبہ کرنے کی اب ضرورت باقی نہ رہی کہ اصلاحات کی دوسری قسط مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاستی عوام کی شعوری و سیاسی بیداری کے سامنے تمام محاذوں پر واضح ناکامی کے بعد ایک سوچی سمجھی شاطرانہ چال کے تحت فرسودہ اور بدنام طرزِ نظام کو ایک جدید طرز کے آمرانہ ڈھنگ میں تبدیل کرنے کے لئے وجود میں لایا تھا۔ تاکہ دوعملی کو قانونی حیثیت دے کر ریاست کی ایک بڑی سیاسی جماعت کو اس نظام کے تحفظ کے لئے استعمال کیا جائے۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ میں نیشنل کانفرنسیوں کو اندازہ ہوا کہ ان کا نمائندہ جاگیردارانہ وزارت میں شطرنج کے ایک پیادہ سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا۔ چاہے وہ کتنے ہی عرصہ تک کابینہ میں رہے نہ وہ کوئی خاطر خواہ عوامی خدمت انجام دے سکتا ہے اور نہ اسے کوئی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس مہم میں مرزا محمد افضل بیگ کی فہم و فراست کو بھی خاصہ عمل دخل حاصل ہے جس نے اپنی جماعت کو موقعہ و محل سے باخبر رکھا اور جماعت کی ہدایت پر وزارت کی کرسی پر لات مار کر اپنی تنظیم سے والہانہ عقیدت کا اظہار کیا۔ بیگ صاحب کے اس ایثار و وفاداری کی اپنوں اور پرائیوں نے خوب داد دی۔

کیبنٹ مشن

ریاست جموں و کشمیر میں تند خو حکمران اور آزادی پسند رعایا کے درمیان

حقوق و پامالی کی کشمکش جاری تھی کہ برطانوی لیبر وزارت نے کیبنٹ مشن کو ہندوستان بھیجا جس کا سرسری تذکرہ بعید از معلومات نہ ہوگا۔

برطانوی ہند میں رقبہ کے لحاظ سے ریاست جموں و کشمیر سب سے بڑی ریاست ہے جہاں مطلق العنان حکومت زمانے کی رفتار سے بے نیاز ہو کر اپنے گرتے ہوئے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے ریاستی عوام کو قدم قدم پر ٹھوکریں مار رہی ہے۔ وہاں تاج برطانیہ جس نے دوسری عالمگیر جنگ جیت لی تھی۔ لیکن اس فتح کو حاصل کرنے میں اُس کی حالت کسی شکست خوردہ ملک سے کچھ بہتر نہ تھی۔ یہ محسوس کرنے لگی کہ ہندوستانی قوم کو اور زیادہ دیر تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسی جنگ کو دعوت دینی جو دوسری جنگ عظیم سے بھی مہیب ثابت ہوگی اور یہ جنگ اکیلے تاج برطانیہ کو لڑنی ہوگی جس کا انجام شکست و نامرادی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ دانشمندی اور عقل سلیم کا تقاضہ ہے کہ ہندوستانی قوم سے جو وعدے دوران جنگ کئے گئے ہیں انہیں عملی شکل دینے میں پہل کی جائے۔ ان دنوں برطانیہ میں مسٹر ایٹلی کی سرکردگی میں لیبر پارٹی برسر اقتدار آئی تھی۔ اس نے ہندوستان سے کئے ہوئے وعدۂ آزادی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپریل ۱۹۴۶ء میں برطانوی سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا لارڈ پیتھک لارنس کی قیادت میں ایک وفد قائدین ہند سے آزادی اور مسودہ آئین پر مذاکرات طے کرنے کے لئے ہند بھیجا۔ اس وفد میں سر اسٹیفورڈ کرپس برطانوی وزیر خارجہ اور مسٹر اے ڈی الیگزنڈر جیسے مدبر شامل تھے۔ وفد کے ممبروں نے ہندوستان کے تمام برگزیدہ قائدین سے دہلی اور شملہ میں تبادلۂ خیالات کئے اور طویل بحث و تمحیص کے بعد اپنی رپورٹ مرتب کی جس کے نتیجہ میں ۳ جون ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی آزادی کے مسودہ کا اعلان ہوا۔ مورخہ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو وائسرائے نے ایک

پریس کانفرنس میں ڈرامائی انداز میں آزادی کے مسودے [1] کا اعادہ کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو تاجِ برطانیہ اپنے تمام اختیارات ہندوستان کے نمائندوں کو منتقل کر دے گی۔

کشمیری عوام کا مطالبۂ آزادی

ہندوستان میں اس عظیم سیاسی انقلاب نے ساری دُنیا میں تہلکہ مچایا۔ دیسی ریاستوں میں رہنے والے کروڑوں لوگ ابھی یہ طے کرنے بھی نہ پائے تھے کہ اب اُن کی آئندہ حکمتِ عملی کیا ہوگی۔ وزارتی مشن کے سامنے شیخ محمد عبداللہ نے "کشمیری عوام کا مطالبۂ آزادی" کے عنوان سے ایک یادداشت (جس کو بعد ازاں "کشمیر چھوڑ دو" کے عنوان سے پمفلٹ کی صورت میں مشتہر کیا گیا

لہ۔ اس مسودے کے تحت ۲ جون کی رات کو تقسیمِ ہند کے بارے میں وی۔ پی۔ مینن کا مرتب کردہ مسودہ کانگریسی لیڈروں نے تسلیم کیا۔ اسی رات کو مسٹر جناح نے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ سے مشورہ کر کے پلان کی منظوری دے دی۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء کی رات کے ۷ بجے آل انڈیا ریڈیو پر سب سے پہلے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تقریر کی اور کہا سو سال سے آپ سب ایک دوسرے کے ساتھ رہتے چلے آ رہے تھے لیکن اب آپ ایک دوسرے سے جُدا ہو رہے ہیں کیونکہ متحدہ ہندوستان پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکا۔ اب صرف تقسیم ہی ناگزیر ہے ان کے بعد پنڈت جواہر لال نے تقریر کی انہوں نے جذباتی آواز میں کہا میں بالکل خوش نہیں ہوں لیکن تقسیم منظور کئے بغیر حل ناممکن تھا۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے بڑے سرد اور خشک لہجہ میں کہا۔ پلان منظور کرنا آپ کا کام ہے پاکستان زندہ باد۔ سردار بلدیو سنگھ نے بھی ایک مختصر سی تقریر کی۔ ۳ جون کو ہندوستان کے تاریخی باب میں ایک اہم حیثیت حاصل ہے۔

یہ پمفلٹ اب بالکل نایاب ہے) پیش کر کے جہاں اہلِ ریاست کی صحیح نمائندگی کی۔ وہاں دیسی ریاستوں کے رہنماؤں کی بروقت قیادت کا فریضہ بھی انجام دیا۔ یادداشت میں بیعنامہ امرتسر سے لے کر دورِ حاضرہ تک کے تمام اہم واقعات جن سے اس ساری ریاست میں اہلِ ریاست کو دوچار ہونا پڑا مفصل روشنی ڈالی گئی جس کا مختصر خلاصہ قارئین کے معلومات میں اضافہ کی خاطر ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ پمفلٹ میں ریاست جموں و کشمیر کی حکومت کی جانب سے اصلاحات کے ضمن میں رائج دھندلی کا تذکرہ کر کے حقائق کی یوں نقاب کشائی کی گئی ہے۔

"۱۹۳۹ء میں دستورِ اساسی میں تبدیلی کر کے دی گئی منتخب ممبران کی تعداد حلقے کے ووٹروں سے علیحدہ ہو کر حکومت کے ساتھ ہو گی۔ اس قسم کی نام نہاد اصلاحوں کا مجموعی نتیجہ منتخب شدہ ممبروں کی قوت کو کمزور کرنا ہوتا ہے۔ مجلس قانون ساز کا صدر ہز ہائینس کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے اور عام طور پر وہ حکومت، عدلیہ یا کسی انتظامی محکمے میں سے لیا جاتا ہے۔ اس کے بغیر صدر کو اپنے اُن فرائض کے علاوہ دیگر عہدوں کے فرائض انجام دینے سے روکنے کے لئے کوئی بندش نہیں ہے۔ ایک صدر بیک وقت وزیرِ قانون، چیف جسٹس، وظیفہ بورڈ کا صدر اور قائم مقام وزیرِ اعظم ہوتا ہے اس پر شاید مبارک باد دی جائے کہ اس کے ساتھ وہ ریاستی افواج کے کمانڈر نہیں ہے۔

جس طریقے سے انتخاب کے حلقے تقسیم کئے گئے ہیں۔ اس سے قانونی مشین کے غیر حقیقی ہونے پر کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ ریاست کے بہت بڑے علاقے جن میں ہزاروں لوگ آباد ہیں اُن کو حقِ رائے دہندگی سے زبردستی محروم کر دیا گیا ہے کیونکہ ان علاقوں کی نمائندگی کرنے والے ممبر نامزد کئے جاتے ہیں۔ اس قسم کے حلقے مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ لداخ کا پورا سرحدی علاقہ اس طرح ریاست میں بُدھ مت کے ماننے والے تمام لوگ حقِ رائے دہندگی سے محروم ہو گئے ہیں۔

۲۔ پونچھ اور چنہینی جاگیر کے تمام ہندو

۳۔ سری نگر شہر میں رہنے والے تمام ہندو ماسوائے کشمیری پنڈتوں کے۔

۴۔ وہ سکھ جو جموں، اودھمپور، ریاسی، کٹھوعہ، جنوبی کشمیر سو سری پرتاپ سنگھ پورہ کی وزارتوں میں رہتے ہیں (بحوالہ دفعہ ۱۴ جموں و کشمیر ایکٹ ۱۹۳۹ء شیڈول ۳ اور ۴)

یادداشت میں فائنانس، فوج کے اخراجات، فوجی بھرتی اور مہاراجہ کے ذاتی اخراجات کے بارے میں جو تفصیل دی گئی ہے وہ کچھ کم عبرتناک نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

ایک جمہوری نظام کی کسوٹی یہ ہوتی ہے کہ اُسے فائنانس کے اور کتنے اختیارات ہیں۔ ہماری ریاست میں اول تو کل اخراجات میں سے ۳۶ فیصد (جس میں فوج کے اخراجات اور خرچۂ خاص کے اخراجات شامل ہیں) کانسٹی ٹیوشن ایکٹ دفعہ ۴۰ کی رُو سے اسمبلی کے حقوق رائے دہندگی سے مستثنیٰ کر دیئے گئے ہیں۔ تمام مدوں کے اخراجات میں سے جنہیں اسمبلی نے رد کر دیا ہو دفعہ ۵[illegible] کی رو سے وزارتی کونسل کو یہ اختیارات ہیں کہ وہ اسے پاس کریں اور وزراء کی کونسل اسمبلی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتی۔

ہماری ریاست کی فوج کا سب سے متنازعہ پہلو ریاست کی فوج میں بھرتی کرنے میں امتیازی سلوک روا رکھنے سے ہے ریاست کی فوج میں سوائے ڈوگرہ کے چند فرقوں کے کسی بھی کشمیری کو چاہے وہ مسلمان ہو، سکھ یا پنڈت ہو بھرتی ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ جنگ کے دوران کشمیریوں نے اپنی فوجی قابلیت کے جوہر صرف ہندوستانی فوج میں بھرتی ہو کر دکھائے ہیں۔ کشمیریوں کی یہ زبردست توہین ہے کہ ایک طرف تو انہیں پوری نشوونما حاصل کی ہوئی ذات کا درجہ دیا جائے اور دوسری جانب ان سے یہ بھی کہا جائے کہ وہ ایک بیرونی فوج کے کل اخراجات کا بوجھ اپنے کندھوں پر سنبھالیں۔

راجہ کا خرچ خاص ہماری ریاست کے اخراجات کا اہم جزو ہے بظاہر تو یہ ریاست کی کل آمدنی کا محض ۵ فیصد ہے لیکن شاہی گودام، محکمہ رسومات ہز ہائی نس کا موٹر خانہ، شکارگاہوں کے علاوہ کچھ اور خرچ خاص اخراجات میں شامل نہیں۔ دراصل یہ سب اسی کا ایک حصہ ہے۔ ان سب محکمہ جات پر مجموعی خرچہ بارہ لاکھ صرف ہوتے ہیں۔ ایک اور "مد" جب ہز ہائی نس تخت نشین ہوئے تو ان کی جاگیر اس لئے ریاست میں شامل کر دی گئی کہ وہ بیک وقت حکمران اور رعایا دونوں نہ ہوں۔ اس لئے اس جاگیر کا معاوضہ ساڑھے آٹھ لاکھ روپے سالانہ مہاراجہ کو علیحدہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ انکم ٹیکس اور دوسرے ٹیکسوں سے مستثنیٰ ہیں۔

یادداشت میں کشمیر کی پسماندگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے جاگیر چنہینی کے راجہ کی خرمستیوں اور کارستانیوں کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے لہ

لہ۔ یہ شخص اپنی رعایا کی بہو بیٹیوں کو اغوا کرنے اور اُن سے حرامکاری کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتا ہے۔ چنہینی جاگیر کے کئی باشندوں نے جموں اور دوسرے علاقوں میں آکر اسکے خلاف پولیس تھانوں میں [illegible] رپورٹیں درج کرائیں۔ ۸۔ مارچ ۱۹۴۷ کو مہاراجہ ہری سنگھ نے انہی مجرمانہ حرکتوں پر اسکے اختیارات محدود کرنے کا حکم جاری کیا۔ ۵۔ اپریل ۱۹۴۸ء کو شیخ صاحب کی حکومت نے جاگیر چنہینی کا نظم و نسق مکمل طور پر اپنے ہاتھ میں لیا اور اس خود ساختہ ریاست کو ضلع اودھمپور میں مدغم کیا گیا۔

ریاست چنہنی نام کی ایک جاگیر ہے جہاں کی غیر ذمہ دار حکومت کے ظالمانہ حرکات سے بیزار ہو کر یہاں کے لوگ بغاوت پر تلے بیٹھے ہیں وہ چند لوگ جو جموں سے سری نگر کی شاہراہ کے ذریعے گذرتے ہیں اس کا اندازہ بخوب لگا سکتے ہیں کہ اس خطہ ارض پر جہاں یہ واقع ہے انسانی حقوق پر کس بے شرمی سے ڈاکہ زنی کی جاتی ہے۔

اپنی رعایا پر جاگیر دار کو لا انتہا اختیارات حاصل ہیں، چنہنی کے باشندوں کی زندگی اور اُن کا اثاثہ برس ہا برس سے مطلق العنان اختیارات کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا ہے۔ تجارت اور پیداوار میں اس کی اجارہ داری ہے وہ غیر قانونی طور سے بیہودہ بہانے بنا کر زمین پر قبضہ جما لیتا ہے۔ چونکہ پولیس، جیل اور قانون کی تمام مشینری اس کے ہاتھ میں ہے اس لئے اس کی ان حرکتوں کو لگام دینے والا کوئی نہیں ہے۔ ٹیکس جمع کرنے والا۔ اناج پر کنٹرول کرنے والا، فوجداری اور دیوانی کا جج بھی یہی ذات گرامی ہے وہی دکاندار بھی ہے جو کنٹرول شدہ اشیاء فروخت کرتا ہے وہی غریب کنگال کسانوں کو موٹے شرح سود پر قرض دیتا ہے اسی کو سیشن جج اور ڈسٹرکٹ جج کے اختیارات حاصل ہیں اور وہی اپیلیں سنتا ہے حیرت کا مقام تو یہ ہے کہ یہ جاگیردار راجہ خود ان پڑھ ہے اور قانون کے اصولوں سے قطعی ناواقف بھی۔

یادداشت میں بیعہ نامہ امرتسر کو زیر بحث لاتے ہوئے کیبنٹ مشن سے کہا گیا کہ ہندوستان کی آزادی کے ساتھ ہی کشمیری عوام کے اس مطالبے کو تسلیم کیا جائے کہ یہ بیعہ نامہ آزادی ہند کے ساتھ ہی منسوخ قرار پائے گا اور کشمیر کی آزاد حیثیت تسلیم کی جائے۔

ہم اس بیعہ نامہ کے اخلاقی اور سیاسی نقطۂ نظر کے جائز ہونے کے دعوی کو چیلنج کرتے ہیں اس دستاویز کی رُو سے کشمیر کے عوام کو ۱۸۴۶ء سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑا گیا ہے آج ہندوستان کے باشندوں کا مستقبل زیر بحث ہے اور برطانوی وزارتی مشن مستقبل کے ہندوستان کا دستور اساسی بنانے میں مصروف ہے۔ راجوں اور نوابوں کے مُبلغ ناموں کے حقوق ہی ریاستوں کے عوام اور ریاستی حکومتوں اور راجوں اور نوابوں کے اختیاراتِ اعلیٰ کے مابین وجہ تنازعہ بنے ہوئے ہیں۔ کشمیر کے معاملے میں تو اس رشتہ کو تاریخی پس منظر میں دیکھنا نہایت اہم ہے۔

ہمارے کہنے کا حاصل مقصد یہ ہے کہ جس بیعہ نامہ کی رُو سے کشمیر ڈوگرہ خاندان کے ماتحت آیا اس میں وہ اختیارات نہیں ملتے جو ان نام نہاد مُبلغ ناموں کے حقوق کے نام سے محکوم ریاستوں کے وارث حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بحیثیت کُل خود کشمیر کی مثال ٹھوس دلائل پر مبنی ہے۔ کشمیر کے عوام وزارتی مشن کی توجہ برطانوی حکومت کے چلے جانے کے بعد اپنے مطالبہ آزادی کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ ۱۸۴۶ء کا بیعہ نامہ جسے "مُبلغ نامہ امرتسر" کا غلط نام دے دیا گیا ہے اس اُلجھن کو بالکل صاف کر دیتا ہے۔

کوئی بیعہ نامہ کتنا ہی سخت کیوں نہ بنایا جائے لیکن وہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ چالیس لاکھ مرد اور عورتوں کو ایک ایسے مطلق العنان شخص کی غلامی کے سپرد کر دے جس کے ماتحت وہ ایک منٹ کے لئے بھی رہنا گوارہ نہیں کرتے ہوں۔ ہم کشمیری عوام اپنی قسمت کو خود تعمیر کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں اور ہم وزارتی مشن کے ممبران سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہمارے بلند مقصد کی سچائی اور اس کی پائیداری کو تسلیم کریں۔

یادداشت کے خاتمے پر مطالبہ کیا گیا کہ آزاد ہندوستان کی مجلس دستور سازی

میں ریاستی عوام کو اپنے منتخب شدہ نمائندوں کو بھیجنے کا جمہوری حق حاصل ہونا چاہیئے۔

کیبنٹ مشن نے اس یادداشت پر کوئی رائے زنی نہیں کی۔ البتہ ایک لحاظ سے اس یادداشت کو کشمیر میں آنے والے انقلابی طوفان سے پہلے کی خاموشی بھی کہا جا سکتا ہے۔

وزارتی مشن سرینگر میں

وزارتی مشن کے ممبران ۱۹ اپریل کو سری نگر۔ ہوائی اڈے پر اترے جہاں اُن کا استقبال ریاستی وزیر اعظم رام چندر کاک اور برطانوی ریذیڈنٹ لیفٹنٹ کرنل ریب نے کیا۔ مشن نے سری نگر میں قیام کے دوران مہاراجہ ہری سنگھ سے کئی ملاقاتیں کیں۔ مُسلم کانفرنس، نیشنل کانفرنس کی سیاسی تنظیموں کے علاوہ کشمیری پنڈت سبھا اور دوسری چھوٹی چھوٹی سوسائیٹیوں کی طرف سے مشن کو میمورنڈم، تاریں اور خطوط مشن کے پرنسپل انفارمیشن آفیسر مسٹر جالنسکو کے معرفت بھیجی گئیں۔ مُسلم کانفرنس نے اپنے میمورنڈم میں کشمیر کی سیاسی جدوجہد کے مختلف ادوار کا تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہوئے ریاستی مُسلمانوں کی زبوں حالی کا مُدعا وا ذمہ دار نظامِ حکومت کے حصول کو ٹھہرایا اور مُسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان کی حمایت کی۔ نیشنل کانفرنس نے وزارتی مشن کو جو برقیہ بھیجا۔ اُس کا متن درج ذیل ہے :۔

نیشنل کانفرنس آپ کو خوش آمدید کہہ کر آپ کے مکمل آرام کی خواہشمند ہے۔ اور آپ کو اپنی مساعی میں کامیاب دیکھنے کی متمنی ہے نیشنل کانفرنس ہندوستان کے سیاسی مسئلے کے لئے یہ حل تصور کرتی ہے کہ صوبہ جات کی نئی حد بندی کے بعد قومیتوں کو حق خود ارادیت اور علیحدہ ہونے کا حق دیا جائے۔ ہم مکمل آزادی کے حامی ہیں، ہندوستان سے برطانوی فوجوں کو ہٹانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر ہندوستان کی سیاسی جماعتیں آپس میں کوئی تصفیہ نہ بھی کر سکیں، تو بھی ہندوستان سے برطانوی افواج کو فوراً ہٹا لیا جائے۔ ریاستوں کے متعلق نیشنل کانفرنس کا مطالبہ ہے کہ آئین ساز اسمبلی میں ریاستی باشندوں کے نمائندے لئے جائیں کانفرنس ریاستی حکمرانوں کو غیر ضروری سمجھتی ہے جب تک کہ وہ اپنے آپ کو ذمہ دار نظامِ حکومت کے تحت آئینی حکمران کی حیثیت قبول نہ کریں۔ ریاست جموں وکشمیر میں دو عملی حکومت کا طریقہ ناکام ہو چکا ہے اور ہم مکمل انتقال اختیارات چاہتے ہیں۔ کشمیر میں موجودہ حالات ناقابلِ برداشت ہیں جبکہ شہری آزادی چھین لی گئی ہے۔ حکومت کشمیر صرف تعزیری قوانین سے زندہ ہے، دلسوز غربت، حد درجہ لاعلمی اور طبعی ذرایع وغیرہ فوری مسایل نظر انداز کئے گئے ہیں عوام کو موجودہ پرائم منسٹر پر کوئی اعتماد نہیں ہے جو کہ مہاراجہ بہادر کو غلط مشورے دے رہا ہے۔ آپ حضرات کے سامنے بھی صحیح واقعات کے بالکل برعکس تصویر پیش کی جائے گی۔ نیشنل کانفرنس اسمبلی میں سب سے بڑی مخالف پارٹی ہے۔ حال ہی میں اس پارٹی کا ایک ممبر مہاراجہ بہادر کی وزارتی کونسل میں بطور ایک عوامی منسٹر کے شامل ہوا تھا جس کو موجودہ پرائم منسٹر کی حیلہ دوانیوں اور چالاکیوں کی بناء پر مجبوراً مستعفی ہونا پڑا۔

نیشنل کانفرنس ریاست میں رہنے والے عوام ہندو، مسلمان اور سکھوں کی نمائندہ جماعت ہے۔"

اس طرح ایک اور بار نیشنل کانفرنس نے بحثیت جماعت وزارتی مشن کے سامنے

اپنے مقصد کی نہ صرف بھرپور وضاحت کی بلکہ وزیراعظم رام چندر کاک پر اپنے عدم اعتماد کا اظہار کر کے اس کی انا کو جھنجھوڑا۔

وزارتی کیبنٹ مشن کے ہند میں آنے سے قبل ہی ریاستی حکمرانوں کے اوسان میں ہندوستان کے بدلتے ہوئے سیاسی خدوخال نے لرزہ طاری کیا تھا۔ انہیں اپنا راج سنگھاسن کی بنیاد ڈگمگاتی ہوئی، جھکتے گھٹتا ہوا نظر آنے لگا اور ان کے اوسان خطا ہونے لگے۔ چنانچہ لارڈ ویول وائسرائے ہند نے ان کی اسمبلی گزرنے کے بعد دباؤ کو محسوس کر کے جنوری ۱۹۴۶ء میں ایوان شہزادگان ہند کے اجلاس کی افتتاحی تقریب میں انہیں ڈھارس دیتے ہوئے یقین دلایا کہ ان کی منشائے مبارک کے خلاف ریاستوں میں کوئی آئینی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ اور ان کے ساتھ کئے ہوئے معاہدوں کی تقدیس برقرار رکھی جائے گی۔ ریاستیں شہری انتظام کے فن میں آگے نکل گئی ہیں اور ملک کے دوسرے حصے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن سب ریاستوں کے حق میں ایسا نہیں کہا جا سکتا ہے۔ بڑی بڑی ریاستوں میں زیادہ خرچ کیا جاتا ہے لیکن چھوٹی ریاستوں میں روپے کی کمی کے باعث حکمران اس کے ذمہ دار گردانے نہیں جا سکتے۔ لیکن اس نظام میں بھی اسی طرح ردوبدل کیا جا سکتا ہے۔

لہ۔ چھوٹی ریاستوں کے سلسلے میں بٹلر کمیٹی کی رپورٹ کا جائزہ خالی از دلچسپی نہیں۔ رپورٹ کے مطابق ہندوستان میں کل ۵۶۲ ریاستیں ہیں۔ ہندوستانی ریاستوں کا کل رقبہ ...۷۱۰ مربع میل ہے اور یہ رقبہ سارے ہندوستان کا تقریباً آدھا حصہ ہے۔ ریاستوں کی کل آبادی ۹ کروڑ کے لگ بھگ خیال کی جاتی ہے۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق سارے ہندوستان کی آبادی چالیس کروڑ کے قریب ہے۔ ایک ریاست کی کل آبادی ۲۷ اور ایک دوسری کی ۹۰ نفوس پر مشتمل ہے۔ ۲۸ ریاستوں کی آبادی ۵۰۰ سے کم اور ۳۳ ریاستوں کی آبادی جو رقبہ ۳۹ ہے

کہ رعایا چین اور امن کی زندگی گزار سکیں۔ اس کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ (۱) سیاسی بنیاد مضبوط ہو۔ (۲) مالی وسائل کافی ہوں۔ (۳) انتظامات میں رعایا کا ہاتھ ہو۔ اگر کوئی ریاست ان شرائط کو پورا نہ کر سکے تو وہ کسی بڑی ریاست میں مدغم کی جا سکتی ہے یا چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو اکٹھے ملا کر ایک الگ سیاسی نظام کا قیام عمل میں لایا جا سکتا ہے جو ایک وسیع رقبہ پر پھیلا ہوا ہو۔ اور جس میں فیڈرل سسٹم رائج کیا جائے اور ان کے ساتھ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے جو تعلقات ہیں ان میں معمولی ردوبدل کیا جا سکے۔

وائسرائے کے ان خیالات پر ریاستی ہند کے ۹ کروڑ ساٹھ لاکھ باشندوں نے اپنے شدید غم و غصہ کا اظہار کیا اور اس خیال کو سامراجی دماغ کی ابدی غلامی کا منصوبہ قرار دے کر رد کیا۔ ہندوستان کی ۵۶۲ ریاستوں سے کم و بیش ہر ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵) کی آبادی ایک ہزار سے کم ہے۔ سب سے بڑی ریاست حیدرآباد ہے جس کی آبادی ڈیڑھ کروڑ کے قریب ہے۔ اعداد و شمار ۱۹۳۱ء کے ہیں ان میں دس فیصد کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک ہندوستانی والی ریاست صرف ایک چاؤ پر حکومت کرتا ہے۔ ۱۴ ریاستوں کا رقبہ ایک مربع میل سے کم ہے اور ۳۰ ریاستوں کا رقبہ ایک اور پانچ میل کے درمیان ہے۔ صرف ۲۱ ریاستیں بڑی ہیں۔ ایک ریاست کی سالانہ آمدنی ۸۰ روپے اور دوسری ریاست کی آمدنی ۹۳ روپے ہے۔ ۱۶ ریاستوں کی سالانہ آمدنی ایک ہزار سے زیادہ نہیں۔ ۱۴۳ کی دس ہزار روپے سالانہ آمدنی ہے۔ بڑی آمدنی والی ریاستوں کی تعداد بہت کم ہے۔ نظام حیدرآباد کی ریاست سب سے امیر شمار کی جاتی ہے سالانہ آمدنی ساڑھے بارہ کروڑ روپے ہے۔ جموں و کشمیر کی ریاست رقبہ کے لحاظ سے ہندوستانی ریاستوں میں سب سے بڑی ہے سالانہ آمدنی دو کروڑ سینتالیس لاکھ۔ جس میں سے ڈیڑھ کروڑ روپے فوجی اخراجات سالانہ ہے۔ آبادی تقریباً چالیس لاکھ۔

آواز سنائی دینے لگی کہ آج سے سوا سو سال قبل تاجِ برطانیہ اور والیانِ ریاست کے درمیان جو کرم خوردہ معاہدے ہوئے ہیں نہ تو اُن کی توثیق ہو سکتی ہے اور نہ اُن معاہدوں میں ریاستی عوام فریق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ تو دو ڈاکوؤں کے درمیان لوٹ کے مال پر بندر بانٹ ہوئی تھی۔ ان معاہدوں کے تحت پوری ایک صدی تک ریاستی عوام کو بھیڑ بکروں جتنی اہمیت بھی نہیں دی گئی۔ اور فی زمانہ جس شرمناک طریقے پر ان فرسودہ خیالات کی تشہیر کی جا رہی ہے وہ ریاستی باشندوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے۔ ریاستی حکمران ایسی صورت میں اپنے وجود کو قائم رکھ سکتے ہیں جب وہ اپنے تئیں آئینی حکمران بننے کے لئے تیار کریں اور ریاستوں میں جمہوری نظام لاگو کریں۔ دستور ساز اسمبلی میں نمائندگی کا حق والیانِ ریاست کو نہیں بلکہ ریاستوں کے باشندوں کو ملنا چاہیے۔

سٹیٹ پیپلز کانفرنس کا نائب صدر

ان ہی دنوں اودے پور میں آل انڈیا سٹیٹ پیپلز کانفرنس کا سالانہ اجلاس پنڈت جواہر لال نہرو کی صدارت میں ہو رہا تھا۔ انہوں نے اس نئے سامراجی راگ کو سن کر اپنے خطبۂ صدارت میں واشگاف الفاظ میں شہزادگانِ ہند کو انتباہ کیا کہ بدلتے ہوئے حالات میں انہیں کوئی دوسری طاقت محفوظ نہیں رکھ سکتی ہے اور نہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے مجموعہ کو ایک بڑی ریاست کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ایسی ریاستوں کو صوبوں کے ساتھ ملا کر ان کے حکمرانوں کو کچھ پنشن دیا جائے گا۔ بڑی ریاستوں کو جو پورے ہندوستان میں پندرہ سے بیس تک ہیں، مرکزی فیڈریشن میں خودمختار حیثیت دی جائے گی۔ اُن کے حکمرانوں کو جمہوری نظام اپنانا ہوگا۔

اودے پور کے اسی سیشن میں شیخ محمد عبداللہ سٹیٹس پیپلز کانفرنس کے نائب صدر منتخب ہوئے۔ اجلاس کے اختتام پر شیخ صاحب نے ملک کے مختلف حصوں کا دورہ کیا۔ بمبئی میں مہاراجہ ہری سنگھ سے ملاقات کی خواہش کی مگر اس نے عذرِ ناسازیِ طبع کا بہانہ کیا۔ یہی وہ دور تھا جب شیخ محمد عبداللہ نہ صرف ریاستی ہند کا مسلمہ رہنما قرار پایا بلکہ ہندوستان کے صفِ اول کے قائدین میں اُن کا شمار ہو رہا تھا۔ کانگریس کے پنڈال سے جہاں ان کی بے لوث قیادت، اولوالعزمی اور بیدار مغزی کے قصیدے پڑھے جا رہے تھے وہاں مسلم لیگ کے سٹیج سے ان کو کانگریس رہنماؤں کے ہاتھوں بکنے والا ملتِ اسلامیہ کا غدار اور ملت فروش کہا جا رہا تھا۔ عبداللہ نام سے ریاستی حکمرانوں کے ایوانوں میں دہشت پھیلی ہوئی تھی۔ غرض شیخ محمد عبداللہ کو اپنے سیاسی نظریات، بے خوف اندازِ بیان اور سیاسی دلائل کی وجہ سے کہیں محبوب اور کہیں معیوب خیال کیا جاتا تھا۔

پورے ملک کے دورے کے بعد جب شیخ صاحب دہلی پہنچے تو پنڈت جواہر لال نہرو نے بحیثیت صدر آل انڈیا سٹیٹ پیپلز کانفرنس کے چیمسفورڈ کلب میں ایک پریس کانفرنس دی جس میں دنیا کے تقریباً تمام بڑے ممالک کے اخباری نمائندے

لہ: انگریزی مورخین اس امر پر متفق ہو گئے ہیں کہ ہندوستان میں ابتدائے سلطنتِ انگریزی یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ۲۳ جون ۱۷۵۷ء سے شمار ہونی چاہیے کہ اُس دن بمقام پلاسی بنگال پر لارڈ کلائیو نے سراج الدولہ کو جو مغلیہ سلطنت کی طرف سے اُس زمانے میں بنگال کا صوبیدار تھا شکست دی اور میر جعفر کو صوبیداری کی مسند پر بٹھایا اور شاہ عالم بادشاہ دہلی سے اس کی منظوری حاصل کی۔ اس سلسلے میں دوسری تاریخ جو قابلِ ذکر ہے ۱۲ اگست ۱۷۶۵ء ہے جب شاہ عالم بادشاہ دہلی نے اپنے فرمان کے ذریعہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال، بہار اور اڑیسہ پر حکمرانی کی سند دی اور اس کے ساتھ جملہ دیگر ہندوستان کے حصے جو کہ اس وقت تک کمپنی کے قبضے میں آ چکے تھے ان کی نسبت اُن کی حکومت کو بحال کیا۔
(لیکچر سید محمود بیرسٹر ایٹ لا ——— اجلاس ہشتم محمڈن ایجوکیشن کانفرنس علی گڑھ)
۲۸ دسمبر ۱۸۹۳ء

نے شرکت کی۔ کانفرنس کے غرض و غایت بیان کرتے ہوئے پنڈت جی نے کہا۔

"برطانوی ہند کی آزادی میں لازماً ہندوستانی ریاستوں کی آزادی شامل ہونی چاہئیے ورنہ ہندوستان میں قیام امن ناممکن ہے۔"

اس کانفرنس میں شیخ صاحب نے مہمان خصوصی کی حیثیت میں شرکت کی۔ انہوں نے اپنے سیاسی عقیدے اور خیالات کا اظہار کرتے ہوئے مختلف موضوعات پر نامہ نگاروں کے سوالات کا جو جواب دیا اُس کا خلاصہ یوں ہے:۔

ہندوستانی صوبجات کی لسانی، تہذیبی اور نفسیاتی بنیادوں اور دیگر اُن تمام مشترکہ خصائص کو ملحوظ رکھ کر نئی حد بندی کی جائے جو ایک قومیت کے لئے ضروری اجزا ہو سکتے ہیں۔ یہ تمام کام مکمل کرنے کے فوراً بعد ہر ایسی وحدت کو ایک خود مختار وحدت تسلیم کی جائے اور کسی پابندی کے بغیر خود ارادیت کا حق تسلیم کیا جائے۔ ہر ایک وحدت کو یہ حق ہونا چاہئیے کہ مجوزہ فیڈریشن کے ساتھ الحاق کرے یا نہ کرے اور اگر کسی وقت الحاق کرے بھی تو اس کو اس کے ساتھ ہی یہ حق حاصل ہونا چاہئیے کہ جب کبھی یہ مناسب سمجھے تو اس فیڈریشن سے علیحدگی اختیار کرے۔ اسلئے ہم مکمل حق خود ارادیت کے حامی ہیں اور جو کچھ میں نے کہا اس تمام پس منظر کو مدنظر رکھ کر ہماری رائے ہے کہ اگر حق خود ارادیت کو صرف مذہبی بنیادوں پر عمل میں لایا گیا۔ تو ایسی صورت سائنٹفک نہیں ہو سکتی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ صورت خطرناک اور رجعت پسندانہ ہوگی۔ میں بے شک متحدہ ہندوستان کا خواہاں ہوں گا جس میں ہماری قسمت کی نگرانی اور رہبری موثر طریقے سے ہو سکے لیکن وہ یکجہتی جابرانہ نوعیت کی نہیں بلکہ رضامندانہ ہونی چاہئیے۔

ریاستوں کے باشندے اب پہلے سے زیادہ بیدار ہو چکے ہیں اور ان میں ایک وسیع سیاسی بیداری پیدا ہو چکی ہے کوئی ایسی بات جس میں اُن کو نظر انداز کیا جائے گا۔ خودکشی کے مترادف ہوگی۔ ہم کسی سے بھیک نہیں مانگتے۔ ہمارے مطالبات کی پُشت پر ایک منظم اور متحد عوامی طاقت ہے جس وقت ہندوستان کی آئین سازی کا وقت آئے گا۔ تو ریاستی ہندوستان کے باشندے اس امر کا دعویٰ کریں گے کہ وہ اپنی قسمت کا فیصلہ خود کریں گے اور وہ تماشبین کی حیثیت میں خاموش نہیں بیٹھیں گے۔

اس موقعہ پر ایک امریکی صحافی نے شیخ صاحب سے دریافت کیا کہ نیشنل کانفرنس ریاست میں کتنے لوگوں کی نمائندہ جماعت ہے۔ اس مرحلے پر پنڈت جواہر لال نہرو نے مداخلت کی اور کہا۔ یہ عجیب سوال ہے۔ نیشنل کانفرنس کی طاقت جاننے کے لئے آپ ایک بار کشمیر تشریف لے جائیں تو خود ہی اندازہ ہوگا کہ نیشنل کانفرنس کس طاقت کی مالک ہے۔

قدم قدم پر نئے ہنگامے

دہلی سے واپسی پر شیخ محمد عبداللہ کو ریاست میں جس غیر متوقع صورت حال کا سامنا کرنا پڑا وہ تھا جموں شہر میں عید میلاد النبیؐ اور جنم اشٹمی کے موقع پر ہندو مسلم فساد، جس میں تقریباً پچاس زخمی اور پانچ افراد کی موت واقع ہوئی تھی۔ اس افسوسناک حادثہ نے وادی میں بھی حالات مخدوش بنا لئے تھے۔ اس واقعہ سے نیشنل کانفرنس کے بعض سرکردہ اشخاص اس قدر متاثر ہوئے تھے کہ انہوں نے بڑی سُرعت سے اپنے قوم پرستانہ نظریئے پر دوبارہ غور کرنا شروع کیا تھا اور ان حلقوں میں یہ آواز صاف سُنائی دینے لگی کہ ریاست میں نیشنل ازم کا تجربہ ناکام ہوا ہے، اس لحاظ سے مسلم کانفرنس کو اپنایا جائے۔ چنانچہ نیشنل کانفرنس کے قائم مقام سیکرٹری غلام محی الدین قرہ کے دستخط سے کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے تمام سرکردہ مسلم ممبروں کو ایک سرکولر نما خط اس نظریہ کی حمایت میں اور اُن کی رائے جاننے کے لئے بھیجا گیا۔ اس خیال کی مخالفت

کرتے ہوئے راجہ محمد اکبر خان نے کانفرنس کے سیکرٹری کو جواب دیتے ہوئے کہا۔ اگر آپ سب نیشنل کانفرنس کو چھوڑ کر مسلم کانفرنس میں شمولیت اختیار کریں گے تو میں اکیلا ہی اس جماعت کا پرچم بلند رکھوں گا۔ اس انداز فکر کے پس منظر میں یہ جذبہ کارفرما تھا کہ باوجود کوششیں[1] کشمیری پنڈتوں نے تاحال نیشنل کانفرنس کو دل سے قبول نہیں کیا ہے۔ قوم پرست مسلمانوں کی ذہنی اُلجھن کو سلجھانے کے لئے کئی محب وطن میدان میں اُترے اور انہوں نے کشمیری نیشنلسٹ ہندو لیڈروں اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان خصوصی میٹنگ کا اہتمام کرایا جہاں شیخ محمد عبداللہ نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا مجھ پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ یہاں نیشنل ازم کا تجربہ فیل ہوا ہے اور ہمیں مسلم کانفرنس میں شامل ہونا چاہئے۔ میری خواہش ہے کہ غیر مسلم میرے ہاتھ مضبوط کریں تاکہ میں اس دباؤ کا مقابلہ کر سکوں۔

اس اجلاس میں پنڈت کشیپ بندھو انچارج ایڈیٹر روزنامہ خدمت بھی موجود تھا۔ جب اس سے دریافت کیا گیا کہ "خدمت"[2] میں وزیر اعظم کاک کی عوام کش پالیسی کے بارے میں آپ کا قلم کیوں خاموش ہے اس نے جواب دیا — "وہ واحد کشمیری ہے جس کا میں احترام کرتا ہوں آپ لوگ ناحق اس کے خلاف ہیں۔" اس پر شیخ صاحب نے اسے مخاطب ہو کر کہا — "اس وقت ہم کاک سے جنگ کی حالت میں ہیں۔ جنگ اور محبت میں ہر چیز جائز ہے۔" ساتھ ہی بندھو جی، مہاراج کو مشورہ دیا

۱؎ کشمیری پنڈتوں کا تعاون و اعتماد حاصل کرنے کیلئے شیخ محمد عبداللہ نے رضاداری کے ایک جلسے میں ہر ہر مہادیو کا نعرہ بھی لگایا۔ مگر وہ اس نعرے کو مسلمانوں میں مقبول نہ بنا سکا۔

۲؎ اخبار خدمت اُن دنوں نیشنل کانفرنس کا آفیشل آرگن تھا جب ۱۹۶۴ء میں ریاست میں آل انڈیا کانگریس در آمد کی گئی تو یہ اخبار اس جماعت کا آفیشل آرگن قرار دیا گیا اور یہ اخبار گذشتہ ۳۵ (پینتیس) برس سے شری نند لال واتل کی زیر ادارت نکل رہا ہے۔

دیا گیا کہ وہ فی الحال کچھ عرصہ کے لئے اپنا آبائی گاؤں چلا جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دوسرا احمد یار ثابت ہو۔ میٹنگ میں طے شدہ فیصلے کے مطابق بندھو جی کو روزنامہ "خدمت" کی ادارت سے الگ کیا گیا۔ اور خدمت کی ادارت حکیم غلام محی الدین کو سونپی گئی۔ کشمیری قوم پرست پنڈتوں کی جانب سے وزیر اعظم رام چندر کاک کے خلاف "چارج شیٹ" کے عنوان سے ایک پمفلٹ شائع ہوا جس میں شیخ محمد عبداللہ کی قیادت پر مکمل اعتماد و یقین کا اظہار کیا گیا۔ اس [illegible] عبداللہ نے تحریک کشمیر تحریک کو چلانے کے لئے وقتی طور دونوں کے [illegible] پیدا کر کے زمین ہموار کی۔

سیاسی اتحاد کی ایک اور کوشش

اس ضمن میں شیخ محمد عبداللہ نے مسلم کانفرنس لیڈروں سے سمجھوتہ اور متحدہ محاذ قائم کرنے کی بھی کوشش کی۔ شیخ محمد امین آشکیدار کے دولت خانہ واقع گھمرل باغ میں شیخ محمد عبداللہ اور چودھری غلام عباس کے درمیان کئی میٹنگیں ہوئیں۔ مگر اتحاد نہ ہو سکا۔ کیونکہ مسلم کانفرنس رہنما جو اکثر معمولی فرقہ وارانہ شکایات سے متاثر ہوتے رہے ہیں، جاگیرشاہی نظام کو ختم کرنے کے سلسلے میں زیادہ دلچسپی کا ثبوت نہ دے سکے۔ چنانچہ انہوں نے متحدہ محاذ کے لئے یہ شرط پیش کی کہ شیخ محمد عبداللہ اپنے غیر مسلم ساتھیوں کو چھوڑ دیں اور نیشنل کانفرنس کو مسلم کانفرنس میں مدغم کریں۔ اس نقطے پر بات چیت کا رابطہ ٹوٹ گیا اور وہ سیاسی یگانگت حاصل نہ ہو سکی جس کی اس دور میں ضرورت تھی۔ بعد ازاں شیخ محمد عبداللہ نے اپنی تقریروں میں انہیں مخاطب ہو کر کہا، اگر میرے قربان ہونے سے ملک آزاد ہوگا تو میں اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔ یہ مسلم کانفرنس سے مقابلہ نہیں ہے

بلکہ میری خواہش ہے کہ وہ بھی ہمارے ساتھ مل کر جدوجہد کریں۔ اگر اُن میں ہمت نہیں تو دُعا کریں اور اگر یہ بھی ممکن نہیں تو کنارہ کش رہیں۔ اس طرح ایک نئی تحریک کے لئے ریاست میں شیخ محمد عبداللہ زمین ہموار کرنے لگے۔

اتحاد اور یگانگت کی اس مجروح سعی پر اپنے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے "پنڈت پریم ناتھ بزاز" اخبار "ہمدرد" میں مُسلم کانفرنسی مسلمانوں کو اپنے تیئں مشورہ دیتے ہوئے لکھا۔

"گذشتہ چند دنوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کئی مسلم کانفرنسیوں نے شیخ محمد عبداللہ اور اُن کی نیشنل کانفرنس کے سابق مُسلم کُش ریکارڈ کو بھول کر محض اس لئے اُن کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے ڈوگرہ شاہی راج کے خلاف آواز بلند کردی ہے۔ کئی مُسلم کانفرنسی یہ بھی سمجھنے لگے تھے کہ شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے رُفقاء مُسلم کانفرنس میں شامل ہونے والے ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مُسلم کانفرنس کے اندر سنجیدہ اور عاقبت اندیش عنصر کو فتح حاصل ہوئی ہے اور مسلم کانفرنسی سمجھ گئے ہیں کہ شیخ عبداللہ نے جو نیا جال بچھایا ہے وہ مسلمانانِ ریاست کی ترقی یا آزادی کے لئے نہیں بلکہ اپنی پارٹی کے کھوئے ہوئے وقار کو ازسرِنو قائم کرنے کے لئے ہے اس لئے مُسلمانوں کو کسی صورت میں اُن کا ساتھ نہیں دینا چاہیئے۔

(ہمدرد۔ ۱۸ مئی ۱۹۴۶ء)

گو کہ کوئٹ کشمیر تحریک کو چلانے کے لئے نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے کسی باضابطہ اجلاس میں فیصلہ نہیں لیا گیا۔ مگر کانفرنس کے ممتاز کارکنوں اور دوسرے رہنماؤں نے شیخ محمد عبداللہ کے وارد سرینگر ہونے سے قبل ہی اپنی تقاریر اور نجی گفت و شنید کے ذریعہ عوام کو متحدہ اور آخری یلغار کے لئے تیار کرنے کا عمل شروع کیا تھا جس سے ریاست میں انقلاب کی موجیں بتدریج اونچی ہونے لگیں۔ ۲۰ مئی کو مرزا محمد افضل بیگ نے سلک فیکٹری ورکس یونین کے مزدوروں کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"تمام مشکل مرحلے طے کرکے قفس کی کنجی کے آخری اور آسان مرحلے پر غفلت برتنے کے لئے ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں۔ جو حکومت عوام کے لئے کچھ نہ کرسکتی ہو اُسے قائم رہنے کا کوئی حق نہیں۔"

نیشنل کانفرنس قائدین کی اس شعلہ نوائی سے جاگیردارانہ نظامِ حکومت غافل نہ تھی لیکن وہ موقع و محل کی نزاکت اور ہندوستان میں تیزی سے بدلتے ہوئے سیاسی حالات کا بغور مشاہدے کے ساتھ ساتھ وادیٔ کشمیر میں ان کے حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھی ہوئی تھی۔ وہ اس تاک میں لگی تھی کہ کب اور کس رنگ میں وہ کھل کر سامنے آتے ہیں تاکہ قہر و جبر کے ڈنڈے سے انہیں ہمیشہ کے لئے خاموش کیا جائے۔ چنانچہ حکومت کو اس ضمن میں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ بلکہ شیخ محمد عبداللہ کے نعرہ کوئٹ کشمیر نے اس کی مشکل آسان کردی اور حکومت نے اپنی پوری طاقت سے ان کو دبانے کے لئے ان پر بھرپور وار کیا۔

(۲)

کوئٹ کشمیر

ہم وہیں پر ہیں ابھی پہلے جہاں تھے منظور
راستہ اندھی ہواؤں کا طرفدار جو تھا

"کشمیر چھوڑ دو" تحریک کیوں اور کیسے وجود میں آئی یہ جاننے کے لئے ضروری ہے کہ اس تحریک کا صد سالہ تاریخی پس منظر مختصر الفاظ میں بیان کیا جائے۔
۱۰ فروری ۱۸۴۶ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی اور خالصہ دربار کے درمیان خونریز جنگ چھڑی۔ راجہ دھیان سنگھ کے قتل کے بعد دربار لاہور کی عنانِ حکومت رانی جنداں کے ہاتھ آئی۔ جنگ کا رُخ سکھوں کے خلاف تھا اور انگریزی افواج لاہور کے قریب تر پہنچ چکی تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ قوموں کے زوال کے اسباب میں اُن کے با اثر افراد کے باہمی رقابت کا بڑا حصہ رہا ہے۔ ایسے نازک موقعہ پر جب انگریزی افواج لاہور کے دروازے پر دستک دے رہی تھی، تقریباً تمام تجربہ کار سکھ جرنیل

ایک دوسرے کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ راجہ گلاب سنگھ والیٔ جموں کو اعلان جنگ ہوتے ہی دربار لاہور نے حکم دیا تھا کہ وہ اس کی سرحدوں کی حفاظت کیلئے اپنی فوجیں سمیت میدان میں آئے۔ راجہ گلاب سنگھ جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے میجر لارنس سے پہلے ہی سودا طے کیا تھا، رانی جنداں کو یہ کہہ کر ٹکا سا جواب دیا کہ انگریزوں کے معاملات میں مداخلت نہ کرو۔ کمپنی نے معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی ہے ساتھ ہی کونسل ایجنسی کے نام ایک خط میں اپنی وفاداری کا اعادہ بھی کیا۔

جنگ میں خالصہ حکومت کو انگریزوں کے ہاتھوں زبردست ہزیمت اٹھانے کی وجہ سے اپنے مقبوضات کا ایک بڑا حصہ کھونا پڑا اور انگریزوں نے لاہور دربار کو تاوانِ جنگ ادا کرنے پر مجبور کیا۔ رانی جنداں کی نظر میں راجہ گلاب سنگھ کے بغیر کوئی دوسرا شخص ایسا نہ تھا جو انگریزوں سے معاملہ طے کر سکتا۔ حالانکہ وہ گلاب سنگھ کی دوغلی پالیسیوں سے بھی بخوبی واقف تھی جب ہی وہ اس کے ذریعہ انگریزوں سے صلح کی بات چیت کرنے میں تامل کرتی رہی۔ مگر جب انگریزی افواج نے لاہور کے نواحی علاقوں پر اپنے حملے تیز کئے تو مجبوراً رانی نے گلاب سنگھ کو انگریزوں سے صلح کے مذاکرات طے کرنے کو کہا۔ گلاب سنگھ نے اس پیشکش کو قبول کرنے کے لئے کامل اختیارات کی شرط رکھی۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق رانی جنداں نے راجہ گلاب سنگھ کو کامل اختیارات دے کر ایسٹ انڈیا کمپنی کی کونسل ایجنسی سے گفت و شنید اور معاملہ طے کرنے کے لئے بھیجا۔

میجر لارنس جس نے پہلے ہی راجہ گلاب سنگھ سے یہ کہہ کر سودا طے کر لیا تھا کہ تمہیں خود مختار راجہ تسلیم کیا جائے گا اور علاقہ کشمیر کو ایک معمولی رقم کے عوض تمہاری مملکت سے منسلک کیا جائے گا بشرطیکہ بیاس اور ستلج کے مابین کا سارا علاقہ کمپنی کے حوالہ کر دیا جائے۔ ۲۰ فروری ۱۸۴۶ء کو صلح نامہ میں یہ تحریر پایا کہ بیاس اور

ستلج کے مابین علاقہ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے اور ۰۰۰،۰۰۰،۱۵ پونڈ بطور
تاوان جنگ ادا کئے جائیں۔ چنانچہ ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کو عہدنامہ لاہور کے ایک ہفتہ
بعد بیعنامہ امرتسر پر دستخط ہوئے جس کی رو سے گلاب سنگھ کو ۷۵ لاکھ نانک شاہی
روپیوں کے عوض کشمیر پر عملداری حاصل ہوئی۔ ان دنوں کشمیر میں سکھوں کا گورنر شیخ
امام الدین تھا۔ جونہی اُسے اس خرید و فروخت کا علم ہوا اُس نے کشمیر کے تمام چھوٹے
بڑے راجوں اور سلطانوں کو بغاوت پر اکسایا۔ انگریزوں نے شیخ امام الدین کو چالاکی
سے جھانسہ دے کر جالندھر پہنچایا اور گرفتار کر کے لاہور میں قید کیا۔

اس خرید و فروخت میں کشمیر کے باشندوں کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ بلکہ
گلاب سنگھ کو کشمیر پر قبضہ کرنے میں زبردست عوامی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور
اس معرکہ میں کشمیری حریت پرستوں کو ۹ نومبر ۱۸۴۶ء کے دن اُس وقت اپنی شکست
تسلیم کرنا پڑی۔ جب راجہ گلاب سنگھ شوپیان کے ملک کوں کی قوم فروشی اور غداری
کی بنا پر کشمیریوں کی لاشوں کو روندتا ہوا فاتحانہ شان سے سرینگر میں داخل ہوا۔ اس
طرح سے بیعنامہ امرتسر جو انگریزوں اور راجہ گلاب سنگھ کے مابین طے ہوا کی رُو
سے سنگیا تنگ سے لے کر دریائے سندھ تک کا سارا علاقہ بمعہ سربفلک پہاڑ، ہرے
بھرے جنگلات، موتی بکھیرنے والے نغمہ خوان دریا، بل کھاتی ہوئی ترنم ریز ندیاں
صاف و شفاف چمکیلی جھیلیں، خوش ذائقہ و حیات آفریں چشمے، لہلہاتے ہوئے
زرخیز کھیت، لاثانی میووں سے لدے ہوئے باغ، زیرک، ذہین، جفاکش
خوبرو انسان، مال مویشی، گھر بار، عزت و آبرو، ننگ و ناموس سمیت یورپ
کے لٹیروں نے نیلامی کا مال سمجھ کر خالصہ دربار کے نمک خوار میاں گلاب سنگھ کو
خالصہ دربار کی مجبوریوں کے عوض فروخت کر کے اپنے بنیاپن کی تقدیر لکھ دی۔
تاریخ گواہ ہے کہ اہل کشمیر نے اس وقت بھی جب ان سے پوچھے بنا انہیں

نیلامی کا مال غنیمت سمجھ کر امرتسر کی منڈی میں دو سٹے بازوں نے خرید و فروخت
کی تلوار سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ ڈالا۔ شیرازۂ اتحاد منتشر ہونے کے باوجود
امکان بھر بغاوت کی اور اپنی بساط بھر ہمت و استقلال کا بھرپور مظاہرہ کیا۔
آج جبکہ پورے اڑھائی سو سالہ جبری قبضہ کے بعد عہد جہانگیری کے
بنئے ارض گیتی ہند سے اپنا جزدان تہہ کر کے جا رہے ہیں انہوں نے اپنے کشکول
بکف نمک خوار راجوں اور نوابوں کو یہ باور کرانے کی سعی ناکام کی کہ تاج برطانیہ
سے اُن کے اجداد سے کئے ہوئے معاہدوں، عہدناموں اور دستاویزوں کی تقدیس
کو برقرار رکھا جائے گا۔ ہندوستان میں اُن کی قائم کی ہوئی ۵۶۲ دیسی ریاستوں
کے عوام نے عموماً اور ریاست جموں و کشمیر کے غیور باشندوں نے خصوصاً اُس
انداز بیان کو ایک چیلنج تصور کیا جس نے آگے چل کر کوئٹ کشمیر تحریک کی شکل اختیار
کی۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مُسلّمہ ہے کہ دنیا میں کوئی تحریک اُس وقت تک دیرپا
اثر انداز اور ثمر آور نہیں ہو سکتی جب تک کہ عام لوگ اُس کے لئے تیار نہ ہوں۔ ریاست
جموں و کشمیر جو رقبہ کے لحاظ سے ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست ہے، محدود اقتصادی
ذرائع، تُند مزاج، کمینہ خصلت اور نکمے حکمرانوں کی وجہ سے انتہائی پسماندہ ریاست
رہی ہے۔ ۱۹۳۱ء میں جب پہلی مرتبہ یہاں کے لوگوں میں سیاسی بیداری کی لہر
موجزن ہوئی اور انسانی حقوق کی جدوجہد کے نام پر اہل ریاست اُٹھ کھڑے ہوئے
جسٹس سر شاہ سلیمان نے جو کشمیری نسل سے تھے بیعنامہ امرتسر کے خلاف آواز بلند کی
اور ضروری مواد جمع کیا۔ تاکہ پریوی کونسل میں استقرار حق کا دعویٰ کر کے اس معاہدہ
کی تنسیخ کا مطالبہ کریں۔ مگر ان کی عمر نے وفا نہ کی۔ یہ دور کشمیر میں سیاسی بالیدگی
کا آغاز تھا جس کی وجہ سے اس مسئلے پر مزید کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ اور قدرت
نے اسے ۱۹۴۶ء کے کشمیریوں کے لئے التواء میں رکھا۔ یہی وہ دور ہے جب تحریک

آزادیٔ کشمیر کی کلی کھل کر پھول بنی اور اس نے اپنی مہک کی وسعت سے ہندوستان کی سیاسی فضا کو معطر اور اس کے انقلاب انگیز نشیب و فراز میں توانائی و حرارت بخشی۔

اس دور میں جبکہ جاگیردارانہ نظام کے خلاف صف بستہ قائدینِ ہندوستان کی سرزمین سے بیشتر [illegible] اپنے [illegible] قدم اٹھا رہے تھے، [illegible] دیسی ریاستوں کے تقریباً دس کروڑ باشندوں کو شہنشاہوں اور مہاراجوں کی مرضی کے نام پر غلام بنائے رکھا جاتا [illegible] یہ فخر و امتیاز ریاستی ہند کے [illegible] دس کروڑ باشندوں میں اہلِ کشمیر کو ہی حاصل ہے کہ انہوں نے ان مہاراجوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کی خاطر ایک مختصر مدت میں اپنے تئیں شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں منظم ہو کر یہ ثابت کر دکھایا کہ [illegible] صدیوں سے وہ جس ذلت آمیز غلامانہ زندگی کو قناعت کے ساتھ [illegible] تقدیر کے ستم کے آگے ہاتھ باندھے گزر رہے تھے اس [illegible] سے انکار [illegible] اپنی [illegible] دنیا بسانے کے لئے [illegible] پاش پاش کرنا چاہتے ہیں۔ اسی قومی اہمیت اور تاریخی روایات کی قوت پر وہ سربکف اپنے حقوق کی بحالی کے لئے میدان میں کود پڑے اور یہی وہ تاریخی پس منظر ہے جس نے کوئٹ کشمیر تحریک کو جنم دیا۔

کوئٹ کشمیر کی پانچ تقریریں

اب لفظ و بیاں سب ختم ہوئے اب دیدہ و دل کا کام نہیں
اب عشق ہے خود پیغام اپنا اب عشق کا کوئی پیغام نہیں

۱۳ مئی ۱۹۴۶ء کو شیخ محمد عبداللہ برطانوی ہند سے واپس کشمیر پہنچے [illegible] کی شام کو جبکہ [illegible] امرتسر کو [illegible] چند [illegible]

تھی۔ [1] شاہی مسجد کے احاطے میں ایک عوامی اجتماع کو جاگیردارانہ نظام کے مضر اثرات مذکورہ عہد نامہ کا سیاق و سباق اور برطانوی ہند میں دیسی ریاستوں کے ساتھ مذاکرات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے غیر مبہم الفاظ میں اس ارادے اور عزم کی وضاحت کی کہ دیسی ریاستوں کے اپنے دس کروڑ باشندے ہمارے اشارے کے منتظر ہیں کہ کب ہم کشمیر میں جنگِ آزادی کا بگل بجائیں تاکہ وہ سربکف میدانِ جہاد میں کود پڑیں۔ شیخ محمد عبداللہ اور ان کے رفقاء نے ۹ مئی سے ۱۱ مئی تک سرینگر کے پانچ مختلف مقامات پر اپنے انقلاب انگیز خیالات کا اظہار کیا۔ شیخ محمد عبداللہ کی ان تقریروں کے مفہوم کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

ہندوستانیوں کے جذبۂ حریت اور سالہا سال کی قربانیوں سے برطانوی حکومت جھک گئی۔ اور وزیر اعظم مسٹر ایٹلی نے اپنے تین نمائندوں کو خاص کر کانگریس اور مسلم لیگ کے رہنماؤں سے مذاکرات طے کرنے کے لئے یہاں بھیجا تاکہ ان کے مشورے سے ہندوستان کی آزادی عمل میں آئے۔

ہندوستان دو حصوں میں منقسم ہے ایک وہ حصہ جس میں تیس کروڑ لوگ رہتے ہیں اور براہ راست انگریزوں کے ماتحت ہے دوسرے حصے میں پورے دس کروڑ لوگ بود و باش کرتے ہیں اور وہاں راجوں، مہاراجوں کی وساطت سے انگریزوں کی عملداری قائم ہے۔ جن میں پچیس لاکھ کشمیری بھی شامل ہیں۔

جب [illegible] تیس کروڑ ہندوستانیوں کے نمائندے ہند کی آزادی اور مستقبل

---

[1] کوئٹ کشمیر تحریک کے بعد دیسی ریاستوں میں [illegible] شیخ محمد عبداللہ کے [illegible] ثابت ہوئے کہ کانگریس کی کوئٹ انڈیا تحریک کے طرز پر دیسی ریاستوں میں [illegible] تحریکیں شروع ہو جائیں گی۔ [illegible] شاہی مسجد، [illegible] زیارت، [illegible] جامع مسجد حضرت بل [illegible] ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ [illegible] بالترتیب۔

کے بارے میں محو گفتگو تھے۔ دیسی ریاستوں میں رہنے والے پونے دس کروڑ عوام کے قائدین نے بھی اپنے ماضی و حال کے آئینے میں درخشاں مستقبل کے لئے باہمی صلح و مشورہ کیا۔ کیبنٹ مشن کے ارکان اگرچہ اصولی طور پر یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ ریاستوں میں موجودہ نظام ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتا مگر اس کا اظہار کرنے میں پس و پیش کرتے رہے۔ کانگریس اور لیگ کے لیڈر بھی یہ تسلیم کرتے ہیں اگر ہندوستان کے تیس کروڑ انسان آزاد ہوں گے اور دیسی ریاستوں میں موجودہ پوزیشن برقرار رہی۔ اس سے نہ صرف انصاف کا خون ہوگا بلکہ یہ آزادی بے سود ہوگی۔ فی زمانہ اقوام عالم اس مسئلے کا گہرا مشاہدہ کر رہی ہے کہ ہندوستان پر انگریز سامراج کے خاتمہ پر دیسی ریاستوں کے بارے میں اُن کی پالیسی کیا ہوگی۔ میں اہل ریاست کے سامنے پونے دس کروڑ ریاستی باشندوں کا مسئلہ پیش کرتا ہوں۔

میری تمنا ہے کہ کشمیر تمام ہندوستانیوں خصوصاً ریاستی عوام کی رہنمائی کرے۔ میں یقین اور فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ نیشنل کانفرنس کے موجودہ صحت مند سیاسی کردار سے دیسی ریاستوں کے باشندے اس حکم کے منتظر ہیں کہ کب انہیں کشمیر سے اشارہ ملتا ہے وہ اس آواز پر لبیک کہیں۔ اس لحاظ سے آپ پر بڑی ذمہ داری عاید ہوتی ہے اور پونے دس کروڑ ریاستی حریت پرستوں کی نظریں آپ پر جمی ہوئی ہیں۔

میں انگریزوں کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ وہ ڈیڑھ سو سال کے بعد ہندوستان کو آزاد کرنے پر تیار ہوئے۔ ہماری ریاست کشمیر جو راجہ گلاب سنگھ نے دربار لاہور سے شرمناک غداری کرکے پچھتر لاکھ نانک شاہی روپوں کے عوض امرتسر کے مقام پر ایک بیعنامہ کے تحت خریدا کیا۔ اس بیعنامہ کو ترتیب دیتے وقت کشمیریوں کی رضامندی حاصل کی گئی تھی جو ساز و باز اور سازش ہوئی اُس میں کشمیر کے چالیس لاکھ باشندوں کا کوئی عمل دخل ہے۔ اس شرمناک غداری کے خلاف صدائے احتجاج

بلند کرنا میری قسمت میں ہے جو راجہ گلاب سنگھ نے سکھوں کے ساتھ کی اور جس کے پاداش میں ہمیں غلامی کی زنجیریں پہنائی گئیں۔ جب تک ہندوستان کا ایک ایک بچہ زندہ ہے وہ راجہ گلاب سنگھ کی اس عیاری اور شرمناک غداری کی مذمت کرتا رہے گا۔

یہ صحیح ہے کہ آج تک کشمیری خوابیدہ تھے۔ ہماری زبوں حالی پر ترس کھا کر کئی دانشوروں اور مفکروں نے نالہ و فریاد کی۔ ۱۹۱۸ء میں جب لیگ آف نیشنز میں اقوام عالم کے نمائندے جمع ہوئے تو اس موقع پر علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

باد صبا اگر بہ جنیوا گذر کنی — حرفے زما بہ مجلس اقوام باز گو

دہقان و کشت و جوئے و خیابان فروختند

قومے فروختند چہ ارزاں فروختند

علامہ اقبالؒ نے یہ پیش گوئی بھی کی ہے کہ وہ زمانہ دور نہیں جب قبروں سے مردے کفن پھاڑ کر نکلیں گے۔ اور ڈوگرہ راج مردہ باد کہیں گے۔ آج ہم بیدار ہو چکے ہیں۔ ہم راجوں، مہاراجوں کی عیش پرستی کا مزید شکار نہیں بن سکتے۔ ہم نے غلام در غلام زندگی سے نجات پانے کے لئے موت کو ترجیح دینے کا تہیہ کیا ہے۔ ہماری جنگ کھلی کتاب ہے آپ کو چاہئے اس میں بطور رضاکار بھرتی ہو جائیں اور ساتھ ساتھ ریلیف کمیٹیاں قائم کریں۔ جن سے اُن حریت پرستوں کی مدد کی جائے جو اس جنگ میں گولیوں وغیرہ کا شکار ہوں۔ ہمارے بچے دو پیسے کی دوائی کے لئے مرتے ہیں اور جو لوگ ہماری کمائی کتوں اور گھوڑوں پر خرچ کرتے ہیں وہ ظالموں سے بدتر ہیں ان کے پنجے سے نجات حاصل کرنا ہر حریت پسند انسان کا حق ہے۔

جو ہندو ڈوگرہ راج کی جے پکارتے ہیں، میں اُن سے کہنا چاہتا ہوں کہ ڈوگرہ راج کی بنیاد اس شرمناک غداری پر منحصر ہے جو سو سال قبل میاں گلاب سنگھ نے ہندوستان

پر برطانوی سامراج کو محکم اور مضبوط کرنے کے لئے کی۔ اسے زرخرید غلام کو جس نے اپنی فوج سے یہاں قبضہ جما رکھا ہے موت کی نیند سلانے کے لئے انڈونیشیا[1] کی تقلید کی جائے۔ کشمیر وہ بدقسمت خطہ ہے جہاں لوگوں کو غلامانہ زندگی بسر کرنے پر آج تک مجبور کیا گیا۔ اب اس دور کے خاتمہ کا وقت آگیا ہے ہم پچھتر لاکھ روپے بھیک مانگ کر جمع کریں گے اور مہاراجہ کو وہ رقم تھما کر کہا جائے گا۔ جا راہ لے اپنی۔

آپ اندازہ لگائیے کہ یہ شخص دو لاکھ روپے ماہوار اپنی عیش و عشرت پر صرف کرتا ہے۔ اگر اُسے یہاں کے باشندوں کا ذرہ بھر خیال ہوتا تو اس رقم کو عوام کی بہتری پر صرف کرنے میں خوشی محسوس کرتا اور جب بھی ہم نے اُسے ایسا کرنے کی استدعا کی وہ اپنے جور و ستم میں اضافہ کرتا گیا۔

جب انقلاب آتا ہے تو بڑے بڑے شہنشاہوں کے سر خاک و خون میں تڑپتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جب تک مجھ میں جان اور جان میں سانس باقی ہے کشمیر چھوڑ دو کی آواز آتی رہے گی۔ ڈوگرہ شاہی کو ختم کرنے کے لئے ہمیں کشمیر میں انقلاب فرانس کی تاریخ کو دہرانا ہے جس کی تمہیدی جھلک ۱۹۳۱ء میں ہم دکھا چکے ہیں۔

سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

ہم نے جو آزادی اور موت کا نعرہ دیا ہے اگر ہم نے آزادی حاصل نہ کی تو اپنے خون سے اس مقدس سرزمین کو لالہ زار بنائیں گے۔

نعرہ بازی

ان جلسوں میں شیخ محمد عبداللہ کے دوش بدوش غلام محی الدین قرہ قائم مقام

---

[1] - ان دنوں انڈونیشیا کے عوام نے ڈاکٹر سوکارنو کی قیادت میں ہالینڈ کی حکومت کے خلاف ہتھیار بند بغاوت شروع کی تھی۔

جنرل سیکرٹری (چونکہ جنرل سیکرٹری مولانا مسعودی ان دنوں اپنے گاؤں چلے گئے تھے۔ جہاں ان کی بیگم سخت علیل تھیں) پنڈت شیام لال صراف، سردار بدھ سنگھ، مرزا محمد افضل بیگ اور دوسرے سرکردہ قائدین ہوتے تھے اور ان کی تقریر کے تائید میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ ان جلسوں کے اختتام پر لوگ ٹولیوں کی صورت میں نکلتے تھے اور حکومت کے خلاف مندرجہ اشتعال انگیز نعرے دے کر فضا میں انقلاب انگیز ارتعاش پیدا کرتے رہے۔ ڈوگرہ شاہی مردہ باد۔ ہری سنگھ مردہ باد۔ بیعنامہ امرتسر کو توڑ دو۔ کشمیر کو چھوڑ دو۔ ہری ڈوگرن نیول خدائن گول[1]۔ پونٹس اڈم وگوگو باد۔ رام چند کاکس زہر باد۔ پونٹس ڈم مکایہ ٹوٹ کرن سنگھس بیڈ پھٹ۔ احمق یار مردہ باد۔

۱۶ مئی کو شیخ محمد عبداللہ نے وزارتی مشن پلان[2] کا اعلان (جو آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوا) پنجاب مسلم ہوٹل لال چوک میں بیٹھ کر سنا۔ اس کے بعد عالیہ میں رات کے ساڑھے نو بجے تقریر کی۔ اس تقریر کے دوران لوگوں نے "قانون کو توڑ دو" کے نعرے لگائے۔ تقریر کے اختتام پر شیخ محمد عبداللہ نے اعلان کیا کہ آج کا جلسہ

---

[1] - یہ تمام کشمیری اصطلاح ہیں۔ جن کا ترجمہ کرنا ممکن نہیں پھر بھی کشمیری نہ جاننے والوں کیلئے ترجمے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہری سنگھ کے وارثوں کو خدا نابود کرے۔ ایک پیسے کی چٹائی لائی رام چندر کاک زہر باد کے عارضہ میں مبتلا ہو۔ ایک پیسے کو توڑ لایا کرن کا پیٹ پھٹ گیا۔ احمد یار خان مردہ باد۔

[2] - جس میں ہندوستان کا آئین تیار کرنے کے لئے ایک آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کی سفارش کی گئی۔ دیسی ریاستوں کے متعلق مشن نے واضح کیا کہ ہندوستان کی یونین (مرکزی حکومت) کے پاس صرف ان کے دفاع، خارجہ امور اور مواصلات کے محکمے رہیں گے۔

اس سلسلے کا افتتاحی جلسہ ہے اور غالباً میں عنقریب دہلی جاؤں گا۔[1]

پنڈت پریم ناتھ بزاز جو اُن دنوں شیخ محمد عبداللہ اور اُن کی جماعت کے مخالفین کی صف میں سرفہرست تھے، "جمہوریہ انقلابی" کے عنوان سے اپنے اخبار "ہمدرد" کے ۱۰ مئی ۱۹۴۶ء کے شمارے میں کوئٹ کشمیر تحریک پر تبصرہ کرتے یوں رقمطراز ہیں:

"شیخ محمد عبداللہ نے عہدنامہ امرتسر کو منسوخ کرانے کی جو نئی تحریک شروع کر دی ہے، اس کا مقصد ریاستی عوام کو مطلق العنان ڈوگرہ حکومت سے آزاد کرنا اور ملک میں جمہوریت پر مبنی عوامی حکومت قائم کرنا نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ شیخ صاحب اور نیشنل کانفرنس اپنا کھویا ہوا وقار از سر نو حاصل کر سکیں۔ شیخ محمد عبداللہ نے یہ انقلابی نعرہ اس لئے بلند کیا ہے کہ ایک طرف سے ہندو راج کے خلاف آواز اُٹھا کر مسلمانانِ ریاست کے مذہبی اور فرقہ وارانہ جذبات کو ابھار کر انہیں اپنے ساتھ ملا لیں اور دوسری طرف جمہوریت پرستوں اور انقلابیوں کے سامنے اپنے پرانے گناہوں کا کفارہ کر کے ثابت کریں کہ وہ اب حکومتِ کشمیر کے تنخواہ دار نہیں رہے ہیں بلکہ انقلاب کے راستے پر چل پڑے ہیں اس لئے امداد کے مستحق ہیں۔"

---

[1] اس سلسلے میں یہ بتانا بے جا از معلومات نہ ہوگا کہ کوئٹ کشمیر تحریک کے آغاز میں شیخ محمد عبداللہ نے لاہور سے نیشنل کانفرنس کے صدر دفتر مجاہد منزل کو ایک مراسلے کے ذریعہ مطلع کیا تھا کہ کوئٹ انڈیا کے طرز پر ہم بھی ریاست میں کوئٹ کشمیر تحریک شروع کریں گے۔ اس مکتوب پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے مجھے پنڈت شیام لال صراف نے ایک (باقی حاشیہ صفحہ میں)

شیخ صاحب کی گرفتاری

دہلی جانے سے قبل شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے ساتھیوں کے دلوں میں یہ خدشہ تو شک نہ تھا کہ حکومت انہیں دہلی جانے بھی دے گی یا راستے میں ہی گرفتار کر دے گی۔ اس الجھن کو حل کرنے کے لئے اُن کا اثر و رسوخ میں بہترین شخص پنڈت کشیپ بندھو کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ مگر وزیر اعظم رام چندر کاک کے خلاف کشمیری پنڈتوں کے چارج شیٹ پر دستخط کرنے کے جرم میں شیخ محمد عبداللہ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سے) ملاقات کے دوران بتایا جب یہ خط مجاہد منزل پہنچا اُس وقت میرے ساتھ غلام محمد صادق کے علاوہ کئی اور سرکردہ نیشنل کانفرنسی بیٹھے تھے۔ جب غلام محمد صادق نے شیخ صاحب کا خط پڑھا تو اس کے ہاتھ کپکپانے لگے اور ہم سب خوف و دہشت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ کئی منٹ تک کسی میں بھی جرأت نہ ہوئی مگر میں کچھ سوچ رہا تھا مگر دراصل میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کشمیر کی سیاست کے لئے فی زمانہ اس سے اور کوئی بہتر نعرہ نہیں ہو سکتا ہے۔ چونکہ ہندوستان بھر کے مسلمان مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے اور چونکہ کشمیر مسلم اکثریت والی ریاست ہے اس لئے یہاں کے باشندوں کا جھکاؤ جلد یا بدیر مسلم لیگ کے نظریۂ پاکستان کی جانب ہوگا۔ اگر ان حالات میں ہم اپنی کشمیری پنڈت اس تحریک کا ساتھ دیں گے تو یقیناً نہ صرف ریاستی مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کریں گے بلکہ انہیں اس تحریک میں مشغول رکھ کر مسلم لیگ اور پاکستان سے دور رکھ سکتے ہیں۔ میرے ذہن میں یہ خیال آتے ہی میں نے شیخ صاحب کے خیال کی تائید و حمایت کا اعلان کیا اور اپنے حلقۂ احباب میں خفیہ طور اس کی تبلیغ شروع کی البتہ کشمیری پنڈتوں نے نہ صرف میری مخالفت شروع بلکہ اس تحریک میں شامل ہونے پر میرا اور میرے خاندان کا سوشل بائیکاٹ کیا جس کا مجھے کوئی ملال نہیں۔

انہیں جس طرح مجاہد منزل اور اخبارِ خدمت کی ادارت سے ذلیل کر کے نکالا تھا وہ انہیں آمادہ کرنے کی راہ میں رُکاوٹ کا بڑا سبب تھا۔ بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ شیخ صاحب ہی انہیں خود منائیں۔ چنانچہ کشیپ بندھو جی مجاہد منزل بلائے گئے اور شیخ محمد عبداللہ نے اُن کے سامنے حرفِ مدعا رکھا۔ بندھو جی اسی شام کو تقریباً آٹھ بجے وزیراعظم کاک سے ملنے اُن کے مکان پر گئے اور رات کا کھانا اُن ہی کے ساتھ کھایا۔ باتوں باتوں میں شیخ محمد عبداللہ کے دہلی جانے کا تذکرہ چھیڑ کر دریافت کیا — "کیا حکومت انہیں دہلی جانے دے گی —" کاک نے بڑے اطمینان اور اعتماد سے جواب دیتے ہوئے کہا — "ہم اُسے ڈومیل تک ریاستی حدود میں انہیں پر بھی گرفتار کر لیں گے" — رات کے بارہ بجے کشیپ بندھو نے مجاہد منزل میں شیخ محمد عبداللہ کو حکومت کے ارادے سے باخبر کیا۔

۲۰ مئی کو پنڈت نہرو کے ساتھ مشورہ کرنے کے لئے شیخ محمد عبداللہ دہلی روانہ ہوئے۔ حکومت نے طے شدہ پروگرام کے مطابق سپرنٹنڈنٹ پولیس وزیر سروپ چند کو ضلع مظفر آباد کی حدود تک اُن کا پیچھا کرنے کے لئے بھیجا جس نے بمقام گڑھی ڈیفنس رولز آف جموں و کشمیر دفعہ ۵۴ کے تحت انہیں گرفتار کر کے سرینگر بادامی باغ فوجی چھاؤنی میں محبوس کیا اور راتوں رات تقریباً تین سو دوسرے سرکردہ نیشنل کانفرنسیوں کی گرفتاری عمل میں لائی گئی۔ جن میں مرزا محمد افضل بیگ بھی شامل تھے جنہیں بغیر مقدمہ چلائے ۸ ستمبر ۱۹۴۷ء تک ریاست کے مختلف جیلوں میں بند رکھا گیا۔ غالباً انہیں یہ رعایت اس لئے دی گئی کہ وہ ڈیارکی میں وزیر تھے ورنہ ضلع اسلام آباد میں کوئٹ کشمیر تحریک کے آغاز میں جس قدر جوشیلے تقاریر انہوں نے کیں تھیں ان پر مقدمہ چلانے کے لئے جاگیر شاہی کے پاس کافی مواد موجود تھا۔ علاوہ بریں وزیراعظم کاک کا دوست پنڈت کشیپ بندھو بھی اگلے دن ان قیدیوں

میں ایک تھا۔ انہیں وارنٹ گرفتاری دکھاتے ہوئے پولیس آفیسر نے کہا۔ "وزیراعظم کی ہدایت ہے کہ آپ کو شاہی مہمان خانہ پہنچایا جائے۔" پولیس آفیسر کی زبان سے ادا ہوئے ان الفاظ کو نیشنل کانفرنس کے تقریباً تمام سرکردہ لیڈروں نے یہ معنی نکالا "چونکہ بندھو جی نیشنل کانفرنس میں وزیراعظم کا مخبر بن کر کام کرتا تھا۔ اس لئے گرفتاری کے وقت اُسے خفیہ الفاظ میں ہدایت و پیغام سنایا گیا ہے۔" اور اس گمان کو قوم پرست حلقوں میں اُس وقت بہت زیادہ اُچھالا گیا جب کشیپ بندھو کو شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ ہی جیل میں رکھا گیا۔ حق تو یہ ہے کہ کشیپ بندھو کے خلاف اس دور میں جو کچھ کہا گیا وہ اُن کے ہمعصروں کی جلن اور رقابت کا نتیجہ تھا۔ غرض ان گرفتاریوں کے ساتھ ہی شہر میں فوجی پہرہ بٹھایا گیا۔ اس ضمن میں بعد ازاں وزیراعظم رام چند کاک نے ایک بیان میں کہا — "حکومت پچھلے گیارہ مہینوں سے حالات کا جائزہ لیتی رہی اور نیشنل کانفرنس سے دو دو ہاتھ کرنے کی تیاریاں کر رہی تھی۔" یہ اسی تیاری کا ثمر تھا کہ حکومت نے کسی ناخوشگوار صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے شہر سرینگر کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور ۲۰ مئی کی رات کے گیارہ بجے ہی ان چاروں حصوں کو فوج کے حوالے کیا گیا۔

انقلابی فضائیں

اُٹھا جو چہرے سے پردۂ شب سمیٹ کے مرکز پہ آگئے سب
تمام جلوے جو منتشر تھے، طلوعِ حسنِ بشر سے پہلے

۲۰ اور ۲۱ مئی کی درمیانی رات کو اندھا دُھند گرفتاری سے جو سرکردہ نیشنل

لہ: حکومت نے اُن تمام سرکردہ نیشنل کانفرنسیوں کو بھی گرفتار کیا جنہوں نے نیشنل کانفرنس کے قائمقام جنرل سیکرٹری غلام محی الدین قرہ کے اُس سرکلر نما خط کے جواب میں جس میں

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۹ پر)

ایک نیشنل کانفرنس کے مکان میں پناہ لی۔ جہاں سے ہجوم کے نام خفیہ ہدایات جاری کرنے لگا۔ ساڑھے سات بجے کے قریب فورتھ کشمیر انفنٹری کے لیفٹیننٹ لالہ سنگھ فوج کی ایک کمپنی کی قیادت کرتے خواجہ محمد مقبول پنڈت (ڈپٹی چیف سیکرٹری) مجسٹریٹ آن ڈیوٹی[1] کی معیت میں خانقاہ معلی کے احاطہ میں داخل ہوا۔ ہجوم نے فوجی سپاہیوں کو دیکھ کر حکومت کے خلاف فلک شگاف نعرے لگائے اور ان پر پتھراؤ شروع کیا۔ جوں جوں پتھراؤ میں شدت پیدا ہوتی گئی فوج کا رویہ بھی سخت ہوتا گیا۔ اس پر مجسٹریٹ نے مجمع کو خلاف قانون قرار دیا۔ لیفٹیننٹ لالہ سنگھ نے

---

[1] اس بات میں کوئی صداقت نہیں ہے کہ خانقاہ معلی میں ۲۱ مئی کو خواجہ علی شاہ ڈائریکٹر فوڈ اینڈ سپلائیز (جو ۱۹۴۶ میں شیخ محمد عبداللہ کے سمدھی بنے) نے بحیثیت ڈیوٹی مجسٹریٹ کے گولی چلانے کا حکم دیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن کی تحریک سے درپردہ شدید وابستگی کی وجہ سے وہ مورد عتاب رہے۔ ۲۱ مئی کو خواجہ علی شاہ بھی مجسٹریٹ آن ڈیوٹی تھے مگر اس کے ماتحت فتح کدل سے تاشوان تک کا علاقہ تھا۔ جو یقیناً انقلابیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ لیکن اس علاقے میں گولی چلنے کی اس دن کوئی واردات نہیں ہوئی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ شیخ صاحب کی گرفتاری سے پہلے ہی مہاراج کرشن در گورنر کشمیر نے اپنے ماتحت مجسٹریٹوں کو ہدایت دی کہ جہاں کہیں پر لوگ مشتعل ہو کر [illegible] انہیں گولی کا نشانہ بنانے کے حکم میں تحمل سے کام لیا جائے۔ اگر گولی چلانے کی بسم اللہ خانقاہ معلی سے شروع ہوگی تو اس کے بعد کسی بھی شخص کو اس کے صحن میں داخل ہونے نہ دیا جائے۔ خواجہ علی شاہ جو مجسٹریٹ کے فرائض انجام دے رہے تھے نے اس تحریری حکم نامے کو گورنر کی اینجی کیمپ سے نکال کر غلام محمد چیری بوڈھا کی وساطت سے غلام محی الدین قرہ کو بھیجا تاکہ وقت ضرورت انہیں اپنے ڈیفنس

(باقی صفحہ ٦١ پر)

کانفرنس بچ گئے تھے[2] اُن میں غلام محی الدین قرہ بھی تھا۔ ۲۱ مئی کو علی الصبح شہر سرینگر کے اہم ناکوں پر لوگوں نے مورچے سنبھالے اور رکاوٹیں کھڑی کیں۔ یہ لوگ مہاراجہ ہری سنگھ۔ اُس کی حکومت اور اُس کے خاندان کے خلاف نعرے دیتے ہوئے شہر میں تعینات فوجی سپاہیوں پر پتھراؤ کر رہے تھے۔ خانقاہ معلی کے صحن میں صبح پانچ بجے سے ہی لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ اور مزید لوگوں کو جمع کرنے کے لئے گھڑیال بجایا جا رہا تھا۔ ساڑھے چھ بجے کے قریب دریائے جہلم کے آبی گذرگاہ سے کشتی میں سوار ہو کر غلام محی الدین قرہ آیا۔ اُس نے مشتعل ہجوم کے بھڑکتے اور مجروح جذبات کو مزید ہیجان دینے کے لئے ایک مختصر سی تقریر کی اور موقعہ پاتے ہی وہاں سے کھسک کر نزدیک ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹ سے) تجویز پیش کی گئی تھی کہ نیشنل کانفرنس کو مسلم کانفرنس میں ضم کیا جائے اور جس پر بحث کرنے کے لئے ۹ مئی ۱۹۴۶ کو بخشی غلام محمد کے دولت خانہ پر نیشنل کانفرنسیوں کی خصوصی میٹنگ ہوئی تھی جہاں انہوں نے اس تجویز کی حمایت و مخالفت میں کئی مدلل اور طویل دلیلیں دی تھیں۔ گو کہ میٹنگ میں نیشنل کانفرنس کو برقرار رکھنے کا ضمنی فیصلہ لیا گیا تھا مگر بعض ممبروں نے کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے مہلت مانگی تھی۔ ۲۰ مئی تک انہوں نے اپنی حتمی رائے کی کوئی اطلاع نہ دی۔ مگر اس ناگہانی گرفتاری کے بعد خود بخود انہوں نے حکومت کا چیلنج قبول کرتے ہوئے نیشنل کانفرنس اور اس کے قائد سے اپنی وفاداریاں استوار کیں۔

[2] گھڑیال بجانے کی ابتداء [illegible] دین صاحب کے محمد اسماعیل بٹ نے کی جو تحریک کے چھٹے دن آثار شریف کلاشپورہ کے قریب ڈوگرہ فوج سے ایک جھڑپ میں زخمی ہوئے لیکن گرفتار ہونے سے بچ گئے۔ شیخ محمد عبداللہ کے مقدمہ بغاوت کے دوران جب مسٹر آصف علی خانقاہ معلی اور دوسری جگہوں کا مشاہدہ کرنے گئے تو اُن کے ساتھ تھے۔ بعد ازاں انہیں گرفتار کر کے مظفر آباد جیل بھیجا گیا۔ خان عبدالغفار خان اور پنڈت نہرو کے دورہ سرینگر کے بعد بخشی عبدالمجید گرفتار کرتے گئے۔



خواجہ غلام محمد شاہ



جناب خورشید حسن



خواجہ محمد یوسف صراف



جناب سردار عبدالقیوم خان



جناب نور محمد



مہاراجہ ہری سنگھ اور پنڈت جواہر لال نہرو



پنڈت شام لال صراف



جناب بخشی غلام محمد

مجسٹریٹ کے کہنے پر خود بگل بجایا جس سے عوام کی توجہ اُس کی جانب مبذول ہوئی۔ اس موقع پر خواجہ محمد مقبول پنڈت نے کشمیری اور اُردو زبان میں مجمع کو متنبہ کیا کہ وہ منتشر ہو جائیں ورنہ اُن پر گولی چلائی جائے گی۔ اس کے فوراً بعد فوج کے دس سپاہیوں نے جو لاٹھیوں سے مسلح تھے مجمع پر لاٹھی چارج کیا مگر وہ نہ پیچھے ہٹے اور نہ سنگ باری سے باز آئے بلکہ پتھراؤ کی شدت سے لیفٹننٹ لابھ سنگھ کو لوگوں نے گھیرے میں لے کر دریائے جہلم کی جانب ایک دیوار کی اوٹ میں پناہ لینے پر مجبور کیا۔

(حاشیہ صفحہ سے آگے) میں کام آئے۔ کچھ عرصہ بعد جب شیخ محمد عبداللہ کے خلاف بغاوت کا مقدمہ شروع ہوا۔ مہاراج کرشن در نے اس حکم نامے کی تلاش میں بڑے جتن کئے مگر تیر ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ حکومت اس حکم نامے کو ضائع کر کے عدالت کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ اُس نے خانقاہ معلی میں گولی نہیں چلائی۔

تحریک کے چھٹے دن اتوار کے روز خواجہ غلام محمد شاہ نے عبدالعزیز فاضلی جو اُن دنوں اسسٹنٹ اکاؤنٹس آفیسر تھا کے کہنے پر کہ "تاحال کوئی ایل ایل بی تعلیم یافتہ سٹیج پر نہیں آیا۔ خانقاہ معلی کے پنڈال پر نمودار ہوا۔ ان کی تقریر کی تائید میں غلام حسن والی، امیرالدین چھینٹ ساز، غلام قادر نادرو، حکیم علی ملا، عبدالاحد، غلام قادر خان المعروف ناٹو، غلام حسن بخشی، محمد یوسف بزرگر کے علاوہ مزید گیارہ افراد نے کی۔ اور یہ اسیران کوہیٹ کشمیر کا پہلا گروپ تھا جن کو جموں جیل بھیجا گیا۔ امیر اندر رینہ اے۔ ڈی۔ ایم انچارج آپریشن سرینگر نے تھانہ شیرگڑھی میں غلام محمد شاہ سے کہا اگر آپ چاہیں تو معافی مانگ کر رہا ہو سکتے ہیں۔ پولیس نے خواجہ علی شاہ کو بھی ان کے بھائی کی گرفتاری سے مطلع کیا اور اُن پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اپنے بھائی کو سمجھائیں۔ اس نے جواب میں کہا میں سرکاری ملازم ہوں۔ لیکن

(بقیہ ... پر)

خانقاہ معلی کے گرد و نواح میں جو کچھ ہو رہا تھا اُس کی مکمل اطلاع بادامی باغ فوجی ہیڈ کوارٹرز میں جنرل اسکاٹ چیف آف دی آرمی سٹاف کو ملتی رہی۔ جن کی ہدایت پر لیفٹننٹ کرنل نراین سنگھ (جو ۱۹۴۷ء میں ریاستی افواج کا کمانڈر ان چیف تھا اور قبائلی حملے کے دوران بارہ مولہ کے قریب جوار میں مارا گیا۔) سات بج کر پچاس منٹ پر خانقاہ معلی کے صحن میں داخل ہوا۔ (یہاں پہنچنے سے قبل راستے میں پتھر مسجد کے قریب لوگوں کے ایک ہجوم سے مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ جنہوں نے لیفٹننٹ محمد صادق اور اس کے سپاہیوں کو گھیرے میں لے لیا تھا) حالات کا سرسری جائزہ لینے کے بعد کرنل نراین سنگھ نے لانس نائیک سعداللہ اور لانس نائیک رتن سنگھ کو فائر کرنے کا حکم دیا۔ جس سے دو افراد موقع پر ہی شہید ہوئے اور ایک خاتون بُری طرح زخمی ہوئی۔ جو بعد ازاں زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسی۔ گولیوں کی بوچھاڑ اور لوگوں کو گرتے دیکھ کر ہجوم مدافعت کی غرض سے منتشر ہونے لگے۔ فوج نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور جوتوں سمیت انہیں مارتے پیٹتے مسجد میں گھس پڑے جہاں نہ صرف انہوں نے پناہ تلاش کرنے والوں کو پیٹتے پیٹتے شدید زخمی کر کے گرفتار کیا بلکہ مسجد کے فانوسوں اور دروازوں کو نقصان پہنچایا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸ سے آگے) وہ اپنی مرضی کا مالک ہے اور اپنے اچھے برے کا خود فیصلہ کر سکتا ہے۔ اس جواب سے حکومت کے اُن شبہات کو تقویت ملی جو خواجہ علی شاہ کے بارے میں پائے جاتے تھے۔ غلام محمد شاہ کے خلاف مقدمہ دائر کیا گیا۔ اُسے ایک ہزار روپیہ جرمانہ اور چھ ماہ قید کی سزا دی گئی۔ میعادِ سزا ختم ہونے کے بعد اُسے مزید ایک سال تک نظر بند رکھا گیا۔ شیخ صاحب کی رہائی کے ایک ہفتہ بعد اُن کی رہائی عمل میں آئی۔ بعد میں اُن کی شادی شیخ صاحب کی صاحبزادی خالدہ کے ساتھ ۱۹۴۸ء میں ہوئی۔ اس وقت غلام محمد شاہ کنٹرولر سپلائز بن چکے تھے۔

مسجد کی بے حرمتی بھی کی۔ اس عمل سے کشمیریوں کے دلوں میں احتجاج اور نفرت کی آگ مزید بھڑک اٹھی۔ جس کو ہوا دینے کے لئے ایجی ٹیٹروں نے شہیدوں اور زخمیوں کو جلوس کی صورت میں شہر کے کئی علاقوں میں پھرایا۔ اسے انقلاب کے بسم اللہ کی رسم ادا ہوئی اور تحریک نے نئی کروٹ لی۔ جوش سے بھرے بے تاب نوجوانوں نے لیڈروں کی عدم موجودگی میں اپنی قیادت کی بھاگ ڈور خود سنبھال لی، کیونکہ جگہ جگہ عام لوگوں نے سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کیں اور مورچے سنبھالے۔ فوج نے شہری حکام کی مدد سے شورش کو فرو کرنے اور جوشیلے نوجوانوں پر قابو پانے کے لئے بے انتہا تشدد اور ظلم و جبر سے کام لیا۔ جہاں اس سے کام نہ چلا وہاں پیشگی وارننگ دیئے بنا اور مجسٹریٹ کی اجازت لئے بغیر گولیوں کا آزادانہ استعمال کیا۔ کئی مقامات پر جب عام لوگوں کو اس قسم کے حادثات سے دوچار ہونے پر مدافعت کی کوئی راہ نہ ملی تو انہوں نے بھی ملٹری اور سول حکام پر حملہ بول دیئے، میں تحمل سے کام نہ لیا۔ جس سے حالات اور بھی ابتر ہوئے۔ شہر میں کرفیو کی گرفت اور مضبوط کی گئی۔ تحریک کو دبانے کے لئے مہاراجہ نے خاص احکام جاری کئے مگر لوگوں کی ہمت نے انہیں نظر انداز کیا۔ اس دور میں لاانتہا

لہ۔ اس قسم کے تشدد کا پہلا نشانہ نواب بازار کا ایک بائیس سالہ جوان علی محمد پٹھان بنایا گیا وہ نواب بازار چوک کی ریلنگ پر علامہ اقبالؒ کا یہ شعر گا کر گزر رہا تھا۔

جس کھیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روزی — اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

خواجہ محمد عمر بٹ جو ۲۰ مئی کی رات کو گرفتار کئے گئے تھے۔ ۲۱ مئی کو ان کے فرزند غلام محمد بٹ کو جو پُر امن طور پر شمس واری سری نگر کے قریب سڑک سے گزر رہا تھا، گولی کا ہدف بنایا گیا۔ گولی سینے کے آر پار ہوئی یہ اس کی قسمت اچھی تھی جو بچ گیا۔ بعض پر فوج نے ایک مزدور کو بھی فوجی گاڑی کی اوٹ میں گھات لگا کر بربریت کا نشانہ بنایا۔

تشدد آمیز کارروائیوں کے باوجود کشمیریوں نے جاگیر شاہی کے خلاف جس جذبہ سرفروشی کا مظاہرہ کیا وہ آزادی کی جنگ لڑنے والے اقوام کی تاریخ میں ہمیشہ آب زر سے لکھی جائے گی۔ انہوں نے گولیوں کی بوچھاڑ میں نہ صرف سرکاری املاک، پلوں، سرکاری عمارتوں، بجلی کے کھمبوں، ٹیلی فون تاروں کو زیاں پہنچایا۔ بلکہ ان نہتے حریت پرستوں نے بے جگری سے لڑ کر کئی فوجیوں سے اسلحہ چھین لئے۔ مگر استعمال کے طریقوں سے ناواقفیت کی بنا پر وہ ضائع کئے گئے۔ یہ سلسلہ سری نگر تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ اس تحریک نے ریاست کے خاور و باختر کو اپنی گرفت میں لے کر غدر جیسے حالات پیدا کئے۔ سوپور، بارہ مولہ، کپواڑہ، ہندواڑہ، اوڑی، مظفر آباد، ریاسی، راجوری، بجبہاڑہ، اسلام آباد، کشتواڑ، پلوامہ، پانپور، گاندربل، کنگن، راجپورہ، بانڈی پورہ، شانگس، کوٹھیار، شاہ آباد، ڈورو، بیج بہاڑہ، چنہنی، غرض قصبوں اور سرائیوں کی بات ہی نہیں، چھوٹی چھوٹی دیہی بستیاں بھی اس انقلابی تحریک کے دائرے میں آئیں۔ اس طرح حکومت کے قہر اور عوامی غم و غصہ کا کئی دنوں تک سخت مقابلہ ہوتا رہا۔ اس تحریک کو جاری رکھنے کے لئے لوگوں کے پاس جو سب سے موثر ہتھیار تھا وہ نفرت و حقارت کے اُبلتے ہوئے چشمے، پوری ایک صدی کے مظالم غربت، سماجی اونچ نیچ کے واقعات جن میں وہ گھیرے ہوئے تھے، وہ جذبہ آزادی جو انہیں اپنے آباؤ و اجداد سے جاگیردارانہ نظام کو مٹانے کے لئے ورثہ میں ملا تھا۔ غلامی کی زنجیروں کو توڑنے صدیوں کی جدوجہد کو درجہ کمال تک پہنچانے اور جاگیر شاہی استبداد کے خوفناک اژدہے کا سر ہمیشہ کے لئے کچلنے کی آرزو میں سرفروشانہ یلغار اس تحریک کے پس منظر میں رقصاں و غلطاں تھی اس انقلاب کی اصلی طاقت شہر اور دیہات کے فاقہ کش اور صد سالہ جبر و تشدد سے روندے ہوئے انقلابی تھے۔ چنانچہ کئی مقامات پر ان انقلابیوں نے کلہاڑیوں، بیلچوں، کھدالوں

اور برچھیوں کا بے دریغ استعمال کیا۔ انہیں یقین تھا کہ جاگیر شاہی سے نجات عوام کی ایک کامیاب بغاوت ہی میں پنہاں ہے۔ اس تحریک میں کشمیری خواتین نے بھی بھرپور حصہ ادا کیا۔ اسلام آباد اور سری نگر کے معرکوں میں کشمیر کی کئی بیٹیاں جاگیردارانہ نظام کی گولیوں کا نشانہ بنائی گئیں۔ جن میں قابل ذکر اسلام آباد کی مختی نام کی ایک بیٹی بھی ہے جس نے ایک موقع پر تن تنہا ڈوگرہ افواج کا بڑے حوصلے اور وقار سے مقابلہ کیا۔ بالآخر وہ فوجیوں کی گولیوں کا ہدف بنی۔ ان کے علاوہ بیگم محمودہ، زینب بیگم، بیگم شیخ محمد عبداللہ، زونہ گورو، بیگم ساجدہ ضمیر علی اور کئی دوسری خواتین ہیں جنہوں نے قابل رشک معرکے سرانجام دیئے ہیں۔ چنانچہ حکومت کو اس عوامی بغاوت میں اپنی شکست رقصاں نظر آنے لگی اور اسے فرو کرنے کے واسطے جاگیر شاہی نے فوج کو

لے۔ اس تحریک کو مسلح بغاوت میں بدلنے کے لئے بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق نے لاہور کے بڑلا ہال میں خفیہ طور جمع شدہ آتشی اسلحہ جو کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کی ملکیت میں شامل تھے کشمیر لانے اور یہاں استعمال کرنے کا بندوبست کیا تھا۔ مگر یہ سکیم بار آور ثابت نہ ہوئی۔ یہ جیسے ہی دستی بموں کی جو پہلی قسط سری نگر پہنچی اس سے مجلس جنگ کے اشتراکی مزاج کارکنوں نے وادی کشمیر کے مختلف مقامات پر استعمال کیا۔ مگر ہر جگہ یہ بے اثر ثابت ہوئے جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ دستی بم زائد المیعاد ہوئے ہیں یا ان کو استعمال میں لانے والے کارکن اسلحہ کی فنی جانکاری سے ناواقفیت کی بناء پر ان کا صحیح استعمال نہیں کر سکتے ہیں۔ دستی بموں کی یہ پہلی کھیپ تحریک کو جاری ہوئے چھ ماہ بعد یہاں پہنچی۔ جبکہ تحریک شاہراہوں سے سکڑ کر حضرت بل کے سٹیج پر ڈکٹیشنوں تک محدود ہو چکی تھی۔ یہی دن تھے جب مجلس جنگ کے کارکنوں نے متفرق طور پر دو پستول اور ایک ریوالور خریدا اور اسی ریوالور سے پریم ناتھ بزاز پر گولیاں چلائی گئیں جس کو بعد ازاں پولیس نے دوسرے پستول کے ساتھ

(باقی حاشیہ صفحہ ۶۶ پر)

غیر انسانی حرکات پر عمل پیرا ہونے کی کھلی اجازت دی۔ اس اشارے کو پاتے ہی گرایکی فوج نے قہر و غضب کا کوئی حربہ باقی نہ چھوڑا۔ انہوں نے باعزت شہریوں، عام لوگوں،

(بقیہ حاشیہ ۶۵ سے) ضبط کیا۔ یہ جاننا بعید از معلومات نہ ہوگا کہ بخشی غلام محمد، شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری سے چند دن قبل ہی خفیہ طور پر لاہور چلے گئے تھے اور شیخ صاحب کی گرفتاری کے دو دن بعد خواجہ غلام محمد صادق جن کا بخشی غلام محمد کے ساتھ ہی حکومت نے وارنٹ گرفتاری جاری کی تھی، روپوشی کی حالت میں لاہور کی راہ لی اور انہیں ایک تانگہ پر بٹھا کر جس کے کوچ بان کے فرائض سید نصیر احمد نے انجام دیئے رات کے گیارہ بجے سری نگر سے شالہ ٹینگ پہنچایا۔ جہاں میسرز سوہن لال موٹر کمپنی کا ڈرائیور غلام محمد ڈار نے راولپنڈی تک ساتھ دیا۔ غلام محمد صادق کے ہمراہ اس کار میں ایک ماڈرن لڑکی کا روپ بھر کے ساجدہ جی (سابقہ ڈائریکٹر ایجوکیشن حکومت جموں و کشمیر (جواب ساجدہ ضمیر احمد کہلاتی ہیں) ساتھ بیٹھی تھیں۔ ساجدہ جی ان کے ساتھ کوہالہ پل تک گئیں۔ یہ اس لئے ضروری سمجھا گیا تاکہ راستے میں پولیس کے سپاہی انہیں دیکھ کر یہ سمجھیں کہ سیاحت کی غرض سے آیا ہوا یہ نوجوان جوڑا واپس جا رہا ہے۔ اس طرح کشمیر کی خواتین نے اس تحریک میں اپنا شاندار رول ادا کیا۔ اگلے دن گیارہ بجے کے قریب ساجدہ جی سری نگر کی سڑکوں پر تتلیوں کی طرح گھوم پھر رہی تھیں۔

لاہور کے قیام کے دوران ہی ایک دن رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی نے بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، چودھری محمد شفیع کو ایک ملاقات کے دوران طعنہ دیتے ہوئے کہا۔ آج جبکہ ہندوستان تقسیم ہو رہا ہے اور پاکستان عالم وجود میں آ رہا ہے آپ لوگ ایک بے مقصد تحریک کو چلا کر نہ صرف عام لوگوں کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں بلکہ خود کو جیلوں میں ڈال کر بدلتے ہوئے حالات سے بے نیاز ہوئے ہیں۔

ایسی ہی ایک محفل میں مولانا مظہر علی اظہر نے کشمیر کے قوم پرست زعماؤں کے اس سوال پر

بوڑھوں، راہگیروں، کو گلیوں اور دوسرے خاص مقامات پر رینگ کر اور لنگڑاتے چلنے پر مجبور کیا۔ فوجیوں نے راتوں کو مکانات لوٹنے اور دن کو لوگوں کی جیب تلاشی کے بہانے نقدی چھیننا اپنا شعار بنا لیا۔ قید و بند کا قانون 'تعزیری ٹیکس' کا بے دریغ استعمال عام ہوا۔ اس طرح حکومت ابن الوقتوں، موقعہ پرستوں اور سیاسی جعلسازوں کے بل بوتے اور مختلف سیاسی و نیم سیاسی پارٹیوں کے درمیان اختلافات تازہ کر کے دوبارہ اپنے قدم جمانے اور ایک ایسی مصنوعی خاموشی پیدا کرنے میں وقتی طور کامیاب ہوئی کہ اگر سوئی بھی گرے تو آواز سنائی دے۔ اس عبرت ناک منظر کا نقشہ گلوب

(بقیہ حاشیہ ۶۵) کہ آپ تقسیم ہند کی مخالفت میں پہلا جیسا زور کیوں نہیں دیتے کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ مجھے ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ کانگریس اور لیگ میں سمجھوتہ ہوا ہے ہم اپنی طرف سے جد و جہد کرتے ہیں لیکن برطانوی حکومت، کانگریس اور مسلم لیگ عظیم طاقتیں ہیں ان کا رخ موڑا نہیں جا سکتا۔ میں نے حال ہی میں سیالکوٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان کا مانگنا نہ مانگنا مسلم لیگ کا کام ہے پاکستان کو ماننا نہ ماننا کانگریس کا کام ہے اور دینا یا نہ دینا انگریز کا کام ہے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پاکستان مسلم لیگ نے مانگا۔ کانگریس نے مانا اور انگریز نے دیا۔ انگریز کی نخچۃ میں وطن عزیز کو تباہ و برباد کرنے کا موجب بنیگی۔ ہمارے کئی جاہ پسند اعلیٰ نشستوں پر بیٹھ کر غرائیں گے۔ برطانوی شاطر ہار کر جیت جائیں گے اور ہم جیت کر ہار جائیں گے۔

لے۔ اس سلسلے میں عزیز کاشمیری ایڈیٹر روشنی جو اُس دور میں کشمیر پریس کانفرنس کے جنرل سیکرٹری تھے کو بھی بربر شاہ پل کے قریب اس عمل سے گزرنا پڑا۔ چنانچہ انہوں نے پرائم منسٹر رام چندر کاک کو احتجاجی مراسلہ بھیجا۔ اسی دن شام کو وزیر اعظم نے انہیں ... اگلے دن اُن کے آفس میں ملنے کی استدعا کی گئی تھی۔ دوسرے دن وزیر اعظم رام چندر کاک نے ان سے اس واقعہ پر معذرت کی اور آئندہ ایسے واقعات کی پیش بندی کا وعدہ بھی کیا اور کہا

(باقی حاشیہ ...)

نیوز ایجنسی نے اپنے ایک بلیٹن میں یوں کھینچا ہے۔ "لوگوں کو لنگڑوں کی طرح ایک ٹانگ پر چلنے کے لئے مجبور کیا جا رہا ہے اور انہیں کہا گیا ہے کہ وہ مہاراجہ بہادر کی جے کے نعرے بلند کریں۔ بڑھوں اور باوقار شہریوں کو رائیفل کے دستوں (بٹوں) سے سڑکوں پر رینگنے کے لئے مجبور کیا گیا۔ وکلاء، پروفیسروں، یہاں تک کہ سرکاری ملازموں کو بھی سڑکیں صاف کرنے پر دباؤ ڈالا گیا۔ اسی طرح کا ایک اور بیان پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی دیا جس میں کشمیر کا تذکرہ کرتے کہا گیا۔ کہ سری نگر مُردہ لاشوں کا شہر بن گیا ہے۔ جہاں حرکت کرنی مشکل ہے۔"

دندناتے یوں پھرے ہے شہر کی سڑکوں پہ وہ جیسے پورے شہر میں کوئی بھی آئینہ نہ ہو

(بقیہ حاشیہ ۔۔ سے) میں نے اس سلسلے میں احکامات جاری کئے ہیں۔ اگر آئندہ ایسی کوئی شکایت آپ کی نظروں سے گذرے تو برائے کرم میری نوٹس میں لانے سے گریز نہیں کیجئے گا۔ عزیز کاشمیری جو کویٹ کشمیر کے حامی تھے نے اگلے دن اس گفت و شنید کو اپنے اخبار میں شایع کیا چنانچہ بعد ازاں شیخ صاحب کے مقدمۂ بغاوت میں وکیل دفاع مسٹر آصف علی نے انہیں گواہِ صفائی کے طور پر نامزد کیا۔

لے۔ اس موقع پر لداخ کا اس کے پس منظر میں تذکرہ کرنا بے جا نہ ہوگا۔ ۱۸۵۰ء کے خاتمہ پر جنرل زورآور سنگھ نے لداخ کے ایک باغی لیڈر سکالعیر کو بغاوت کے جرم میں گرفتار کر کے اس کا دایاں بازو کاٹ کر کھلتے ہیں دریائے سندھ کے تصلی پل پر لٹکایا۔ اس کے دائیں کندھے پر ابلتا ہوا تیل ڈالا۔ اُس کی زبان کاٹی اور جب وہ شدت کرب سے تڑپتا ہوا جان دے رہا تھا اس کو پھانسی کے تختے پر لٹکایا گیا۔ لداخ کی لڑائیوں اور بغاوتوں میں پندرہ ہزار لداخی مارے گئے۔ ۱۲ ہزار چیچک کے شکار ہوئے تو ہزار بودھ اور ایک ہزار لداخی مسلمان تبت بلتستان کی طرف بھاگ گئے۔ ظاہر ہے ڈیڑھ لاکھ کی آبادی والے علاقے

(باقی حاشیہ صفحہ ۶۹ پر)

مہاراجہ بہادر کی جے

۲۰ مئی کی بغاوت کی ناکامی کے بعد انقلاب کا چڑھا ہوا سیلاب رفتہ رفتہ اُترنے لگا، اور جلد ہی سماج سُدھار سبھا نامی ایک ٹوڈی ٹولہ اور کئی دوسرے چھوٹے نیم سیاسی گروہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کی جے کے نعرے لگاتے جب کرگل کے علاقے میں گشت شروع کیا تھا جس کا مقصد مہاراجہ کی حکومت سے اپنی وفاداری کا گہرا اظہار تھا۔ اس علاقے میں دیواروں پر جگہ جگہ مہاراجہ بہادر کی جے اور ڈوگرہ راج امر رہے کے نعرے لکھے گئے۔

(حاشیہ صفحہ ۔۔ سے آگے) کے لئے یہ ایک زبردست نقصان تھا۔ باغیوں کے سرغنوں کو کٹ اذیتیں دے کر تڑپا تڑپا کر لوگوں کے بھرے مجمع میں مار دیا گیا۔ خوف و دہشت کے اسی عالم میں ایک رات کھلے میں گھسلن برج سے سکاسیر کا بازو چیل لے بھاگی۔ لوگ ہراساں ہوئے اب کیا ہوگا۔ اتفاق سے اسی دن ایک آدمی فوت ہوا۔ گاؤں والوں نے اسی کا بازو کاٹ کر اسی جگہ لٹکا دیا۔ یہ ہے اس ظالمانہ دور کے پس منظر کی ایک جھلک جس نے پوری ایک صدی تک لداخیوں کو سر اُٹھانے نہیں دیا۔

۱۹۳۱ء میں جب کشمیر میں جاگیردارانہ نظام کے ظلم و جبر کے خلاف عوامی تحریک شروع ہوئی۔ لداخ میں منشی عبدالستار پہلا فرد ہے جس نے اعلانیہ اس میں حصہ لینا شروع کیا۔ منشی عبدالستار جن کو لاہور سے نکلنے والے اُردو اخبارات کے باقاعدہ مطالعہ سے تحریک میں حصہ لینے کی تحریک ملی تھی۔ خواجہ احمد اللہ شہداد تبت بقال سے بھی متاثر ہوئے ہیں۔ اور ان کی وساطت سے شیخ محمد عبداللہ، چودھری غلام عباس خان، میرواعظ مولوی محمد یوسف شاہ، مولانا محمد سعید مسعودی اور دوسرے لیڈروں سے متعارف ہوئے۔ مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس کے کئی سالانہ اجلاسوں میں ان کی قیادت میں کئی لداخی

(باقی حاشیہ صفحہ پر)

کوئٹ کشمیر تحریک کی مذمت

۸ مئی ۱۹۴۶ء کو لالہ دینا ناتھ مہاجن ایڈووکیٹ نے بیعنامہ امرتسر کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے شیخ صاحب کے اس جملے کو جس کا انہوں نے اپنی تقاریر میں اکثر و بیشتر یہ کہا کہ "تاریخ میں ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی جبکہ کوئی ملک کسی رانافٹ کے ہاتھوں اس طرح بیچ دیا گیا ہو" کو غلط قرار دیتے ہوئے یہ دلیل دی کہ ۱۸۶۷ء میں معاہدہ سینٹ پیٹرزبرگ کے تحت امریکہ نے الاسکا کا سارا علاقہ روس سے ۷۲ لاکھ ڈالر کے عوض خرید لیا۔ ۱۸۰۳ء میں فرانس نے لوئی سی آنا کا علاقہ امریکہ کو ساٹھ لاکھ فرانکس کے عوض فروخت کیا ـــ" یہ دلیلیں پیش کرتے ہوئے غالباً لالہ دینا ناتھ جی یہ لکھنا بھول گئے کہ الاسکا کا شمال مغربی ساحل جو روس نے ۷۲ لاکھ ڈالر میں امریکہ کو فروخت کیا اور لوئی سی آنا جو فرانس نے ۶۰ لاکھ فرانکس کے عوض امریکہ کو دیا۔ دونوں غیر آباد علاقے تھے اور تاریخ کے مختلف ادوار میں ان

سلطان (بقیہ حاشیہ صفحہ ۔۔ سے) وفود نے شرکت کی۔ تحریک آزادی میں ان کے خفیہ شریک کار لیہ کے امام سید محمد سعید اور چودھری غلام محمد تھے۔

جنوری ۱۹۳۳ء میں سیاسی سرگرمیوں کی پاداش میں لداخ کے وزیر پنڈت نرنجن ناتھ کے ایما پر ان کو گرفتار کر کے اسکردو کے قید خانے کا مہمان بنایا گیا۔ جولائی ۱۹۳۳ء میں رہا کیا گیا۔ لداخ کے اس اولین "تحریک آزادی کے سپاہی" کو کوئٹ کشمیر تحریک میں حصہ لینے کے لئے جہاں بے شمار گھریلو مسائل نے گھیر رکھا تھا۔ وہاں جاگیردارانہ نظام کے کارندوں کی کڑی نگرانی نے انہیں سانس لینی دوبھر کی تھی۔ لیکن ان سب کے باوجود انہوں نے لیہ میں کئی احتجاجی جلسے کئے جو لداخ کے پیش نظر بڑی اہمیت اور تحریک میں لداخ کا حصہ کہلا سکتے ہیں۔

علاقوں پر مختلف قومیں قابض ہوتی رہی ہیں۔ برعکس اس کے کشمیر جو زمانہ قدیم سے اپنے تہذیبی، ثقافتی اور سیاسی عروج و زوال کی بدولت ایک زندہ اور مہذب قوم کا مسکن رہا ہے کے بارے میں ایسی بودھی اور بے معنی دلیلیں دے کر بیعنامہ امرتسر کو حق بجانب قرار دینے کی کوئی بھی سعی بذات خود غلامانہ اور متعصبانہ ذہن کا شاہکار ہی کہا جا سکتا ہے لیکن مہاراجہ ہری سنگھ اور اُن کے حواریوں کو خوش کرنے کے لئے لالہ جی نے تاریخی واقعات کو غلط رنگ میں توڑ مروڑ کے بیان داغ ہی لیا۔

۴ جون کو ڈوگرہ فیڈریشن کے نام سے مہاراجہ ہری سنگھ کے ایما پر پنڈت پرتھوی چند کالیہ کی صدارت میں ڈوگروں کا ایک جلسہ گوکل چند مارکیٹ اندرون شاہ عالمی گیٹ لاہور میں منعقد ہوا جس میں کوئٹ کشمیر تحریک کی مذمت کرتے ہوئے کہا گیا کہ اجلاس میں شامل دو لاکھ کے قریب ڈوگرے اس امر کا عہد کرتے ہیں کہ "وہ مہاراجہ کے پسینے کی جگہ اپنا خون بہانے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔" غالباً ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا گیا ہے ؎ مرتے لاکھوں کو سنا پر جنازہ کسی کا نہیں

کوئٹ کشمیر تحریک کی حمایت

شیخ محمد عبداللہ کے تقاریر کی حمایت و مخالفت میں بیرونی ریاست سے جو بے شمار بیانات آئے اُن میں پہلا حمایتی بیان علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے جموں و کشمیر سٹوڈنٹس یونین کے صدر سید میر قاسم کا تھا جس میں انہوں نے ریاستی طلباء اور ریاست کی تمام سیاسی جماعتوں سے اپیل کی تھی کہ وہ فرد واحد کی طرح متحد ہو کر کوئٹ کشمیر تحریک کا ساتھ دیں۔ اس بیان کو لاہور میں بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق نے کافی سے زیادہ داد دی اور تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ بیان صدر نے تمام جماعتوں اور طلباء کو نیشنل کانفرنس کے جھنڈے تلے منظم ہونے کو کہا ہے۔ چودھری غلام عباس خان نے اس پر اعتراض کیا اور کہا انہوں نے ایسا نہیں کہا ہے۔ اسی دوران سید میر قاسم علی گڑھ سے سری نگر واپس آتے ہوئے لاہور میں بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق سے ملے۔ جہاں بخشی صاحب اور ان کے درمیان تلخ کلامی ہوئی۔ یہ پوچھنے پر کہ اب سری نگر پہنچ کر کس جماعت میں کام کریں گے۔ سید میر قاسم نے کہا فی الحال میں تحریک کا ساتھ دوں گا۔ وادی میں وارد ہو کر انہوں نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کے لئے ضلع اننت ناگ کو چن لیا۔ اور بالآخر نیشنل کانفرنس کے ہی ہو کر رہ گئے۔

غرض فوج کی متشددانہ کارروائی پر اظہار اطمینان کرتے مہاراجہ ہری سنگھ نے جھوٹ اور مکروفریب کے حربوں کو تیز تر کیا۔ چنانچہ اُس نے جھوٹے پروپیگنڈے کو برف کی گیند کے مانند زرخرید اخباروں اور ٹڈی قسم کے خودساختہ سیاسی شوشہ بازوں کے ذریعہ اس طرح پھیلانا شروع کیا کہ جتنا دور چلا جائے اتنی ہی برف اُس پر لپٹتی جائے گی اور وہ بڑھتا جائے گا۔ یہ اور بات ہے کہ وقتی طور پر اُسے اس طرز پروپیگنڈے سے خاصہ فائدہ ہوا۔ مگر کشمیری حریت پرستوں کے سینوں میں دبی ہوئی آزادی کی آنچ نے اس برفانی گیند کو پگھلا کے ہی دم لیا۔

مہاراجہ کا ایک دوست کے نام خط

یکم جون ۱۹۴۶ء کو اپنے ایک جوہری دوست ڈاکٹر روز منتھل کو جو خط مہاراجہ نے بھیجا اُسے ہری سنگھ کی ذہنی وارفتگی اور کشمکش کی عکاسی ہوتی ہے۔ خط کا متن ملاحظہ ہو:۔

"فساد کی ابتداء مقامی فتنہ انگیز خطیب عبداللہ نے کی، جو

بلاشبہ کمیونسٹ اور ریاست دشمن ہے اس پر جب یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ وہ اپنے دوست کے ذریعہ جس کو منسٹر بنایا گیا تھا حکومت کو اندر سے نقصان پہنچانے میں ناکام ہوا تو اس نے اشتعال انگیز تقریریں کرکے حکومت کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ ظاہر ہے کہ میری حکومت کو اس کا تدارک کرنا تھا عبداللہ اور اس کے مٹھی بھر ساتھی حراست میں لئے گئے اس وقت عبداللہ اپنے گورو جواہر لال سے ملنے جا رہا تھا اس کی گرفتاری سے جواہر لال کی ذاتی رعونت کو بڑا دھکا لگا یہی وجہ ہے کہ جواہر لال جیسا کہ اس کی فطرت ہے اس معاملے میں تمام حدود سے تجاوز کر گیا۔

عبداللہ کی گرفتاری کے بعد ایک دو دن بے چینی رہی اور اب حالات معمول پر آگئے ہیں۔ فتح کدل اور زینہ کدل کے درمیان ایک چھوٹے سے علاقے میں ایک مسجد کو سیاسی اڈہ بنایا گیا ہے وہاں دو تین سو افراد جن میں خواتین بھی ہوتی ہیں، نماز پڑھنے کے بہانے جمع ہوتے ہیں مگر اصل مقصد اشتعال انگیز تقریریں اور قابل اعتراض نعرے بلند کرنے ہوتے ہیں۔ تحریک بلاشبہ بہت خطرناک تھی مگر ہم نے طوفان کا رخ موڑ دیا ہے اب ہمارا درد سر صرف جواہر لال نہرو کی دشمنانہ اور بے بنیاد نکتہ چینی ہے۔ بہر حال ہم اس کی تمام باتوں اور کارروائیوں کا جواب دینے کے لئے تیار ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ بالآخر اس میں دانش مندی غالب آجائے اور وہ بولنا بند کردے۔ ہم نے اس ہنگامے کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔"

حالات قدرے معمول پر آتے ہی مہاراجہ ہری سنگھ نے ۱۵ جولائی ۱۹۴۶ء کو گپکار کے شاہی محل میں دربار عام منعقد کیا جس میں جاگیردار اور سرکاری ملازمین بکثرت موجود تھے۔ جہاں انہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کی بادشاہت کی تائید میں قصیدے پڑھے اور بعد ازاں بڑی شد و مد سے اس درباری کارروائی کو پبلسٹی دی گئی۔

اس موقعہ پر سردار پٹیل نے وزیر اعظم رام چندر کاک کو ایک مکتوب بھیجا اور انہیں مطلع کیا کہ واردھا میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے کشمیری صورت حال پر غور کیا اور ایک قرارداد میں رائے ظاہر کی گئی کہ مہاراجہ صاحب اور آپ کو شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ مصالحت کرنی چاہئے۔ اسی میں ریاست کا فائدہ ہے۔ مجھے اور مولانا آزاد کو ورکنگ کمیٹی نے کشمیر کی گتھی سلجھانے کے لئے مقرر کیا ہے۔ خط میں سردار پٹیل نے گمان ظاہر کیا کہ آپ تک یہ خط پہنچتے پہنچتے شیخ محمد عبداللہ کو سزائے قید مل چکی ہوگی لیکن اس سے مسئلہ حل نہیں ہوگا کیونکہ کشمیر میں ابھی بھی لوگوں کی بھاری تعداد یا تو زیر حراست ہے یا مقدمات میں ماخوذ ہیں۔

اس مکتوب کے جواب میں رام چندر کاک نے سردار پٹیل کو لکھا۔ کہ ہماری پالیسی یہ ہے کہ لاقانونیت کو دبایا جائے اور ہمارے معاملات میں مداخلت نہ کی جائے۔ ہماری ریاست میں کل ۹۲۴ اشخاص گرفتار کئے گئے اس وقت ۱۰۶ نظربند ہیں، ۵۵ مختلف جرائم میں قید کی سزا کاٹ رہے ہیں، ۴۷ کے خلاف مقدمات زیر سماعت ہیں باقی رہا کئے گئے کشمیر کی چالیس لاکھ کی آبادی کے پیش نظر ان گرفتاریوں وغیرہ سے آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیا شیخ محمد عبداللہ کی تحریک کو عوامی تحریک کہا جا سکتا ہے۔

وار کونسل

تحریک کے آغاز میں ہی بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق کو (جن کی گرفتاری کے احکام جاری ہوئے تھے) تنظیم سے ہدایت دی گئی کہ وہ بیرون ریاست میں تحریک کے نشیب و فراز کے حق میں رائے عامہ منظم کریں۔ انہوں نے لاہور کو اپنا صدر مقام بنایا اور ۱۹۴۷ء تک نمایاں خدمات انجام دیتے رہے

سری نگر میں خواجہ محی الدین قرہ[1] کی قیادت میں ایک خفیہ مجلس جنگ قائم کی گئی اس کے ذمہ یہ کام سونپا گیا کہ وہ سیاسی طور پختہ کار اور تنظیمی اعتبار سے سلجھے ہوئے ورکروں

سلہ:- خواجہ غلام محی الدین قرہ کے خلاف ۳۰ مئی کو ہی وارنٹ گرفتاری جاری ہوئی تھی۔ انہیں لال چوک میں واقع منشی محمد اسحاق کی دوکان پر سید ولی شاہ سابقہ ایس پی جو ان دنوں سب انسپکٹر پولیس تھے، گرفتار کرنے گیا مگر مسٹر قرہ نے موقع پر جمع لوگوں کا فایدہ اٹھاتے مجمع سے گذر کر غلام محمد صادق کے دفتر واقع لال چوک کی طرف بڑھنے لگے۔ اتنے میں میسرز سومن لال مری کشمیر ٹرانسپورٹ والوں کی شیورلیٹ کار لے کر محمد شعبان ڈرائیور آگے بڑھا۔ غلام محی الدین قرہ اس میں سوار ہوکر روپوش ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ مسٹر قرہ کو گرفتاری سے بچانے میں شمس الدین دیوانی (جو شیام سندر در ڈپٹی گورنر اور پولٹیکل سیکرٹری کے آفس میں ہیڈ کلرک تھا) نے نمایاں رول ادا کیا۔ وہ شیام سندر در کے ہمراہ لال چوک سے گذر رہا تھا۔ محی الدین قرہ کو دیکھ کر شیام سندر در تھانے میں پولیس کے سپاہی لانے گیا۔ شمس الدین دیوانی نے یہ اطلاع لوگوں کے ذریعہ محی الدین قرہ کو پہنچائی۔ مجلس جنگ میں مسٹر قرہ کے ساتھ کام کرنے والے سینکڑوں کارکنوں میں علی محمد بٹ، بسنت باغ، پیر عبدالعزیز، پیر عبدالاحد شاہ۔ غلام احمد میر، غلام رسول میر عرف لسہ میر اور محمد سلطان

(باقی حاشیہ صفحہ پر)

سے رابطہ قائم کرکے انقلابی مہم کو اس طریقے پر جاری رکھنے کے لئے وقتاً فوقتاً ہدایات پمفلٹ اور اشتہارات کی طباعت و تقسیم کا کام انجام دیتے۔ مجلس جنگ کے ذمہ خفیہ میٹنگوں، کھلے جلسوں (جن میں خانقاہ معلیٰ اور حضرت بل کے سٹیج سے دھکیلے ورکروں کے ذریعہ تحریک کی روح کو زندہ رکھنے) اور ہڑتالوں کو منظم کرنے کا عمل بھی شامل تھا۔ یہ وار کونسل ہی تھی جس کی حکمت عملی اور مدافعت سے کم و بیش "کوئٹ کشمیر" کی تحریک ۱۹۴۷ء تک زندہ رہی۔ اس دوران حکومت نے محی الدین قرہ کو گرفتار

(بقیہ حاشیہ صفحہ سے) نجار صفاکدل نمایاں حیثیت کے مالک ہیں۔ غلام محی الدین قرہ کو گرفتار کرنے کی ایک اور کوشش خانیار میں پیر مقبول کے دولت خانہ پر ناکام ہوئی۔ واقعہ یوں ہے نیشنل کانفرنسی ورکروں کی ایک خفیہ میٹنگ پیر مقبول کے دیوان خانے پر ہو رہی تھی۔ کسی مخبر نے پولیس کو اس میٹنگ کی اطلاع دی۔ لمحوں کے اندر سارے مکان کو پولیس نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ ایسے دہشت ناک لمحات میں ہر کسی نے پناہ گاہیں تلاش کرنی شروع کیں۔ خواجہ محی الدین قرہ، پیر صاحب کے صحن میں ایک شکستہ حجرے کے نیچے چھپ گیا اور حکیم محی الدین، پیر صاحب کے مکان کی چھت پر اگی ہوئی گھاس میں لیٹ گیا۔ پولیس، تلاشی کے دوران جب چھت کا جائزہ لینے لگی تو اُسے گھاس میں کسی کے چھپ جانے کا شک گذرا۔ آگے بڑھ کر جب پولیس آفیسر نے کسی کو گھاس میں لیٹا ہوا پایا۔ تو اُس کا نام دریافت کیا۔ جواب میں اس نے اپنا نام محی الدین بتایا۔ اتنا سنتے ہی حکمران ٹولے میں خوشی کے نقارے بجنے لگے اور آناً فاناً یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی "محی الدین قرہ کو گرفتار کیا گیا۔" ابھی حکیم محی الدین، پیر مقبول کی چھت سے نیچے اترنے بھی نہ پایا تھا کہ اس گرفتاری کی اطلاع مہاراجہ ہری سنگھ کو بھیجی گئی۔ پولیس نے اپنا دائرہ پیر مقبول کے مکان

(باقی حاشیہ صفحہ پر)

کرنے کے لئے مختلف مقامات پر سینکڑوں چھاپے مارے مگر وہ ہاتھ نہ آئے سچ تو یہ ہے کہ مسٹر قرہ کی جرأت اور سیاسی سوجھ بوجھ نے اس تحریک کو زندہ رکھنے میں جو حیرت انگیز قوت بخشی وہ لا مثال ہے۔

ان دنوں ابوالاثر حفیظ جالندھری سری نگر میں قیام پذیر تھے۔ تحریک سے اُن کے دل میں پیدا شدہ تاثرات کو انہوں نے نظم کیا اور یہ نظم وار کونسل نے ایک دیواری پوسٹر کے ذریعہ عوامی حلقوں تک پہنچائی۔ اس کے مشتہر ہوتے ہی ریاستی حکومت نے حفیظ جالندھری کو چوبیس گھنٹوں کی نوٹس پر کشمیر خالی کرنے پر مجبور کیا۔ لاہور پہنچ کر حفیظ صاحب نے "بیعنامہ امرتسر" اور "خون کے چراغ" عنوان سے کشمیر کے حال و ماضی پر دو یادگار نظمیں لکھیں جس سے ریاستی حکومت کافی سٹپٹائی۔ مگر اب حفیظ اُس کے دسترس سے باہر تھا۔ چونکہ دونوں نظموں کا کشمیر سے رابطہ خاص ہے اس لئے ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ [illegible]) پر اتنا تنگ کیا کہ محی الدین قرہ تو آسانی سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے اور حکیم محی الدین کو سنٹرل جیل میں بحیثیت "سرکاری مہمان" ٹھہرایا گیا۔

لہ۔ غلام محی الدین قرہ کی ہدایت پر آؤسہ باندی پورہ کے مختار احمد نے پیرول پر رہا ہونے کے بعد تحصیل سونہ واری میں غلام محی الدین بہرو، احمد میر علی، محمد عبداللہ درزی، محمد رجب آہنگر، ملا صمد ادان (غلام محی الدین اشم، آجکل پاکستان میں ہیں) پیرزادہ غلام نبی سنبل، غلام احمد بیگ باندی پورہ، محمد سبحان کھانڈے نادی ہل، محمد سلیمان خان کوٹلا سرینڈر، عبدالصمد بٹ گرزنہ، عزیز راتھر گرند، عبدالرحمان شاہ آرہ گام، منور صوفی، رحیم نیرڈو، خالق رشی، وغیرہ کو اپنے ساتھ ملا کر جابر و جاگیردارانہ نظام کو تہہ و بالا کرنے کے لئے صدر کوٹ پائین اور باندی پورہ کو اپنا مرکز بنایا۔ انہوں نے

(باقی حاشیہ صفحہ [illegible] پر)

شیر وادی میں دھماکا گونج اٹھے کہسار
چار سو آزادیٔ جمہور کی سن کر پکار
عیش کے کانوں میں پیغام اجل آنے لگا

ہو گئے بیدار مزدور اور جاگا کاشتکار
ہو گئی برہم نشے میں نخوت سرمایہ دار
کار بار شہریاری میں خلل آنے لگا

یہ "بہی کھاتہ" پچھتر لاکھ کے بیوپار کا
بھاؤ یہ نکلے گرا دیں آج اُس بازار کا
یوں اگر آزادی، آزادی پکاری جائے گی
وادیاں، کہسار، جنگل، ندیاں، پھل پھول اناج
ہم کو پردادا سے ورثے میں ملا جب تاج
مال یہ سب ہم نے مارا ہے پچھتر لاکھ میں
لُٹ گئی کشمیر کی جنت پچھتر لاکھ میں
مرد کا سرمایہ "محنت" پچھتر لاکھ میں
ملک، ملت، قوم، مال و جان پچھتر لاکھ میں

"بدمعاشی" روپ جس نے بھر لیا سرکار کا !
کیوں کلیجہ پھٹ نہ جائے سیٹھ ساہوکار کا
"لالچ"! منڈی میں اپنی ساکھ ماری جائے گی
ڈھور ڈنگر! آدمی ان سب کی محنت کا خراج
بیعنامہ دیکھ لو اب کچھ ہے اس میں اندراج
ملک پر قبضہ ہمارا ہے پچھتر لاکھ میں
بک گئی انسان کی قسمت پچھتر لاکھ میں
عورتوں کا جوہر عصمت پچھتر لاکھ میں
ہاں پچھتر لاکھ میں ہاں ہاں پچھتر لاکھ میں

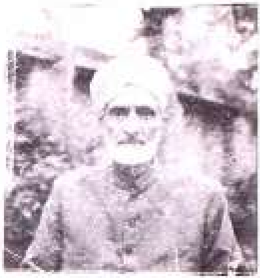
(بقیہ حاشیہ صفحہ [illegible] سے)۔ پُلوں کو اکھاڑنے، بجلی کے تاروں کو کاٹنے اور سرکاری املاک کو تباہ کرنا اپنا معمول بنا لیا۔ اس طرح انڈر گراؤنڈ کام کرتے ہوئے حکومت نے دوبارہ مختار احمد کو گرفتار کیا اور بعدالت منصف سوپور انہیں دو ماہ قید اور پچاس روپے جرمانہ کی سزا دے کر سنٹرل جیل سری نگر منتقل کیا۔ جہاں اس نے مولانا مسعودی، سردار بدھ سنگھ اور شیام لال صراف کی ہدایت پر بھوک ہڑتال میں حصہ لیا۔ بھوک ہڑتال پر تقریباً بارہ دن رہنے کے بعد انہیں پنڈت جیا لال تعمیری کے ساتھ جموں جیل بھیجا گیا جہاں چودھری غلام عباس پہلے سے ہی نظر بند تھے۔



جناب شیخ محمد عبداللہ اور جناب بخشی غلام محمد ایک ضیافت کے دوران



تحریک کویٹ کشمیر کے دوران۔ (دائیں بیٹھے ہوئے) خواجہ غلام محمد بٹ عرف چری بڈھا
خواجہ غلام محی الدین قرہ، جناب غلام حسن گیلانی۔
دکھڑے دائیں) جناب نورالدین دلال۔ جناب غلام محمد بٹ۔



مولانا سید مبارک شاہ فطرت



جناب حفیظ جالندھری



جناب غلام احمد مہجور



جناب عبدالستار عاصی

یہ وہی ہیں جن کے آدم زاد سب ہیں زرخرید — ان کے بچے بچیاں اولاد سب ہیں زرخرید
ہو نہیں سکتے کبھی آزاد سب ہیں زرخرید — تاقیامت خانماں برباد سب ہیں زرخرید

ہر جبین کہتر و قہر ہماری ابھری ہے
ماؤں کے سینوں میں بچوں پر ہماری مہر ہے

خون کے چراغ میں حفیظ جالندھری نے کشمیر کی تحریک آزادی کے کئی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ انہوں نے اس میں شہید کی زبانی حریت پرستوں کو ایک انوکھے انداز میں مخاطب کرکے ان کے احساسِ بیداری کو جھنجھوڑا ہے۔

خون کے چراغ

اے رفیقو، سوساتھیو، سنتے جاؤ ایک بات — ہم بھی زندہ تھے کبھی، ہم بھی کبھی تھے ذی حیات
دیکھتے تھے ہم بھی صبح و شام کی رنگینیاں — ان نگاہوں نے بھی کی ہیں حسن کی گلچینیاں
ہم بھی ان سینوں میں دل رکھتے تھے دل میں درد بھی — گرم آنسو آنکھوں میں، ہونٹوں پہ آہِ سرد بھی
دل دھڑکتا تھا ہمارا بھی نگاہِ ناز پر — رقص ہم بھی کر چکے ہیں زندگی کے ساز پر
ہم نگاہِ حسن کے طالب بھی تھے مطلوب بھی — عشق ہم نے بھی کیا تھا، ہم بنے محبوب بھی
ہم تمہاری ہی طرح کودے تھے اس طوفان میں — جان کی بازی لگا دی ہم نے اس میدان میں
تھا پرِ پرواز اپنا بھی کبھی افلاک پر — آج ہم قبروں میں سوئے ہیں زیرِ فرشِ خاک پر
معرکہ آراؤ! ہاں آگے بڑھو بڑھتے چلو — ظالموں پر تند شیروں کی طرح چڑھتے چلو
اب کہاں سے ہاتھ، اس آغاز کا انجام ہے — ہم یہاں کام آ گئے آگے تمہارا کام ہے
منہ اگر آزادیٔ کشمیر سے موڑو گے تم — ہم شہیدوں، ہم وفاداروں کا دل توڑو گے تم

لالہ رو تر ہیں یہ سینہ ہائے داغ داغ — ہم نے اپنے خون سے روشن کئے ہیں یہ چراغ

سرفروشو! ان چراغوں سے ضیا لیتے ہوئے
آگے اور آگے بڑھو نامِ خدا لیتے ہوئے

وار کونسل کے دیواری پوسٹروں کے لئے ریاست کے کئی ممتاز شعراء اور ادیبوں نے انقلاب انگیز نظمیں، غزلیں اور مضامین لکھے۔ جن میں عبدالستار رنجور، مولانا سید مبارک شاہ فطرت، دینو بھائی پنت، سید مبارک شاہ شاہین[1] اور عبدالستار عاصی قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا سید مبارک شاہ فطرت نے اپنے مخصوص میلانِ طبع سے ہٹ کر انقلاب انگیز فضاؤں میں ارتعاش پیدا کرنے کے لئے اپنی صوفیانہ طبیعت کو انقلابیوں سے ہم آہنگ کیا۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:۔

سرفروشانِ وطن، آگے بڑھو! — چاک کر دو سینۂ صیاد کو
کب تلک سہتے رہیں ظلم و ستم — پھونک ڈالو قصرِ استبداد کو
خونِ ناحق سے رنگے ہیں اس کے ہاتھ — ڈھیر کر دو ڈوگرہ شداد کو
اے غلامانِ شہِ خیبر شکن — توڑ ڈالو خنجرِ جلاد کو

فیکٹ فاونڈنگ مشن

ہندوستان کی سیاست کا جائزہ لینے کے لئے ان ہی دنوں انٹرنیشنل یونین آف سٹوڈنٹس کا ایک فیکٹ فاونڈنگ مشن بمبئی آیا تھا۔ مشن کے ارکان جب

---

[1] سید مبارک شاہ شاہین نوعمری میں ہی ریاستی سیاست سے وابستہ رہے ہیں۔ کئی بار جیل جا چکے ہیں۔ مسلم کانفرنس سے وابستہ ہونے کے باوجود کوئٹ کشمیر تحریک کی حمایت میں روزنامہ "زمیندار"، روزنامہ "احسان"، اور روزنامہ "منشور" لاہور میں مضامین لکھتے رہے۔ ۱۹۴۸ء میں پاکستان چلے گئے۔ فی زمانہ ہفت روزہ مظلوم کشمیر لاہور کے مدیر رہے ہیں۔

دہلی سے لاہور پہنچے تو خواجہ غلام محمد صادق نے انہیں کشمیر کے حالات سے باخبر کیا اور طے پایا کہ نور محمد (جو تحریک میں حصہ لینے کے جرم میں کئی دوسرے [illegible] کے ساتھ کالج سے خارج کئے گئے تھے) مشن کے ساتھ سری نگر چلے گئے۔ چنانچہ نور محمد نے مشن کے ارکان کو شہر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں جہاں گولیاں چلی تھیں اور تشدد کے واقعات ہوئے تھے کا دورہ کرایا۔ جگہ جگہ لوگوں سے مشن کو ملایا۔ مشن نے [illegible] شیخ محمد عبداللہ سے بھی ملاقات کی ان سے بھی جو گرفتار [illegible] حکومت کے [illegible] ظلم و ستم کے واقعات سنے۔ مشن نے اپنے دورے کے اختتام پر ایک طویل بیان میں ریاستی حکومت کی پالیسیوں کی شدید مذمت کی۔

مقدمۂ بغاوت

وزیراعظم رام چندر کاک کی حکومت نے شیخ محمد عبداللہ پر بغاوت کے جرم میں مقدمہ چلانے کے لئے مہاراجہ ہری سنگھ کی رضامندی حاصل کرنا ضروری سمجھا چنانچہ اس ضمن میں ریاست کے چیف سیکرٹری کی جانب سے مہاراجہ ہری سنگھ کے دستخط سے مندرجہ ذیل سرکلر جاری ہوا۔

لہ۔ کچھ عرصہ بعد خواجہ غلام محمد صادق کی ہدایت پر نور محمد نے ہی مشہور کمیونسٹ لیڈر جگجیت سنگھ آنند کو لاہور سے سری نگر تحریک کی امداد و اعانت کے لئے غلام محی الدین قرہ کے ہاں لایا۔ عین اسی وقت پیر سلام شاہ کے فرزند پیر حسام الدین جو ڈپٹی مجسٹریٹ تھا نے غلام محی الدین قرہ کے مکان پر چھاپہ مارا اس وقت زینب بیگم نے بڑی جرأت اور جوانمردی کا ثبوت دیتے ہوئے نہ صرف مسٹر قرہ کو گرفتاری سے بچایا، بلکہ مسٹر آنند اور نور محمد بھی ان کی وساطت سے صاف بچ نکلے۔

آرڈر نمبر ۳۳۶ س ۱۹۴۶ء

مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۴۶ء

زیر دفعہ ۱۹۶ کریمنل پینل کوڈ اس امر کی منظوری دی جاتی ہے کہ مسٹر ایس۔ ایم۔ عبداللہ کے خلاف اُس کی اُن تقاریر کی بناء پر جو اُس نے ۱۲ مئی، ۱۴ مئی اور ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کو بمقام بیر محلہ، زیارت خواجہ صاحب نوشہرہ اور مائسمہ میں علی الترتیب کی ہیں' زیر دفعہ ۱۲۴ (الف) رنبیر پینل کوڈ مقدمہ چلایا جائے۔ مزید ہدایات کی جاری ہیں کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس سری نگر سیشن جج کشمیر کی عدالت میں متذکرہ الزامات کے متعلق استغاثہ دائر کرے اور متذکرہ صدر تقاریر کی نقول شامل استغاثہ رکھے۔

حکم باجازت کونسل

دستخط رام چندر کاک

وزیر اعظم

تصدیق کی جاتی ہے

دستخط۔ ہری سنگھ

ہز ہائی نیس مہاراجہ جموں و کشمیر

اشد مجبوری کے پیش نظر تابع منظوری ہز ہائینس حکم صادر کیا گیا۔"

پولیس نے ۲۰ مئی کو شیخ محمد عبداللہ، غلام محی الدین قرہ، محمد سلطان غلہ دار، عز[illegible] سلطان غلہ دار اور پنڈت شیام لال صراف کے خلاف زیر دفعہ ۱۲۴ الف ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج سری نگر کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا جس کی پہلی پیشی ۲ جون ۱۹۴۶ء کو بادامی باغ فوجی چھاؤنی میں ہوئی۔ چونکہ سلطان غلہ دار اور غلام محی الدین قرہ تحریک کے آغاز میں

لہ۔ محمد سلطان غلہ دار کو پولیس نے ۸ ستمبر ۱۹۴۶ء کی شام کو زینہ کدل کے قریب گرفتار کر کے سنٹرل جیل سری نگر میں سیشن جج پنڈت امرناتھ ملہوترہ کی عدالت میں پیش کیا۔ جہاں اُس نے

الف [illegible]

ہی روپوش ہو گئے تھے اس لئے عدالت نے انہیں مفرور قرار دے کر ان کی جائیداد زیر دفعہ ۸۸، ۸۷ ضابطہ فوجداری ضبط کرنے کے احکام جاری کئے۔

کوہالہ میں پنڈت نہرو کی گرفتاری

شیخ صاحب کی گرفتاری کے فوراً بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے ریاستی وزیر اعظم سے اپنی طویل خط و کتابت[1] میں خواہش ظاہر کی۔ ملک کے وسیع تر مفادات کی خاطر شیخ محمد عبداللہ اور دوسرے تمام سیاسی لیڈروں اور کارکنوں کو رہا کیا جائے۔ مگر وزیر اعظم کاک نے ٹال مٹول اور سرد مہری کو اپنا شعار بناتے معاملے کو ٹالنے کی پالیسی اختیار کی۔ ۱۵ جون کو پنڈت جی نے مہاراجہ کشمیر کو برقیے سے مطلع کیا کہ میں ۱۹ جون کو شیخ محمد عبداللہ کے مقدمہ میں صفائی کے وکلاء کے ساتھ کشمیر آرہا ہوں۔ میرے عندیہ میں یہ بہتر ہے کہ متعلقین کا مفاد اسی میں ہے کہ مقدمہ واپس لے لیا جائے اور پُر امن تصفیہ کی خاطر میں بخوشی امداد دینے کے لئے تیار رہوں۔ ۱۷ جون کو مہاراجہ نے پنڈت جی کے تار کا جواب دیتے ان سے کہا۔ بیرون ریاست کے وکلاء کے بارے میں ریاست کے چیف جسٹس سے آپ کو رجوع کرنا چاہئے۔ فی الحال آپ کا یہاں آنا غیر مفید ثابت ہوگا۔ اس جواب پر پنڈت نہرو نے سٹیٹ پیپلز کانفرنس کے سیکرٹری پنڈت دوارکا ناتھ کاچرو[2] کو ذاتی خط

(بقیہ حاشیہ ص سے آگے) اپنی صفائی پیش کرنے کے دوران بھری عدالت میں "لیڈر ہمارا شیر کشمیر" اور "کشمیر چھوڑ دو" کے نعرے لگائے۔ اس پر انہیں دو سال قید با مشقت کی سزا سنائی گئی۔ غلام محی الدین قرہ گرفتار نہ ہو سکے۔ ان کے وارنٹ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد جب عوامی حکومت وجود میں آئی منسوخ کئے گئے۔

۱۔ یہ ساری خط و کتابت ریاستی محکمۂ اطلاعات نے کچھ عرصہ بعد شائع کی۔

۲۔ کچھ دن بعد ریاستی حکومت نے پنڈت کاچرو کو گرفتار کر کے مختصر سماعت کے بعد چھ ماہ قید کا حکم سنایا۔

مسٹر آصف علی، دیوان چمن لال، مسٹر بلدیو سہائے کی معیت میں سری نگر کی جانب چل پڑا۔ کوہالہ پہنچنے پر ریاستی حکومت نے پہلے سے مرتب شدہ منصوبے کے تحت جموں شہر سے سترہ لاریوں میں اپنے کانسلیوں کو پنڈت جی کے خلاف مظاہرہ کرنے کے لئے کوہالہ پل پر جمع کر رکھا تھا۔ مہاراج کرشن در گورنر کشمیر کے خفیہ مشورے سے مسلم کانفرنس کے گروپ نے بھی ان کے خلاف کرنے کے مظاہرین کی تین لاریاں فراہم کرکے اس مظاہرے کا شرمناک سہرا اپنے سر باندھا۔

نیشنل کانفرنسیوں کی گرفتاری و رہائی

اس حقیقت سے نیشنل کانفرنس کے انڈر گراؤنڈ ورکر بے خبر نہیں تھے بلکہ انہوں نے بھی جوابی کارروائی کے لئے کئی ایسے گروپ منظم کئے جو خفیہ طور پر کوہالہ پہنچ کر پنڈت جواہر لال نہرو کا نہ صرف شاہانہ استقبال کریں گے بلکہ ان نعروں کا توڑ بھی کریں گے جو ان کے مخالف دیں گے۔ اس غرض کے لئے جوشیلے نوجوانوں کے کئی گروپ منظم کئے گئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں محمد جمال آخون مدین صاحب کی قیادت میں جو پہلا جتھہ کوہالہ روانہ ہوا، تیرہ افراد پر مشتمل تھا۔ لیکن کوہالہ پہنچتے ہی یہ گرفتار کئے

۱۔ کوآپریٹو سوسائٹی جالکدوزان نزدوہ ریاستی مسلمانوں کی واحد جماعت ہے جس نے سردار پٹیل کو رام چندر کاک کے ایماء پر ایک برقیہ میں استدعا کی کہ "کشمیر کے حالات پر سکون ہیں لہٰذا پنڈت نہرو کو یہاں آنے سے روکا جائے۔"

۲۔ کوہالہ پل فی زمانہ پاکستان کے قبضہ میں ہے۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء تک کوہالہ پل کا نیچ برطانوی ہند اور ریاست جموں و کشمیر کے درمیان حد فاصل تھا۔

اِس گروپ کے تیراک لبروں میں سے بالاں کے نام یہ ہیں:۔ سبحنی ولایت تاد بورہ، سید حسین معرکہ دار، غلام حسن ٹھوکر، افضل جلال ڈرونی بورہ، امیرالدین چھینٹ ساز[1]، اسلام یارہ بل، سید محمد شرینگ، غلام نبی شاہ، حکیم محمد امین، پیر محمد امین، محمد صفدر، عبدالاحد میر اور محمد جمال آخون۔ غرض اس کشمکش میں حکومت لیٹ ویلیں کی بناء پر جیت گئی اور نیشنل کانفرنسیوں کو پنڈت جواہر لال نہرو کا خوش آمدید کرنے کے تمام حربوں کو ناکام بنا دیا۔

ہیں ابھی اک حشر سے تھا بزدلوں کی بھیڑ میں
اور اب یہ ڈر ہے اس نے مجھ کو پہچانا نہ ہو

جونہی پنڈت نہرو کو واپس پار کرنے لگے۔ مظاہرین نے جن کے ہاتھوں میں سیاہ جھنڈیاں تھیں ان کے گرد گھیرا ڈالا اور "گو بیک نہرو" (واپس جاؤ نہرو) کے نعرے لگائے۔ پل، پولیس، فوج اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی موجودگی میں تقریباً دو گھنٹے تک بغیر کسی وقفے کے جاری رہنے کے بعد ایک پولیس آفیسر کے اشارے پر مظاہرین نے

---

[1] امیرالدین چھینٹ ساز نے یکم اگست ۱۹۴۵ء کے اس دریائی جلوس کے دوران تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا ہے۔ جو نیشنل کانفرنس نے پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، خان عبدالغفار خان اور دوسرے سرکردہ کانگریسیوں کے احترام میں ترتیب دیا تھا۔ مسلم کانفرنس کے حامیوں نے ڈل گیٹ، آبی کدل اور زینہ کدل پل کے مابین جلوس گذرنے کے وقت مادر زاد ننگے ہو کر فحش عمل و ذہن کا جو بدترین مظاہرہ کیا اُس کے ساتھ ہی انہوں نے آبی کدل پل پر تقریباً دو ہزار پرانے جوتوں کو ایک لمبی رسی میں پرو کر باندھ رکھا تھا تاکہ معزز مہمانوں پر جوتوں کی بوچھاڑ کی جائے۔ لیکن امیرالدین کی قیادت میں اسلام یارہ بل کے غلام رسول بٹ، غلام احمد ڈار، غلام نبی میر، جلال الدین، عبدالغفار گجری، جعفر سعید، غلام احمد نجار اور شیر خان نے پل کے اس گھناؤنی سعی کو قبل از وقت رسی کاٹ کر ناکام بنا دیا۔

اتفاق سُنایا۔ اس پر انہوں نے مظاہرین کے گھیراؤ اور حلقے سے نکل کر پابندی توڑنے کا فیصلہ لیا اور دو میل پہنچے۔ جہاں انہیں پولیس نے حراست میں لے کر چناری کے ڈاک بنگلہ میں بند رکھا۔

اس گرفتاری کے پس منظر میں مقدمہ بغاوت کی گونج چار دانگ عالم میں سُنائی دینے لگی۔ ریڈیو سے پنڈت جواہر لال نہرو کی گرفتاری کی خبر نشر ہوتے ہی ہندوستانی عوام نے زبردست پروٹسٹ کیا اور اخبارات نے اپنے کالموں میں ریاستی حکومت کی اس کارروائی کو شرمناک قرار دے کر اس کی مذمت کی۔ اسی اثناء میں صدر کانگریس مولانا آزاد نے ۲۱ جون کو ریاستی حکومت سے پنڈت نہرو سے ملنے کی استدعا کی۔ ان دنوں چناری میں ٹیلی فون کی سہولیات میسر نہ تھیں۔ اس لئے انہیں اوڑی لایا گیا۔ جہاں مولانا آزاد سے ٹیلی فون پر بات چیت کے بعد پنڈت نہرو نے اعلان کیا کہ میں کانگریس ہائی کمانڈ کی ہدایت پر واپس دہلی جا رہا ہوں۔ اسی دوران لارڈ ویول نے مہاراجہ ہری سنگھ کو پنڈت جی کی دہلی میں غیر حاضری سے کیبنٹ مشن کے پروگرام میں رخنہ اور رکاوٹ کا باب سے باخبر کرتے ہوئے اُن سے استدعا کی کہ پنڈت نہرو کی واپسی میں کسی قسم کا رخنہ نہ پیدا کیا جائے۔

نہرو کی پریس کانفرنس

دہلی پہنچ کر پنڈت جواہر لال نہرو نے ۲۳ جون کو ایک پریس کانفرنس[1] میں کشمیر کے

---

[1] پنڈت نہرو کی آمد و رفت کو لیگی حلقوں اور خاص کر مسلم کانفرنسیوں نے ایک سیاسی چال قرار دیا اور کہا یہ سب ڈرامہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہو رہا ہے جس کا ہدایتکار وائسرائے ہند لارڈ ویول ہے۔ گرفتاری کو ڈرامہ کا اہم کردار مہاراجہ ہری سنگھ اور شیخ محمد عبداللہ معصوم اور بے خبر ہیں۔ پنڈت جی کے واپس دہلی جانے کے ساتھ ہی مسٹر آصف علی بلدیہ چلے گئے اور دیوان چمن لال سرینگر آئے۔

شمار و قطار میں نہیں ہیں۔ پولیس نے کوہالہ میں ہمیں روکنے کے لئے لاٹھیوں کا استعمال کیا لیکن مجھے یا میرے کسی رفیق کو کوئی گزند نہیں پہنچی۔ ریاستی حکومت کے حکم امتناعی کی[1] خبر سنتے ہی کوہری کے کانگریسیوں سے بھری کئی لاریاں کوہالہ آئیں مگر ان میں کوئی غیر ریاستی باشندہ نہ تھا۔ سارا ہندوستان میرا گھر ہے۔ اس لحاظ سے میں ہندوستان کے جس حصے میں چاہوں جاؤں گا۔ اور جونہی مجھے فرصت ملے گی دوبارہ کشمیر جاؤں گا۔

ہم کبھی بہروپیے کو جان لیں مشکل نہیں
اس کو کیا پہچانئے جس کا کوئی چہرا نہ ہو

پنڈت نہرو کے اس بیان پر ہر قسم کے مختلف لوگوں اور نیم سیاسی جماعتوں نے احتجاجاً سردار پٹیل اور نہرو کے نام تاریں اور خطوط بھیجکر اپنے شدید رنج و ملال کا اظہار کیا۔ اس ضمن میں دوارکا ناتھ جنرل سیکرٹری جموں و کشمیر راجیہ سبھا جموں نے ایک برقیہ میں پنڈت نہرو کو مطلع کراتے کہا کہ انہوں نے کشمیر کے بارے میں غلط بیانیوں سے کام لیا۔ سٹیٹ کشمیر پنڈت کانفرنس رعناواری نے سردار پٹیل کے نام اپنے برقیہ میں اس بات پر تشویش ظاہر کی کہ پنڈت نہرو کے بیان سے فسطائی فطرت اور فرقہ وارانہ پروگرام کو بڑھاوا ملا ہے۔ اس بیان سے یقیناً کشمیری مسلمان ہندوؤں کے خلاف مشتعل ہوں گے۔

نہرو سری نگر میں

جولائی کے آخری ہفتے میں پنڈت جی، آزاد ہند فوج کے کیپٹن شاہنواز اور بریگیڈیر

[1] ریاستی حکومت نے اپنے ایک پریس نوٹ میں پنڈت نہرو پر الزام لگایا تھا۔ کہ انہوں نے ریاستی حکومت کو مرعوب کرنے، دھونس جمانے اور ریاست میں بدنظمی پھیلانے کے لئے غیر ریاستی باشندوں کی ایک بڑی جماعت بھی اپنے ساتھ لائی تھی۔

کی کارروائی کا مشاہدہ کیا۔ اس سے قبل ۱۱ جولائی ۱۹۴۶ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے ایک ذاتی خط میں پنڈت نہرو کو لکھا تھا کہ آپ کو کشمیر میں ما قبل داخل ہونے سے اس لئے روکا گیا۔ کیونکہ ہمیں اس بات کا یقین ہوا تھا کہ آپ نے کشمیر کے متعلق جو مبالغہ آمیز بیان دیئے ہیں ان کے پیش نظر آپ کے کشمیر میں داخلے سے اس ریاست کے حالات زیادہ خراب ہونے کا اندیشہ تھا۔ "کشمیر میں دوبارہ داخلے سے قبل پنڈت جواہر لال نہرو نے مہاراجہ ہری سنگھ، نواب بھوپال، اور سردار پٹیل کو اپنے ایک مکتوب میں اس امر کا اطمینان دلایا تھا کہ میں کشمیر جا کر وہاں کوئی سنگین مسئلہ پیدا کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ میں وہاں صرف شیخ محمد عبداللہ کے ڈیفنس وکلاء سے صلاح مشورہ کروں گا۔ میں شہر سری نگر کے کچھ حصوں کا بھی دورہ کروں گا لیکن مجھے کسی عوامی جلسے میں تقریر کرنے کا ارادہ نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے دیکھ کر کہیں کہیں لوگ جمع ہو جائیں گے ان سے تو مجھے مختصراً کچھ باتیں کرنی ہی پڑیں گی۔"

پنڈت نہرو نے اپنے قیام کے دوران لیگل ڈیفنس کونسل مسٹر آصف علی بیرسٹر کی قیادت میں ترتیب دی جو مسٹر بلدیو سہائے سابق ایڈووکیٹ جنرل صوبہ بہار، بشن نرائن بیرسٹر، دیوان چمن لال بیرسٹر اور شانتی سروپ دھون بیرسٹر جیسے ممتاز قانون دانوں پر مشتمل تھی۔ ریاست کے مندرجہ ذیل وکلاء نے پنڈت جیا لال کلم کی قیادت میں اپنی خدمات انہیں بغیر معاوضہ پیش کیں۔ پنڈت جانکی ناتھ زتشی، پنڈت امرناتھ رینہ، پنڈت جانکی ناتھ سپرو، پنڈت موہن کشن ٹکو اور پنڈت رگھوناتھ کول استغاثہ کی جانب سے مسٹر جے گوپال سیٹھی بیرسٹر ایٹ لا، چودھری نیاز احمد ایڈووکیٹ جنرل کشمیر، پنڈت مدھوسودن کاک اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل، مسٹر جسونت سنگھ پبلک پراسیکیوٹر، خواجہ عبدالاحد فاروقی، پنڈت مادھو کرشن کول اپنی قابلیت کا لوہا منوانے

[illegible]

جاگیردارانہ نظام

ستم گر تم سے اُمید کرم ہوگی جنہیں ہوگی
ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہے

سرکاری اعلان کے مطابق کوئٹ کشمیر تحریک کے دوران سری نگر، اسلام آباد اور پانپور میں کُل بارہ افراد ہلاک ہوئے۔ غیر سرکاری مصدقہ تخمینہ کے مطابق گولیوں اور دوسری تشدد آمیز کاروائی سے وادی کے اطراف و اکناف میں ایک سو سات افراد نے جام شہادت نوش کیا۔ جن میں کئی خواتین بھی ہیں۔ چھ سو سنتالیس افراد زخمی ہوئے جن میں چند اعلیٰ سول حکام، فوجی اور پولیس کے سپاہی شامل ہیں۔ دس ہزار کے قریب ایجی ٹیٹر گرفتار کئے گئے۔ تحریک میں حصہ لینے یا تحریک کا ساتھ دینے کے شبہ میں جگہ جگہ تعزیری چوکیاں قائم کی گئیں۔ گرفتار شدگان سے جرمانے اور تعزیری چوکیوں سے حکومت کو تقریباً دو لاکھ روپے کی آمدن ہوئی۔ یہ رقم بیشتر صورت میں جبراً وصول کی گئی۔ جن لوگوں نے ٹیکس دینے میں لیت و لعل کیا یا جو ٹیکس ادا کرنے کے قابل نہ تھے حکومت کے کارندے اور پولیس کے سپاہی جبراً اُن کے گھروں میں گھس کر حسبِ منشاء سامان اُٹھا لے جاتے تھے اور جہاں لوٹ کا یہ شرمناک عمل غیر مفید ثابت ہوتا۔ وہاں یہ لوگ گھات لگا کر بیٹھتے تھے کہ کب وہ راشن کارڈ پر مہینے بھر کا راشن لاتے ہیں موقعہ پا کر اُس کو ضبط کرتے تھے۔ تحریک کے دوران انتظامیہ کو اپنی جابرانہ کاروائی پر عمل درآمد ہونے اور پبلک کی آواز دبانے کے لئے ایک تخمینہ کے مطابق اسّی لاکھ روپے خرچ کرنے پڑے۔

جیلوں میں سیاسی قیدیوں کی موت

یہ تو اک بستی تھکے لوگوں کی ہے
راستے میں جو لُٹ گئے کچھ اور تھے

سیاسی قیدیوں کو جسمانی اذیت پہنچانے کی غرض سے سرد مقامات کی بجائے انہیں صوبہ جموں کے گرم علاقوں میں منتقل کیا جانا بھی حکومت کے عمل میں شامل تھا۔ چنانچہ ۶ ستمبر کو ریاستی اسمبلی میں چودھری حمید اللہ خان لیڈر پارلیمانی پارٹی مسلم کانفرنس نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے بہادر کشن لال کچلو سپیکر اسمبلی سے مخاطب ہو کر کہا۔ جس انتقام گر جذبے کے تحت حکومت سیاسی ورکروں سے بدلے رہی ہے اُس کی مثال مہذب دُنیا میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ چودھری حمید اللہ نے دو کشمیری سیاسی قیدیوں مولوی عبدالعزیز ہندوارہ اور ایک مزدور لیڈر محمد رجب کی موت پر شدید رنج و غم کا اظہار کیا۔ جنہیں اسی جذبے کے تحت جموں جیل منتقل کیا گیا تھا جہاں وہ انتقال کر گئے۔ چودھری حمید اللہ خان نے حکومت کی اس پالیسی پر شدید نکتہ چینی کی جس کے تحت اُن مجسٹریٹوں اور پولیس آفیسروں کو ایک ماہ کی تنخواہ بطورِ انعام دی گئی۔ جنہوں نے تحریک کو دبانے کیلئے بے تحاشہ گولیوں اور تشدد آمیز کاروائی کا آزادانہ استعمال کیا۔ اسمبلی میں اس مسئلے پر بحث کی اجازت نہ پا کر مسلم کانفرنس پارٹی نے یہ کہہ کر واک آؤٹ کیا۔ "ہم موجودہ حکومت جو غداروں پر مشتمل ہے کی مذمت کرتے ہوئے آج کے اجلاس میں شرکت نہ کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔"

سرکاری وکیل کا معاوضہ

حکومت نے مسٹر جے گوپال سیٹھو بیرسٹرایٹ لا کو دورانِ مقدمہ ہی رخصت کیا۔ کیونکہ اُسے روزانہ پندرہ سو روپے بطور معاوضہ ادا کرنے پڑتے تھے اور اُس کے منشی کو ایک سو پچاس روپے روز کے دینے پڑتے تھے۔ انہیں ریاستی حکومت نے پچاس ہزار روپے ادا کئے۔ اس مقدمہ پر حکومت نے دو لاکھ روپے سے زیادہ کی رقم خرچ کی اور یہ

عدم گنجائش کا بہانہ بنا کر ہر بار رد کیا لیکن ان کی آواز دبانے اور ان کے جذبات سے کھیلنے کے منصوبے پر بجٹ میں اس نوعیت کی گنجائش نکل آئی کیا تعجب خیز نہیں ہے۔

ایک خط اور اُس پر تبصرہ

قبل اس کے کہ ہم شیخ محمد عبداللہ کے مقدمہ بغاوت کا جائزہ لیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ کے ایک خط اور اس پر تبصرہ کو زیر غور لائیں کہ کس طرح مہاراجہ ہری سنگھ نے عوامی تحریک کو کچلنے کے لئے نہ صرف فوجی دبدبے اور ظلم و ستم کا بے تحاشا مظاہرہ کیا، بلکہ مہا سبھائی فرقہ پرستوں سے ہاتھ ملانے میں بھی جھجک محسوس نہ کی۔ چنانچہ اُس نے دہلی کے ایک سرکردہ مہا سبھائی ایچ۔ ایس شرما کے مکتوب کے جواب میں لکھا۔

"آپ کی چٹھی ملنے کے بعد مسٹر نہرو یہاں آئے بھی اور گئے بھی۔ میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے میری امداد کے لئے بشرط ضرورت والنٹیر بھیجنے کی پیش کش کی ہے۔ خوش قسمتی سے ایسے حالات پیدا نہیں ہوئے اور مجھے یقین ہے کہ اب آئندہ کبھی بھی ایسے حالات پیدا نہیں ہوں گے اور اگر کبھی ایسے حالات پیدا ہوں گے تو میں آپ کی پیش کش کو مدنظر رکھوں گا۔"

اس خط پر تبصرہ کرتے پیارے لال مصنف "مہاتما گاندھی لاس فیز" صفحہ ۳۴۶ پر ہری سنگھ کی ذہانت اور انداز فکر کا تجزیہ کرتے رقمطراز ہے:۔

"مہاراجہ کو ہندو فرقہ پرستوں سے امداد حاصل کرنے میں عار نہ تھا ٹھیک ویسے ہی جیسے اُسے اپنی پوزیشن بحال رکھنے اور عوامی بیداری کی لہر کو روکنے کے لئے مُسلم لیگ سے امداد حاصل کرنے میں عار نہ تھا۔"

...اور مقدام حکومت کے درمیان ایک واضح حد فاصل رکھ دی ہے اور میں نے ان میں سے کسی کو کسی پر کبھی بھی گند اچھالنے کی اجازت نہیں دی۔ میں اس الزام کی بھی تردید کرتا ہوں کہ میری گرفتاری کے بعد مبینہ تشدد کا لوگوں کی طرف سے جو اظہار ہوا وہ میری تقریروں کا نتیجہ ہے۔ میری گرفتاری کی خبر سُن کر لوگوں نے فطری طور پر احتجاج کیا۔ جس کا جواب متشددانہ بے رحمی سے دیا گیا۔ حکومت نے ہمارے سینکڑوں رفقاء کی اچانک گرفتاری اور فوج کو عوام پر مسلط کرنے کی غیر ضروری کاروائی کو حق بجانب قرار دینے کی کوشش کی اور یہ سب ایک خاص پالیسی کے تحت کیا گیا۔ جس کا مقصد دہشت انگیزی اور نتیجہ معصوم عوام کی موت، بے آبروئی، بے عزتی اور خوفزدگی ہے۔

مجھے ذاتی ڈیفنس کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ہے اگر میں یہ محسوس نہ کرتا کہ میرے خلاف بغاوت کا الزام میرا ذاتی الزام ہونے کے علاوہ کچھ اور اہمیت بھی رکھتا ہے تو میں صفائی پیش نہیں کرتا۔ دراصل یہ مقدمہ جموں و کشمیر کی تمام آبادی کے خلاف ہے۔ نیشنل کانفرنس میں کام کرنے والے میرے رفقاء کا بڑھتا ہوا احساس بیداری، ذوقِ آزادی، اور عوام کے جائز حقوق کا ایماندارانہ اظہار کرنے کی کوشش کی۔ جسے روکنے کے لئے قانون کی تمام تعزیری دفعات حرکت میں آئیں۔ جہاں قانون عوام کی خواہشات کا آئینہ دار نہ ہو۔ وہاں وہی قانون عوام کی تمناؤں کو کچلنے کا کام دیتا ہے یہ کام تاریخ اور آئندہ آنے والی نسلوں کا ہوگا کہ وہ میرے اور میرے رفقاء کے ان دعاوی پر فیصلہ صادر کریں، جو ہم نے بالخصوص جموں کشمیر کے چالیس لاکھ باشندوں اور دیسی ریاستوں کے نو کروڑ ساٹھ لاکھ غلاموں کی طرف سے پیش کئے ہیں۔

صدیوں سے کشمیر اپنی دلکشی، خوبصورتی، لوگوں کے خاموش ذہنی کارناموں اور فن کاروں کی صناعی کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہے یہ افسانوی اور رومانی سرزمین وسیع ذرائع کے باوجود افلاس و مصائب سے دوچار ہے جب ہم اس عجیب و غریب

تضاد کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دلوں میں ہوک سی اٹھتی ہے ہم نے اس ناخوشگوار حقیقت کو بدلنے اور ایک نئی جمہوری طرزِ زندگی کو اپنانے کی خاطر نیا کشمیر کا منصوبہ مرتب کیا ہے جس کی آل انڈیا پیپلز کانفرنس کے فرائض و مقاصد سے مکمل ہم آہنگی ہے جس کا یہ واضح اصول ہے کہ ریاستوں اور برطانوی حکومت یا اس کے نمائندگان کے مابین جو معاہدے موجود ہیں وہ پرانے اور فرسودہ ہو چکے ہیں، ان کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ اس کا اطلاق تمام معاہدوں پر ہوتا ہے جن میں معاہدہ امرتسر بھی شامل ہے جو اپنی چند ناخوش آیند خصوصیات کی وجہ سے ایک بیع نامہ بن گیا ہے۔ جس کی رو سے نہ صرف کشمیر اور اس کے لوگ بک چکے ہیں بلکہ اس معاہدے نے انسانوں کو ایک جنس کا درجہ دیا ہے جو روپیہ کے عوض بیچا اور خریدا جائے۔ اس معاہدے نے ہمارے قومی وقار کو صدمہ پہنچایا ہے ———

ریاستوں کے ساتھ جو قدیم معاہدے تھے وہ ختم ہو رہے ہیں۔ یہ معاہدے کچھ ایسی باتوں کے حامل ہیں جن کو موجودہ دنیا اور آج کے ہندوستان سے کوئی وابستگی نہیں ہے، نہ انہیں ریاستوں اور ہندوستان کے بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے۔ گو کہ ہمارا پہلے ہی سے یہ واضح اصول رہا ہے لیکن اب کیبنٹ مشن کے ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کے بیان نے تائید کر کے اسے مسلم الثبوت قرار دیا۔ جس میں بتایا گیا کہ اقتدارِ اعلیٰ آزاد ہندوستان کے نئے آئین کے مرتب ہوتے ہی ختم ہو جائے گا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ قدیم معاہدے، قدیم سندات اور دیگر تعلقات اقتدارِ اعلیٰ کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گے۔ دیسی ریاستوں اور آزاد ہندوستان کے مابین نئے تعلقات قائم کرنے پڑیں گے، کیبنٹ ڈیلیگیشن کے اس صریح فیصلے کی روشنی میں عہدنامہ امرتسر کی تنسیخ کا سوال خود بخود حل ہو جاتا ہے ——— موجودہ وزیرِ اعظم نے کرسی وزارت سنبھالتے ہی عوام سے تعلقات منقطع کرنے کی تباہ کن پالیسی پر عمل شروع کیا۔ پاپولر فسٹر کی راہ میں اتنی رکاوٹیں کھڑی کیں کہ ... مستعفی ہونا پڑا۔ ریاستی حکام کی

...

شب عرائض میں پنچایت اور پرجا سبھا سے استصوابِ رائے کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔ اسی طرح اس ضابطہ و طریقۂ کار کو رد کیا گیا۔ جو مہاراجہ بہادر نے مقرر کر رکھا تھا۔ اس اچانک اور فوری تبدیلی سے عوام کو صدمہ ہوا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ مہاراجہ بہادر اپنے محدود سے چند حاشیہ نشینوں کے دائرہ اثر میں اس حد تک گھرے ہوئے ہیں جو ایک سربراہ ریاست کی غیر جانبدارانہ شان کے شایاں نہیں۔

پرائم منسٹر کی پالیسی کا واحد مقصد اس رائے عامہ کو کچلنا تھا جس کی رہنمائی نیشنل کانفرنس کر رہی ہے اس سلسلے میں وزیرِ اعظم کا ۱۷ مئی ۱۹۴۶ء کا پریس انٹرویو پیش کیا جا سکتا ہے جس میں انہوں نے کہا۔ "ہم اس بات کی تیاری گذشتہ گیارہ ماہ سے کر رہے تھے"

شیخ صاحب نے اپنے بیان میں اس الزام کی تردید کرتے ہوئے اسے غلط اور بے بنیاد قرار دیا کہ "تحریک کشمیر چھوڑ دو" اور "معاہدہ امرتسر کی تنسیخ" کے مطالبہ کو کمیونسٹوں اور فرقہ وارانہ جذبات رکھنے والوں کی حمایت حاصل ہے۔ انہوں نے اپنے بیان میں مزید کہا۔ یہ معمولی بات ہے اگر مجھے قید کیا جاتا ہے مجھ پر مقدمہ چلایا جاتا ہے اور مجھے سزا دی جاتی ہے لیکن یہ معمولی بات نہیں ہے کہ ریاست کے عوام غربت، بے حرمتی اور زوال و انحطاط کی مصیبت میں گرفتار رہیں ——— انہی واقعات نے ہمارے مطالبہ "کشمیر چھوڑ دو" کو حق بجانب ٹھہرایا ہے کیونکہ وہ نظامِ حکومت جو اس قسم کے تشدد وانہ طرزِ عمل کی مدد سے قائم ہو۔ قابلِ مذمت ہے اگر میری اور میرے رفقاء کی قید و بند سے وہ مراد پوری ہوتی ہے جس کے لئے ہم نے اپنی جانیں وقف کی ہیں تو یہ بہت اچھا ہے اور ہم فخر محسوس کریں گے کہ ہم نے اپنے وطن اور عوام کی خدمت کی۔

۱۳ اگست ۱۹۴۶ء کو اکیسویں[۲۱] پیشی پر ملزم کی طرف سے گواہان صفائی پیش ہوئے۔ گواہان صفائی کی فہرست میں مرزا محمد افضل بیگ، پنڈت کشپ بندھو، مسٹر دوارکاناتھ اور کئی دوسرے شامل تھے۔ لیکن وکیل صفائی مسٹر آصف علی نے صرف چار گواہان صفائی ا۔ پنڈت شنکر لال کول پبلسٹی آفیسر ۲۔ غلام محمد ڈار میونسپل کمشنر۔ ۳۔ شیخ محمد انور، اسسٹنٹ اکاؤنٹس آفیسر ۴۔ مولانا محمد سعید مسعودی کے بیانات عدالت کے سامنے قلمبند کرا کے باقیوں کو شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ مشورہ کر کے ترک کیا۔

عدالت کا فیصلہ اور سزا

۱۰ ستمبر ۱۹۴۶ء کو عدالت نے ۹۵ صفحات پر مشتمل اپنے فیصلے میں شیخ محمد عبداللہ کو زیر دفعہ ۱۲۴ الف رنبیر پینل کوڈ (مقدمہ بغاوت) میں مجرم ٹھہرایا اور اُن کی تین تقریروں بتاریخ ۱۳، ۱۴ اور ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کو باغیانہ قرار دیا جس کے پاداش میں انہیں ہر ایک تقریر پر تین سال قید محض اور پانچ پانچ سو روپے جرمانے کی سزا دی۔ عدالت[1] نے اپنے فیصلے میں کہا کہ تینوں سزائیں بیک وقت شروع ہوں گی۔ فیصلے میں ان کے رتبے کا تذکرہ کرتے انہیں سپیشل کلاس دینے کی سفارش کی۔ فیصلہ سنانے کے بعد انہیں قلعہ باہو جموں میں محبوس کیا گیا جہاں شیخ محمد عبداللہ نے جیل حکام کے خلاف اخلاق سوز سلوک پر بھوک ہڑتال کی۔ اس پر انہیں ریاسی سب جیل اور بعد ازاں بدرواہ سب جیل منتقل کیا گیا۔ اس فیصلے سے شہر میں کہیں کوئی خاص ردِ عمل نہ ہوا۔ ماسوائے مجاہد منزل کے علاقے میں چند ایک دوکانیں اس دن بند رہیں۔ اس کی ایک

---

[1] اسی عدالت نے تقریباً پانچ ماہ بعد پنڈت شیام لال صراف کو مقدمہ بغاوت میں ساڑھے تین سال قید اور پانچ سو روپے جرمانہ کی سزا سنا دی۔

بڑی وجہ یہ ہوئی کہ عدالت کی کارروائی کو دیکھتے ہوئے ہر ایک یہ اندازہ لگا بیٹھا تھا کہ حکومت شیخ محمد عبداللہ کو سزا دے گی [illegible] اس لیے عوامی حلقوں میں اُن کی سزا کی خبر نے کسی قسم کی ہلچل پیدا نہیں کی۔ [illegible] ۱۹۴۸ء میں [illegible] باقی [illegible] کی فرصت [illegible] منتقل کر کے [illegible] کیا گیا۔

[illegible] کانفرنس کی قرارداد اور [illegible]

[illegible] ستمبر ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کی سٹینڈنگ کمیٹی نے [illegible] اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعہ ریاستی حکومت کی کارروائی کی مذمت کی جس کے تحت شیخ محمد عبداللہ کو تین سال قید کی سزا دی گئی۔ [illegible] اجلاس میں پنڈت جواہر لال نہرو کے [illegible] حکومت میں شمولیت کی بنا پر کانفرنس کے صدر شیخ محمد عبداللہ منتخب [illegible] ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیا کا نام [illegible] نائب صدر مقرر ہوئے۔ شیخ محمد عبداللہ کے قید میں ہونے کی وجہ سے نائب صدر نے قائم مقام صدر کا عہدہ سنبھالا۔ شیخ صاحب اپریل ۱۹۴۸ء تک آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کے صدر رہے۔ ۲۶ اپریل ۱۹۴۸ء کو [illegible] کانفرنس کی سٹینڈنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں پنڈت جواہر لال نہرو، ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیا اور شنکر راؤ دیو کی موجودگی میں متفقہ طور پر طے پایا کہ سٹیٹس پیپلز کانفرنس کو انڈین نیشنل کانگریس میں مدغم کیا جائے۔ اس فیصلے کے ساتھ ہی ہندوستانی ریاستوں کی اس ڈرامائی سیاسی جماعت کا آخری سین ڈراپ ہوا۔

مولانا مسعودی عدالت کے کٹہرے میں

مولانا محمد سعید مسعودی کو نیشنل کشمیر تحریک سے کچھ عرصہ قبل ہی اپنے گاؤں [illegible] گیا [illegible]

تحصیل کرناہ چلے گئے تھے۔ جہاں اُن کی بیگم صاحبہؒ اور اُن کی بھاوج جان لیوا عارضہ میں مبتلا زندگی اور موت کی کشمکش سے دو چار تھیں اور وہ [illegible] کی [illegible] فوت ہو گئیں۔

اس طرح [illegible] کا [illegible] کے عین موقع [illegible] سے [illegible] رکھنے والی [illegible] مسعودی [illegible] اختلافات [illegible] کا وارث [illegible] فرزند [illegible] زندگی کا [illegible] کشمیر میں [illegible]

ف۔ ۱۹۳۲ء میں مولانا مسعودی کی گرفتاری کے بعد [illegible] مقدمہ چلانے کے نتیجے میں انہیں قید اور بھاری جرمانہ کی سزا ہوئی۔ جرمانہ وصول کرنے کے لئے حکومت کے [illegible] میر احمد شاہ صاحب اور اُن کے چچا میر [illegible] صاحب جو اُن کے خسر بھی تھے اور [illegible] کے قریب گجول [illegible] کا اثاثہ ضبط کیا گیا۔ اسی مقدمہ میں علی محمد وارث بھی گرفتار ہوئے تھے [illegible] مولانا محمد سعید مسعودی [illegible] کہ جب عدالت نے انہیں [illegible] کی سزا سنائی تو جرمانہ وصول کرنے کے لیے دوبارہ پولیس مولانا کے گاؤں پہنچی۔ اور ایک بار پھر اُن کی اثاثہ ضبط ہوا لیکن مولانا کی بیگم [illegible] کے دل میں یہ بات بہت دنوں تک کھٹکتی رہی کہ مولانا نے سری نگر میں دوسری شادی کی ہے۔ جب [illegible] ادا کرنا پڑا۔

سامراجیت، پٹھانوں کے ظلم و تشدد، سکھوں کے لوٹ کھسوٹ اور ڈوگرہ راج کے جاگیردارانہ اور غیر دیانتدارانہ نظام پر روشنی ڈالی جلسہ گاہ میں مولانا نے کئی زبانی تجاویز بھی پیش کیں اور اُن کی حاضرین سے تائید کرائی۔ تجاویز مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ ہم باشندگانِ جموں و کشمیر مہاراجہ ہری سنگھ کی مطلق العنان حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

۲۔ ہم مہاراجہ ہری سنگھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے بحیثیت راجہ ہونے کا عوام سے رائے شماری کے ذریعہ تائید کرائیں۔ اگر اکثریت نے اُس کے خلاف ووٹ دیا تو وہ فوراً تخت سے دستبردار ہو جائیں بصورت دیگر ہمارا مطالبہ ہوگا کہ وہ صرف آئینی حکمران رہیں۔

۳۔ یہ اجتماع بیعنامہ امرتسر کی مذمت کرتا ہے اور ڈوگرہ خاندان کی اس کی بنا پر قائم شدہ حق حکمرانی کو غاصبانہ تسلط تصور کرتا ہے اور بیعنامہ کی تنسیخ کا مطالبہ کرتا ہے۔

تقریر کے اختتام پر پولیس نے انہیں زیر دفعہ ۵۰، ۳۲ء کشمیر ڈیفنس رولز کے تحت گرفتار کیا اور ان کے خلاف چودھری اندر بخش سٹی منصف سری نگر کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا۔ اس مقدمے کی سماعت بھی سری نگر سنٹرل جیل میں ہوتی رہی۔ استغاثہ کے الزامات کا جواب دیتے مولانا مسعودی نے ۱۴۔ اکتوبر ۴۶ء کو عدالت کے سامنے جو فصیح و بلیغ، جامع مکمل و مدلل اور تاریخ ساز بیان دیا۔ اُس کے آغاز میں مولانا نے کہا "جس فرض نے مجھے ۵۔ جولائی ۱۹۴۶ء کو حضرت بل میں حکومت کشمیر کے قوانین اور احکام کی پابندی توڑنے اور عوام سے خطاب کرنے کی دعوت دی وہی فرض اس مرحلے پر بھی متقاضی ہے کہ میں اپنی "ملزمیت اور مجرمیت" کی نسبت قدرے تفصیل سے گفتگو کروں ـــ میرا مقصد عاید کردہ الزامات کی

کو دو پال رکھا۔ یہ بچھا لیجئے ممکن ہے کہ ہندوستان کے پورے [illegible] ریاستی عوام [illegible]
زادوں کی شان و شوکت [illegible] آخری بوند
تک اُن [illegible] کشمیر تحریک کی
وضاحت [illegible] کیا

"[illegible] آزادی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
وہ لا الٰہ الا اللہ [illegible] کو باقی [illegible]
[illegible] اسلامی تاریخ کا [illegible]
[illegible] جلیل القدر [illegible]
[illegible] حضرت امام حسین [illegible]
[illegible] حکومت کو وراثت [illegible]
قرار دے کر اسلام [illegible] ملوکیت کا ناپاک رسم کو باقی رکھا تھا۔ اس لئے
اگر کوئی مسلمان ملوکیت کے خلاف بغاوت نہ کرے تو وہ سنت حسین
سے روگردانی کا مجرم ہے۔"

کشمیر چھوڑ دو کا نعرہ جس خواہش یا مطالبے کی ترجمانی کرتا ہے ہمارے اس مطالبے کی کامیابی تحت [illegible] کشمیر سے بالاتر ہے آئندہ کے لئے جو واحد قابل عمل صورت آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس پیش کر رہی ہے۔

مروجہ سزا سے بچنے کی کوشش کرنا نہیں ہے جو کہ جس طرح قانون کی خلاف ورزی کرتے جلسے منعقد کرنا اور عوام میں نیشنل کانفرنس کے ان مقاصد کی تبلیغ کرنا (جس سے اس ریاست کا زنگ خوردہ اور فرسودہ نظام حکومت بھدا کرتا ہے) میرے ۱۵ جولائی کے پروگرام میں شامل تھا۔ اسی طرح اپنے ان اعمال کے لئے ہر اس سزا کو جو اس زنگ خوردہ نظام حکومت کی طرف میرے ارادی اقدامات کے لئے تجویز ہو سکتی ہے بلا جھجک سہنا بھی اسی پروگرام کا لازمی حصہ ہے لہٰذا اگر میں اپنے اقدام کی پاداش میں ملنے والی سزا سے بچنے کی کوئی ہلکی سی کوشش بھی کروں تو وہ اپنے محبوب فرائض سے بے وفائی ہوگی۔"

مولانا مسعودی نے اپنے فلسفیانہ سیاسی بیان میں کشمیر کے آخری خود مختار بادشاہ یوسف شاہ چک کی حکومت کے زوال اور مغل سامراج کے آغاز سے لے کر ۱۹۴۶ء تک ریاست پر تین سو ساٹھ سالہ دورِ غلامی کے مختلف پہلوؤں کو ابھار کر حکمرانوں کی مطلق العنانیت اور کشمیریوں کی مظلومیت کا جس انداز میں تذکرہ کیا وہ بذاتِ خود ایک تاریخ ہے۔

کشمیر کے اس تاریک ترین غلامانہ دور کے پس منظر میں انہوں نے "عہد نامہ امرتسر" کو بار بار بیعنامہ کہا۔ مولانا نے ڈوگرہ لوج کی بالادستی، لوٹ کھسوٹ، سو سالہ جاگیردارانہ نظام سے نجات حاصل کرنے کی جدوجہد کے محل وقوع کی عکاسی کرتے ۱۹۳۱ء کی تحریک آزادی کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا۔ انہوں نے اپنے بیان میں جہاں شیخ محمد عبداللہ کی قائدانہ صلاحیتوں کا اعتراف کیا وہاں مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کے اسباب "نیا کشمیر" "ڈیارکی" "کاک وزارت" اور ہندوستان کی تحریک آزادی کے مختلف ادوار پر بھی روشنی ڈالی۔ دیسی راجوں مہاراجوں اور نوابوں کا تمسخر اڑاتے اُن کو انتباہ کیا۔ کہ "اٹھارہ کروڑ روپے ایک زار

اُن کے سوا والیانِ ریاست اور عوام کے درمیان پیدا شدہ کشمکش کا کوئی حل ہے ہی نہیں اور والیانِ ریاست طاقت سے یہ بات باہر ہے کہ وہ اپنی ریاستوں میں آزادی کی قوتوں بہ جزو بہ شمشیر کچل کر اپنی مطلق العنانی کو دوام دے سکیں۔ بالخصوص مہاراجہ ہری سنگھ کے لئے یہ قطعاً ناممکن ہے کہ وہ کشمیر چھوڑ دو کی تحریک کو ناکام بنا سکے۔

ایک سال قید کی سزا!

عدالت نے مولانا محمد سعید مسعودی کے تحریری بیان کے بعد اپنے فیصلے میں کہا۔

"مولانا محمد سعید کے بیان کے پیش نظر یہ ضروری نہیں کہ اس کے خلاف پیش شدہ شہادتوں کا حوالہ دیا جائے۔ اپنے تحریری بیان میں وہ کہتے ہیں کہ اپنے بیان سے وہ استغاثہ کی کافی مدد کریں گے۔

ملزم کی تقریر کو زیر نظر رکھا جائے یا اس کے سیاق و سباق کو دیکھا جائے تو یہ تقریر حکمران کے ساتھ لوگوں کی وفاداری پر گہرا اور کتنا اثر ڈال سکتی ہے۔ اور ان کے دلوں میں حکمران اور ریاست میں قانون پر مبنی حکومت کے خلاف نفرت پیدا کر سکتی ہے یہ تقریر لوگوں کو قانون شکنی کی دعوت دیتی ہے۔

لہذا میں ملزم مولانا محمد سعید کو جموں کشمیر ڈیفنس رولز کی دفعہ ۳۴ کے تحت ایک جرم کا اور دفعہ ۳۸ کے تحت دوسرے جرم کا مرتکب پاتا ہوں اور اس کو ہر دو جرم کی پاداش میں ایک ایک سال قید محض اور دو دو سو روپے جرمانہ کی سزا دیتا ہوں اور یہ قیدیں بھی بیک وقت شروع ہوں گی۔ آج میں نے ملزم کو اس سے پیشتر اسی روز کے واقعات پر مبنی ایک اور مقدمہ میں سزا دی ہے ملزم کو دونوں کیسوں میں دی ہوئی سزائیں بیک وقت شروع ہوں گی۔ اس کے علم و فضل اور مرتبے کے پیش نظر میں سفارش کرتا ہوں کہ اس کے ساتھ ایک سپیشل کلاس قیدی کا سلوک کیا جائے۔

دستخط

اندر کوشن

سٹی منصف مجسٹریٹ درجہ اول سرینگر"

کوئٹ کشمیر اور کمیونسٹ

کوئٹ کشمیر تحریک کے دوران اور بھی کئی لوگوں پر عدالتوں میں مقدمے دائر کئے گئے جن میں سید میر قاسم، نرنجن ناتھ رینہ اور سردار بدھ سنگھ کے مقدموں کا تذکرہ کرنا بعید از معلومات نہ ہوگا۔ نرنجن ناتھ رینہ بنیادی طور پر کمیونسٹ نظریات کے حامی ہیں۔ اس دور میں یہاں کمیونسٹ پارٹی کی کوئی باضابطہ شاخ نہیں تھی۔ اس لئے اس زمرہ کے لوگ نیشنل کانفرنس کو اپنی کمین گاہ سمجھ رہے تھے اور یہیں بیٹھ کر گھات لگانے کی سعی کرتے تھے۔

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گذری ہے

مہاراجہ ہری سنگھ نے اکثر اوقات شیخ محمد عبداللہ پر کمیونسٹ ہونے کا الزام لگایا۔ ممکن ہے مہاراجہ تک اطلاعات فراہم کرنے والوں نے مہاراجہ کی زیادہ سے زیادہ خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انہیں شیخ محمد عبداللہ کے کمیونسٹ ہونے کا باور دلانے میں کامیابی حاصل کی ہو۔ مگر جہاں تک حقائق کا تعلق ہے شیخ محمد عبداللہ اگرچہ بذاتِ خود کبھی کمیونسٹ نظریات کے قائل نہ ہوئے اور نہ تھے لیکن نیشنل کانفرنس میں کمیونسٹ تصورات رکھنے والے کارکنوں سے ہمیشہ چشم پوشی کرتے رہے اور بعض

اوقات اُن کی حوصلہ افزائی کرنے میں بھی بخل سے کام لیا کرتے تھے۔ نرنجن ناتھ نے مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف حضرت بل کے پنڈال پر ایک طویل تقریر کی، جس میں انہوں نے بار بار مہاراجہ ہری سنگھ کو زار اور اُس کی حکومت کو زار روس کی حکومت سے تشبیہ دی۔ ریاست میں مساوات، برابری، ذات پات، اونچ نیچ کے بندھنوں سے بلند ہو کر ایک نئے انقلاب کو پروان چڑھانے کے لئے لوگوں سے اپیل کی۔ تقریر کے اختتام پر نرنجن ناتھ بھی گرفتار کرلئے گئے اُن پر دفعہ ۱۲۴ الف کے تحت مقدمہ دائر کیا گیا۔

نرنجن ناتھ رینہ نے انگریزی زبان میں ایک تحریری بیان ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو عدالت کے سامنے پیش کیا۔ جو تحریک آزادی کشمیر کے باب میں ایک شہپارہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بیان کے اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔

تحریری بیان

"معزز جیوری میرے لئے فخر کا مقام ہے کہ مجھے اپنی اُس تقریر کی صفائی پیش کرنے کے لئے یہاں کھڑا ہونے کا موقع دیا گیا۔ جو میں نے ۱۱ ماہ ساون ۲۰۰۳ بکرمی کو [illegible] میں کی تھی۔ میری اُس تقریر کو انتہائی توڑ مروڑ کر جناب کے سامنے پیش کیا گیا اور اُسے کوئی بھی مقررہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے ——— پچھلے تین ماہ سے میں جیل کی چار دیواری میں پڑا ہوں اور باہر کے حالات سے بالکل ناآشنا ہوں۔ اس اثنا میں مجھ پر کیا گذری اُسے زمانہ وسطیٰ کی بربریت یاد آتی ہے۔

میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ اپنی مظلوم قوم کی خاطر آواز اٹھانے پر اس مقام پر لا کھڑا کیا گیا ہوں۔ اور مجھے اس بارے میں کوئی تاسف نہیں۔ مجھ پر الزام ہے کہ میں ریاست کی حکومت کے خلاف لوگوں کو [illegible] ہوں۔ اس حکومت کے خلاف جو تقریباً ایک سو سال سے ہماری قوم کو ذلیل کر رہی ہے اور اس استحصال کی [illegible] ہے۔ مجھے اس بات کا [illegible] کہ میں ان عظیم [illegible] کے ساتھ ہوں جنہوں نے [illegible]

[illegible]

کی زنجیروں میں جکڑا گیا۔ [illegible] قوم کی [illegible] ثقافتی اور معاشی زندگی کو تہس نہس کیا گیا [illegible] ختم کیا گیا۔ یہاں تک کہ ۱۸۴۶ء میں ایک نئے [illegible] کی ابتدا ہوئی۔ موجودہ نظام حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کی [illegible] اور [illegible] قسم کی منافقانہ بداعمالیوں کی ایک [illegible] ہے جس کے تحت ریاست کو صرف ۷۵ لاکھ روپے میں عہد نامہ امرتسر کے تحت فروخت کیا گیا اور حاکموں کو یہاں کے عوام پر مکمل مالکانہ حقوق حاصل ہوئے تاکہ وہ دائمی طور پر اس مظلوم قوم پر مطلق العنان حکومت قائم رکھ سکیں۔

حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ اس قوم نے کبھی اس معاہدے کو قبول نہیں کیا اور کرے بھی کیسے جبکہ فروخت کرنے والے جابروں کا براہ راست تعلق اس ریاست کے ساتھ نہیں ہے اور نہ انہیں فروخت کرنے کا کوئی حق ہے۔ لہٰذا خریدنے والے ڈوگرہ حکمرانوں کو یہاں اپنے قدم جمانے میں سخت دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ صرف ایسٹ

انڈیا کمپنی اور انگریز سامراج کی مکارانہ چالوں اور جابرانہ کارروائیوں سے قدم جمانے میں کامیاب ہو گئے۔ میں یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ انگریزوں نے اپنے حلیف گلاب سنگھ کی وساطت سے کشمیر کو شکست دے کر اپنے قدم مضبوط کئے اور ہندوستان میں اپنی سامراجیت استوار کر لی۔ محض انتہائی مکارانہ سازش سے اپنے مطلب براری کے لئے گلاب سنگھ کو استعمال کیا۔ اس نے بھی انتہائی وفاداری کے ساتھ اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیا تاکہ اس سے طرفین کی پوری حفاظت ہو سکے۔

[illegible] اس نے سامراج کی ایک [illegible] وقت دنیا کے مختلف ممالک میں سامراج قائم تھا اور جس نے روئے زمین کے اکثر حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ چنانچہ کئی سامراج بعد ازاں جوں جوں باقی ممالک کی طرح ہمارے بدنصیب ملک پر بھی قابض ہوا۔ اور سامراج واد کی تمام نوآبادیاتی طرح ہمارے ملک کا استحصال کرتے ہیں۔ پہلی جنگ عظیم نے اس طرز نظام پر پہلا وار کیا۔ اس کی بنیادیں ہل گئیں۔ اگرچہ اس کے بعد نوع انسان کے ایک اور عظیم دشمن فاشزم کا ظہور ہوا اور انسانیت کا انجام پھر ایک بار غمگین گہرائیوں میں گرتا دکھائی دیا۔ لیکن متحدہ اقوام نے سوویت روس کی سرکردگی میں اس دشمن انسانیت کو نیست و نابود کر دیا۔ اس کا نتیجہ یو۔ این۔ او۔ کی شکل میں عالمی امن کو برقرار رکھنے کی صورت میں نکل آئی اور تمام اقوام نے اطمینان کی سانس لی کہ انسان بربادی سے بچ کر آمرانہ استحصال سے بچ گیا۔ یہ تحریک جو سوویت روس کی رہنمائی میں شروع ہوئی سامراج کے تمام استحصالی حربوں اور قدروں کی مخالف ہے۔

بنی نوع انسان کو سامراجیت کے اثرات سے نجات دلانے کا واحد راستہ ہے۔ عالمی برادری، امن، اقتصادی بہبودی اور ترقی کے لئے اس تحریک نے انسانی قوت کا وہ مظاہرہ کیا ہے جس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ تقاضۂ وقت سمجھ لیجئے کہ اس تحریک نے انگریز سامراج کو ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا جس کی بناء پر اُسے اپنی نوآبادیوں کے حق خود ارادیت کو تسلیم کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔

موجودہ دور میں دنیا ناگزیر طور پر دو حصوں میں بٹ گئی ہے۔ ایک طرف سامراج کے بچے کھچے چیلے اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا رہے ہیں اور دوسری جانب تمام دنیا کے محنت کش اور ذہنی طور باشعور سوویت روس کی رہنمائی میں پائیدار امن اور نوع انسان کے روشن مستقبل کے لئے کوشاں ہیں۔ ان دونوں دھڑوں میں انتہائی تضاد ہے کہ کوئی بھی شخص خاموش تماشائی بن کر نہیں رہ سکتا۔ اس وقت یہ کشمکش آخری مرحلے میں داخل ہو رہی ہے۔ چنانچہ بھارتی عوام کی تحریک آزادی کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہئے۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جائے کہ سامراج اپنی موت آپ مرنے پر تیار ہوا یا اس نے حالات کے ساتھ نبھایا۔ یہ سامراج کی فطرت میں نہیں صرف حالات سے مجبور ہو کر وقتی طور پر دوسرے حربے استعمال کرنے لگا ہے۔ کیونکہ براہ راست مقابلہ ناممکن تھا۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے سامراجیوں نے ایک اور طریقہ اپنایا۔ قوم پرستوں کو مذہبی بنیاد پر ایک دوسرے کے خلاف اُکسایا۔ کیبنٹ مشن کی سفارشات کا یہ نمایاں پہلو ہے۔ چنانچہ اسی طریق کار کے تحت انگریز

سامراج نے اپنے وجود کو برقرار رکھنے کی خاطر ہندوستان کی ۵۲۶ ریاستوں کو فرقہ وارانہ بنیاد پر اسی پالیسی کا شکار بنایا۔ یعنی ملک کی تقسیم پر ریاستوں کو اسی بنیاد پر الحاق کا حق دیا جانا۔ اسی مکارانہ چالبازی کی عمل آوری کے لئے نہایت سوچ سمجھ اور دور اندیشی کا استعمال کر کے والیانِ ریاست کو اپنے اثر میں لے لیا ہے۔ کیونکہ اصل مقصد کو حاصل کرنے کا یہ بہترین طریقہ تھا۔ جیسا کہ ان تمام والیانِ ریاست کا وجود انگریز سامراج کی ہی مرہونِ منت ہے چنانچہ اس ڈپلومیسی کا براہِ راست نتیجہ یہ ہے کہ ان تمام ریاستوں کی رعایا جو پونے دس کروڑ کے قریب ہے ان ہی راجوں اور نوابوں کے جاگیردارانہ نظام میں غلامی کی زندگی بسر کرتے رہے۔

ہندوستان کے چالیس کروڑ عوام کی انگریزوں سے آزادی کے بعد ان تمام والیانِ ریاست کا وجود خطرے میں پڑ گیا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے تمام لوگ متحد ہو کر انگریز سامراج کے خاتمے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ ان کے یہ چیلے (والیانِ ریاست) اسی گرفت میں آ گئے۔ اگرچہ انگریزوں کی پوری کوشش ہے کہ ان ریاستوں کے پونے دس کروڑ لوگوں کو ملک کی باقی آبادی سے علیحدہ کر کے اپنے وجود کا سہارا ڈھونڈیں۔ مگر متحدہ قومی طاقت کے سامنے ان کے ایوانِ حکومت لرز رہے ہیں۔ اس بارے میں جناب سلطان احمد کی حالیہ تقریروں نے کئی ذی شعور رہنماؤں کو سوچنے کی ترغیب دی یہاں تک کہ سردار پٹیل جیسی شخصیت کو بھی حکومت کے اسی سلوک یعنی حکومت کرنے کے "آسمانی حق" سے دھکا لگا۔

ہماری ریاست ملک کی باقی تمام ریاستوں کی طرح اقوام کے اقتدارِ اعلیٰ کو حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ یہاں یہ کچھ بعید نہ ہوگا۔ [illegible] نے ۱۹۱۲ء میں کہا تھا کہ ہندوستان کے مقابلے میں بھی وہی کچھ ہوگا جو دوسری آزادی پسند قوموں نے حاصل کیا۔ یعنی اندرونی [illegible] ہوتے ہوئے مختلف فرقہ [illegible] عوام کی جدوجہد سے روشنی میں آ رہے ہیں۔

اس ضمن میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ کشمیر کے جغرافیائی حالات اور تہذیبی [illegible] کے ناتے باقی قوموں سے کچھ الگ تھلگ ہے اور پچھلی چار صدیوں کے دوران باوجود تمام ظلم و ستم [illegible] کے انہوں نے اپنی ثقافتی میراث کو بچائے رکھا۔ اس لحاظ سے کشمیریوں کو یک قوم [illegible] کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ ڈوگرہ حکمرانوں کو ہمیشہ اس بات کا احساس رہا کہ وہ تہذیبی طور اپنی رعایا کے ہم پلہ نہیں۔ لہٰذا انہوں نے [illegible] کی خاطر انہیں یہاں کے مظلوم عوام کو دبانے کے لئے [illegible] کے تمام سابقہ ریکارڈ مات کرنے پڑے۔

سامراج کا مقولہ ہے DIVIDE AND RULE (لڑاؤ اور حکومت کرو) یعنی کہ ڈوگرہ مہاراجوں نے بھی اس حربے کو آزمایا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو آپس میں دست و گریباں کرایا۔ مسلمانوں میں شیعہ سنی فسادات کروائے۔ کشمیری اور غیر کشمیری کا جھگڑا کھڑا کیا۔ تاکہ یہاں کے عوام کو اپنی بہبود اور آزادی کے بارے میں سوچنے کا موقعہ نہ ملے۔ اور یہ قوم ہمیشہ ان کے استحصال کا شکار ہوتی رہے۔ غالباً ڈوگروں نے ہندوستان کی [illegible] کو [illegible] مذہب قرار دیا اور تمام



جناب سرور شاہ



جناب عبدالستار رنجور



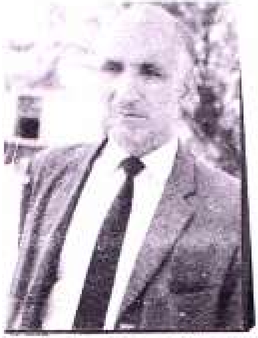
جناب عبدالاحد شاہ



شری جیالال تقیری



جناب غلام حیدر چنڈاوی



کامریڈ نرنجن ناتھ رینہ



جناب سید مبارک شاہ شاہین



شری کاشی ناتھ ایمہ

سرکاری عہدے اور کرسیاں صرف غیر مسلموں کے لئے مخصوص رکھیں۔ اس دور نظام کا شاخسانہ ہے کہ چند غیر ریاستی ہندو افسران اور کچھ بڑے کے اہلکار حکومت کی سربراہی میں یہاں کے عوام پر وحشیانہ طریقے اختیار کئے ہوئے ہیں۔

دوسری بڑی فریب کاری ڈوگرہ شاہی کی یہ ہے کہ نسلی تعصب کی پالیسی کو اپنائے ہوئے ہے۔ ڈوگروں کو کشمیر میں بڑی بڑی جاگیریں عطا کی گئی ہیں تاکہ وہ یہاں بسنے پر آمادہ ہوں، برعکس اس کے یہاں کشمیری کو اس قسم کی مراعات نہیں دی گئی۔ اس طرح تمام شعبوں میں کشمیریوں کے ساتھ دوسرے درجے کا سلوک روا رکھا گیا۔ چنانچہ ریاست کی فوج اور پولیس میں کشمیریوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے یعنی یہاں کے اصلی مالکوں پر اعتبار نہیں۔ اس طرح معاشی اور اقتصادی میدان میں کشمیریوں کو کوئی مقام نہیں۔ انہیں یہ کہہ کر ٹالا جاتا ہے کہ کشمیری بزدل قوم ہے ——— حالانکہ کشمیری ایک باعزت اور باوقار قوم ہے۔ ہم اس بے عزتی کی دلیل کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس کا اصلی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر سال تقریباً ایک کروڑ روپیہ ڈوگرہ دیس بھیجتے ہیں۔ کشمیری اقتصادی زندگی پر ایک بوجھ ہے۔ اس ظلم و جبر اور استحصال سے قوم کو نجات دلانے کا بیڑا کشمیری قوم نے اپنی [illegible] تحت اٹھایا ہے۔ یہ قدرتی امر ہے کہ کشمیر کی اقلیتیں [illegible] اس تحریک میں برابر کا شریک ہے اور اس تحریک میں بہت سارے ذی [illegible] افراد اس میں شامل ہیں اللہ توفیق اپنی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں۔

ایک اور قابلِ ذکر پہلو ڈوگرہ استحصال کا یہ ہے کہ یہ غیر حاضر زمینداروں کی طرح ریاست کا انتظام چلا رہے ہیں۔ عوام کی بہتری یا فلاح کیلئے کوئی بھی عملی تدبیر نہیں کرتے۔ حالانکہ یہاں کی آبادی کا ۹۶ فیصد حصہ صرف ۲۵ روپے سالانہ فی کس آمدنی رکھتا ہے۔ جبکہ ڈوگرہ خاندان ۵۶ لاکھ روپے اپنے سامان عیش پر صرف کرتا ہے اور مزید ایک کروڑ روپے بھاڑے کے سپاہیوں پر جو یہاں کے عوام پر ظلم ڈھانے اور انہیں دبانے کے لئے استعمال ہوتے ہیں یہ سب ڈوگرہ شاہی اپنے سامراجی آقاؤں کی خوشنودی کے لئے کر رہی ہے جس سے یہاں کے غریب عوام کی اقتصادی بدحالی اور بڑھ رہی ہے ———

اس پر طرہ یہ کہ یہاں سماجی بہبود یعنی زراعت، صنعت، آبپاشی اور تعلیم پر کل آمدنی کا صرف ایک فی صد خرچ کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کرۂ زمین پر انتہائی زرخیز خطہ ہمیشہ قحط کا شکار رہتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ دریاؤں، چشموں اور جھیلوں کا یہ شاداب علاقہ خشک سالی کا شکار رہے۔ یہاں کی چالیس لاکھ آبادی کے لئے صرف چار ہزار کلو واٹ بجلی میسر ہے۔ معدنی وسائل کی افراط کے باوجود یہاں کوئی کارخانہ نہیں ہے۔ ریشیوں، منیوں اور دانشوروں کی اس مشہور زماں سرزمین میں مشکلاً دس مربع میل پر ایک پرائمری سکول ہے اور کوئی یونیورسٹی نہیں ہے اس بات پر حکومت وقت اپنی سرداری بحال رکھنے کے لئے بہانے ڈھونڈ رہی ہے۔ ان واقعات اور حقائق کے ہوتے ہوئے اس مقدمے کو عوام کی عدالت کے سامنے رکھا جائے اور وہی فیصلہ دیں کہ اس حکومت کو برسر اقتدار

رہنے کا کیا حق ہے۔ بھارت چھوڑ دو کے نعرے کے ساتھ ہی اس فرضی حکومت کا خاتمہ بھی یقینی ہے۔ انگریز سامراج کے بھارت چھوڑ دینے کے ساتھ ہی یہ عہد نامہ امرتسر بھی قدرتی طور ختم ہو گا۔ کیونکہ اس کا تعلق صرف انگریز سامراج سے ہے اور ریاست کا مستقبل طے کرنے میں صرف عوام کی مرضی اور رائے ہی آخری فیصلہ کر سکتا ہے۔

انگریز سامراجیوں اور اُن کے حواریوں (والیان ریاست) اور دوسرے خود غرض لوگوں نے اس قومی تحریک کو دبانے اور اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے جو بھی حربے استعمال کرنے شروع کئے ہیں ان کا شدت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے گا۔ یقیناً سامراج کی تمام تر قوت اس عوامی طاقت کی تاب نہ لا سکے گی۔ سامراج کا خاتمہ یقینی ہے وزیر اعظم کاک کی رہنمائی میں یہاں کے بے بس عوام پر جو بے تحاشہ ظلم و جبر کیا جا رہا ہے اُسے یہ آواز دب نہیں سکتی۔ بلکہ جو آزادی ہم نے اظہار خیال کی حاصل کی ہے اُس کا بھرپور استعمال کیا جائے گا جب تک ایک بھی کشمیری زندہ ہے اس ظلم کے خلاف لڑتا رہے گا۔ جس کی خاطر ہمارے بے شمار قوم پرست شہید ہوئے ہیں۔

اپنی اس صفائی کے خاتمہ پر میں اس طرح کہوں گا کہ کشمیر کے تمام فرقوں کو مکمل آزادی حاصل ہونی چاہئیے۔ تاکہ وہ اپنے ملک اور مستقبل کے خود مالک بن کر اپنی قسمت کو سنوارنے اور سدھارنے کی کوشش کریں۔ ہماری جدوجہد صرف غریب اور محنت کش عوام کے بہتر مستقبل کے لئے ہے تاکہ انہیں عزت اور اطمینان سے اپنی روزی کمانے اور زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم ہوں۔ یہ جدوجہد تمام ملک (ہندوستان)

کے عوام کی مکمل آزادی کی تحریک کا ایک حصّہ ہے۔

جناب عالی یہ پس منظر ہے اُس تقریر کا جو میں نے حضرت بل میں کی تھی اور جس پر مجھے گرفتار کیا گیا تھا۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ انصاف کریں۔ میں رحم نہیں چاہتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے آپ بھی بالکل اسی طرح بے بس ہیں جس طرح میں یا کورٹ انسپکٹر۔ آپ حسبِ ہدایت فیصلہ دیں۔ مجھے انتہائی مسرت ہو گی اُس مقصد کے لئے مزید تکالیف برداشت کرنے میں جس کے لئے میں نے اپنی زندگی وقف کی ہے۔"

ظاہر ہے کہ حقائق کو اس خوبصورت انداز سے بیان کرنے والے شخص کو حکومت نے اُن محبوسین کی صف میں شامل کیا جو ان سے پہلے اپنے باغیانہ خیالات کا اسی طرح برملا اظہار کر چکے تھے۔

سردار بُدھ سنگھ عدالت میں

توڑ سکتا ہے تو پہلے توڑ دے سب قید و بند
بیڑیوں کے ساز پر نغمات آزادی نہ گا

سردار بُدھ سنگھ نے تحریک تخلیہ کشمیر کے حق میں ۱۶ مئی کو مائیسمہ اور ۱۹ مئی ۱۹۴۶ء کو گوردوارہ چھٹی پادشاہی کاٹھی دروازہ سری نگر میں عوامی اجتماعات میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ جن کی بناء پر وہ گرفتار کر لئے گئے۔ اُن پر بھی حکومت کے خلاف لوگوں کو اُکسانے اور بغاوت پر آمادہ کرنے کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ استغاثہ کے الزامات قبول کرتے ہوئے سردار صاحب نے اپنی تقاریر کی تائید میں ایک طویل تحریری بیان عدالت کے استفسار کے جواب میں پڑھ سنایا۔ سردار صاحب نے اپنے بیان میں زیادہ زور مہاراجہ گلاب سنگھ

کے دربار لاہور سے غداری پر دیا۔ وہاں معاہدہ امرتسر کو ایک بیعنامہ ثابت کرنے کیلئے کئی تاریخی حوالے بھی دیے، سردار صاحب نے سکھ گوردواروں کی بے حرمتی اور ڈوگرہ حکمرانوں کے ہاتھوں اُن کو منہدم کرنے، اُن کی جاگیروں کو ضبط کرنے کا بھی تذکرہ کیا۔ بعدازاں غالباً سردار صاحب کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اس بیان کو خواجہ غلام محی الدین قرہ کی کوششوں سے ایک کتابی صورت میں "جاگیر شاہی کا پوسٹ مارٹم" کے نام سے شائع کر کے نیشنل کانفرنس کے کارکنوں کے لئے پولیٹیکل اسٹڈی کے لئے بہتر مواد قرار دیا گیا۔

سردار صاحب کے بیان کے چند اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ سردار بُدھ سنگھ نے اپنے بیان میں معاہدہ امرتسر کی گرہ کھولتے ہوئے کہا:۔

"یہ حقیقت کتنی دردناک ہے کہ جس وقت راجہ گلاب سنگھ نے اپنے محسن آقا مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جانشینوں کے ساتھ بدعہدی کر کے انگریز سے کشمیر کا قبضہ حاصل کیا۔ اُس وقت دکھانے کو پچھتر لاکھ روپے ادا کرنا ظاہر کیا لیکن اصل حقیقت یہ تھی کہ بروئے تمسک ۶۸ لاکھ روپے راجہ گلاب سنگھ کے ذمہ خزانہ لاہور کا بقایا واجب الادا تھا اور پندرہ لاکھ روپے راجہ ہیرا سنگھ وزیر دربار لاہور کا جو بہ امانت تھا، مُجرا دیا گیا۔ گویا اس طرح تراسی (۸۳) لاکھ روپے حاصل کیا، اور ۷۵ لاکھ روپے ادا کیا۔ اس سودے میں آٹھ لاکھ روپے منافع بھی رہا اور ریاست جموں و کشمیر کی مملکت مفت میں ہاتھ آگئی۔ جب یہ صورت ہو تو ایسا کہنا کہ لین دین دو لٹیروں، ظالموں کے درمیان تھا اور دو لٹیروں، ظالموں کے درمیان کوئی معاہدہ "قابل تقدیس نہیں ہے" کونسا جرم ہے۔ بلاشبہ اس کو معاہدہ کہنا درست نہیں، یہ تو صریحاً بیعنامہ ہے۔"

معاہدہ امرتسر کی مزید تشریح کرتے ہوئے انہوں نے کہا:۔

"جب انسان کو اپنے پیدائشی حق آزادی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ یقین کر لیتا ہے کہ سب سے بڑا حاکم "بادشاہ" خدا ہے۔ دنیا اُسی کی ہے، وہی زمین و آسمان کا مالک ہے۔ زمین پر کسی کے باپ کا حق نہیں بلکہ خدا کی زمین ہے اس کی پیداوار سے ہر کوئی بطریق مساوی فایدہ اٹھانے کا مستحق ہے جب انسان اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے کہ کسی کو کوئی حق نہیں ہے کہ دور ایک جگہ بیٹھ کر باشندگان ملک کی بے خبری اور بے علمی میں اتنے بڑے وسیع قیمتی سرسبز کروڑ ہا ارب ہا روپیہ کی قیمت کے ملک اور پھر وہاں کے لاکھوں باشندگان انسانوں کے جان و مال، عزت و آبرو، زندگیوں کو بھیڑ بکری کی طرح سودا کرتا پھرے اور جب باشندگان ملک سمجھ لیں گے کہ لوٹ کھسوٹ کرنے والے آپس میں خرید و فروخت کی کارروائی کر کے لاکھوں انسانوں کو ایک زبردست خودسر مطلق العنان طاقت کا غلام بنانے کا حق نہیں رکھتے، تو اس وقت لیے تمام معاہدات پاؤں سے تلے روندے جائیں گے۔"

مہاراجہ گلاب سنگھ کون تھا اور اس کی حقیقت کیا ہے سردار بُدھ سنگھ نے گلاب سنگھ کا تعارف اپنے بیان میں اس طرح کیا ہے:۔

"ان تاریخی واقعات کو کون چھپا سکتا ہے کہ سکھوں کی فوج کو خفیہ سازشوں کے ذریعہ بے ترتیب لڑائیوں میں لگا کر اور آپس میں ٹکرا کر ان کا صفایا کرایا گیا اور آخر سکھ راج پر تمام تر قبضہ انگریز کا کرا کر مہاراجہ

دلیپ سنگھ کو معزول کرادیا گیا اور یہ تاریخی مگر سیاہ کارنامہ انجام دینے میں وہ شخص زیادہ نمایاں نظر آرہا ہے جو سکھ اور سکھ راج کی بدولت ساٹھ روپے ماہوار کے ملازم سے راجہ بنا ـــــ انہی واقعات کی بنا پر میں نے سکھوں سے خاص طور پر خاطب ہو کر کہا کہ بیعنامہ فضول ہے اور اس کو ختم کرنے کے لئے سکھوں کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیئے۔"

سردار بُدھ سنگھ نے اپنے بیان میں راجہ چنہنی کے عوام دشمن طریقہ کار، لوٹ کھسوٹ کا تفصیل سے تذکرہ کرتے اُن وجوہات پر بھی روشنی ڈالی۔ جن کی وجہ سے سردار بُدھ سنگھ نے نیشنل کانفرنس کی ہدایت پر چنہنی میں لوگوں کی حمایت اور بالادستی کی خاطر ستیہ گرہ شروع کی سردار بُدھ سنگھ نے اپنے بیان میں راجہ چنہنی کے بارے میں عدالت کو بتایا۔

"وہاں مہاراجہ ہری سنگھ نے ایک ایسے جاگیر دار کو جو قانون کے الف بے سے بھی واقف نہیں، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ، سیشن جج اور حاکم اعلیٰ مال کے اختیارات دے رکھے ہیں اور وہ ان اختیارات کا نہایت غلط اور ناجائز استعمال کر رہا ہے۔"

بُدھ سنگھ نے اپنے بیان میں کہا کہ مجھے مہاراجہ کی ذات سے ڈرایا نہیں جا سکتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان کی ذات سے کوئی عداوت نہیں البتہ بحیثیت مہاراجہ کے ہری سنگھ کی جو پوزیشن ہے اور جو اس کے فرائض ہیں۔ وہ اس کی ذاتی چیز نہیں ہے اس پر بحث کرنے کا مجھے اور ملک کے ہر باشندے کو پورا پورا حق ہے۔ یہ ایک مانا ہوا اصول ہے اور ہر آزادی پسند کے لئے لازمی ہے کہ اگر کوئی راجہ اپنی حکومت کی غلط کارروائی ظلم و ستم، لوٹ کھسوٹ کو ختم نہیں کر سکتا اور رعایا کی حفاظت، اُن کی ترقی بہتری اور آزادی کا خیال نہیں رکھتا تو اُسے پہلے سمجھایا جائے اور پھر سر دھڑ کی بازی لگا کر آزادی حاصل کی جائے۔ بُدھ سنگھ نے وزیراعظم کاک پر فرقہ پرستی کا الزام لگاتے ہوئے کہا۔

"موجودہ وزیراعظم نے برسر اقتدار آتے ہی جو پوشیدہ حربے استعمال کئے اُن میں فرقہ وارانہ لڑائیوں کی آگ بھڑکانے کی کوشش بھی شامل تھی اس نے وزارت کا قلمدان سنبھالنے کے فوراً بعد اننت ناگ میں سکھوں اور پنڈتوں کے درمیان فساد کی بنیاد ڈالی۔ سرینگر میں حضرت مولانا آزاد، پنڈت نہرو اور عبدالغفار خان کے اعزاز میں نکلے ہوئے جلوس پر حملہ کرایا۔ جموں میں جنم اشٹمی کے جلوس پر ہندو مسلم فساد کرا دیا۔ عید میلاد کے جلوس پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان سر پھٹول اور کشت و خون کی بھٹی گرمائی۔"

آپ نے عدالت کے استفسار کے جواب میں کہا یہ الفاظ میری تقریر کے ہیں "میں انتقام لوں گا۔ کیونکہ کشمیر سکھوں سے چھین لیا گیا ہے۔" سردار بُدھ سنگھ کو عدالت نے ایک سال قید کی سزا دی اور جموں جیل بھیجے گئے جہاں کچھ عرصہ بعد انہیں کشپ بندھو اور خواجہ غلام نبی عرف نبہ جی کے ہمراہ ادہم پور جیل منتقل کیا گیا بعدہ وہاں سے ریاسی اور بعدہ رواہ جیل تبدیل کئے گئے۔ ان کی رہائی ۱۹۴۷ء میں جموں جیل سے عمل میں آئی۔ اگست ۱۹۵۳ء میں جب مرکزی حکومت اور شیخ صاحب کے درمیان سیاسی اختلافات وسیع تر ہو گئے اور اس دور میں سردار صاحب نے اگرچہ مکمل طور پر بخشی غلام محمد کا ساتھ نہ دیا۔ لیکن انہیں شیخ محمد عبداللہ کی رہائی کے بارے میں حق و انصاف کی کوئی بات نظر نہیں آئی۔ ردعمل کے طور پر وہ اس سیاسی دھارے سے خراماں خراماں الگ تھلگ ہو گئے جس کا کبھی وہ روح رواں سمجھے جاتے تھے۔

سید میر قاسم

سردار بُدھ سنگھ کے ساتھ ہی پولیس نے ایک اور ملزم کو عدالت کے سامنے پیش کیا

پضلع اننت ناگ کے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان انقلابی سید میر قاسم تھے۔ جن کے بارے میں پولیس استغاثہ کے مطابق انہوں نے کویٹ کشمیر تحریک کو پھیلانے اس کی حمایت، مہاراجہ ہری سنگھ کی ذات اور حکومت کے خلاف جگہ جگہ باغیانہ تقاریر کر کے ضلع بھر میں غدر جیسے حالات پیدا کئے۔

عدالت نے سید میر قاسم کو اُن کی کئی تقاریر کا اقتباس پڑھ کر سُنائے۔ عدالت کے استفسار کے جواب میں سید میر قاسم نے اس بات کا اقرار کیا کہ اقتباس میری ہی تقریروں کے ہیں۔ اس پر انہیں چھ ماہ قید اور پانچ سو روپے جُرمانے کی سزا سُنا دی گئی۔

چنہنی کے لیل و نہار

مولانا محمد سعید مسعودی کی گرفتاری کے بعد کاشی ناتھ ایمہ نے یہ فیصلہ لیا۔ کہ اُسے عملی سیاست میں حصہ لینا چاہیئے۔ اُن دنوں پنجاب کا تقریباً تمام ہندو پریس اس تحریک کے خلاف تھا۔ الزام یہ لگاتے تھے کہ کویٹ کشمیر کی تحریک ہندو راجہ کے خلاف مسلمانوں کی ایک سوچی سمجھی سازش ہے جس کی دلیل وہ یوں دیتے تھے کہ جموں خاص میں اس تحریک کا کوئی ساتھ نہیں دیتا ہے حالانکہ میر پور سے کرشن دیو سیٹھی، راجہ محمد اکبر خان، کامریڈ ترلوک چند اور ماسٹر روشن لال کے علاوہ بہت سے افراد گرفتار کئے گئے تھے۔ گردھاری لال ڈوگرہ، تلوک چند دت، سرداری لال مہاجن، رام رکھا مل مہاجن، نیشنل کانفرنس سے وابستہ ہونے کے باعث پہلے ہی نذرِ زنداں ہوگئے تھے۔

کاشی ناتھ ایمہ نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اپنی سرگرمیوں کے لئے جموں خاص کو چن لیا۔ انہوں نے جموں میں سید نذیر حسین سمنانی (جو ٹانگہ ڈرائیور ایسوسی ایشن کا صدر تھا) اور کامریڈ امرناتھ سے رابطہ قائم کیا اور یہ طے پایا کہ لاہور جا کر خواجہ غلام محمد صادق اور بخشی غلام محمد سے جموں میں تحریک کو آگے بڑھانے

کے لئے ہدایات حاصل کی جائیں۔ ان دنوں بستواڑ میں قحط اور بھوک مری کی اطلاعات آرہی تھیں۔ لاہور سے واپسی پر حالات کا جائزہ لینے اور در پردہ قحط اور بھوک مری کے واقعات کو تحریک سے وابستہ کر کے اُن لوگوں کا منہ بند کرنا مقصود تھا جو تحریک کی مخالفت کر رہے تھے۔ چنہنی پہنچتے ہی اُن کی ملاقات مسٹر محمد شفیع، بھولا ناتھ، مہندو بیرگی ... آف ... سے ہوئی۔ ان سے معلوم ہوا کہ راجہ چنہنی نے ایک کسان خاتون لیڈر زراؤ آف ... کو قید کیا ہے۔ ان دنوں چنہنی جاگیر کے انتظامی سربراہ پنڈت بلدر کول جھبو تھا۔ جو اپنی سخت گیری اور انتقام پسندی کے لئے نام پیدا کر چکا تھا۔ ان لوگوں نے کشتواڑ جانے کے بجائے چنہنی میں ہی قیام کیا جہاں برہمن، ٹھکر، ہری جن اور دوسری ہندو مسلم ذاتیں اور طبقے راجہ چنہنی اور اُس کے مہتمم سے سخت نالاں تھے۔ لیکن منظم و متحدہ نہ ہونے کی بنا پر وہ خاموش تھے۔ ان حالات اور موقع کی نزاکت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے انہوں نے اس جوش و خروش کو کشمیر چھوڑ دو تحریک سے منسلک کرنے کا بہترین موقع سمجھا۔ انہوں نے بڑی چابک دستی سے چند دنوں کے اندر تمام چنہنی اور اس کے ملحقہ علاقے میں لوگوں کو منظم کیا۔ اب کیا تھا روزانہ جلسے اور جلوس نکلنے لگے۔ حتیٰ کہ دسمبر ۱۹۴۶ء میں راجہ چنہنی نے مہاراجہ ہری سنگھ سے فوجی امداد طلب کی۔

حکومت نے عوام کو دبانے کے لئے اپنی سخت گیر پالیسی کو آنچ دی۔ جس کے نتیجے میں جاگیر کی کُل بارہ ہزار آبادی میں تقریباً آٹھ ہزار افراد نے چنہنی سے ایک جلوس کی صورت میں کاشی ناتھ ایمہ اور سید نذیر حسین سمنانی کی قیادت میں ادھم پور کی طرف مارچ کیا۔ اس سے یہ مقصد پورا کرنا تھا۔ کہ جموں کے عوام نہ صرف چنہنی جاگیر کے خلاف ہیں بلکہ وہ ریاست میں تحلیل کشمیر تحریک کے مقاصد سے پوری طرح متفق ہیں۔ یہ جلوس دو دن بعد ادھم پور پہنچا۔ کیونکہ اہلِ جلوس راستے میں ہر پڑاؤ پر قیام کرنے کے علاوہ ملحقہ گاؤں کے لوگوں کو اپنے مارچ کے

اغراض و مقاصد سے باخبر کرے گے۔ ردِعمل کے طور پر جلوس میں شامل لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ سرکردہ سیاسی کارکن اور رہنما بھی جلوس میں شامل ہوگئے چنانچہ ڈوگری زبان کے مشہور شاعر دینو بھائی پنت بھی اس جلوس میں شامل ہوئے اور انہوں نے اپنے پُراثر ڈوگری گیتوں سے اہلِ جلوس کے جوش و خروش کو مزید اُبھارا۔ اودہم پور پہنچ کر اہلِ جلوس نے جب شہر کے گرد چکر لگایا۔ تو اودہم پور کے باسیوں نے ان کا اشک بار آنکھوں سے استقبال کیا۔ اودہم پور میں جن رہنماؤں نے خاص طور پر اہلِ جلوس کی حوصلہ افزائی کی۔ اُن میں لالہ ڈھیرو مل وکیل، موتی رام بیگڑہ، لالہ جگت ناتھ وکیل سرِفہرست ہیں۔

اسی رات کو ایک عوامی اجتماع میں کاشی ناتھ آئیمہ نے "نیا کشمیر پروگرام کی وضاحت" "شیخ محمد عبداللہ کی بےلوث قیادت" اور "راجہ چینینی کے مظالم کی داستان" کو اپنی تقریر کا موضوع بنایا۔ چینینی میں دو روزہ قیام کے بعد پتہ چلا کہ راجہ چینینی کے مظالم اور کوئیٹ کشمیر تحریک سے اپنی وابستگی کے ضمن میں اب قائدین دلی جاکر پنڈت جواہر لال نہرو اور دوسرے قائدین کو یہ باور کرائیں گے کہ کوئیٹ کشمیر تحریک کے ساتھ جموں کے ہر طبقے کے لوگ عملاً ساتھ ہیں۔

اگلے دن علی الصباح جب جلوس جموں کی جانب روانہ ہوا تو شہر کے باہر پولیس اور فوج کھڑی رکھی گئی تھی جس نے بغیر کسی پیشگی اطلاع کے لاٹھی چارج اور گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا۔ اس طرح کاشی ناتھ آئیمہ، سید نذیر حسین سنانی، کاریہ ہرناتھ، ہری رام شرما، منشی محمد شفیع، شمبولال آف سدھو مہادیو، بیج ناتھ آف چینینی، ٹھاکر صاحب آف ججھر، دینو بھائی پنت، جموں ٹانگہ ڈرائیورز ایسوسی ایشن کا سیکریٹری اور کئی دوسرے موقع پر گرفتار کر لئے گئے۔ ان پر آتش زنی، لوٹ مار، حملہ بر ملازم اور بلوہ کے جرم میں مقدمہ دائر کیا گیا۔ عدالت نے ہر ایک کو تین تین سال قید کی سزا سنا کر انہیں اودہم پور جیل میں محبوس کیا گیا۔

اعلائے کلمۃ الحق

کوئیٹ کشمیر تحریک کی لام بندی کے لئے پنڈت رام چندر کاک نے نہ صرف ظلم و تشدد کے حربوں کو آزمایا۔ بلکہ سیاسی ڈپلومیسی کی سطح پر مولوی یوسف شاہ کو عبدالسلام دلال اور مولوی محمد امین کی وساطت سے "اعلائے کلمۃ الحق" نام کا ایک ٹریکٹ لکھنے اور شائع کرنے پر بھی تیار کیا۔ ٹریکٹ میں مولانا نے مہاراجہ ہری سنگھ کو "ظل اللہ" یعنی خدا کا سایہ اور اولوالامر منکم کہہ کر اس کی اطاعت اور فرمان برداری کو فرمان الٰہی کا نام دیا۔ اس پر مولوی یوسف شاہ کو عوامی نفرت کا سامنا کرنا پڑا۔ غلام محمد جیولر نے احتجاجاً مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا اور قریشی محمد یوسف[1] سے جا ملا۔ حتیٰ کہ اس بیان پر لاہور کے مسلم لیگی اخبار نے بھی مولانا میرواعظ کو آڑے ہاتھوں لیا اور ان کے علم و فضل، فہم و فراست کا خوب تمسخر اڑایا۔

---

[1] ۔ کوئیٹ کشمیر تحریک کے دوران قریشی محمد یوسف نے مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی میں تجویز رکھی کہ ہمیں غیر مشروط طور پر اس تحریک کی حمایت میں نیشنل کانفرنس کا ساتھ دینا چاہیئے۔ تجویز رد ہوئی اس پر مسلم کانفرنس کے کئی ورکروں نے قریشی کی صدارت میں کارونیشن ہوٹل سرینگر میں میٹنگ کی جس میں یہ تجویز پاس کی گئی کہ مسلم کانفرنس کو گندے عناصر سے پاک کیا جائے اس میٹنگ میں قریشی محمد یوسف کا ساتھ دینے والوں میں محمد سلطان وانی، محمد یاسین عثمانی، عبدالغفار چاری، محمد اسماعیل ساغر، پیرزادہ طیب شاہ اور جلال الدین قریشی قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے مل کر ضلع سرینگر میں مسلم کانفرنس کو نئے سرے سے منظم کرنے کے لئے سٹی مسلم کانفرنس کا آرگنائزنگ بورڈ قائم کیا۔

بغلی جماعتیں

وزیر اعظم رام چندر کاک نے میر واعظ مولوی یوسف شاہ کو شیشے میں اتارنے تک ہی اپنی کارستانیوں کو محدود نہ رکھا بلکہ اپنی معیادِ ملازمت میں استحکام اور تحریک کو دبانے کی غرض سے پنڈت پریم ناتھ بزاز کے ذریعہ نیشنل کانفرنس کے سابقہ شوریدہ سر کارکن عبدالسلام یتو اور اُس کی پارٹی کسان مزدور کانفرنس کو بھی اپنے دائرہ اثر و رسوخ میں لایا۔ سٹیٹ پیپلز کانفرنس کے نام سے کاسہ لیسوں کی ایک نئی ٹولی اپنی داد و تحسین کے لئے قائم کی۔ ریڈیکل ڈیموکریٹ پارٹی اور کشمیر سوشلسٹ پارٹی تو مسٹر کاک کے اشاروں پر کرم الدین کے بندر کی طرح کرتب دکھانے لگی۔ یہ بغلی جماعت رام چندر کاک کے دم خم تک قائم رہیں۔

درحقیقت یہ جماعتیں ماسوائے کسان مزدور کانفرنس کے صرف نام کی جماعتیں تھیں۔ دس دس بیس بیس افراد پر مشتمل یہ سیاسی طالع آزما وزیر اعظم کے سیاسی دلال سرکاری وظیفہ کے سہارے زندہ تھے۔ ان دنوں نوجوان کشمیری پنڈتوں کی کئی ٹولیاں جگہ جگہ سری نگر اور اُس کے آس پاس دیکھی گئیں جو اپنے خفیہ پروگرام کے مطابق کسی ایک جگہ فوری طور جمع ہو کر "ڈوگرہ راج امر رہے" "سر پر ہمارے، سایہ سری سرکار کا"، "مہاراجہ بہادر کی جے" کے نعرے لگا کر منتشر ہو جاتے تھے۔ یہ لوگ راتوں کو بزدلوں کی طرح پولیس کی نگرانی میں ہندو آبادی والے علاقے میں دیواروں پر مہاراجہ بہادر کی جے کے نعرے لکھنے کی جرأت کا مظاہرہ بھی کرتے تھے۔ مسٹر کاک نے کشمیری پنڈتوں کی ایک بڑی تعداد، ڈومی سائیڈ ہندو، کشمیری ڈوگرہ راجپوت، ہندو مسلم جاگیردار اور زمینداروں کو اس امر پر متفق کیا کہ وہ تحریک کی مخالفت کریں۔ چنانچہ انھوں نے قرار دادوں، عرض داشتوں کے ذریعہ مہاراجہ اور اُس کی حکومت کو اپنے مکمل اعتماد، حمایت، تعاون اور وفاداری کا یقین دلایا۔ مگر جب امتحان کا وقت آیا تو ان سبوں کا دور دور تک کہیں پتہ نہ چلا۔

آچاریہ کرپلانی

نیشنل کانفرنس اور اُس کی جاری کردہ تحریک کو اندرونی موقعہ پرستوں اور ابن الوقتوں سے اتنا نقصان نہیں پہنچا، جتنا صدر کانگریس آچاریہ کرپلانی کے بیان سے ہوا جو اُس نے نیشنل کی دعوت پر سری نگر آ کر دیا۔ مسٹر کرپلانی نے کشمیر چھوڑ دو تحریک کی کوئی [illegible] کرتے کہا۔

"مہاراجہ کشمیر کوئی غیر ملکی نہیں ہیں اور نہ وہ انگریز ہے کہ اُس کو یہاں سے نکالا جائے۔ مہاراجہ کو پورا پورا حق ہے کہ وہ کشمیر میں رہیں۔ انھوں نے کشمیر غداری یا خون خرابے سے حاصل نہیں کیا ہے۔ کانگریس نے ہندوستان چھوڑ دو کا نعرہ اس لئے بلند کیا تھا کہ انگریز غیر ملکی تھا۔ لیکن مہاراجہ صاحب اس مادرِ وطن کے سپوت ہیں۔ کشمیر چھوڑ دو کا نعرہ بیہودہ اور غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ نیشنل کانفرنس کو یہ نعرہ ترک کرنا چاہیئے۔"

آچاریہ کرپلانی کے اس بیان کو حکومت کی مشینری، میر واعظ مولوی یوسف شاہ گروپ، کشمیری پنڈتوں، آر۔ ایس۔ ایس جموں اور جموں کے راجپوتوں نے خوب اُچھالا۔ جس سے نیشنل کانفرنس کو نظریاتی طور پر عوامی حلقوں میں سخت کوفت اُٹھانی پڑی۔ آچاریہ کے اس طرح کھل کر سامنے آنے کے پس منظر میں سردار ولبھ بھائی پٹیل کا دماغ کام کر رہا تھا جو اپنے فرقہ پرست ذہنیت کی وجہ سے کسی تعارف کا محتاج

لہ۔ اس حمایت کے معاوضہ میں مہاراجہ ہری سنگھ نے پٹیل فنڈ میں پچاس ہزار روپے چندہ دیا۔ راجوں اور مہاراجوں سے جمع کئے ہوئے اس فنڈ کو بعد ازاں فرقہ وارانہ آگ بھڑکانے کے لئے بے تحاشہ استعمال کیا گیا۔

نہیں۔ وہ تحریک کو دبانے میں ہری سنگھ سے اپنی ہم آہنگی کا پہلے ہی اظہار کر چکا تھا اور اس کے اشارے پر ہی گاندھی جی کی تائید و حمایت حاصل کرنے کی خاطر مہاراجہ اور آر سی کاک نے گاندھی جی سے مراسلات کا تبادلہ شروع کیا۔ چنانچہ آر سی کاک نے اپنے خطوط میں تحریک کو دبانے، گولیوں سے شہید ہونے والوں اور مخالف عناصر کو قید کرنے کی تفصیلات بہم پہنچا کر اس سانحے کے وقوع میں آنے کا پس منظر پنڈت نہرو کی بے جا حمایت ظاہر کی اور اس سلسلے میں گاندھی جی کی ثالثی طلب کی۔ اس پر گاندھی جی نے مسٹر کاک کو جواب میں لکھا کہ "مہاراجہ کے جواب سے تمام حالات اطمینان بخش نظر آتے ہیں لیکن ان نظریات کی کامیابی کا دارومدار تمہارے ذہن و عقلمندی اور جذبۂ قربانی پر ہے ـــــ" اس طرح گاندھی جی نے گاندھیائی انداز میں مہاراجہ کی گول مول حمایت کی۔ غرض کوئٹ کشمیر تحریک کی موافقت و مخالفت میں بہت کچھ کہنے سننے کے باوجود اس تحریک کی حمایت میں جہاں ہندوستان کی چند سیاسی جماعتوں نے کم و بیش تائید و حمایت کی وہاں آل انڈیا کمیونسٹ پارٹی نے "کشمیر کو لال سلام" کا دن منا کر اس نے دیش کے طول و عرض میں تہلکہ مچایا۔

اس تحریک نے کشمیر کی سیاسی کشتی کو بے شمار سرپھرے ناخدا فراہم کئے اور کئی نئی نئی شخصیتیں سیاسی سطح پر اُبھر آئیں جن کے تذکرے کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ اُن میں نمایاں حیثیت ریاست کے سابق وزیر اعلیٰ سید میر قاسم نے حاصل کی جو اسی انقلابی دور کی پیداوار ہیں اور اپنی سیاسی سوجھ بوجھ اور معاملہ فہمی کے بل بوتے پر ایک منفرد مقام حاصل کر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ سینکڑوں دوسرے اہم لوگوں کے

۱؎ ۔ کوئٹ کشمیر کی تائید میں مسلم لیگ، کمیونسٹ پارٹی، سوشلسٹ پارٹی، جمعیت العلماء ہند، مجلس احرار، خاکسار پارٹی اور خدائی خدمت گار کے اخبارات نے بھی بھرپور اخلاقی حمایت کی۔

مندرجہ ذیل اصحاب بھی اسی تحریک کی دین ہیں۔ خواجہ شمس الدین سابقہ وزیر اعظم جموں و کشمیر، حسام الدین بانڈے، حضرت بل، میر غلام محمد راجپوری، غلام قادر جانباز، غلام حسن کرمانی، عبدالرشید قرہ، عبدالمجید قرہ، آر سی رینہ، شیخ عبدالرشید، غازی عبدالرحمان، بیگ محمد افضل، محمود الحسن قریشی، محمد سعید قریشی، حکیم علی نوشہری، علی محمد باون، عبدالصمد تیلی، علی محمد کوزگر، محمد یاسین خانصاحب، عبدالغنی نمت والی، احد صوفی چاڈورہ، سیف الدین مخدومی، مہندر ناتھ سروپ (امر سنگھ نذر، ۱۹۴۷ء میں مظفر آباد میں قبائلیوں کے ہاتھوں مارا گیا)، ایچ۔ این نہرو، محمد یوسف ڈار، محمد یوسف صراف، غلام محمد مسعودی، محمد انور خان بانڈی پورہ، کامریڈ ملک غلام محمد وکیل مائسمہ، امکار ناتھ دُر، کرشن دیو سیٹھی، پروفیسر شنگلو، سری کنٹھ رینہ، موہن لال ایمہ، برج موہن کول، محمد افضل جلالی، پیارے لال کارہلو، غلام نبی سوگامی۔

سنٹرل جیل میں قیدیوں کی بھوک ہڑتال

کوئٹ کشمیر تحریک کے دوران جو سیاسی کارکن سرینگر سنٹرل جیل میں نظربند کئے گئے حکومت نے اُن میں بزدلی اور مایوسی کا احساس پیدا کرنے کے لئے انہیں طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کیں۔ ان میں سے بعض کو کچھ عرصہ نظربند رکھنے کے اور معمولی سماعت کے بعد سزائیں سنائی گئیں۔ سزا کی میعاد ختم ہونے پر رہائی کے بجائے دوبارہ نظربند کئے گئے اور قاتلوں، چوروں، گرہ کٹوں کے پہلو بہ پہلو رکھ کر اس خوراک اور رہائش پر قناعت کرنے کے لئے مجبور کیا گیا جو جرائم پیشہ اشخاص کے لئے جاگیر شاہی قانون جرائم کے رُو سے مقرر کی گئی تھی۔

نیشنل کانفرنس ورکروں کا یہ نظربند گروپ ۸۵ افراد پر مشتمل تھا۔ اس زیادتی کے خلاف مولانا محمد سعید مسعودی کی قیادت میں سپرنٹنڈنٹ جیل کی وساطت سے

یکم فروری ۱۹۴۷ء کو گورنر کشمیر کو (جو ان دنوں ڈسٹرکٹ میجسٹریٹ بھی کہلاتا تھا) ایک یادداشت[1] بھیجی جس میں مطالبہ کیا گیا کہ حکومت پندرہ دن کے اندر اندر ان زیادتیوں کا ازالہ کرے۔ ورنہ تمام سیاسی کارکن جو سری نگر سنٹرل جیل میں محبوس ہیں ۱۴ فروری سے راست[2] اقدام شروع کریں گے جو ناخوشگوار نتائج کا موجب ہوگا اور ان نتائج کی تمام تر ذمہ داری حکومت کشمیر پر عائد ہوگی۔ یادداشت میں مندرجہ ذیل مطالبات پیش کئے گئے:-

۱۔ تمام نظر بندوں کے کنبوں کے گذارہ کے لئے مناسب فیملی الاؤنس دیا جائے۔

---

[1] نظر بندوں اور سزا یافتوں میں مندرجہ اصحاب نے یادداشت پر دستخط کئے۔ صوفی محمد اکبر حاجی غلام محمد، میر غلام حسن وکیل، بخشی عبدالمجید، محمد امین وکیل، حکیم غلام محی الدین۔ نور الدین بانڈے، پران ناتھ جلالی، غلام محی الدین ہمدانی (زیرہ)، عبدالمجید بانڈے۔ پیر عبدالاحد شاہ، عبدالکبیر خان عرف جیل بابا، غلام قادر مجاباز، کامریڈ محمد یوسف ڈار، غلام محی الدین نور شمس الدین، غلام حسن، پروفیسر جیالال تعیمی، مختار احمد کلو (آبانڈی پورہ)، کامریڈ نرنجن ناتھ رینہ، ماسٹر دلی ملک، حکیم محمد سلطان، سومیشور کول، گیانی سنت سنگھ، سردار مید سنگھ، مولانا محمد سعید مسعودی، شیام لال صراف، غلام محمد شاہ، بچھو وکیل، سید میر قاسم وکیل، محمد سلطان غلہ دار، محمد مقبول شیروانی، عبدالغفار، میر غلام محمد غوری۔

[2] راست اقدام کے لئے سرینگر سنٹرل جیل کے نظر بندوں نے جموں سب جیل، اودھم پور سب جیل، بھدرواہ سب جیل، مظفر آباد سب جیل، کٹھوعہ سب جیل اور میرپور سب جیل میں مقید اپنے دوسرے ساتھیوں اور رہنماؤں کو بھی مطلع کیا، چنانچہ ان مختلف جیل خانوں سے انہیں شیخ محمد عبداللہ، مرزا محمد افضل بیگ، میر واعظ غلام نبی ہمدانی، ماسٹر عبدالعزیز، پنڈت کشیپ بندھو، شیخ محمد اکبر، غلام نبی گیلانی، پنڈت درگا پرشاد در، پیر محمد افضل مخدومی، پروفیسر شنگلو، پنڈت جانکی ناتھ زتشی، محمد [illegible]، عبدالغنی ترالی، پنڈت سروپ ناتھ نے تائید و حمایت میں خفیہ پیغامات بھیجے۔

۲۔ اچھی اور صحت مند غذا جس سے علم خوراک کی مقتضیات پوری ہو سکتی ہوں۔ اور رہائش گاہوں (جیل کے مختلف بارکوں، زنانہ خانہ) میں صحت و صفائی کے مکمل انتظامات کئے جائیں۔

۳۔ طالب علم نظر بندوں کے لئے ایسی تمام رعایتیں میسر کی جائیں جن سے وہ اپنی تعلیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔

۴۔ وادی سے باہر کے نظر بندوں کو اپنے اضلاع میں منتقل کیا جائے۔

مہاراج کرشن در کا مکتوب نظر بندوں کے نام

۱۳۔ فروری ۱۹۴۷ء کو گورنر کشمیر نے سپرنٹنڈنٹ سنٹرل جیل سری نگر کے معرفت نظر بندوں کو زیر نمبری ۴۴۰۲ مندرجہ ذیل جواب بھیجا۔

"آپ کی چٹھی زیر نمبر ۲۷۱ مورخہ یکم فروری ۱۹۴۷ء جس کے ساتھ درخواست (نظر بندان) منسلک ہے آج مجھے پیش کی گئی۔ میں دس دن سے زائد عرصے کے بعد مظفر آباد سے کل رات واپس آیا ہوں۔ درخواست کی نقل جو چیف سیکرٹری کے نام تھی وہ انہیں بھیج دی گئی ہے۔ درخواست کی دوسری مدات میرے زیر غور ہیں اور ان کی نسبت میری رائے حسب ذیل ہے۔ غذا کے بارے میں شکایت ماضی کی بات ہے۔ جیلوں کے سپرنٹنڈنٹوں کو واضح ہدایات ہیں کہ کھانا اچھی طرح پکایا جائے گا اور نظر بندوں کی استدعا پر مختلف اوقات میں انہیں اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے گھروں سے کھانا منگوائیں۔ جہاں تک میں معلوم کر سکا ہوں یہ اجازت اکثر دی جاتی ہے اور اس کا پورا فائدہ اٹھایا جاتا ہے حتیٰ کہ لذیذ غذائیں بھی نظر بندوں تک پہنچنے سے نہیں رک سکتی ہیں۔

نظر بندوں کی اس درخواست میں جو مسلمہ طور پر ایک تعلیم یافتہ آدمی کی لکھی ہوئی ہے اس شکایت کا حوالہ دیتے ہوئے ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور اس سے

یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس شکایت کی اب گنجائش نہیں ہے تاہم میں جیلخانہ جات کے سپرنٹنڈنٹوں کو لکھوں گا کہ وہ غذا میں کیڑوں، کنکروں اور ریت کے ذرات کے شامل ہونے کے سلسلے میں احتیاط سے کام لیا کریں۔

ورزش میں کھُلم کھُلا باقی قیدیوں کو شریک کئے بغیر اور جس حد تک موجودہ حالات اجازت دے سکتے ہوں، نظربندوں کو جسمانی ورزش کے مواقع فراہم کئے جاسکتے ہیں لیکن بڑی حد تک اس کا انحصار نظربندوں کے ذاتی رویہ اور طور طرز پر ہے کہ وہ اندر رہ کر سیاسی پروپیگنڈا کئے بغیر اور جیل میں ربط و ضبط کا پابند رہ کر حکامِ جیل کے لئے یہ ممکن بنا سکیں کہ وہ ان کے راستے میں تمام پابندیاں دور کر سکیں۔ غلش سسٹم کو مستثنیٰ رکھ کر پتھر اور سیمنٹ کے پائیدان (KHAYUS) پنجاب کے جیلوں سے یہاں زیادہ مختلف نہیں۔

دستخط

مہاراج کرشن در

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سرینگر

نظربندوں کا مکتوب گورنر کے نام

گورنر کے مکتوب کے جواب میں نظربندوں نے مندرجہ ذیل خط بھیجا۔

"آپ کی چٹھی زیر نمبر ۲۰۰،۳۴۴ سی مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۴۷ء ہمیں موصول ہوئی جو آپ نے سپرنٹنڈنٹ سنٹرل جیل سری نگر کے نام ہماری چٹھی مورخہ یکم فروری ۴۷ء زیر نمبر ۱/۱۰۲ کے جواب میں لکھی تھی۔ ہم نے اس حقیقت کا جائزہ لیا کہ آپ مظفرآباد میں دس دن سے زائد عرصہ کے لئے رُکے رہے اور بدیں وجہ ہمارے مطالبات آپ کے زیرِ غور نہ آسکے مگر ہم اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرسکتے کہ اس عرصہ میں چیف سیکرٹری کے نام بھیجی ہوئی اسی درخواست کی نقل کو آگے بھیجنے کے لئے عام اور آسان دفتری قاعد

تو بھی پورا نہ کیا جاسکا۔ اس بربریت کو جس کو بہت غیر معمولی اور شدید قسم کا نہیں کہا جاسکتا۔ اس کو اس تاخیر و غفلت اور معاملہ کو ٹالنے کے لئے وجہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔ زیرِ بحث مسائل کی اہمیت ذرا اکت کے پیشِ نظر یہ عذر لنگ ہمارے لئے حیران کن ہے۔ کیونکہ اس ریاست کے عوام کو دیرینہ تلخ تجربہ ہے اور انہیں بار بار حکومت کی اسی زنگ آلودہ اور مطلق العنان مشینری کے ہاتھوں مظالم کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ جو ہماری زندگیوں کو پامال کرتی اور کمینگی اپناتی ہے۔

درخواست کا اچھا مسودہ بنانے کے لئے آپ نے ہمیں "تعلیم یافتہ افراد" قرار دے کر کمال عالی ہمتی اور دریا دلی سے جو ہدیہ تحسین پیش کیا ہے ہم نے خوشی سے اس کا جائزہ لیا اور ہمیں بھی جواباً اس کا اعتراف کرنے میں خوشی محسوس ہوتی ہے کہ جو جواب ہمیں عنایت کیا گیا ہے وہ ایک شاطرانہ، چاپلوسانہ، نرم گفتاری کے علاوہ اصل مقصد سے فرار ہونے کی ایک نادر مثال ہے۔ قلم کی وہ پُرفریب جنبش جس سے ہماری درخواست کے اہم حصوں پر ساری محنت خرچ کرکے یہ کوشش کی گئی ہے کہ ہمارے طرزِ استقلال اور نفسِ مضمون کو کالعدم بنایا جائے۔

ہماری بنیادی شکایت یہ ہے کہ ہم نظربند کاروبار، علاقہ اور فرقہ بندی کے لحاظ سے کشمیری سوسائٹی کے ہر گروہ اور ہر طبقے کے نمائندوں پر مشتمل ہیں۔ ہم سے محض ایک خیالی اور فرضی جرم کے لئے باقاعدہ سزائے قید بھگتوائی جارہی ہے اس طویل عرصہ میں ہمارے برخلاف کسی جرم کا شائبہ تک ثابت نہیں کیا جاسکا اور پھر بھی ہمارے ساتھ عام قیدیوں کا سا سلوک کیا جارہا ہے۔ ہماری جبری نظربندی کے لئے جو وجہ جواز فرض کی گئی ہے وہ مالیخولیا[1] زدہ جنون کے قابوسی توہمات سے کسی صورت میں بھی کم

---

[1] خلل دماغ۔ خام خیالی۔ سودا۔ ایک قسم کا جنون۔

نہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہماری زندگیوں اور کاروبار کو خطرے میں ڈال رکھا گیا؟ مختصراً ہماری عرضداشت صرف یہ ہے کہ ہم کو جنہیں توہمات پرستی سے بہرہ مندی کا شرف حاصل نہیں۔ محض بہیمانہ طاقت کے بل بوتے پر مظالم کا شکار بنایا جائے۔ ہم فقط فیملی الاؤنس اور خوراک و رہائش کی ایسی سہولیات طلب کرتے ہیں جو ہمارے اور ہمارے اہل و عیال کے اصل معیارِ زندگی کی ضامن بن سکتی ہو۔ ہمیں یہ پوزیشن تسلیم ہی نہیں کہ اگر افسرانِ جیل قواعدِ جیل کی تمام مدات ایک ایک کرکے پوری بھی کریں تو یہ ہمارے مطالبات کی منظوری کے قریب آتی ہیں۔ سپرنٹنڈنٹ جیل کو ازراہِ نوازش ہماری خوراک میں کیڑے کوڑوں اور ریت کے ذرّوں کی موجودگی نیز دوسری شکایات کا ازالہ کرنے کے لئے ہدایت دینا اور اس طور اس اقدام کو ایک دفتری نظام کی طرف سے ہمارے جذبات و احساسات کے لئے رعایت تصور کرنا اس شدید بے اعتنائی کو ظاہر کرتا ہے جو اس کی تہہ میں کارفرما ہے۔

گھر سے لذیذ غذائیں منگوانے کی اجازت کا حوالہ ایک ریاکارانہ سرپرستی کا مظہر ہے۔ عیاں طور ہم سے یہ توقع باندھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہم اپنے آقاؤں کی "بزرگانہ" نگہداشت کے جذبے سے اپنے آپ کو زیرِ بارِ احسان محسوس کریں جو غذا عام قیدیوں کو دی جاتی ہے اُس کے صریحاً متقابل "لذیذ غذاؤں" کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس احسانِ عظیم کے لئے خود ہی اپنی زبان سے تعریف و تحسین کی جا رہی ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ ہمیں اس وقت صرف عام قیدیوں کی سی غذا کا مستحق تصور کیا گیا ہے جب تک ہم "صحیح رویہ" اختیار نہ کریں۔ متعلق صحت و رہائش گاہوں کی تشکیل و انتظام کے مطالبہ کے جواب میں جس "موزونیت" کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی اسی لاپرواہی اور غیر مآل اندیشی کا مظہر ہے۔

ایسے حالات میں ہم گھیرے ہوئے ہیں اور جبکہ ہم اخلاقی مجرموں کے دوش بدوش

بارکوں میں ٹھونسے گئے ہوں کبھی سیاسی پروپیگنڈا کو قابلِ مواخذہ قرار دینے کا حوالہ دینا، جاپانی فسطائیت کے اُس اصول کو یاد دلاتا ہے جو انہوں نے خیالات پر کنٹرول کے لئے رائج کیا تھا۔ ان حالات سے ظاہر ہے کہ ہماری درخواست پر کارروائی کرتے ہوئے کوشش کی گئی ہے کہ ہماری بنیادی پوزیشن کو غلط صورت میں پیش کیا جائے اور رعایات کا ذکر ایسے انداز میں کیا جائے۔ گویا وہ ہمیں مل چکی ہیں۔ حالانکہ حقیقت ہے کہ کوئی رعایت ہمیں دی ہی نہیں گئی۔ اگر یہ قیاس کیا جائے کہ ہم ایک ایسی صورتِ حالات میں آپ کا فریب کھا سکتے ہیں جبکہ ہماری زندگیاں اور کاروبار معرضِ خطرہ میں ہوں تو ایسا تصور کرنا سادہ لوحی کی انتہا ہوگی۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ کی بوجھل اور گراں خیز دفتری طوالت کی کوتاہیوں کے پیشِ نظر آپ کو مہلت دیں۔ لہٰذا اس سے قبل کہ ہم کوئی فیصلہ کن اقدام کریں، ہم ۲۶ فروری ۱۹۴۷ء تک مزید دس دنوں کا انتظار کریں گے۔ اس مہلت کے اختتام پر ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہمارے تمام مندرجہ مطالبات پورے ہوں گے۔ اختتامِ مہلت پر اگر ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے کم سے کم مطالبات تسلیم نہیں کئے گئے تو ہم ۲۸۔ فروری کو ڈائریکٹ ایکشن لیں گے۔

۱۷ فروری ۱۹۴۷ء

دستخط

سیاسی نظربندان سنٹرل جیل سرینگر

بھوک ہڑتال

غنچوں سے پیار کرکے یہ عزت ملی ہمیں
چومے قدم بہار نے گذرے جدھر سے ہم

۲۰۔ فروری کو سری نگر سنٹرل جیل میں تمام نظربند سیاسی قیدیوں نے غیر معین عرصہ کے لئے بھوک ہڑتال شروع کی۔ جس سے جیل کے تمام نظام میں خلل پڑنے کا اندیشہ لاحق ہوا۔ اس نئی صورتِ حال سے نپٹنے کے لئے جیل حکام نے

ان میں سے بیشتر کو یکے بعد دیگرے اس بہانے بیرکوں سے جیل احاطے سے باہر نکال کر ان کے قریبی رشتہ دار اُن سے ملنے آئے ہیں۔ سنٹرل جیل کے دروازے پر پولیس کی مسلح گارڈیاں کھڑی تھیں جن میں چُن چُن کر انہیں بندوق کی نوک پر سوار کر کے ریاست کے مختلف جیلوں میں بھیجا گیا۔ اس طرح سے سری نگر سنٹرل جیل کی چار دیواری میں ایک منصوبہ بند تحریک پایۂ تکمیل تک پہنچنے سے رہ گئی۔ ان بھوک ہڑتال کرنے والے سیاسی قیدیوں میں سے چوبیس ۲۴ افراد کو اودہم پور سے بیس میل دور رام نگر کے ایک پُرانے شاہی محل جو کھنڈر میں مُبدل ہو کر سانپوں اور بچھوؤں کا مسکن بنا تھا میں قید کیا گیا۔

پروفیسر جیالال کعبری اور محمد سلطان غدّار کو کئی دن بعد بادامی باغ کے فوجی ہسپتال میں داخل کر کے انہیں جبراً بھوک ہڑتال توڑنے پر مجبور کیا گیا۔ البتہ مولانا محمد سعید مسعودی اور سردار بُدھ سنگھ برابر سری نگر سنٹرل جیل میں بارہ دن تک بھوک ہڑتال نبھاتے رہے جب ان کی حالت غیر ہوئی اور جیل سے باہر بھی ان کے بارے میں تشویش ناک افواہیں پھیلنے لگیں۔ ردِ عمل کے طور پر ایک بار پھر لوگ اس ظلم کے خلاف تشدد آمیز کارروائیوں کے لئے پر تولنے لگے تو مجبوراً حکومت کو ان کے تندرست ہونے کے اعلان کے ساتھ ساتھ ان دونوں کو علاج معالجہ کے لئے سنٹرل جیل سے بادامی باغ فوجی ہسپتال منتقل کیا گیا۔ جب یہ دونوں مکمل صحت یاب ہوئے انہیں وزیر اعظم رامچندر کاک کے ایماء پر اپنے ضلع

لہ ـ صوفی محمد اکبر، سید میر قاسم، پنڈت شیام لال صراف۔ غلام قادر گاندربلی عرف شیر گاندربل حکیم غلام محی الدین۔ صوفی غلام محی الدین گاندربلی۔ بخشی عبدالمجید۔ کامریڈ نرنجن ناتھ رینہ، قاضی سیف الدین، عمر شکیو، پیر عبدالاحد شاہ، غلام نبی ملک بیج بہاڑہ، پران ناتھ جلالی، غلام قادر مولاباز، گیانی سنت سنگھ، غلام محمد شاہ، مختار احمد، باقیوں کے نام دستیاب نہ ہو سکے۔

جیلوں میں منتقل کیا گیا۔ سردار بُدھ سنگھ کو میرپور اور مولانا محمد سعید مسعودی کے ساتھ، علی محمد طارق کو مظفر آباد سب جیل بھیجا گیا۔ اس طرح تبادلے سے چند دن قبل مولانا مسعودی جیل سے رہا ہو کر پیدل سری نگر پہنچے۔

یوتھ کانگریس اور عبداللہ ڈے

کشمیر چھوڑ دو تحریک کے دوران کانگریس کے کئی ایسے رہنما بھی کشمیر آئے جو عملی اور ذہنی طور پر کشمیریوں کی اس تحریک سے ہمدردی رکھتے تھے۔ چنانچہ آل انڈیا کانگریس سوشلسٹ پارٹی نے ۹ نومبر ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا سطح پر عبداللہ ڈے منانے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں اُن دنوں سری نگر میں کانگریس رہنما جے پرکاش نارائن مقیم تھے ان سے وادی کے طلباء نے رابطہ قائم کر کے اس دن کو وادی کشمیر میں منانے کا پروگرام طے کیا۔ ۹ نومبر کو طلباء نے دفعہ ۱۴۴ اور دفعہ ۵۰ کے باوجود جگہ جگہ جلسے کئے اور نعرے لگائے۔ رات کو پٹاخے سر کئے۔ جس کے پاداش میں دو سو کے لگ بھگ طلباء گرفتار کئے گئے جن میں تقریباً ایک سو کو سپیشل مجسٹریٹ سری نگر کی عدالت سے ایک ایک ہفتہ قید اور پچاس پچاس روپے جرمانہ کی سزا ہوئی۔ گرفتار شدگان میں نابالغ بچے بھی تھے جن میں کچھ کو عدالت نے زبانی فہمائش کے بعد رہا کر دیا۔ چند لڑکوں کے وارثوں اور والدین سے کہا گیا کہ وہ اپنے بچوں کی جانب سے نیک چلنی کی ضمانت پیش کریں لیکن ان میں اکثر نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ اس پر مجسٹریٹ نے کہا ــ "ضمانت کی کوئی ضرورت نہیں ہے اپنے بچوں کو لے جائیے۔" مجسٹریٹ نے بارہ طالب علموں کو ایک ایک ماہ قید اور پچاس پچاس روپے جرمانے کی سزا دی۔ سٹوڈنٹ لیڈر غلام محمد نوشہری، ایس پی کالج، عبدالاحد اور رام پنڈت کو پچاس پچاس روپے جرمانے کی سزا دی۔

۹ نومبر کو پولیس نے شہر کے مختلف علاقوں میں طلباء پر بے دھڑک لاٹھی چارج بھی کیا جس سے سات طلباء شدید زخمی ہوئے جو ہسپتال میں داخل کئے گئے۔

طلباء کی سرگرمیاں

اس موقع پر طلباء کی سرگرمیوں کا تذکرہ کرنا لازمی ہے۔ ۱۹۴۳ء کے اوائل میں سٹوڈنٹس فیڈریشن جو کمیونسٹ اور اینٹی کمیونسٹ کا اکھاڑا بن کر قریب قریب دم توڑ چکی تھی۔ دسمبر ۱۹۴۳ء میں یوتھ کانگریس کے نام سے ریاستی طلباء کی ایک نئی جماعت خواجہ محمد یوسف صراف کی قیادت میں قایم ہوئی اس کے جنرل سیکرٹری درگا ناتھ کاچرو مقرر ہوئے۔ یہ جماعت یقیناً کمیونسٹ مخالف جماعت تھی۔ نیشنل کانفرنس نے باضابطہ اس کی مالی امداد دینی شروع کی۔ شیخ محمد عبداللہ، مولانا محمد سعید مسعودی، مرزا محمد افضل بیگ، پنڈت کشیپ بندھو اور پنڈت شیام لال صراف کی ہمدردیاں اس کے شاملِ حال رہیں۔ کمیونسٹ نواز طلباء سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام پر دوبارہ خواجہ غلام محمد صادق کی سرپرستی میں منظم ہونے لگے اور ان کے حامیوں میں خواجہ غلام محی الدین قرہ، درگا پرشاد در اور گردھاری لال ڈوگرہ پیش پیش نظر آنے لگے۔ سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سرکردہ لیڈروں میں ڈاکٹر سید نصیر احمد شاہ، موتی لال مصری، پران ناتھ جلالی، پیر غیاث الدین اور نور محمد تھے۔

یوتھ کانگریس کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے تمام کالجوں اور سکولوں میں اس کی شاخیں قایم کی گئیں۔ ۸ مئی ۱۹۴۴ء کو جب قایدِ اعظم محمد علی جناح بحیثیت صدر مسلم لیگ، ریاست کی حدود میں سوچیت گڑھ سے سرحد پار کرکے داخل ہوئے۔ یوتھ کانگریس نے ان کے استقبال کے پروگرام سے بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ لیا۔ اس

لہ۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے۔ تحریکِ حریتِ کشمیر جلد دوم صفحہ ۲۱۰ تا ۲۱۲

پر شیخ محمد عبداللہ نے یوتھ کانگریس کے سرکردہ لیڈروں سے تبادلۂ خیال کرتے انہیں کہا۔ اگر ہم ان کا استقبال نہیں کریں گے تو ظاہر ہے مسلم کانفرنس اور اس سے وابستہ سٹوڈنٹس یونین ان کو ہاتھوں ہاتھ لے گی۔ چونکہ مسٹر جناح ایک عظیم ہندوستانی لیڈر ہیں۔ انہیں دیکھنے ہم اور آپ سبھی جائیں گے۔ اسے تمام ہندوستان میں یہ تاثر پیدا ہوگا۔ ریاست جموں و کشمیر میں صرف مسلم کانفرنس ہی واحد جماعت ہے۔ جس کے لاکھوں حامیوں نے اُن کا والہانہ استقبال کیا۔ برعکس اس کے اگر ہم بھی اُن کا خیر مقدم کرنے سامنے آئیں گے تو اس صورت میں ہم اپنی جماعت کی طاقت کا بھرپور اور خوشگوار مظاہرہ کرسکیں گے۔ اس معقول دلیل پر یوتھ کانگریس نے مسٹر جناح کے استقبال میں حصہ لیا۔

اشتراکی انداز

۴۵-۱۹۴۴ء کے دوران یوتھ کانگریس اور سٹوڈنٹس فیڈریشن میں خاصی کشاکش رہی۔ یوتھ کانگریس نے نیشنل کانفرنس کی زیرِ سرپرستی دو سالانہ اجلاس کئے۔ ۱۹۴۵ء کے سالانہ اجلاس میں انہوں نے کمیونسٹ تحریک کے ہندوستانی باغی رہنما پروفیسر این۔ جی رنگا کو کانفرنس کی صدارت کرنے کی دعوت دینے کے لئے یوتھ کانگریس کے صدر خواجہ محمد یوسف صراف کو دلی بھیجا۔ سٹوڈنٹس فیڈریشن نے مسٹر صراف کو بدیں مضمون تار بھیجا کر "اجلاس ملتوی کیا گیا ہے۔" وہ سرینگر

لہ: جس کے سرکردہ قایدین میں کئی دوسروں کے علاوہ خورشید علایق۔ چودھری سلطان علی جو بعد میں آزاد کشمیر اسمبلی میں حزبِ اختلاف کے لیڈر تھے۔ سلطان محمد، خواجہ ثناء اللہ شمیم اور اے یو مانا قابلِ ذکر ہیں۔

واپس لوٹے بعد میں انہیں پتہ چلا کہ یہی کام اُن کی جماعت نے نہیں بلکہ فیڈریشن کا اِشتراکی انداز تھا۔ اس واقعہ کو خواجہ محمد یوسف صراف نے اپنی تصنیف "کشمیرز فائٹ فار فریڈم" میں یوں قلمبند کیا ہے۔

"۲۰ ستمبر ۱۹۴۴ء کو پتھر مسجد میں اِشتراکیوں کے خلاف پہلی سٹوڈنٹس کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت میرپور کے ایک اعلیٰ لیڈر راجہ محمد اکبر خان نے کی۔ یہ کانفرنس، نیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے ایک حصے کے طور پر انعقاد ہوا۔ اشتراکی گروپ شیخ محمد عبداللہ سے اس پر سخت ناراض تھا کہ انہوں نے اشتراکیوں کے خلاف کانفرنس منعقد کرنے کی اجازت کیوں دی۔ لیکن اشتراکیوں کو یہ تلخ گھونٹ پینا ہی پڑا۔ کیونکہ انہیں اس کے بغیر اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ دوسرا سالانہ اجلاس ۱۲ جولائی ۱۹۴۵ء کو سری نگر میں منعقد ہوا جس کی صدارت شمال مغربی سرحدی صوبے کے ایک سرکردہ کانگریسی رہنما تاج محمد خان نے کی۔ اجلاس کا افتتاح شیخ محمد عبداللہ نے کیا۔ اس اجلاس میں اور لوگوں کے علاوہ مسز اندرا گاندھی نے بھی شرکت کی۔ دراصل اس اجلاس کی صدارت پروفیسر این جی رنگا کو کرنی تھی جو ان دنوں اشتراکیوں میں نہایت ہی غیر مقبول تھے۔ میں اُن دنوں آل انڈیا سٹوڈنٹس کانگریس کی ورکنگ کمیٹی میں شرکت اور پروفیسر رنگا کو سری نگر میں منعقدہ سالانہ اجلاس کی صدارت کرنے کی دعوت دینے دہلی گیا تھا۔

دہلی میں مجھے سری نگر سے اپنے ساتھیوں کا ایک تار ملا جس میں سالانہ اجلاس کے ملتوی ہونے کی اطلاع دی گئی تھی۔ میں پروفیسر رنگا سے ملے بنا ہی واپس سری نگر لوٹا اور اپنے ساتھیوں کو وہ تار دکھایا۔ بعد میں یہ ظاہر ہوا کہ تار اِشتراکیوں نے دیا تھا۔ پنڈت جواہر لال نہرو، جو حال ہی میں احمد آباد کے قلعے سے رہا کئے گئے تھے، نے اپنے تہنیتی پیغام میں نیک خواہشات کے اظہار کے ساتھ ساتھ لکھا۔ یہ کشمیر کے لوگوں کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں شیخ محمد عبداللہ جیسا لیڈر میسر ہے۔ شیخ صاحب نے اپنی تقریر میں ہندوستان کے سوشلسٹوں کی حب الوطنی کی زبردست تعریف کی اور اشتراکیوں کی غیر ملکی وفاداریوں پر اُن کو ہدف ملامت بنایا۔"

کوئٹ کشمیر تحریک کے دوران یہاں کی تقریباً تمام سٹوڈنٹ جماعتیں متحد ہو گئیں اور انہوں نے مل کر تحریک کی حمایت میں کام کیا۔ چنانچہ وار کونسل کے ذریعہ جو دیواری پوسٹر شہر کے مختلف حصوں میں لگائے جاتے تھے۔ یہ کام اکثر و بیشتر سٹوڈنٹ ہی انجام دیتے تھے۔ یوتھ کانگریس کے لئے خفیہ پوسٹروں کا جو کوٹہ آتا تھا وہ امیرا کدل گوردوارہ کے نیچے ایک دوکان "کشمیر ہارڈویئر سٹور" کے مالک وید پرکاش کے پاس آیا کرتا تھا جو یوتھ کانگریس کا ہمدرد تھا۔ ان پوسٹروں کو چسپاں کرتے کئی طلباء گرفتار ہوئے۔ فیڈریشن کے سیکرٹری درگا ناتھ کاچرو اور سومیشور کول ہری سنگھ ہائی سٹریٹ میں رات کے دو بجے پوسٹر چسپاں کرتے رنگے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ اس پر خاصہ ہنگامہ برپا ہوا۔

غرض ۲۹ ستمبر ۱۹۴۷ء شیخ محمد عبداللہ کی رہائی تک طلباء کی یہ جماعتیں اپنے وجود کو برقرار رکھ سکیں۔ اس کے بعد ریاست کے مسئلہ الحاق نے کچھ ایسی شدت اختیار کی۔ سٹوڈنٹس یونین سے بیشتر طلباء پاکستان فرار ہوئے جو رہ گئے انہیں قید خانوں میں بند کیا گیا۔ سٹوڈنٹس یوتھ کانگریس، سٹوڈنٹس فیڈریشن اور طلباء کی دوسری

جماعتوں نے نیشنل کانفرنس میں ادغام ہونے میں اپنی عافیت جانی۔ اس طرح وقتی طور کشمیر میں طلباء کی سیاست کا باب معطل ہو گیا۔

فوڈ کمیٹی

نومبر ۱۹۴۶ء میں وادی میں شدت کی برفباری ہوئی۔ برف کی ڈیڑھ فٹ منجمد تہہ مارچ ۱۹۴۷ء تک کشمیر میں جمی رہی اور شدید سردی کے باعث کئی افراد مر گئے۔

کوئٹ کشمیر کی تحریک نیم مردہ ہو چکی تھی۔ مشکل سے ہفتہ دو ہفتہ بعد حضرت بل کے سٹیج پر وار کونسل کے تحت نیم خواندہ ایک آدھ غیر معروف ڈکٹیٹر کھینچ تان کر آدھمکتا تھا۔ جو کشمیر کی سیاسیات پر طوطے کی طرح رٹے رٹائے دو چار جملے کہنے کے بعد یا تو خاموش ہو جاتا تھا یا ذاتی حوادثات کی بے سُرو تال راگ الاپ کر مجلس جنگ کے زندہ ہونے کا احساس دلاتا تھا۔ ایسے لوگوں کو حکومت دفعہ ۵ کے تحت گرفتار کرتی تھی۔ آخر نیشنل کانفرنس کے انڈر گراؤنڈ ڈکٹیٹر غلام محی الدین قرہ جی نے ڈکٹیٹروں کے قحط الرجال کے باعث اس سلسلے کے خاتمے کا باضابطہ اعلان کرنا پڑا۔ انہوں نے اثر و رسوخ اور دائرہ معتقدین میں انقلابی سپرٹ تازہ رکھنے کی غرض سے بیگم شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں فوڈ کمیٹی کے قیام کا اعلان کیا۔ سیکرٹری کے فرائض خواجہ عمر بٹ کو سونپ دیئے گئے۔

فوڈ کمیٹی[لہ] کے زیر اہتمام مجاہد منزل میں ہر جمعہ کو بیگم شیخ محمد عبداللہ اور

لہ۔ یہ کمیٹی اگست ۱۹۴۷ء میں امن کمیٹی میں تبدیل ہوئی اور ریاست میں فرقہ وارانہ امن و اتحاد بحال رکھنے میں مصروف ہوئی۔ امن کمیٹی کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی۔

(حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

زینب بیگم تقاریر کرتی تھیں۔ مجاہد منزل کے ان اجتماعوں میں بیگم قرہ اور بیگم صادق بھی شرکت کرتی رہیں۔ اس کے علاوہ شہر سری نگر، ضلع اسلام آباد، ضلع بارہمولہ میں بھی جلسے ہونے لگے۔ جن میں غلہ کی موجودہ گراں بازاری اور اجناس کا ذخیرہ کرنے والوں کے خلاف حکومت کو عوامی تعاون کی پیشکش کی گئی۔ ان جلسوں

(بقیہ حاشیہ ص۲۹ سے) کیونکہ ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو مسلم لیگ کے راست اقدام کے بعد تمام ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے جس میں ہندو اور مسلمان گاجر مولی کی طرح ایک دوسرے کو کاٹ رہے تھے۔ برطانوی حکومت اپنا بوریا بستر گول کر رہی تھی اور سارا ہندوستان طوائف الملوکی کا شکار تھا۔ کمیٹی کے دائرہ اثر کو وسعت دے کر میر غلام حسن وکیل کو کنوینر اور پنڈت جانکی ناتھ زتشی سیکرٹری چنے گئے۔ امن کمیٹی کے مندرجہ ذیل اصحاب ممبر منتخب ہوئے، محمد یوسف مسعودی، پیر عبدالعزیز، محمد سلطان نجار، محمد عمر بٹ، درگا پرشاد در اور حکیم غلام محی الدین۔ اس سلسلے میں بخشی غلام محمد کا مکتوب جو انہوں نے لاہور سے عمر بٹ کے نام تحریر کیا ہے، امن کمیٹی سے وابستہ توقعات اور کشمیر کے مستقبل کے بارے میں ان کے ذہنی تشویش کی عکاسی کرتا ہے۔

لاہور۔ ۱۱ مئی ۱۹۴۷ء

مکرمی بٹ صاحب!

السلام علیکم! اُمید ہے کہ آپ خیریت و عافیت سے ہوں گے، چٹھی ملی شکریہ۔ آپ کے متعلق تو اخبارِ خدمت اور دیگر ذرائع سے معلوم ہوتا رہتا ہے آپ جو کام کر رہے ہیں نہایت ہی شاندار اور ضروری ہے۔ آپ کی محنت اور جانفشانی کی وجہ سے کانفرنس کو فائدہ ہو رہا ہے۔ وہاں عوام کو بھی یقینی طور پر فائدہ

(باقی حاشیہ ص۱۴۲ پر)

میں چکداروں، وڈداروں، جاگیرداروں کی لوٹ کھسوٹ اور عیاشیوں کو طشت ازبام کرنے کے دوش بدوش حکومت پر بھی نکتہ چینی ہونے لگی۔ جس سے انقلاب کی دبی ہوئی چنگاریوں نے پھر سلگنا شروع کیا اور دہکتے ہوئے لاوے کے ڈھیر پر ایندھن کا کام دینے لگا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۰ سے) پہنچتا۔ یقین جانیے اگر اس دور میں فوڈ کمیٹیوں کا کام جاری نہ رہتا تو نہ معلوم کہ غلہ کی قیمت کہاں پہنچ گئی ہوتی۔ حکومت اور غلہ دار دونوں ایک ہو گئے تھے اور انہوں نے عوام کو تباہ و برباد کرنے کا باضابطہ پلان بنایا تھا۔ ہزار ہزار شکر ہے کہ ان کو اپنے ناپاک ارادوں میں کامیابی نہیں ہوئی۔ محترمہ بیگم شیر کشمیر کا اس آڑے وقت میں ملک کی رہنمائی کرنا ہمارے لئے تاریخ کا ایک سنہری باب ہوگا۔ انہوں نے ایسے وقت پر شمع کو روشن رکھا جبکہ چاروں طرف اندھیرے و باد و باراں نے اس کو گھیر رکھا ہے۔ ان کمیٹیوں کی کامیابی پر تہہ دل سے مبارک باد (میری جانب سے انہیں) عرض کریں۔ آج جبکہ سارا ہندوستان ان کے (فرقہ وارانہ فسادات) نرغہ میں آچکا ہے، ایسے وقت میں کشمیر کا بچ رہنا تمام ملک میں امن و امان رکھنا یہ ایسا شاندار کارنامہ ہے ہم اپنی گردنیں اونچی رکھ سکتے ہیں۔ اس کا کریڈٹ انہی کی مساعی جمیلہ کو حاصل ہوگا۔ انہوں نے اپنے شاندار خاوند کے نام کو چار چاند لگائے۔ خدا انہیں سلامت رکھے۔ میری جانب سے تسلیمات عرض کریں۔

یہاں کے حالات نہایت سرعت سے بدل رہے ہیں۔ چند یوم تک وائسرائے کا آخری فیصلہ بھی ظاہر ہوگا۔ اس کے بعد کیا صورت ہوگی کہنا مشکل ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کا فیصلہ ہوگا۔ ہندوستان کا نقشہ کیا ہوگا اور پاکستان کا کیا۔ کشمیر تک اس کا بھی فیصلہ ہوگا، نقشے کے کس حصے میں ہمارا خطہ ہوگا۔ یہ دریافت طلب بات ہے۔

جاگیرداروں کو کورا جواب

چنانچہ اس نکتہ چینی کو روکنے کے لئے حکومت نے بیگم شیخ محمد عبداللہ کے اسلام آباد میں ایک جلسے میں تقریر کرنے کے پروگرام مرتب ہونے سے صرف دو دن قبل پورے ضلع میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کیا اور جب بیگم شیخ محمد عبداللہ نے سوپور کا عزم کیا تو حکومت نے یہاں بھی دفعہ ۱۴۴ نافذ کرکے یہ ثابت کیا کہ وہ فوڈ کمیٹی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۱ سے) دونوں ہمیں کلیم کرتے ہیں۔ بہرحال کچھ بھی ہو ہر حالت میں انشاءاللہ عوام کی فتح ہوگی کشمیر آزاد ہوگا۔ ہمارے خواب کی تعبیر شروع ہوگی ہمیں اپنی خواہشات کے مطابق نیا کشمیر تعمیر کرنے کا موقعہ ملے گا۔

حقیقتاً تکالیف اور پریشانیوں کے دن اب تھوڑے باقی ہیں آپ تمام دوست ساتھ ساتھ تنظیم کی طرف توجہ دیں۔ ایسے وقت پر مضبوط تنظیم کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ فوڈ اور امن کمیٹیوں کے ذریعہ بھی ایسا ہو سکتا ہے اس طرف ضروری توجہ دیں۔ سوپور کی مفصل چٹھی آئی تھی لیکن، اس کو کہیے کہ ذرا احتیاط سے لکھا کریں۔ ڈاک کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا وہ کیا کر رہے ہیں؟ جو بھی اپنے ساتھ لگے بیٹھا ہے وہ نئی نئی افواہیں گھڑتے رہتے ہیں، کاک کا جانا یقینی ہے وہ تو گیا اس کے جانے کے باوجود بھی ہمیں آگے بڑھنا ہے کرتار سنگھ اور جنرل سنار سنگھ پرسوں بات چیت کرنے کے لئے دہلی گئے ہیں دیکھیں کیا کچھ کر کے وہ آئیں گے۔ اطلاعاً عرض کروں گا۔ میں کل یا پرسوں پنڈی جا رہا ہوں۔ آپ کے ارشاد کی تعمیل کے لئے کوشش کر رہا ہوں، وہیں سے انتظام بھی کروں گا۔ تمام دوستوں کو محبت بھرا سلام عرض کریں۔

خادم۔ بخشی



شریمتی اندرا گاندھی



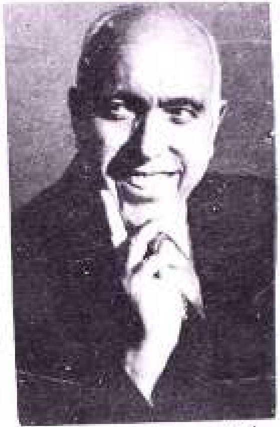
ڈاکٹر کرن سنگھ



شری اودسکار ناتھ در



شری بلدیو پرشاد شرما



جناب شیخ محمد عبداللہ



محترمہ بیگم شیر کشمیر



جناب احمد الدین بانہالی



جناب منشی محمد اسحاق

سے تعاون کرنے کے بجائے اُس کی راہیں روک رہی ہے۔ حالانکہ سوپور فوڈ کمیٹی کے کنوینر غلام رسول کار نے ایک پوسٹر کے ذریعے صریح الفاظ میں جلسے کی غرض و غایت پر روشنی ڈالتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ جلسے میں اشیاء ضروریات زندگی کی قلت، گراں بازاری، فرقہ وارانہ اتحاد پر تقریریں ہوں گی۔ حکومت کے اس عمل سے عوامی جوش و خروش پر کوئی اثر نہ پڑا۔ نیشنل کانفرنس کے ورکروں نے خفیہ میٹنگوں میں کسانوں اور کاشتکاروں کو جاگیرداروں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ ردِ عمل کے طور پر صدیوں سے روندے ہوئے بے زمین کاشتکاروں نے اپنے گردوپیش کا جائزہ لے کر کشمیر میں پہلی بار نومبر ۱۹۴۶ء میں جاگیرداروں کو پیداوار کا حصہ دینے سے انکار کیا۔ اس کی ابتداء وارہ پورہ (سوپور) کے کاشتکاروں نے غلام رسول کار کی ہدایت پر ٹھاکور کرتار سنگھ جاگیردار کو دھان کا حصہ نہ دینے سے کیا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ریاستی پولیس نے وزیر وزارت بارہ مولہ کے حکم سے ٹیئر گیس شیلوں کا پہلی بار استعمال کیا۔

مسلم کانفرنس جو ریاست کی دوسری بڑی سیاسی جماعت تھی، اندرونی انتشار اور باہمی کشمکش کی وجہ سے کمزور اور مفلوج ہو چکی تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ حکومت کے خیر خواہوں اور حاشیہ برداروں کی گرفت نے اس جماعت کی رہی سہی ساخت کو ملیامیٹ کر دیا تھا۔

اسمبلی انتخابات

اے دل فریب جشن بہاراں نہ دے مجھے　　واقف ہیں خوش مذاقی برق و شرر سے ہم

حکومت عوامی محاذ پر وقتی طور فتح حاصل کر چکی تھی اس موزوں ماحول میں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی خاطر اپنے وجود کو پائیدار اساس پر کھڑا کرنے کی خاطر ۲۸ نومبر کو مہاراجہ ہری سنگھ نے شاہی فرمان جاری کیا جس کے مطابق پرجا سبھا (کشمیر اسمبلی) کو برخاست کیا گیا اور نئے انتخابات کرانے کی تاریخوں کا اعلان کیا۔ ۷ دسمبر کو کاغذات نامزدگی داخل کرنے ۱۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کاغذات نامزدگی کی چھان بین اور ۳، ۴ جنوری ۱۹۴۷ء کی تاریخیں ووٹ ڈالنے کے لئے مقرر کی گئیں۔ لیہ اور گلگت کی سرحدی نشستوں کے لئے ووٹ ڈالنے کی تاریخ ۱۸ جنوری ۱۹۴۷ء کا اعلان ہوا۔

اس اعلان کے فوراً بعد ریاست کی سیاسی جماعتوں اور آزاد امیدواروں نے جگہ جگہ الیکشن کمیٹیاں قائم کر کے انتخابی سرگرمیاں شروع کیں۔ نیشنل کانفرنس کے قائم مقام سیکرٹری لالہ بنسی لال سوری نے لاہور سے غلام محمد صادق اور بخشی غلام محمد کی ہدایت لے کر واپسی پر اعلان کیا کہ نیشنل کانفرنس ریاستی اسمبلی کے تمام حلقہ ہائے انتخاب میں ہندو، مسلم اور سکھ نشستوں کے لئے اپنے امیدوار کھڑا کر کے ہر ایک نشست کا مقابلہ کرے گی۔ چنانچہ اعلان کے مطابق ہر حلقہ انتخاب سے کئی نیشنل کانفرنسیوں نے (جن میں نظر بند سیاسی ورکر بھی شامل ہیں) کاغذات نامزدگی داخل کئے۔ ضلع اننت ناگ میں سید میر قاسم کی قیادت میں الیکشن بورڈ قائم ہوا اور انتخابی سرگرمیاں زور و شور سے شروع کی گئیں۔

مسلم کانفرنس اور انتخاب

مسلم کانفرنس نے ضلع سری نگر، بارہ مولہ، اسلام آباد خاص، جموں، راجوری، پونچھ، ریاسی، مینڈھر اور بھمبر سے اپنے امیدوار کھڑے کئے۔ لیکن اس کے لیڈروں کی باہمی رسہ کشی اور شکر رنجی نے یہاں بھی ایک دوسرے کی مخالفت کے گل کھلائے۔ جو کارکن میر واعظ محمد یوسف شاہ سے منسلک تھے اور

جنہوں نے اس کے اشارے پر کاغذات نامزدگی داخل کئے تھے۔ چودھری حمید اللہ خان نے انہیں اپنے عتاب کا ہدف بنانا شروع کیا۔ دباؤ اور انتشار کے اس ماحول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومت نے عوام کی آواز قطعی بے اثر بنانے اور مسلم کانفرنس کے وقار اور ساخت کو ٹھیس پہنچانے کی غرض سے اس کے ورکروں کی خاصی تعداد کو اندیشۂ نقضِ امن عامہ کے نام پر گرفتار کر لیا۔ تاکہ وہ آگے پیش ہونے والے ڈرامے کے لئے مشکلات کا سبب نہ بنیں۔ ۹ر نومبر کو کاغذات نامزدگی کی چھان بین کے دن تقریباً ہر اس امیدوار کو جو نیشنل کانفرنس سے وابستہ تھا یا مسلم کانفرنس کی ٹکٹ پر عوامی اعتماد کا اہل تصور کیا جاتا تھا، کے کاغذات رد ہوگئے اور جو باقی رہ گئے ان میں سے اکثر کو حکومت کی درپردہ حمایت حاصل تھی یا اگر انہیں جاگیردارانہ نظام کے ستون شریکوں کا نام دیا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا۔ البتہ صوبہ جموں سے وابستہ کئی اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلم کانفرنسی امیدواروں کو حکومت نے انتخابی میدان میں رہنے دیا۔ اس سے حکومت کی غرض اپنی جانبداری اور غرض مندی کو عریاں ہونے سے بچانا تھا۔

له۔ ریاستی انتخابات میں کاغذات رد کرنے یا تائید کنندگان کا اغوا کرنا اور بلامقابلہ کامیاب ہونے کی تاریخ یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ اس انتخاب میں حکومت نے کاغذات نامزدگی کی چھان بین کے موقع پر اپنے پسندیدہ امیدواروں کو تائید کنندگان کی عدم موجودگی میں بھی ان کے کاغذات نامزدگی درست قرار دے۔ بددیانتی اور بے ایمانی کے اس انتخابی شکنجے میں یہاں کی سیاسی جماعتوں کو اسی الیکشن میں سب سے پہلے جاگیردارانہ نظام نے کسا اور جب عوامی حکومت قائم ہوئی تو عوامی خدام نے اسی حربے کو موزوں اور کارآمد ہتھیار سمجھ کر اپنے حق میں استعمال کرکے عوام پر اپنی سرداری

اس طرح تقریباً ہر مسلم حلقۂ انتخاب میں مسلم کانفرنسی امیدوار کو اپنے ہی ساتھیوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اس مقابلے کے لئے انہیں حکومت نے اپنی مکمل حمایت کا دلاسہ دے کر آمادہ کیا تھا۔ اس کی بہترین مثال مسلم حلقۂ انتخاب باغ سدھنوتی سے دی جا سکتی ہے جہاں سردار محمد ابراہیم خان کے مقابلے پر سردار نسیم خان له جیسے زیرک و تجربہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰) قائم کی۔ جب تک یہ عمل جاری رہے گی نہ صرف صحیح معنوں میں لوگ سیاسی آزادی کے مفہوم سے بے خبر رہیں گے بلکہ یہاں سیاسی استحکام کبھی بھی قائم نہ ہوگا۔ اس الیکشن میں نیشنل کانفرنس الیکشن بورڈ کے ممبروں کی گرفتاری پر آل انڈیا کانگریس کی مرکزی کمیٹی کو باخبر رکھنے کے لئے بخشی غلام محمد نے لاہور سے تاروں اور خطوط کے ذریعہ مطلع کیا۔ ۵ر جنوری ۱۹۴۷ء کو سٹیٹ کشمیری پنڈت کانفرنس کے صدر نے سردار پٹیل کو ایک برقیہ کے ذریعے مطلع کیا کہ نیشنل کانفرنس کے مسلم کارکنوں نے ہندو حلقۂ انتخاب کی انتخابی کارروائی میں مداخلت کی۔ جو کشمیری پنڈت ووٹر لاریوں میں یا پیدل پولنگ مراکز پر جا رہے تھے ان پر پتھراؤ کیا گیا اور برف کے گولے پھینکے گئے ہندو ووٹروں کی پگڑیاں اچھالی گئیں اور چادریں چھینی گئیں۔ ڈاکٹر بیشن (آزاد امیدوار) جو نیشنل کانفرنس کا شکستی امیدوار تھا، نے مہاراجہ ہری سنگھ کو ایک خط کے ذریعہ شکایت کی کہ پنڈت رامچندر کاک نے محض اپنے بھائی کو انتخاب جتانے کے لئے ناجائز حربے استعمال کئے اور ووٹروں پر دباؤ ڈالا۔ یہ انتخاب محض ایک دھوکہ ہے لہٰذا نئے سرے سے انتخابات عمل میں لائے جائیں اگر نئے انتخاب میں مجھے ناکامی ہوگی تو میں دس ہزار روپے جرمانہ دینے کے لئے تیار ہوں۔

له۔ سردار نسیم خان آزاد کشمیر فوج سے میجر ریٹائر ہوئے اور سردار یاسین خان ان دنوں آزاد کشمیر میں وکالت کر رہے ہیں یہ تینوں اصحاب مسلم کانفرنس سے وابستہ تھے۔

نے کھڑا کیا، اور سردار یاسین خان کو بطور آزاد اُمیدوار کھڑا کر کے سردار محمد ابراہیم خان کے ووٹوں کی تعداد گھٹانے کی سکیم مرتب کی۔ اس غیر دانشمندانہ عوام کش پالیسی کو زیر نظر رکھ کر نیشنل کانفرنس کی مرکزی الیکشن کمیٹی کے ممبر سید میر قاسم نے انتخاب سے دو دن قبل خواجہ غلام محمد صادق اور بخشی غلام محمد کی ہدایات پر مکمل بائیکاٹ کا اعلان کیا۔ مگر مسلم کانفرنس انتخاب لڑنے پر ڈٹے رہے کیونکہ انہیں مسلم لیگ کے ہائی کمانڈ سے بہر صورت یہ الیکشن جیتنے کی ہدایت ملی تھی۔

قائد اعظم جناح کی دلچسپی

اس الیکشن کو جیتنے کے لئے مسٹر محمد علی جناح کی دلچسپی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے قائد اعظم فنڈ سے چودھری حمید اللہ کو ایک لاکھ روپے کا چیک اور یہ پیغام بھیجا۔ آپ الیکشن جیت جائیے میں آپ کو کشمیر دوں گا۔ مگر رام چندر کاک کی شاطرانہ حکمت عملی نے مسلم کانفرنس امیدواروں کو یہ احساس دلانے میں کامیابی حاصل کی کہ ان کی کامیابی کا ضامن چودھری حمید اللہ اور وہ الیکشن فنڈ نہیں جو آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے آیا ہے بلکہ پنڈت رام چندر کاک کی خوشنودی ہے۔

چودھری حمید اللہ نے اپنے ساتھیوں خاص کر صوبہ کشمیر کے مسلم کانفرنسیوں کا افتاد طبع بھانپ کر انہیں اعتماد میں نہ لینے کا فیصلہ کیا۔ لیکن انہوں نے اس فنڈ کو جموں مسلم کانفرنس کے اُمیدواروں پر بھی خرچ نہیں کیا جس کی وضاحت کرنے کا شاید اپنی زندگی میں چودھری حمید اللہ کو ہی موقع ملا۔ اور نہ کسی نے ان سے پوچھنے کی زحمت گوارا کی۔ الیکشن کے اختتام پر یہ چیک نواب زادہ لیاقت علی خان کو واپس بھیج دی گئی۔ اس طرح اس الیکشن میں حصہ لینے والے مسلم کانفرنسی امیدوار

دراصل آزاد اُمیدوار ہی تھے جو محض مسلم کانفرنس کے نام کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہے۔ چنانچہ میرپور کوٹلی میں چودھری محمد یوسف (مسلم کانفرنس اُمیدوار) کو کامیاب بنانے کے لئے غازی الٰہی بخش نے جو زوردار مہم ان کے مدمقابل چودھری غلام علی (حکومت کے ایجنٹ اُمیدوار اور قوم پرست اُمیدوار) مرزا فرمان علی کے خلاف چلائی وہ مسلم کانفرنس کے نام پر نہیں بلکہ ذاتی اثر و رسوخ کی بناء پر کامیابی کے ساتھ چلائی گئی۔ اس الیکشن میں سری نگر مسلم کانفرنس میرواعظ گروپ کے اکثر اُمیدواروں کے کاغذات نامزدگی رد کئے گئے اس پر انہوں نے نیشنل کانفرنس سے ہم آہنگ ہو کر انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کیا۔ اس الیکشن میں مہاراجہ کی حکومت نے ریاستی باشندوں کو ووٹ کے حق سے محروم کر کے خود ساختہ اسمبلی قائم کی جس کا پہلا اور آخری بجٹ اجلاس جموں میں مارچ ۱۹۴۷ء میں ہوا۔

راٹن بوروز

دائرہ در دائرہ ہے سبز جنگل سُرخ آگ
کب ہوا جاگے گی یہ منظر کب ہوا ہو جائے گا

یہاں یہ بتانا بعید از معلومات نہ ہوگا کہ مہاراجہ ہری سنگھ نے کشمیر اسمبلی کو اپنے مکمل دائرہ اثر و رسوخ میں رکھنے کے لئے انگلینڈ کے بادشاہ ایڈورڈ ششم کی تقلید شروع کی۔ انگلینڈ کی پارلیمنٹ کے حلقہ انتخاب کو "بورو" BOROUGH کہتے ہیں۔ بادشاہ ایڈورڈ ششم نے چھوٹے چھوٹے بورو اس لئے بنانے شروع کئے تاکہ بادشاہ خود ممبران کے انتخاب میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کر سکے اور پارلیمنٹ پر مکمل دسترس حاصل رہے۔

پاکٹ بورو POCKET BOROUGH انگلش پارلیمنٹ کے وہ حلقہ انتخاب کہلاتے تھے جن میں انتخاب کوئی ایک شخص اپنی مرضی کے مطابق کروا سکتا

تھا۔ راٹن بوروز ROTTEN BOROUGHS اس حلقۂ انتخاب کو کہتے تھے جس کی آبادی بہت کم ہو چکی ہو مگر پھر بھی اس حلقہ کو اپنا نمائندہ منتخب کرنے کا اختیار ہو۔

اس پس منظر میں کشمیر اسمبلی کے ۱۹۳۴ء کے انتخابات پر ایک سرسری نظر ڈالئے تو جاگیردارانہ نظام کے ماتحت یہ "راٹن بوروز" کے سات بدنما داغ چھپائے نہیں چھپتے ہیں۔ حالانکہ اسی انتخاب میں دوسرے منتخب حلقوں [illegible] ان ووٹروں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی [illegible] وہ تعداد صرف [illegible] کے [illegible] میں ان کے حلقۂ انتخاب [illegible] ووٹروں کی تعداد قلیل تھی۔ ریاست جموں کشمیر کے ان راٹن بوروز کے حلقۂ انتخاب، ان کامیاب امیدوار اور ان کے ووٹروں کی تعداد ملاحظہ فرمائیے۔

حلقۂ انتخاب	منتخب نمائندہ	کل ووٹر
۱۔ تعظیمی سردار صوبہ جموں	کرنل سنسار سنگھ	۱۵
۲۔ تعظیمی سردار صوبہ کشمیر	راجہ بہادر ٹھاکر کرتار سنگھ	۱۴
۳۔ جاگیرداران صوبہ جموں	کیپٹن فضل رحمان خان	۸۵
۴۔ جاگیرداران صوبہ کشمیر	پنڈت چند کاک در	
۵۔ زمینداران صوبہ جموں	چودھری بیربل	
۶۔ زمینداران صوبہ کشمیر	پنڈت دینا ناتھ کلم	۲۹۸
۷۔ پنشن یافتگان جموں و کشمیر	ٹھاکر حقیقت سنگھ جموال	

کامیاب اُمیدوار

ریاستی اسمبلی کے دوسرے ممبران جو انتخاب لڑ کر کامیاب قرار دیئے گئے۔

	مسلم حلقۂ انتخاب	نام ممبر	
۸۔	جموں شہر	چودھری حمید اللہ خان	۱
۹۔	جموں مضافات	چودھری غلام مصطفیٰ انور	۲
۱۰۔	اودھم پور	ملک غلام محمد	۳
۱۱۔	ریاسی	مرزا محمد حسین	۴
۱۲۔	کٹھوعہ	چودھری شہاب الدین	۵
۱۳۔	میرپور کوٹلی	چودھری محمد یوسف	۶
۱۴۔	بھمبر	چودھری خورشید احمد	۷
۱۵۔	حویلی۔ مینڈھر	سردار یار محمد خان	۸
۱۶۔	باغ سدھنوتی	سردار محمد ابراہیم خان	۹
۱۷۔	امیرا کدل	غلام احمد	۱۰
۱۸۔	رعناواری، مہاراج گنج	حکیم محمد صادق	۱۱
۱۹۔	شیخ کدل۔ ٹنکی پورہ	غلام نبی گلکار	۱۲
۲۰۔	شاہ ہمدان، خانقاہِ معلیٰ	منشی علی محمد وکیل	۱۳
۲۱۔	[illegible]	عبدالغنی	۱۴
۲۲۔	اونتی پورہ	غلام محمد	۱۵
۲۳۔	اننت ناگ	ملک غلام مصطفیٰ	۱۶
۲۴۔	کولگام	مولوی محمد عبداللہ شاہ	۱۷
۲۵۔	ہندواڑہ	ایم حبیب اللہ	۱۸
۲۶۔	بڈگام	صفدر علی	۱۹
۲۷۔	بارہمولہ	عنایت اللہ ککرو	۲۰

۲۸۔	مظفرآباد	میاں احمد یار خان	۲۱

ہندو حلقۂ انتخاب

۲۹۔	جموں شہر شمالی	پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ	۱
۳۰۔	جموں شہر جنوبی	لالہ گوپال دت مینگی	۲
۳۱۔	جموں مفصل	کیپٹن گندھرب سنگھ	۳
۳۲۔	اودہم پور	ٹھاکر دھنتر سنگھ	۴
۳۳۔	ریاستی وزارت	وزیر گنگا رام	۵
۳۴۔	کٹھوعہ	لالہ ٹھاکر داس ملہوترہ	۶
۳۵۔	میرپور	چودھری رام لال	۷
۳۶۔	سرینگر جنوبی	پنڈت امرناتھ کاک	۸
۳۷۔	سرینگر شمالی	پنڈت شیو نارائن فوطیدار	۹
۳۸۔	کشمیری پنڈت	پنڈت جانکی ناتھ بٹ	۱۰

سکھ حلقۂ انتخاب

۳۹۔	میرپور۔ پونچھ	سردار کلبیر سنگھ	۱
۴۰۔	مغربی کشمیر	سردار بلدیو سنگھ	۲

ان کے علاوہ وزیر اعظم پنڈت رام چندر کاک کے دستخط سے یکم مارچ ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ ہری سنگھ کی ہدایت و منظوری زیر دفعہ جموں و کشمیر کانسٹیٹیوشن ایکٹ ۱۹۹۶ بکرمی سیکشن ۱۴ کے تحت مندرجہ ذیل ۳۵ ممبران ریاستی اسمبلی کے لئے نامزد کئے گئے۔

۴۱۔	سردار بلونت سنگھ	ترال	۱
۴۲۔	کیپٹن ایس سردار سنگھ	آدرت (رنبیر سنگھ پورہ)	۲

۴۳۔	یبگو فتح علی خان	اسکردو	۳
۴۴۔	یبگو احمد اللہ خان	کرگل	۴
۴۵۔	راجہ سلطان محمد شاہ	آستوری	۵
۴۶۔	عزیز راتھر	بارہ مولہ	۶
۴۷۔	عبدالاحد نشاطی	سرینگر	۷
۴۸۔	میاں عبدالرشید	گھوں شریف (کرناہ)	۸
۴۹۔	کرنل عبدالرحمان	جموں	۹
۵۰۔	میاں نظام الدین	وانگت (کنگن)	۱۰
۵۱۔	محمد اقبال چاپری	سری نگر	۱۱
۵۲۔	راجہ کرم داد خان	کوٹلی	۱۲
۵۳۔	سید رسول شاہ جلالی	سرینگر	۱۳
۵۴۔	شیخ عبدالمجید	جموں	۱۴
۵۵۔	چودنگ رنچن	لیہ (لداخ)	۱۵
۵۶۔	صونم شنرن	زنسکار (لداخ)	۱۶
۵۷۔	باوا بھگوشن داس	کیرن (جموں)	۱۷
۵۸۔	سنگت رام	اودہم پور	۱۸
۵۹۔	پنڈت بلدیو کول	چنینی	۱۹
۶۰۔	لالہ نانک چند	سرینگر	۲۰
۶۱۔	لالہ شیو ناتھ نندا	جموں	۲۱
۶۲۔	پنڈت گنگا ناتھ مینگی	اودہم پور	۲۲
۶۳۔	لالہ دینا ناتھ مہاجن	جموں	۲۳

۶۴	پنڈت جنار دھن ٹینگ	سری نگر	۲۴
۶۵	(ایل) رام لال شاہ	مظفر آباد	۲۵
۶۶	ٹھاکر پرتاپ سنگھ	جموں	۲۶
۶۷	ٹیشن دیوی داس	ترال کھل (پونچھ)	۲۷
۶۸	چیف سیکرٹری ٹو گورنمنٹ آف جموں وکشمیر		۲۸
۶۹	اکاؤنٹنٹ جنرل	گورنمنٹ آف جموں اینڈ کشمیر	۲۹
۷۰	وزیر آف پونچھ		۳۰
۷۱	سیکرٹری ٹو گورنمنٹ ہوم ڈیپارٹمنٹ		۳۱
۷۲	سیکرٹری ٹو گورنمنٹ ریونیو ڈیپارٹمنٹ		۳۲
۷۳			۳۳
	تین نشستیں سرکاری حکام کے لئے مخصوص رکھی گئیں		۳۴
	کل ممبران — ۷۵		۳۵

پھینے اپنی تہہ سے سمندر ہزار بار — آگ بار بھی نہ چاند کا دامن بھگو سکا

پنڈت پریم ناتھ بزاز پر قاتلانہ حملہ

مارچ ۱۹۴۷ء کے دوسرے ہفتے میں تقریباً شام کے آٹھ بجے ریذیڈنسی روڈ پر کراچی نیشن ہاؤس کے سامنے کسی نامعلوم شخص نے پنڈت پریم ناتھ بزاز ایڈیٹر روزنامہ "ہمدرد" پر گولی چلائی جس سے وہ شدید زخمی ہوئے۔ گولی ان کی پیٹ کو چیر کر پشت کی جانب سے نکل گئی۔ ڈاکٹر موہن سنگھ نے انہیں فسٹ ایڈ دے کر ہر ممکن عجلت کے ساتھ ہسپتال پہنچایا۔ جہاں ڈاکٹر فضل الرحمان نے آپریشن کرکے انہیں موت کے منہ سے چھین لیا۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز پر قاتلانہ حملے کی پاداش میں نیشنل کانفرنس کے کئی کارکن گرفتار کئے گئے جن میں عبدالستار میر، مہدہ شیرو، غلام احمد درزی، غلام احمد میر، غلام رسول میر اور غلام ماگرے قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے ماتحت عدالت میں اعتراف جرم کیا۔ بعد ازاں سپیشل مجسٹریٹ پنڈت نند کشور ٹکو کی عدالت میں جرم سے انکار کرکے یہ دلیل دی کہ ہم نے پولیس کے جبر و تشدد کی بناء پر پہلے اقبال جرم کیا تھا۔ غلام احمد میر نے جرح کے دوران عدالت کو بتایا کہ سنٹرل جیل سے میں نے ایڈیشنل مجسٹریٹ کو درخواست بھیجی ہے کہ پولیس کے خوف و تشدد کرنے کے باعث میں نے اقبال جرم کا بیان دیا ہے۔

یہ مقدمہ دسمبر ۱۹۴۷ء تک زیر سماعت رہا۔ حکومت کی یہ کوشش رہی کہ غلام محی الدین قرہ اور بخشی غلام محمد کو بحیثیت ملزم اس مقدمہ میں شامل کیا جائے عین ممکن تھا کہ حکومت اپنے عزائم میں کامیاب ہوتی۔ مگر ہندوستان کی آزادی اور کشمیر کے غیر یقینی نشیب و فراز نے یہ بیل منڈھے چڑھنے نہیں دی۔ نیشنل کانفرنس کے برسر اقتدار آتے ہی اس مقدمہ میں ماخوذ ملزم یا تو سرکاری ملازمتوں میں لئے گئے یا پارٹی کے باوقار غنڈوں کی حیثیت میں ابھر آئے۔ ۲۳۔ دسمبر کو ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج سری نگر نے گواہ سلطانی غلام ماگرے کو ڈسچارج کرنے دوسرے تمام ملزمان کو بری قرار دے کر یہ ثابت کیا کہ نیشنل کانفرنس نے اقتدار میں آتے ہی عدلیہ کو اپنے زیر اثر لایا۔

کسان مزدور کانفرنس

پنڈت پریم ناتھ بزاز نے ۱۹۴۱ء میں نیشنل کانفرنس سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد اپنے اخبار میں کانفرنس کے جملہ لیڈروں پر نہ صرف شدید نکتہ چینی

شروع کی بلکہ عبدالسلام یتو کی کسان کانفرنس[1] کی ورکنگ کمیٹی کا ممبر بن کر اس نے شیخ و نیشنل کانفرنس کی مخالفت اور اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ چونکہ قصبہ اسلام آباد کو چھوڑ کر سارے تحصیل اننت ناگ میں کسان مزدور کانفرنس کے حامیوں کی بھرمار تھی۔ دیالگام میں کسان مزدور کانفرنس کا سنٹرل سیکرٹریٹ تھا۔ جہاں فروری کے آخری ہفتہ میں کسان کانفرنس کا ایک خصوصی جلسہ زیرِ صدارت عبدالسلام یتو منعقد ہوا جس میں یہ طے پایا کہ اسلام آباد قصبہ میں اپنی سیاسی بساط کا مظاہرہ کیا جائے۔ چنانچہ پروگرام کے تحت کسان مزدور کانفرنس کے حامیوں کا ایک جلوس زیرِ قیادت پنڈت پریم ناتھ بزاز دیالگام سے قصبہ میں کسان کانفرنس کے والنٹیر کور جنہیں "جان نثار گروپ" کہا جاتا تھا کی معیت میں داخل ہوا۔ اسلام آباد چوک کے جلسہ گاہ میں جان نثار گروپ کے والنٹیر آلۂ کشاورزی جس کو مقامی کاشتکار "بیر چھوٹی"[3] کے نام سے پکارتے ہیں سے مسلح ہو کر جلسہ گاہ کے گرد پہرہ دینے لگے۔

پنڈت بزاز نے اپنی تقریر میں ذمہ دار نظامِ حکومت کا مطالبہ کرنے کے بعد نیشنل کانفرنس اور اس کے رہنما شیخ محمد عبداللہ کو اپنی نکتہ چینی کا ہدف بناتے ہوئے کہا کہ میں مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت کو اس لئے خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں، کیونکہ

ل: کسان کانفرنس نے سب سے پہلے ۱۹۴۶ء میں رائے شماری کا نعرہ دیا اور مطالبہ کیا کہ مہاراجہ ہری سنگھ رائے شماری کے ذریعہ لوگوں سے دریافت کریں کہ وہ ہندوستان یا پاکستان میں کس ملک کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں۔ ۲: جنوری ۱۹۴۶ء میں نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے ایک قرارداد کے ذریعے مطالبہ کیا کہ رائے شماری کے ذریعہ کشمیر کا فیصلہ کیا جائے۔ یقیناً اس صورت میں کانفرنس ہند کے ساتھ الحاق کی حمایت کرے گا۔ ۳: ایک قسم کا بیلچہ۔

ان کی حکومت میں ہم والیٔ ملک پر بھی حرف گیری کر سکتے ہیں لیکن خدانخواستہ اگر شیخ محمد عبداللہ کے ہاتھ میں کبھی اقتدار آئے گا تو وہ اُن تمام لوگوں کو جو اُن سے اختلافِ رائے رکھتے ہیں سانس لینا بھی دوبھر بنائے گا۔ شیخ محمد عبداللہ فرعون مزاج ہے اور اس کی جماعت نیشنل کانفرنس فاشسٹ۔ پنڈت بزاز ابھی اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ سامعین نے بزاز کے خلاف نعرے لگانے شروع کئے جس سے جلسہ گاہ میں بھگدڑ مچ گئی۔ ساتھ ہی لوگوں کے درمیان زبردست جھڑپیں شروع ہوئیں۔ پریم ناتھ بزاز نے "انقلاب" اور "کسان کانفرنس زندہ باد" کے دو چار نعرے سٹیج سے خود ہی لگا کر جواب نہ ملنے پر پنڈال چھوڑ کر نو دو گیارہ ہو گئے۔ جھڑپوں میں کئی افراد زخمی ہوئے بالآخر پولیس کی مداخلت سے حالات قابو میں آئے۔

اپنے اس انجام پر پریم ناتھ بزاز نے پہلے سے بھی زیادہ زوردار الفاظ میں نیشنل کانفرنس اور اس کے لیڈروں پر اخبار ہمدرد میں نکتہ چینی اور اُن کا تمسخر اڑانا شروع کیا۔ "نمک پاش" اس اخبار میں نیشنل کانفرنسی لیڈرشپ کے ہجو کے ضمن میں ایک مستقل عنوان تھا جس میں میر عبدالعزیز اور کئی دوسرے شیخ مخالف نوجوان اپنی بھڑاس نکالتے تھے۔ اس سلسلے کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

تمنا شیخ جی کو بھی کہ وزیرِ کشمیر ہو جائے — مسلط ملک پر علمِ حزبِ ماہی گیر[1] ہو جائے!
سیاست کی بساطِ کہنہ پل بھر میں الٹ جائے — ہر اک باشندۂ خطہ شیر کا نخچیر ہو جائے
جو کہتا اپنے کہتا ہوں تو حضرت نے کی اکثر — بڑی کوشش غلط ثابت مری تقریر ہو جائے
یقیناً سخت کی میں نے حضورِ شیخ گستاخی — معاف اے باری تعالیٰ مری تقصیر ہو جائے
سنا ہے شیخ جی کہتے تھے میرے چھوٹ جانے کی — خداوندا کوئی اب کارگر تدبیر ہو جائے
جنازہ جب نکلتا دیکھے گا نیشنل کا وہ — ضروری ہے جگا ہر لال بھی دلگیر ہو جائے
سٹیجس گھستے تھے گزران شیرِ کشمیر — جھجس بر دیکھ کر نہ لٹکے بیوان شیرِ کشمیر

ل: یعنی ماہی گیروں کی پارٹی

عاہ روستے مُجوٗرُس توٗزِہم نَہ دانس بُلبُلو
ڈوڈہ پِٹھے نے ڈاکھ گژھِ ہوٗئے بوستانس بُلبُلو

یہ چھا سۄ ڈول وۄتھ چھنڈ سوٗنہ بُرن
صدارت جاۓ ڈولان جنتُس مُنزُر
خُدا سۄ کلاو ژُنے اِنسان بنا دِتھ!

گیٔی کنہ اوبرتل گُگرائے شیخو !
ژٕنے بادام باغ وۄتھِتھ جاے شیخو
ژٕنے لشکرنے اہتن ہُنزُر ترائے شیخو

یہ طرزِ تحریر کشمیر چھوڑ دو تحریک کے دوران انتہائی عروج کو پہنچی۔ گو کہ پنڈت بزاز یہ بھی بخوبی جانتے تھے کہ کشمیری لیڈر شپ کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنے بارے میں کسی قسم کی تنقید سننے کی عادی نہیں ان کے نزدیک وہ لوگ زیادہ قابل اعتماد اور لائق ستائش ہیں جو چاپلوسی اور چرب زبانی کے گر جانتے ہوں مگر آرسی کاک کی قربت اور مہاراجہ ہری سنگھ کی خوشنودی نے انہیں انتہا پسند بنا یا نیشنل کانفرنس کی نظر میں اس ناقابل معافی جرم کی سزا گولی سے کم کیا ہو سکتی ہے۔ شیخ محمد عبداللہ کے برسر اقتدار آنے پر مسٹر بزاز کو تنقیدی گناہوں کے کفارہ کے طور پر اڑھائی سال قید ناحق کی صعوبتیں جھیلنے کے بعد ریاست[1] بدر ہونا پڑا۔

گفتار ہے اس شہر میں الفاظ کا اسراف   منظور ہیں ماں زبان اپنی قلم کر

---

[1] نیشنل کانفرنسی ورکروں کی غنڈہ گردی اور سیاسی مقدمہ بازی کا اندازہ تو عام لوگوں نے پنڈت جواہر لال نہرو کے دریائی جلوس کے دوران لگایا تھا جس کا تذکرہ تحریک حریت کشمیر جلد دوم میں آیا ہے جب سلام درزی کے حادثاتی موت میں انہوں نے مسلم کانفرنس کے ورکروں کے خلاف جھوٹی گواہیاں دے کر انہیں پابند سلاسل (بقایا حاشیہ صفحہ ۱۵۱ پر)

شیخ محمد عبداللہ اور نیشنل کانفرنس کے بارے میں پریم ناتھ بزاز کیا خیالات رکھتے تھے۔ انہیں جاننے کے لئے لازم ہے کہ ان کی تحریروں کا جائزہ لیا جائے اس ضمن میں اخبار ہمدرد سری نگر مورخہ ۱۰ جون ۱۹۴۷ء کا ایک اداریہ بعنوان "نیشنل کانفرنس کے متعلق غلط فہمیاں" کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے:-

"سب سے پہلی غلط فہمی ریاستی عوام میں نیشنل کانفرنس کی نمائندہ پوزیشن کے متعلق ہے۔ کانگریسی لیڈر چاہے جواہر لال نہرو ہوں یا آچاریہ کرپلانی، ڈاکٹر پٹابھی سیتا رامیہ ہوں یا جے پرکاش نرائن کہتے پھرتے ہیں کہ نیشنل کانفرنس ریاست کشمیر کے چالیس لاکھ لوگوں کی نمائندہ جماعت ہے یہ بالکل بے بنیاد اور غلط ہے، خود کانگریسی لیڈروں کے بیانات سے ہی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ریاست کے چالیس لاکھ لوگوں کی غالب اکثریت کو اس انجمن پر اعتبار اور بھروسہ نہیں نیشنل کانفرنس کو غیر مسلموں میں کوئی اقتدار حاصل نہیں یہ درست ہے کہ چند ہندو اس انجمن کے ساتھ ہیں لیکن وہ اس لئے نہیں کہ اس پارٹی سے محبت ہے بلکہ اس لئے کہ ان کا خیال ہے کہ نیشنل کانفرنس کانگریس کی آلۂ کار ہے اور اس کو مسلمانان ہند اور پاکستان کے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہندو پرائیویٹ مجلسوں اور بات چیت میں ایسا بھی کہا کرتے ہیں۔ اس لئے یہ سمجھنا سراسر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۰ سے) کرایا۔ سلام درزی مسلم کانفرنس کا حامی تھا۔ اس سے نیشنل کانفرنسیوں نے حادثہ کے بعد اتفاقیہ اٹھا کر مجاہد منزل لایا جہاں وہ دم توڑ بیٹھا۔ سلام درزی کا مسلم کانفرنسی ہونے کی تصدیق میرے ساتھ ایک ملاقات کے دوران مولانا محمد سعید مسعودی نے بھی کی ہے اس مقدمے میں بہت سے نیشنل کانفرنسیوں نے گواہیاں دیں جن میں صدر الدین مجاہد اور صوفی غلام احمد جو آجکل اولڈ نیشنل کانفرنس کے صدر ہیں) بھی شامل ہیں ان دونوں اصحاب نے عدالت میں سلام درزی کے بیان نزعی کی شہادت دیتے ہوئے اقرار کیا کہ سلام درزی نے مرتے وقت کہا کہ "سلام درزالس مورمس" مجھے سلام ڈالر نے مارا۔ مفصل تحریک حریت کشمیر جلد دوم صفحہ ۲۹۰ تا ۲۹۳۔

غلطی ہے کہ ان گنتی کے چند ہندوؤں کی شمولیت سے نیشنل کانفرنس اقلیتوں کی نمائندہ سمجھی جاسکتی ہے۔ اگر کانگریس کی آلۂ کار ہونے کے لئے اور پاکستان کو برباد کرنے کے لئے تمام ریاستی ہندو اور سکھ بھی نیشنل کانفرنس میں شامل ہوں تو بھی یہ سمجھنا نادانی ہوگی کہ نیشنل کانفرنس اقلیتوں کی نمائندہ ہے پھر سو ڈیڑھ سو ہندوؤں کی شمولیت کی بنا پر ایسا دعویٰ کرنا کتنا احمقانہ ہے۔ ہندو اور سکھ زبانی نیشنل کانفرنس کی تعریفیں کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں یقین ہے کہ سیاسیات ہند کے بارے میں اس انجمن نے ایسا رویہ اختیار کیا ہے جس سے مسلمانوں کے کاز کو نقصان پہنچ رہا ہے اور ہندوؤں کو فائدہ ہو رہا ہے۔ ان تعریفوں پر کچھ درست نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ دیرپا ثابت نہیں ہوسکتیں۔ رہا مسلمانوں کی نمائندگی کا سوال تو دنیا جانتی ہے کہ صوبہ جموں کے مسلمانوں میں نیشنل کانفرنس بہت ہی غیر ہردلعزیز ہے۔

صوبہ کشمیر میں ضلع مظفرآباد کے مسلمانوں کو نیشنل کانفرنس پر کوئی اعتماد نہیں ان پر مسلم لیگی خیالات کا اثر بہت زیادہ ہے۔ لے دے کے نیشنل کانفرنس دعوے کرسکتی ہے کہ اس کے پیرو وادی کشمیر کے مسلمانوں میں ہیں لیکن وادی میں دوسری انجمنیں مثلاً مسلم کانفرنس اور کسان کانفرنس بھی ہے جن میں لاکھوں مسلمان شامل ہیں۔ جس بات سے مخفی نیشنل کانفرنس لیڈروں نے خود کئی بار کوششیں کیں کہ ان کا کشمیر مسلم کانفرنس اور کسان کانفرنس کے ساتھ سمجھوتہ ہوسکے۔ انہوں نے خود تسلیم کیا کہ وادی کشمیر کے کافی مسلمان ان انجمنوں کے ساتھ ہیں۔

"کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک نے بھی اس اصلی پوزیشن کو آشکار کردیا ہے سرینگر کے چند محلے اور وادی کے سات قصبوں کے سوا اس تحریک کا کہیں اثر نہ پڑا۔ اگر کانگریس لیڈر خصوصاً پنڈت جواہر لال نہرو اپنے بے پناہ اثر کو نیشنل کانفرنس کے زندہ رہنے کے لئے استعمال نہ کرتے اگر کانگریسی اخبارات جھوٹے واقعات اور بیانات شائع کرکے اس انجمن کے حق میں پروپیگنڈا نہ کرتے۔ اگر کانگریسی سیٹھوں کا لاکھوں روپیہ کشمیر نہ بھیجا جاتا تاکہ اس کے خرچ سے اخبار چل سکیں۔ کتابیں اور پمفلٹ شائع ہوں، نمبر نکالے جائیں اور ہر ہفتہ کرایہ کے چند ٹٹو خرید کر جیل بھیجے جائیں تو آج نیشنل کانفرنس کا نام بھی ریاست میں باقی نہ ہوتا۔"

ہمدرد انقلابی عنوان کے تحت پنڈت پریم ناتھ بزاز نے جاگیردارانہ نظام کی حمایت میں کوئٹ کشمیر کی مخالفت کرنے مسلم کانفرنسیوں اور انقلابیوں سے اپیل کی ہے کہ وہ شیخ محمد عبداللہ اور اس کی جماعت کو فنا کرنے میں اپنا تاریخی کردار انجام دیں۔ شیخ محمد عبداللہ کو ہٹلر سے مشابہت دیتے ہوئے ہمدرد مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۴۶ء رقمطراز ہے۔

"ان حالات میں اب نظر آرہا ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کی پوزیشن بعینہٖ ہٹلر کی سی ہوگئی ہے۔ جیسا کہ اس نے ہر طرف مایوس ہوکر روس پر چڑھائی کی تھی اور تمام سرمایہ دارانہ دنیا کو بتایا تھا کہ میں بالشوازم کو ختم کرنے نکلا ہوں جس طرح ہٹلر کا خیال تھا کہ یہ نعرہ بلند کرنے سے وہ برطانیہ اور امریکہ کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔ کیونکہ یہ دونوں سرمایہ دارانہ کی حکومتیں ہیں۔ اسی طرح شیخ عبداللہ کا بھی یہی خیال ہے کہ وہ اپنی نئی تحریک اور نئے نعرے سے مسلمانوں اور انقلابیوں کو اپنی طرف کھینچ لیں گے۔ ہمیں پوری امید ہے کہ شیخ عبداللہ اس موقعہ پرستی سے اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے اور جس طرح ہٹلر کے ظلم و ستم اور سابق سیاہ ریکارڈ کو مدنظر رکھ کر نہ انگریز اور نہ ہی امریکہ کے لوگ گمراہ ہوئے۔ اسی طرح شیخ عبداللہ کے سابق سیاہ اعمال نامہ کو پیش نظر رکھ کر نہ مسلم کانفرنس اور نہ ہی حقیقی جمہوریت پسند

اُن کے سنٹ سے گمراہ ہوں گے۔ ہٹلر کی طرح شیخ محمد عبداللہ اپنے استالن گراڈ کو پہنچ چکے ہیں۔ جذبات کی رَو میں بہنے کے بغیر ہی اُس کو اسی استالن گراڈ پر ختم کرنا چاہیئے۔ حالات بتا رہے ہیں کہ کشمیری نازیوں اور نیشنل کانفرنس کے پالتو غنڈوں کے سوا ان کے ساتھ کوئی نہیں رہے گا۔ جس طرح روس، برطانیہ اور امریکہ اپنی اپنی وجوہات سے ہٹلر اور اس کی نازی فوج کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے کہ نیشنل کانفرنس کا وجود اس ملک میں جمہوریت کے قائم ہونے اور پنپنے کے لیے خطرناک ثابت ہو چکا تو ریاست کے انقلابیوں کو اس وقت آگے آکر اس پارٹی کو ختم کرنے کا تاریخی فرض ادا کرنا چاہیئے۔ اگر یہ درست ہے کہ نیشنل کانفرنس مسلمانانِ ہند اور مسلمانانِ ریاست کے مفاد کے لئے زہر قاتل ثابت ہو رہے ہیں تو مسلم کانفرنسیوں کو پست مذہبی جذبات اور فرقہ وارانہ خیالات سے بالاتر ہو کر نیشنل کانفرنس کو دفنانے کا کام انجام دینا چاہیئے۔ اگر انقلاب پرستوں اور مسلم کانفرنسیوں نے اس وقت دل کی کمزوری سے گمراہ ہو کر ہچکچایا تو وہ ایسی غلطی کر بیٹھیں گے۔ جس کے لئے تاریخ اور آگے آنے والی نسلیں انہیں معاف نہیں کر سکیں گے۔"

در اصل پنڈت پریم ناتھ بزاز جو یقیناً خود مختار کشمیر کے حامی تھے اس دور میں ایک اچھے صحافی اور سیاست دان کا رول ادا کرنے میں ناکام رہے انہوں نے اپنے قلم کو مخالفت برائے مخالفت کے تحت استعمال کیا اور اپنے سیاسی نظریہ کو دوسروں کی زبان سے ادا کرنے کے اصولوں کو اپنایا۔ ایک بہت بڑی سیاسی جماعت جس نے تحریک تخلیہ کشمیر سے ریاست کے اطراف واکناف کو ہلا کے چھوڑا۔ وہ

جس کا بذات خود مہاراجہ ہری سنگھ نے بھی اعتراف کیا۔ پنڈت پریم ناتھ بزاز کے اس حقیقت سے منحرف ہونا ہی اُن کی مخالفانہ روش اور ناکامی کی دلیل ہے چنانچہ انہوں نے شیخ محمد عبداللہ اور نیشنل کانفرنس کی حیثیت کو گھٹانے کے لئے جو طرز تحریر اختیار کیا وہ واقعاتی لحاظ سے درست نہیں لیکن فرد واحد کے قلمی جنگ پر تنقید چند دار کو قانونی، اخلاقی اور سیاسی جوازیت کبھی حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ پنڈت بزاز کے زخمی ہونے کے بعد مجاہد منزل میں بیگم شیخ محمد عبداللہ کی صدارت میں امن کمیٹی کے ایک جلسہ میں بیگم زینب نے اس بات کی پُر زور تردید کی کہ مسٹر بزاز پر حملے میں نیشنل کانفرنس کا کوئی ہاتھ ہے۔ انہوں نے کہا نیشنل کانفرنس ایک پُر امن اور جمہوری اصولوں پر اعتقاد رکھنے والی جماعت ہے اگر حکومت مسٹر بزاز پر حملہ کرنے والے مجرموں کو پکڑنے میں ناکام ہو گئی ہے تو وہ ہماری جماعت سے رجوع کرے ہم حکومت کی مدد کرنے کو تیار ہیں۔

مبی آرہ سازش کیس

جولائی ۱۹۴۷ء میں آتش زنی اور سرکاری املاک کو نقصان پہنچانے کے ضمن میں ایک اور سیاسی مقدمہ پنڈت رام ناتھ شرما سیشن جج کی عدالت میں پولیس نے یہ کہانی گھڑ کر استغاثہ دائر کیا کہ عبدالستار رعامی، غلام احمد، محمد یوسف، عبدالغنی، غلام احمد خان، پیرزادہ غلام جیلانی، موتی لال مصری، عبدالستار رنجور، غلام محی الدین قرہ[1] سمیت گیارہ افراد نے شوپیان کے نزدیک

[1] پولیس نے غلام محی الدین قرہ کو گرفتار کرنے کے لئے ان کے مکان کی بیسیوں بار تلاشی لی لیکن وہ گرفتار نہ ہو سکے۔ اس کی اہم وجہ یہ تھی کہ تمام سرکاری ملازمین بھی در پردہ حکومت کے خلاف تھی۔ حالانکہ ان کے گھر سے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی گرفتار

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۳۱)

رسی اور تیل کو جلانے کی کوشش کی۔ پولیس نے سازش کو ثابت کرنے کے لیے ماتحت عدالت میں دو چمچ مٹی کا تیل، چند روپے، انگوٹھی کا ایک ٹکڑا اور چند گواہ پیش کئے گئے۔ سیشن جج کی عدالت میں گواہان اپنے سابق بیانات سے منحرف ہو گئے۔ بحث کے دوران وکیل صفائی نے حصہ لیتے ہوئے کہا۔ پولیس اس سازش میں غلام محی الدین قرہ کو ساتھ رکھتی ہے اور اس کی سازش کو تو تسلیم کر لیتی ہے لیکن خود بھی یہ ثابت نہ کر سکی کہ وہ کہاں ہے۔ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج نے ملزموں کو بری کرتے ہوئے اپنے فیصلہ میں بتایا کہ استغاثہ کیس کو ثابت نہ کر سکا۔

بقیہ حاشیہ ص [illegible] سے آگے

کیا گیا۔ اگر پولیس چاہتی تو ان کے ذریعہ قرہ تک پہنچ سکتی تھی۔ [illegible] کے دوران جج مذکور [illegible] واحد فرد تھا [illegible] علاج و معالجہ کیا گیا [illegible] قرہ تو صرف [illegible] تھا۔ [illegible] جواہر لال نہرو نے [illegible] ان سے ملاقات [illegible] اور ہدایت دی کہ وہ تحریک کو عدم تشدد کے اصولوں پر چلائیں [illegible] قرہ [illegible] پسند قسم کے کمیونسٹ تھے۔

۲۔ اس مقدمہ میں ملوث دیگر دو افراد کے نام معلوم نہ ہو سکے۔

(۳)

آزاد کشمیر

میرے جرس کو نئی فضا کے بال و پر کی تلاش ہے
میرے گلستاں کو نئے نظام گل و شجر کی تلاش ہے

گو بظاہر کشمیر تحریک کے آغاز سے ہی مسلم کانفرنس کی کمزور لیڈرشپ میں اس تحریک میں شمولیت یا عدم شمولیت کے موضوع پر اختلاف رائے نے سنگین صورت اختیار کی۔ قریشی محمد یوسف اور کئی دوسرے نوجوان لیڈروں نے تحریک میں کانفرنس کی عدم شمولیت کی پالیسی سے اختلاف رائے کرتے ہوئے پارٹی سے علیحدگی اختیار کی اور عام لوگوں میں مسلم کانفرنس کی ساخت کو زبردست دھکا لگا۔

ستمبر ۱۹۴۶ء کے تیسرے ہفتے میں تحریک تخلیہ کشمیر میں وہ شدت باقی نہ رہی جس شدت کے ساتھ یہ شروع ہوئی تھی پھر بھی اس کا جاری رہنا بدلتے ہوئے حالات کے تحت کسی معجزے سے کم نہ تھا۔ اسی اثناء میں مسلم کانفرنس کے صدر چودھری غلام عباس خان جموں سے سری نگر آئے اور [illegible] ہوٹل میں اقامت پذیر ہو گئے۔ جہاں مسلم کانفرنس کے سرکردہ کارکنوں اور لیڈروں نے انہیں تبادلہ خیال کے دوران بتایا کہ فی زمانہ جبکہ ڈوگرہ حکومت کے خلاف اس جماعت نے عملی اقدام کئے ہیں،

جس کے متعلق مسلم کانفرنس کا نظریہ یہ رہا ہے کہ یہ ہندو حکومت کو تقویت پہنچانے کے لئے وجود میں آئی ہے اور اسی کے ایما پر قائم ہے جس پر زیب نہیں دیتا کہ ہم خاموش رہیں آپ کی حیثیت صدر ان [illegible] اور [illegible] ایک صحیح اور مستحکم لائن آف ایکشن اختیار کرنا چاہیئے۔

چنانچہ نئے سیاسی حالات کے پیش نظر کوئٹ کشمیر تحریک پر مزید تبادلہ خیالات کی غرض سے مسلم کانفرنس کے صدر [illegible] کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس طلب کیا گیا جس میں میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ نے بھی شرکت کی جہاں دو دن کی طویل بحث و تمحیص کے بعد کوئٹ کشمیر تحریک کی مخالفت [illegible] اس کی مخالفت میں بات کی۔ ورکنگ کمیٹی نے نیشنل کانفرنس اور شیخ محمد عبداللہ کے خلاف الزامات عاید کرتے کوئٹ کشمیر تحریک سے قبل نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے لیڈروں کے درمیان مصالحت کی گفتگو کی اس رپورٹ کو زیر غور لایا گیا جس میں اس نقطے پر اتفاق رائے ہوا تھا کہ "نیشنل کانفرنس چونکہ آٹھ سال سے متواتر جدوجہد کے باوجود مسلمانوں کے مفادات کو پس پشت ڈال کر ہندوؤں کا تعاون حاصل نہیں کر سکی۔ اس لئے نیشنلزم کے ڈھونگ کو ختم کر دیا جائے ــــ" مجلس عاملہ نے نیشنل کانفرنس ورکنگ کمیٹی کے ان ممبروں کو حکومت کا آلہ کار کہہ کر شدید نکتہ چینی کی جنہوں نے اتحاد بین المسلمین میں رکاوٹیں کھڑی کیں اور قرار دیا کہ "وہ اس جذبۂ اتحاد بین المسلمین کا ناجائز فایدہ اٹھا کر مسلم کانفرنس لیڈروں کو احمق بنا کر ان سے ضمیر فروشوں کا کام لینا چاہتے تھے" ــــ اس سلسلے میں مجلس عاملہ نے کئی قراردادیں پاس کیں۔ جنہیں چودھری غلام عباس خان نے روزنامہ نوائے وقت لاہور کے حوالے سے اپنی سوانح حیات[1] میں تفصیل سے قلمبند کیا ہے۔ ذیل میں ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

---

[1] ۔ کشمکش، مطبوعہ لاہور۔

نیشنل کانفرنس کی جاری کردہ "تحریک کشمیر چھوڑ دو" کی قانونی اور آئینی اعتبار سے کیا حیثیت ہے اور تنسیخ عہد نامہ امرتسر کے جواز و عدم جواز سے قطع نظر اس نعرے کو ہندوستان کی [illegible] حمایت حاصل ہے۔ اس بنا پر مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ اس سے لاتعلقی کا اظہار کرتی ہے۔ نیشنل کانفرنس کے قائم مقام صدر بخشی غلام محمد کی پنڈت جواہر لال نہرو سے طویل ملاقاتیں، شیخ محمد عبداللہ کی جیل سے ان کے درمیان خط و کتابت، مقدمے کی پیروی اور ڈیفنس کے سلسلے میں پنڈت نہرو کو مختار کل قرار دینا، کانگریس اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان خفیہ عہد و پیمان اس امر کی واضح دلیل ہے کہ مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ نے مندرجہ صدر الزامات کو بنیاد بنا کر اپنی قرارداد میں مزید کہا کہ کوئٹ کشمیر کے نعرے کو صدر نیشنل کانفرنس کی جانب سے آفیشل پوزیشن بھی حاصل نہیں ہے اور اس نعرے کے موجودہ محرک اس ضمن میں قطعی اور یقینی طور پر کچھ کہنے کے موڈ میں بھی نہیں ہیں۔ ماسوائے کانگریس لیڈروں کی جانب سے دی ہوئی دلیلوں اور تعبیروں کو اپنائے ہیں۔ اس لئے مسلم کانفرنس اس مسئلے میں کسی رائے کا اظہار قبل از وقت سمجھتی ہے۔

یہ کہہ کر مسلم کانفرنس نے کشمیر چھوڑ دو تحریک سے اپنا دامن بچایا اور اپنے مطالبات کی ایک مختصر سی فہرست پمفلٹ کی صورت میں شائع کی جس کا نچوڑ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ گاؤکشی کے جرم کی پاداش میں دس سال قید با مشقت کی سزا منسوخ کی جائے۔

۲۔ تبدیلی مذہب پر نو مسلم کی جائیداد ضبط کرنے اور اس کی بیوی بچوں کو جبراً چھین لینے کے وحشیانہ قانون کو منسوخ کیا جائے۔

۳۔ قانون اسلحہ میں جس کی رُو سے صرف ہندو راجپوتوں کو آتشیں اسلحہ اور گولہ بارود رکھنے کی اجازت دی گئی ہے اس طرح ترمیم کیا جائے کہ تمام اقوام پر ایک جیسی پابندیاں ہوں یا سب کو یکساں رعایتیں حاصل ہوں۔

۴۔ ہندی کی جبری ترویج کے احکامات واپس لئے جائیں۔

۵۔ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو تناسب آبادی کی بناء پر نمائندگی دی جائے اور کلیدی آسامیوں میں اُن کی افسوسناک کمی کو فی الفور پورا کیا جائے۔ ریاستی افواج کی نو پیدل پلاٹونوں اور ایک گھوڑ سوار رجمنٹ میں صرف ڈیڑھ پیدل پلٹن مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ریاستی افواج میں مسلمانوں کو تناسب آبادی کے لحاظ سے بھرتی کیا جائے نیز کشیری مسلمانوں کو بھی فوجی ملازمت کا اہل قرار دیا جائے۔

۶۔ مسلمانوں کی شہری آزادی کو مفلوج کیا گیا ہے بالخصوص ڈیفنس رولز کے بے رحمانہ استعمال اور مسلم اخبارات پر سخت گیرانہ پابندیوں کو فی الفور منسوخ کر دیا جائے۔

پمفلٹ میں حکومت سے شکایت کی گئی کہ گذشتہ ایک سو سال میں اٹھتیس غیر مسلموں کو ریاست کا وزیر اعظم نامزد کیا گیا مگر مسلمانانِ ریاست نے اس کے باوجود وفاداری کے پھندے کو اپنے گلے سے اتارنے کی کوشش نہیں کی اور ہر بار بہتر حالات کی توقع پر خون کے گھونٹ پیتے رہے۔ تقاضائے وقت ہے کہ حکومت سو سالہ مسلم آزار پالیسی تبدیل کرے ورنہ مسلمان اس جابرانہ پالیسی سے دستکشی حاصل کرانے کے لئے ان تمام ذرائع کو عمل میں لائیں گے جو اُن کے حدِ اختیار میں ہیں۔

ڈائریکٹ ایکشن

مسلم کانفرنس کے زعماء اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ انقلابی فضاؤں کے مد و جزر کو مطالبات کی یہ مختصر سی فہرست نہ روک سکتی ہے اور نہ یہ عام لوگوں کے اطمینان کا باعث بن سکتی ہے انہوں نے وقت کے نبض کی رفتار کو اپنے تابع کرنے کی غرض سے حکومت کو دھمکی دی کہ اگر حکومت بلا تاخیر مسلمانوں کے ان کم سے کم مطالبات کو پورا نہ کرے گی تو وہ ڈائریکٹ ایکشن لینے پر مجبور ہوں گے۔

ارباب نظر اور اہل سیاست بخوبی جانتے ہیں کہ اس سے قبل مسلم کانفرنس نے کوئی ایسا ٹھوس پروگرام ملک کے سامنے پیش نہیں کیا جس کو مد نظر رکھ کر یہ اندازہ لگایا جاتا کہ یہ سیاسی جماعت کیا چاہتی ہے اور اس کا نصب العین کیا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ بھی ذمہ دار نظام حکومت کا نعرہ دیتے تھے مگر اُن کی جانب سے اس نعرے کی تشریح ہمیشہ تشنۂ تکمیل رہی۔ غالباً اسی کمی کے شدید احساس نے مسلم کانفرنسی زعماؤں کو آزاد کشمیر کے نام سے پمفلٹ شایع کرنے پر اُکسایا۔ جس میں انہوں نے اپنے سیاسی موقف کو منشور کی شکل میں وضاحت کرتے عوامی حلقوں سے متعارف کیا۔ منشور کے مختلف دفعات کی وضاحت کے لئے شہر میں کئی جلسے کئے گئے جن میں اس کے مختلف پہلوؤں اور غرض و غایت پر روشنی ڈالی گئی۔ منشور میں قیام پاکستان کی حمایت اور ریاست میں ذمہ دار نظام حکومت کے روشن پہلوؤں کو اُبھارتے ہوئے مہاراجہ ہری سنگھ کو مشورہ دیا گیا کہ وہ آئینی حکمران کی حیثیت قبول کریں۔ منشور میں کہا گیا کہ آزاد کشمیر میں

غریب محنت کشوں کی حکومت ہوگی۔ جاگیرداری اور سرمایہ داری کا خاتمہ ہوگا۔ یہ عوام کی حکومت عوام کے ذریعہ عوام کے لئے ہوگی۔ عوام کو اجازت ہوگی کہ وہ اس نظام حکومت کی تشکیل کریں جس کے تحت انہیں رہنا ہو اُن کو اپنا آئین آپ بنانے کی اجازت ہوگی۔

منشور میں اقتصادی، سماجی، ثقافتی اور مجلسی زندگی کے لئے مندرجہ ذیل ضوابط واضح کئے گئے:

۱۔ زمینداری سسٹم اور بڑی بڑی جاگیریں ختم کی جائیں گی اور زمین حقیقی کاشتکاروں کی ملکیت قرار دی جائے گی۔

۲۔ مالیہ اور ٹیکس اتنا کم کر دیا جائے گا کہ وہ کل پیداوار کے ۱۵ فیصد سے زیادہ نہ ہو۔

۳۔ تمام کاشتکاروں کو اس بات کی گارنٹی دی جائے گی کہ زمین ان کے پاس کاشت کے لئے رہے گی۔

۴۔ کسانوں کے قرضہ جات کو منسوخ کیا جائے گا اور حکومت کی طرف سے کسانوں کو کم شرح منافع پر قرضہ مہیا کیا جائے گا۔

۵۔ زرعی پیداوار کو حکومت کی امداد سے بڑھایا جائے گا۔ حکومت کی امداد سے جدید قسم کی زرعی مشینری، کھاد، بیج وغیرہ فراہم کیا جائے گا اور اجتماعی کاشت کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

۶۔ بڑی صنعتوں اور نقل و حمل کے ذرائع کو قومی ملکیت میں لیا جائے گا۔ کانکنی، جنگلات اور دوسرے قدرتی وسائل کو بھی قومی ملکیت قرار دیا جائے گا۔

۷۔ حکومت کی مالی امداد اور اجتماعی ملکیت کے اصولوں سے بڑی بڑی صنعتیں اور مفادِ عامہ کے کام شروع کئے جائیں گے تاکہ عوام کی ضروریات پوری ہو جائیں، بیکار مزدوروں کو کام مہیا کیا جائے گا۔

۸۔ جو چھوٹی چھوٹی صنعتیں افراد کی ملکیت ہوں گی اُن کو سرکاری امداد دی جائے گی اور ان پر حکومت کا کنٹرول ہوگا۔

۹۔ کسانوں، فنکاروں اور دوسرے آزاد پیداوار تیار کرنے والوں کی انجمن منظم کرنا اور اشیاء کی تقسیم کے لئے خریداروں کی انجمن کا قیام۔

۱۰۔ ایک مقررہ معیارِ زندگی کے قیام کے لئے صنعتی اور زرعی مزدوروں کی اجرتیں مقرر کی جائیں گی۔

۱۱۔ ہر شخص کو دن میں صرف آٹھ گھنٹے کام کرنا پڑے گا۔

۱۲۔ ہر ایک صحت مند ریاستی باشندے کو کام مہیا کیا جائے گا بصورتِ دیگر اُسے کام مہیا ہونے تک ریلیف دیا جائے گا۔

۱۳۔ غریبوں کو مفت طبی امداد دی جائے گی۔

۱۴۔ سولہ برس کی عمر تک بچوں کو مفت اور جبری تعلیم دی جائے گی۔

۱۵۔ پریس، پلیٹ فارم اور انجمن سازی کی عام آزادی ہوگی۔

۱۶۔ مذہبی اور عبادت کی مکمل آزادی ہوگی۔

۱۷۔ تمام فرقوں کو ثقافتی خود اختیاری حاصل ہوگی۔

۱۸۔ عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق، فرائض اور ذمہ داریاں ہوں گی۔

۱۹۔ عدلیہ، انتظامیہ سے علیحدہ اور خود مختار ہوگا۔ قانون کی علمداری ہوگی۔

شرمناک غداری

کشمیر چھوڑ دو تحریک کے بالمقابل مسلم کانفرنس نے "آزاد کشمیر" کے نعرے

کو آفیشل پوزیشن دی۔ اس نئے نعرے سے وقتی طور عوامی حلقوں میں کھلبلی مچی۔ اور حکمران طبقہ بوکھلا اُٹھا۔ مگر سیاسی مبصرین نے اسے "نیا کشمیر" کا چربہ کہہ کر نظر انداز کیا۔ ابھی یہ چرچے جاری ہی تھے کہ مُسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ نے ۲۵، ۲۶ اور ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو جامع مسجد سری نگر میں سالانہ اجلاس منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ اس اعلان سے میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ متفق نہ ہو سکے۔ انہوں نے خفیہ طور پر مولوی محمد امین اور عبدالسلام دلال کو وزیر اعظم آر سی کاک کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس پر پابندی عائد کرے۔ اس باہمی سودا بازی سے دُہرا فائدہ ہوگا۔ جہاں حکومت کو پریشانیوں سے دوچار ہونے سے نجات ملے گی۔ وہاں مولانا موصوف اور اُن کے حواری گرفتاری کے چکر سے محفوظ رہیں گے۔ اس ساز و باز کا بعد ازاں ریاست کے چیف سیکرٹری چودھری نیاز احمد نے کئی نجی مجلسوں میں تذکرہ کیا اور ڈرامے کے اس اہم سین کی اُس وقت تصدیق ہوئی۔ جب ۲۲ اکتوبر کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سری نگر نے صدر استقبالیہ مولوی نور الدین کو سالانہ اجلاس منعقد کرنے کے اجازت نامے کے جواب میں کہا۔ چونکہ شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ ہے اسلئے موجودہ ناخوشگوار حالات اور مکدر سیاسی فضا کے باعث مُسلم کانفرنس کو سالانہ اجلاس منعقد کرنے کی اجازت دینے سے معذور ہوں۔

پابندی توڑنے کا اعلان

چیف سیکرٹری چودھری نیاز احمد اور جموں کے مُسلم کانفرنسی رہنماؤں کے درمیان گہرا خفیہ رابطہ قائم تھا۔ اُس نے سالانہ اجلاس پر پابندی عائد کرنے کے پس منظر سے انہیں باخبر کیا اور انہوں نے راز افشاء کئے بغیر جنرل سیکرٹری آغا شوکت علی کے ذریعہ ایک اخباری بیان میں اعلان کرایا۔ چاہئے کچھ بھی ہو مسلم کانفرنس حکومت کی جانب سے عائد کردہ پابندیوں کو توڑ کر مقررہ تاریخوں پر سالانہ اجلاس منعقد کرکے ڈائریکٹ ایکشن لے گی۔ اس بیان سے میر واعظ محمد یوسف شاہ کے اوسان خطا ہوئے اور اب وہ دلائل کا طومار لے کر ان سیاسی شوریدہ سروں کو سمجھانے لگے کہ موجودہ حالات میں جبکہ ریاستی اسمبلی کے انتخابات ہونے والے ہیں حکومت سے براہ راست ٹکر لینے سے بہتر یہ ہے کہ ہم چوکنا اور تازہ دم رہ کر انتخابات جیتنے کے لئے ابھی سے تیاریاں کریں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مولانا کی دلیل چاہے کتنی ہی تفصیلی کیوں نہ ہو لیکن مُسلم کانفرنس میں اُن لوگوں کے لئے کسی وحی سے کم نہیں تھی جو اُن کی ذات کے شیدائی تھے۔ اس طرح اُس مصنوعی اتحاد و اتفاق کا طلسماتی محل خود بخود مسمار ہونے کو آیا جو اسلامیان ریاست نے بڑی مشکل سے کھڑا کیا تھا۔ مگر مجلس عاملہ کے ممبران نے ان نازک لمحات میں بڑی ہوش مندی سے کام لے کر ان کی ایک نہ سُنی اور سول نافرمانی کی تجویز متفقہ طور منظور کرلی۔ یہ بھی طے پایا کہ سالانہ اجلاس کے ساتھ ساتھ ریاست گیر سول نافرمانی شروع کی جائے۔ چنانچہ دور دراز علاقوں کے مندوبین اور کارکنوں کو اطلاع دی گئی کہ سری نگر آنے کے بجائے اپنے علاقوں میں رہیں تاکہ سول نافرمانی کی صورت میں وہ سری نگر میں گرفتار ہونے نہ پائیں بلکہ اپنے علاقوں میں تحریک کو جاری رکھ سکیں۔ ورکنگ کمیٹی نے یہ بھی فیصلہ لیا کہ صدر اور سیکرٹری کی گرفتاری کی صورت میں چودھری حمید اللہ قائم مقام صدر اور غلام محی الدین وکیل سیکرٹری کے فرائض انجام دیں گے۔ اس کے بعد کیا ہوا وہ چودھری غلام عباس خان کی زبان سنیے۔

"اُسی شام کو معلوم ہوا۔ کہ میر واعظ کے بھائی اور سیکرٹری مُسلم کانفرنس ضلع سری نگر کو حکومت نے بُلوا کر کچھ کہا سُنا ہے جس کی وجہ

سے میر واعظ سول نافرمانی کے فیصلے سے منہ موڑ دیں گے۔ مجھے یقین نہیں آیا لیکن عام سول نافرمانی کی قرارداد جو شہر میں مشہور ہو چکی تھی۔ اتفاق سے ابھی تک پریس میں نہیں گئی تھی۔ میں نے احتیاطاً روک لی۔ لیکن تھوڑے عرصے کے بعد متذکرہ خبر کی تصدیق ہوئی جس سے مجھے بڑا صدمہ ہوا۔ لیکن سب سے بڑی اُلجھن اور مشکل یہ تھی کہ اب کھلے اجلاس اور سول نافرمانی کے سلسلے میں کیا کیا جائے۔ دوسرے دن صبح پھر مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا گیا۔ کھلے اجلاس میں صرف چند گھنٹے باقی تھے کہ ہماری پریشانی میں دم بدم اضافہ ہو رہا تھا ــــــ میری تجویز پر یہ قرار پایا کہ میں بحیثیت صدر اور آغا شوکت بحیثیت جنرل سیکرٹری صرف ہم دونوں بطور احتجاج انفرادی سول نافرمانی کریں گے۔"

اڑھائی گھنٹے کا سالانہ اجلاس

۲۵ اکتوبر کی شام کو مُسلم کانفرنس کے زعماء میر واعظ منزل سے مولوی یوسف شاہ کی قیادت میں جامع مسجد پہنچے۔ شہر میں اختلاف کی افواہیں پہلے ہی گشت کر رہی تھیں۔ مسلم کانفرنس کا یہ سالانہ اجلاس اپنے آن بان کے لحاظ سے عام جلسوں سے بھی پھیکا تھا۔ گرفتاری پکڑ دھکڑ کا خوف اور اندرونی انتشار کی وجہ سے جلسہ گاہ میں لوگ قلیل تعداد میں جمع تھے لیڈروں کی آمد پر زندہ باد کے چند نعرے بلند ہونے کے بعد مجلس استقبالیہ کے صدر مولوی نور الدین نے اپنے خطبہ صدارت میں دفعہ ۵ کو حرفِ تُف کا ہدف بناتے کہا۔ حکومت نے مسلم کانفرنس کو مذاق سمجھ رکھا ہے میں اس جمہور کش قانون کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پابندی کو توڑ کر سالانہ اجلاس منعقد کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔

مولوی نور الدین نے اپنے خطبہ میں کسی ٹھوس سیاسی نظریہ کی وکالت کرنے کے بجائے مسلم کانفرنس کا تجزیہ پیش کرتے نیشنل کانفرنس اور شیخ محمد عبداللہ کی مخالفت پر اکتفا کیا۔ خطبہ استقبالیہ کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

"جب سے ریاست جموں وکشمیر کی تشکیل ہوئی ہے اس وقت سے آج تک مسلسل ایک سو سال سے مسلمانانِ ریاست جاگیردارانہ نظام کے غلام بنتے آئے ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں مسلمانانِ جموں وکشمیر نے سالہا سال کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کی خاطر انقلابی جدوجہد جاری کی۔ مسلمانوں کی عظیم الشان اور تاریخی قربانیوں کی بدولت باشندگانِ ریاست کو انجمن سازی کا حق پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی اور دیگر شہری حقوق مل گئے۔ ۱۹۳۸ء تک کام کسی طرح چلتا رہا۔ ۱۹۳۹ء میں مسلمانانِ کشمیر نے تحریک حریت میں غیر مسلموں کی ہمدردیاں اور حمایت شامل حال کرنے کے لئے مُسلم کانفرنس کو توڑ کر نیشنل کانفرنس میں تبدیل کیا۔ مسلم کانفرنس کا نیشنل کانفرنس میں تبدیل ہونا ہی تھا کہ اس کے سربراہ شیخ محمد عبداللہ صاحب نے ہندو کانگریس کے ساتھ رابطہ اتحاد پیدا کر لیا۔ اس کے علاوہ تحریک حریت سے مسلسل غداریاں کرنے اور حکومت وقت کے ساتھ ناپاک گٹھ جوڑ کرنے کا سلسلہ جاری ہو گیا۔"

چودھری غلام عباس کی گرفتاری

چودھری غلام عباس خان نے اپنے طویل خطبہ صدارت میں حکومت کو فہمائش کی کہ وہ اپنی متشددانہ پالیسیوں کو ترک کرے اگر اسے یہ گمان ہے کہ وہ





خواجہ علی محمد بٹ

میرواعظ محمد عبداللہ شوپیانی



جناب فدا محمد حسنین، شری بلدیو پرشاد شرما، رشید تاثیر





۱۹۴۸ء۔ شیخ صاحب، غلام محی الدین ہمدانی کو حلف دلاتے ہوئے

قائد اعظم جناح، سر کرپس کے ساتھ





جناب سردار محمد ابراہیم خان

خواجہ غلام محمد صادق

نے شیطانی منصوبوں سے تحریکِ آزادی کو دبا سکتی ہے تو وہ بیوقوفوں کی جنت میں رہتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے بے سروسامان ہونے کے باوجود قیصر و کسریٰ کو لرزہ براندام کر دیا ہے۔ اُسے یاد رکھنا چاہئے کہ مسلمان کو دبانے سے وہ زیادہ اُبھرتا ہے۔ اُس کی فطرت میں لچک ہے۔ ہمیں اجلاس منعقد کرنے کی اجازت نہ دے کر حکومت نے ہمیں کھلا چیلنج کیا ہے جس کو ہم نے قبول کر لیا ہے لیکن ہم صرف تین افراد اس پابندی کے خلاف بطورِ احتجاج سول نافرمانی کے ضمن میں تقریریں کریں گے۔ ہم نے آج کے سالانہ اجلاس میں ڈائریکٹ ایکشن کا پروگرام رکھا تھا۔ لیکن حکومت نے ہمیں موقع نہ دیا۔ اس لئے ہم نے مندوبین کو واپس کیا۔

خطبہ صدارت میں چودھری غلام عباس خان نے مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق پر زور دے کر نیشنل کانفرنس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:۔

"نیشنل ازم کی تحریک ناکام ہو گئی ہے۔ میں شیخ محمد عبداللہ صاحب اور دوسرے نیشنل کانفرنسی بھائیوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ مصیبت کے وقت صرف مسلمان ہی ان کے کام آسکتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی ایسا کشمیری پنڈت ہے جس نے گولی کھائی ہو۔"

جلسہ گاہ میں میرواعظ یوسف شاہ اور آغا شوکت علی نے بھی تقریریں کیں۔ جلسے کے اختتام پر مزید کوئی پروگرام دیئے بنا جلسہ برخاست ہوا۔ اسی رات کو چودھری اللہ رکھا ساغر ایڈیٹر ہفت روزہ جاوید جموں کو بجشک ہوٹل سے، آغا شوکت علی اور مولوی نورالدین کو اپنے اپنے دولت خانوں سے گرفتار کر کے بادامی باغ فوجی چھاؤنی میں محبوس کیا گیا۔ محمد اسماعیل ساغر بھی اسی شب گرفتار کئے گئے۔ حالانکہ یہ نہ جلسہ گاہ میں تھے اور نہ اُن سے کوئی خلاف قانون حرکت سرزد ہوئی تھی۔ قریشی محمد یوسف اور غلام محمد جیولر پہلے ہی روپوش ہو گئے تھے ان کے نام

وارنٹ گرفتاری جاری ہوئی۔ بعد ازاں قریشی محمد یوسف کو جہلم کے قریب لاہور جاتے ہوئے ایک انگریز کی موٹر کار سے گرفتار کر کے سری نگر سنٹرل جیل پہنچایا گیا۔ اگلے دن جامع مسجد میں لوگوں کی ایک خاصی تعداد جمع ہوئی جنہیں عبدالسلام دلال نے مخاطب ہو کر کہا:۔

"موسم گرم ہے۔ محکمۂ ہیلتھ نے ممانعت کی ہے۔ بیماری پھیلنے کا احتمال ہے جو تین ہستیاں یہاں قانون جلاتے تھے اور آپ کے سامنے ریزولیوشن رکھتے اُن کو حکومت گرفتار کر کے لے گئی ہے مجھے حکم ملا ہے کہ میں جلسہ برخاست کرنے کا اعلان کروں۔"

پھر تماشہ نہ ہُوا

ڈائریکٹ ایکشن پروگرام کے پس منظر میں مسلم کانفرنسی لیڈروں کی وہ جنگی اسکیم کارفرما تھی جو وہ کوئٹ کشمیر تحریک کے مقابلے پر روبہ عمل لا کر مہاراجہ ہری سنگھ کا تختہ اُلٹنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مسلم کانفرنسیوں کی کئی خفیہ میٹنگوں میں یہ طے پایا کہ ریاستی حکومت کی ریگولر فوج جو دس ہزار افراد پر مشتمل ہے کے مقابلے پر میرپور، پونچھ، بھمبر اور راجوری کے علاقوں سے اُن گیارہ ہزار کے قریب سابقہ مسلمان فوجیوں کو منظم کیا جائے جو دوسری جنگِ عظیم کے اختتام پر معہ ہتھیاروں کے گھر لوٹے تھے۔ اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے میرواعظ محمد یوسف شاہ کی قیادت میں ایک خفیہ کمیٹی ترتیب دی گئی جس میں میرواعظ کے علاوہ چودھری غلام عباس خان، سردار محمد ابراہیم خان، شیخ احمد الدین بانہالی، سید نذیر حسین شاہ پونچھی، میجر علی احمد شاہ میرپوری اور چودھری حمید اللہ خان شامل تھے۔ یہ پروگرام پر عمل آوری کے لئے مسلم کانفرنس کے مذکورہ صدر

نے کانفرنس نے سالانہ اجلاس کی تاریخوں کا اعلان کیا اور خفیہ طور پر یہ طے پایا کہ سابق فوجیوں کی خاصی تعداد کو سالانہ اجلاس میں مندوبین کی حیثیت میں سری نگر لایا جائے۔ جونہی ڈائریکٹ ایکشن اور سول نافرمانی کا اعلان ہوگا۔ ظاہر ہے مسلم کانفرنسی لیڈر گرفتار کر لئے جائیں گے اور مندوبین اپنے فنِ سپہ گری کا مظاہرہ کریں گے۔ پروگرام کے تحت جموں، سری نگر شاہراہ پر تمام پل اڑا دیئے جائیں گے اگر بغاوت کامیاب ہوئی تو مسلم کانفرنسی قائدین خود بخود رہا ہوں گے۔ بصورتِ دیگر انہیں اپنے بچاؤ میں بہت کچھ کہنے کا موقع ملے گا۔

غرض میرواعظ جانتے تھے کہ سالانہ اجلاس کے بعد کیا ہونے والا ہے ان حالات کا تصور کرتے ہی وہ خوفزدہ ہوئے۔ انہوں نے سالانہ اجلاس منعقد کرنے سے نہ صرف اختلاف رائے ظاہر کی بلکہ وزیر اعظم کاک سے ساز باز شروع کی۔ یہ خبر یقیناً چودھری غلام عباس کیلئے پریشان کن تھی۔ انہیں کھٹکا لگا کہ کہیں میرواعظ نے ساری سکیم سے وزیر اعظم کاک کو باخبر نہ کر دیا ہو۔ دراصل میرواعظ نے مختلف بہانوں سے ریاست کو اس خون ریزی سے بچایا۔ اس میں میرواعظ محمد یوسف شاہ کی بزدلی کا کتنا حصہ ہے یا اس عمل میں میرواعظ کس حد تک صحیح تھے اس کا فیصلہ تو آئندہ کا مورخ ہی کرے گا۔ مگر یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ میرواعظ نے وزیر اعظم کاک کو سکیم سے مطلع نہیں کیا۔ (اکتوبر ۱۹۴۷ء میں پونچھ کی مسلح بغاوت اسی سلسلے کی کڑی ہے جس کا تذکرہ آگے آئے گا)

میرواعظ یوسف شاہ پر عدم اعتماد

مسلم کانفرنس کے چودھویں سالانہ اجلاس کو جس ڈرامائی انداز میں میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ اور ان کے رضاکاروں نے تارپیڈو کیا اس پر وزیر اعظم پنڈت

رام چند کاک سے داد تحسین کے جو گلدستے وصول ہونے تھے سو وہ ہوئے۔ مگر اس عجز کا حشر اور کرسی گولی کو چودھری حمید اللہ اور ان کے جوان عزائم ساتھی حلق سے اتار نہ سکے۔ شہر سری نگر میں دفعہ ۱۴۴، دفعہ ۵ کے نافذ العمل ہونے کے باعث ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو انہوں نے جامع مسجد بارہ مولا میں پبلک جلسہ کیا۔ جہاں چودھری حمید اللہ نے میرواعظ یوسف شاہ، مولوی محمد امین اور عبدالسلام دلال پر حکومت کے ساتھ ساز باز کرنے کا الزام لگایا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں ان پر فردِ جرم عائد کرتے ان لوگوں کو مسلم کانفرنس کے جاعتی [?] پروگرام کو ناش [?] کرنے والے، جماعت سے دھوکہ اور غداری کے الزامات کا مرتکب ٹھہرایا۔ اور اسی پس منظر کو کانفرنس کے راست اقدام کے پروگرام کو ملتوی کرنے کا جواز بتایا۔ جلسہ گاہ میں شیخ احمد الدین بانہالی، غلام احمد ترالی، غلام محی الدین ترتیو، سردار عبدالرحیم درانی وکیل، غلام سرور، غلام دین شاہ سیکرٹری بارہمولہ مسلم کانفرنس اور علام الدین و[?] چودھری حمید اللہ کے بیان کی تائید میں تقاریر کیں۔ غلام محی الدین وکیل نے مولوی یوسف شاہ اور غیر ذمہ دار عنصر کے خلاف عدم اعتماد کی قرار دادیں پیش کیں۔ جنہیں حاضرینِ جلسہ نے متفقہ طور پاس کیا۔

صدارت کا جھگڑا

انہوں نے اتنے پر ہی قناعت نہیں کی بلکہ چودھری حمید اللہ نے ۲۹ اکتوبر کو ایک اخباری بیان میں بحیثیت قائم مقام صدر کے اعلان کیا کہ مولوی محمد امین اور عبدالسلام دلال کو جماعت سے غداری کی پاداش میں تین سال کیلئے تنظیم کے تمام عہدوں اور ابتدائی رکنیت سے خارج کیا جاتا ہے۔

کسی الزام سے پہلے بھی لیکن سوچنا ہوگا
کہ جرم بے وفائی کا زمانے میں سبب کیا ہے

فرضی خطوط

اسی سبب جرم بے وفائی کے انکشاف کے لیے چودھری حمید اللہ نے اسی دوران مسلم کانفرنس کے صدر دفتر پر آ کر مولوی یوسف شاہ کو معطل کر دیا کہ انہوں نے گرفتاری کے خوف سے کانفرنس کے وقار کا سودا کیا۔

میرواعظ کے حامی عدم اعتماد کی چوٹ سہلا بھی نہ پائے تھے کہ ان کے لفٹینٹوں کو پارٹی سے اخراج کا حکم سنا دیا گیا اور طرہ یہ کہ ان کے سینوں پر مونگ دلنے کے لیے بنفس نفیس چودھری حمید اللہ صدر دفتر میں طعنہ زنی کرنے آئے۔ بھلا یہ کہاں تک برداشت کیا جاتا، وہ چیخ اٹھے اور دونوں گروہ دست گریباں ہوئے لیکن پولیس کے پہنچنے سے پہلے ہی حمید اللہ خان اور ان کے ساتھی وہاں سے چل پڑے۔

میرواعظ کے حامیوں نے صدر مسلم کانفرنس کے ان بیانات کو میرواعظ کی شان میں ناقابل معافی خطا سمجھ کر بیک جنبش لب اعلان کیا: مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ نے چودھری غلام عباس کی گرفتاری کی صورت میں قائم مقام صدر کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں لیا ہے البتہ چودھری عباس نے اپنی گرفتاری سے قبل میرواعظ یوسف شاہ کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے۔

اس طرح صدارت کے جھگڑے نے کافی طول کھینچا۔ مولوی پارٹی اپنی بات پر بضد رہی اور اس ضد کو فریب کا لبادہ پہنا کر چودھری عباس کی طرف سے کئی فرضی خطوط گڑھ کر لوگوں کو یہ باور کرانے کی سعی ناکام کی گئی کہ چودھری حمید اللہ خان اپنے چچیرے بھائی چودھری نیاز احمد خان (جو ریاست کے چیف سیکرٹری ہیں) کے ذریعہ حکومت کے ہاتھوں بک چکا ہے۔ ممکن ہے کہ اسے کابینہ میں لیا جائے۔ اس نے غداری کی ہے اور اختیارات کا ناجائز استعمال بھی۔ ان فرضی خطوط کے انعام پر چودھری عباس کی یہ خواہش بار بار دہرائی گئی کہ مولوی یوسف شاہ بحیثیت صدر مجلس عمل ایکٹنگ پریذیڈنٹ اور ورکنگ کمیٹی کو معزول کر کے تمام اختیارات اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔

ان فرضی خطوط میں حیات بخش رنگ بھرنے کے لئے مولوی محمد یوسف شاہ نے مجلس عاملہ کے جملہ ممبران کو نئے حالات پر غور کرنے کے لئے سری نگر آنے کی دعوت دی جس کے جواب میں ان لوگوں نے ایک مشترکہ تار بدیں مفہوم بھیجی۔

"تم ایک غدار ہو، کمیٹی آف ایکشن توڑ دی گئی ہے ہم اس میٹنگ میں شامل ہونا نہیں چاہتے۔ منافقانہ رویہ اور سرگرمیاں فوراً بند کرو۔"

قائد اعظم جناح کی سند

انتشار اور نااتفاقی نے مسلم کانفرنس کی مفلوج تنظیم کو مفلوج تر بنا ڈالا۔ عام لوگوں میں اس جماعت کے لیڈروں پر اعتماد اٹھ گیا گو کہ تعلیم یافتہ مسلم حلقوں میں چودھری حمید اللہ کی قدر و منزلت ابھی بھی باقی تھی لیکن سری نگر میں مولوی یوسف شاہ کی مخالفت اور نیشنل کانفرنسیوں سے نظریاتی اختلاف نے

لہ - خان غلام حیدر خان غوری (ایڈیٹر نوجوان جموں)، شیخ عبد الرحمان، پروفیسر محمد اسحاق، میجر علی احمد شاہ، چودھری عبد اللہ بھلی، معراج الدین ایڈیٹر پاسبان۔ کمیٹی آف ایکشن اس لئے وجود میں لائی گئی تھی کہ اگر مسلم کانفرنس ڈائریکٹ ایکشن لے گی اس صورت میں یہ کمیٹی کام شروع کرے گی۔ اب جبکہ ڈائریکٹ ایکشن والی بات ہی نہ رہی۔ کمیٹی آف ایکشن کا وجود خود بخود ختم ہوگیا تھا لیکن مولوی پارٹی بضد تھی کہ کمیٹی بدستور قائم ہے۔

نامساعد حالات کو اور ناسازگار بنا دیا۔ ان دنوں مسٹر جناح دہلی میں قیام پذیر تھے۔ مجبوراً چودھری حمید اللہ نے چودھری عبداللہ بھلی، ثناء اللہ وکیل سوپوری اور دو تین رفیقوں کی معیت میں دہلی کی راہ لی۔ وفد نے مسلم کانفرنس کی سرگذشت سے قائد اعظم محمد علی جناح کو آگاہ کیا۔ ۳۔ نومبر کو مسلم لیگ کے آفیشل آرگن روزنامہ ڈان میں کشمیر کے حالات پر مسٹر جناح کا بیان شائع ہوا۔ جس میں انہوں نے ریاستی حکومت کے اس حکم کو شہری حقوق سے متعلق بنیادی ضابطوں کے خلاف قرار دیا جس کے تحت مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس پر حکم امتناعی لاگو کیا گیا۔ انہوں نے کہا یہ اس وقت ہو رہا ہے جبکہ ریاست میں انتخابات ہونے والے ہیں۔ میں مہاراجہ سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ فوری طور اس معاملے میں مداخلت کریں۔ بیان میں کشمیری مسلمانوں کو ہدایت دی گئی کہ وہ چودھری غلام عباس کی رہنمائی کو اپنائیں اور ان کی غیر حاضری میں چودھری حمید اللہ کی ہدایت پر عمل کریں جن کو چودھری غلام عباس نے مسلم کانفرنس کا قائم مقام صدر مقرر کیا ہے۔

مسٹر جناح کی سند حاصل کرنے کے فوراً بعد چودھری حمید اللہ علی گڑھ چلے گئے جہاں مسلم یونیورسٹی میں ریاستی طلباء کے سامنے تقریر کرتے ہوئے مولوی یوسف شاہ کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا۔ اپنی تقریر میں حمید اللہ نے ۱۹۳۱ء سے لے کر ۱۹۴۶ء تک کی ریاست میں قومی بیداری کی تفصیلات بیان کیں اور کہا:۔

"مسلمانان جموں وکشمیر کی نجات شیخ محمد عبداللہ اور چودھری غلام عباس خان کے اتحاد میں مضمر ہے مگر افسوس ہے کہ شیخ صاحب نے مسلم لیگ کے بجائے نیشنل کانگریس کا ساتھ دیا اور وہ مطالبہ پاکستان کی حمایت نہیں کرتے ہیں بلکہ قائد اعظم جناح اور پاکستان کی مخالفت بھی کر چکے ہیں اب بھی اگر شیخ صاحب صرف پاکستان کی مخالفت ترک کریں تو وہ پہلے کی طرح ہمارے قائد اور رہنما بن سکتے ہیں۔"

سیاسیات کشمیر کے نشیب و فراز کا تذکرہ کرتے چودھری حمید اللہ خان نے میرواعظ یوسف شاہ کے بارے میں کہا:۔

"ہم نے سالانہ اجلاس سری نگر میں بلایا تا کہ قوم کو ڈائریکٹ ایکشن کا پروگرام سنائیں۔ حکومت کشمیر نے اجلاس پر پابندی لگا کر ہمارے ڈائریکٹ ایکشن کو پورے طور پر حق بجانب ثابت کرنے کا موقع فراہم کیا۔ ہم نے فیصلہ لیا کہ قانون شکنی کر کے ایک لاکھ کشمیری جیل بھر دیئے جائیں۔ مولوی یوسف شاہ نے جو کونسل آف ایکشن کا پریذیڈنٹ تھا پہلے ہاں میں ہاں ملائی مگر عین اجلاس کے ایک دن پہلے غداری کی اور حکومت کے ساتھ مل کر ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپا اور جب ہمارے امتحان کا وقت آگیا تو اس ذلیل مولوی نے حکومت سے گٹھ جوڑ کر کے سارا پروگرام حکومت کو بتایا اب ہم کشمیر سے مولوی یوسف شاہ اور اس کے ملازم کو جب تک ختم نہ کریں، مسلم کانفرنس کا راستہ صاف نہیں ہو سکتا۔ میں شرم اور ندامت سے اقرار کرتا ہوں کہ شیخ محمد عبداللہ نے ۱۹۳۱ء کے بعد اس غدار میرواعظ کو ریاستی سیاست سے باہر نکال کر ایک مدبرانہ رہنمائی کی تھی۔ ہم اس غدار کے کارنامے کو بھول گئے اور آج سے چار سال پہلے اس گندی مچھلی کو سیاسی تالاب میں ڈال کر ہم لوگوں نے بھاری غلطی کی۔ وقت آ گیا ہے کہ مسلم کانفرنس کو اس نفس پرست مولوی اور اس کے بے ایمان حواریوں سے پاک کیا جائے۔ میں اس مہم کے لئے تہیہ کر چکا ہوں۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی ہدایات کے مطابق پہلا کام یہ کروں گا کہ مسلم کانفرنس کی تنظیم کو تمام گندے اور ناپاک جراثیم سے پاک کروں۔"

اس جلسہ میں بار بار جعفرِ کشمیر مردہ باد، مُلّا ازم مردہ باد کے فلک شگاف نعرے لگے۔ روزنامہ احسان لاہور نے مُسلم کانفرنس میں انتشار کے عنوان سے ۱۹ نومبر ۱۹۴۶ء کے اداریہ میں اس واقعہ پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے میر واعظ یوسف شاہ سے یوں شکایت کی ہے:-

"قاید ملت چودھری غلام عباس صدر مُسلم کانفرنس کی گرفتاری کے بعد کانفرنس کے کارکنوں میں ایک ایسا افسوس ناک خلفشار پیدا ہو گیا جس کو ہم مسلمانان کشمیر کی بدقسمتی پر محمول کرتے ہیں۔ اگرچہ اس میں پنڈت کاک کی کتنی گہری سازش کیوں نہ کام کرتی ہو لیکن ان مسلمانوں کی بدبختی کو ہی واحد ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا جنہوں نے اس نازک ترین وقت میں مسلمانان کشمیر سے غداری کی۔ حکومت کشمیر کا یہ ایک دیرینہ خواب تھا کہ مسلم کانفرنس میں پھوٹ پڑ جائے ——— اور اس مقصد کے لئے میر واعظ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ سب سے پہلے میر واعظ نے چودھری حمید اللہ خان کو فرضی حکم کے تحت مسلم کانفرنس سے خارج کر دیا اور کہا کہ یہ ہدایت انہیں چودھری غلام عباس نے جیل سے دی ہے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ سب جعلی کارروائی تھی ——— اب انہیں باقاعدہ طور مُسلم کانفرنس کی ادنیٰ رُکنیت سے بھی ہمیشہ کیلئے چودھری حمید اللہ نے خارج کر دیا ہے۔ میر واعظ نے مُسلم کانفرنس کی پیٹھ پر چھُرا گھونپنے کے لئے نہایت غیر موزوں وقت کا انتخاب کیا۔ اس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ پنڈت۔ ڈوگرہ گٹھ جوڑ کے مقابلے میں کشمیر اور جموں کے تمام مسلمان ایک محاذ قایم کرتے اور دشمن کو اس بات کا کبھی موقع نہ دیتے کہ وہ ان کے اختلافات یا کشیدگی سے فائدہ اُٹھا سکے۔ دنیا کی لالچ چند روزہ ہے لیکن قوم کے لئے زندہ رہنا ایک ابدی زندگی ہے۔ میر واعظ کو یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیئے اور مسلمانانِ کشمیر اس نازک دور میں اپنی اجتماعی قوتوں کو کسی صورت میں پراگندہ نہ ہونے دیں۔"

خود مختار کشمیر

۲۰ مئی ۱۹۴۷ء کو چودھری حمید اللہ خان نے جموں میں ایک پریس کانفرنس میں مہاراجہ کشمیر کو مشورہ دیا کہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ کشیدگی اور خانہ جنگی کے پیش نظر وہ تقسیم ہند کے کسی سوال سے اپنے تئیں ملوث نہ کریں۔ ہندوستان ایک رہے یا حصوں میں بٹ جائے ہم کسی سے کوئی بگاڑ نہیں رکھیں گے کیونکہ پاکستان سے الحاق ہمارے ہندو بھائیوں کو ناگوار گذرے گا اور ہندوستان سے الحاق مسلمانوں کو خواہ ذہنی طور پر ہی سہی بے چین کرے گا۔ ہمارے سامنے بہتر حل یہ ہے کہ تقسیم کے سوال کو نہ چھیڑتے ہوئے ریاست کی خود مختاری[۱] کا اعلان کیا جائے جس میں مہاراجہ بہادر کی پوزیشن آئینی حکمران کی سی ہو اور ریاست کا آئین تیار کرنے کیلئے ریاستی آئین ساز اسمبلی طلب کی جائے۔

چودھری حمید اللہ نے خود مختاری کے بیان پر اس شبہ کی تردید کی کہ یہ بیان مسٹر جناح کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ انہوں نے مسٹر جناح کے گذشتہ اور موجودہ اعلانات کو جن میں انہوں نے ریاستوں میں عدم مداخلت کی پالیسی کا اظہار کیا ہے اپنے نظریہ کی تائید میں بتاتے ہوئے کہا میں نے پوری دیانتداری سے مقامی حالات کے زیر نظر یہ حل پیش کیا ہے۔ پریس کانفرنس میں کانگریس اور مسلم لیگ کی ہندوستان میں سیاسی بالادستی کا اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا:-

---

لہ:- ان دنوں ہندو مہا سبھا کے صدر ساورکر نے بھی مہاراجہ کشمیر کو مکمل خود مختاری کا

(باقی اگلے صفحہ پر)

"جب ہم یہ کہتے ہیں کہ پاکستان اور ہندوستان سے علیحدگی اختیار کرنی چاہیئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دونوں سے دوست رہنا چاہتے ہیں ہم کسی کے غلام بننا نہیں چاہتے ہم دونوں سے تجارتی و سیاسی تعلقات قائم رکھیں گے۔ ہمارا خیال ہے کہ پاکستان کے ساتھ ہمارے تعلقات اچھے ہوں گے۔ اسی طرح ہندو حکمران کی موجودگی میں ہندوستان سے بھی ہمارے تعلقات خوشگوار ہوں گے۔ اس لئے ہم ہندوستان و پاکستان میں سے کسی طرف بھی ریاست پر حملہ کی توقع نہیں رکھتا۔ بالفرض محال اگر دونوں میں سے کسی حکومت نے ہم پر حملہ کیا تو ہم اپنے ملک کی حفاظت میں سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔"

پریم ناتھ بزاز کا عندیہ

مسلم کانفرنس کی اندرونی رسہ کشی کے دوش بدوش ریاست کے الحاق کے بارے میں بھی طرح طرح کی قیاس آرائیاں شروع ہوئیں۔ چنانچہ پنڈت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سے آگے) اعلان کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ جموں آر ایس ایس نے بھی اپنی کئی قراردادوں میں مہاراجہ کو خود مختار رہنے کی صلاح دی۔ ہندو مہاسبھا اور راشٹریہ سیوک سنگھ کے لیڈروں کا خیال تھا کہ ہند سے الحاق کی باتیں کرنی قبل از وقت ہے۔ یہی وہ جماعتیں ہیں جنہوں نے بعد ازاں جموں میں خون ریز فرقہ وارانہ فسادات کرائے۔ ان دنوں انہیں آج کے کئی بڑے اور با رسوخ بظاہر قوم پرست لیڈروں کی پشت پناہی حاصل رہی ہے۔

پریم ناتھ بزاز نے ہمدرد مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۴۷ء کے اداریہ میں مہاراجہ کو انتباہ کیا کہ وہ سوچ سمجھ کر ریاست کے الحاق کے بارے میں کوئی فیصلہ لیں۔ انہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کو ریاست ٹراونکور کی دلیل پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہندو ریاست ہے اس کے دیوان سر سی پی راما سوامی آئر پاکستان کے کٹر مخالف ہونے کے ساتھ ساتھ اکھنڈ بھارت کے حامی بھی ہیں لیکن پھر بھی یہ کانگریس کے مرکز میں شامل ہونے سے ہچکچاتے ہیں۔ ہندوستان میں رہنے والے ہندو والیان ریاست اور پاکستان میں رہنے والے مسلم والیان ریاست کے سامنے صرف ایک ہی مسئلہ درپیش ہے کہ کیا انہیں اپنے ہم مذہب سیاسی لیڈروں کی ڈکٹیٹر شپ کو تسلیم کرنا چاہیئے یا نہیں۔ کشمیر اور حیدرآباد کی ریاستوں کے لئے ایک بڑی دقت یہ ہے کہ نواب حیدرآباد مسلمان ہیں لیکن ان کی ریاست ہندوستان میں گھری ہوئی ہے۔ کشمیر کے مہاراجہ ہندو ہیں لیکن ان کی ریاست پاکستان کی ہمسایہ ہے اس کی سرحدیں کئی دوسرے ممالک سے بھی ملتی ہیں۔ پریم ناتھ بزاز، مہاراجہ ہری سنگھ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ ہندوستان اور پاکستان کی مملکتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کرنے کے بجائے ریاست جموں و کشمیر کو آزاد اور خود مختار رکھیں۔ مسٹر بزاز کے انداز فکر سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ انہیں کھٹکا ہے۔ ریاست کی مسلم اکثریت ہندوستان میں شامل ہونا پسند نہیں کرے گی۔ وہ بذات خود پاکستان کے بھی حامی نہیں۔ اس لئے ایک درمیانی راہ آزاد اور خود مختار کشمیر ہی ہو سکتا ہے۔ جس سے ریاستی ہندو اور مسلمان بخوشی یا بحالت مجبوری تسلیم کریں گے۔ اس خیال کی تائید میں پنڈت پریم ناتھ بزاز نے چودھری حمید اللہ خان کے اس بیان کو بار بار اچھالا۔ جو انہوں نے مسئلہ الحاق کے ضمن میں ریاستی اسمبلی میں دیا تھا۔ چنانچہ ہمدرد ۳۰ اپریل ۱۹۴۷ء کے اداریہ میں اس بارے

میں وجوہات بیان کرتے رقمطراز ہے:۔

"اتنا ہی نہیں اس وقت ریاستی مسلمان خاموش ہیں مسلم کانفرنسی لیڈر چودھری حمید اللہ نے کشمیر اسمبلی میں بتایا ہے کہ وہ مہاراجہ بہادر کے لئے اپنی جانیں تک دینے کو تیار ہیں۔ اگر مہاراجہ بہادر اکھنڈ ہندوستان کے محاذ میں شامل ہوئے تو یقیناً ریاستی مسلمان ناراض ہوں گے اور ہمسایہ صوبوں کے مسلمان اس کو پسند نہیں کریں گے وہ اس کو اپنے لئے چیلنج سمجھیں گے۔ مسٹر جناح نے بار بار اعلان کیا ہے کہ مسلم لیگ صرف برطانوی ہند کے مسلمانوں کی آزادی کے لئے لڑ رہی ہے۔ دیسی ریاستوں کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں انہوں نے اپنے ایک مشہور بیان میں یہ بھی کہہ دیا ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے وقت والیان ریاست بالکل خود مختار بن جائیں گے۔ وہ جو چاہیں سو کریں۔ لیکن ان اعلانات کے باوجود اگر یہ ریاست اکھنڈ ہندوستان کے محاذ میں شامل ہوئی تو مسٹر جناح اور ان کے پیروؤں کو یہ پسند نہیں آسکتا کیونکہ وہ بھی اتنا دیکھ سکتے ہیں کہ یہ اس لئے ہوگا تاکہ پاکستان کا محاذ کمزور ہو۔ کشمیر کے اکھنڈ ہندوستان میں شامل ہونا مسلمانوں کو خاص کر ناگوار گذرے گا۔ کیونکہ اس ریاست کی غالب اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے اور یہ پاکستان کے علاقوں کے بیچ میں ہے۔

آزاد ہندوستان میں والیان ریاست کی مضبوطی اسی میں ہوگی کہ ان کی رعایا خوش ہو۔ اگر وہ ہندو والیان ریاست کانگریس کیساتھ ہیں جن کی رعایا بھی ہندو ہے تو انہیں ڈر نہیں کہ وہ ناراض ہونگے۔ مہاراجہ بہادر کو یہ ڈر ضرور سمجھنا چاہیئے کیونکہ ان کی رعایا کی اکثریت مسلمان ہیں۔ — ان حقائق اور حالات میں مہاراجہ بہادر کے لئے ٹھیک راستہ یہ ہے کہ وہ نہ تو کانگریس بلاک میں شامل ہوں نہ مسلم لیگی بلاک میں۔ انہیں برطانوی ہند کے ان دونوں محاذوں سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے چاہئیں لیکن دونوں سے دور رہنا چاہیئے۔ چودھری حمید اللہ نے بالکل بجا کہا ہے کہ انہیں اپنی آزادی کا اعلان کرنا چاہیئے اس سے ریاستی ہندو بھی خوش ہوں گے اور مسلمان بھی ناراض نہیں ہوں گے۔"

مجلس عمل کا قیام

پریس کانفرنس کے کئی دن بعد چودھری حمید اللہ سری نگر آئے۔ یہاں کئی مشترکہ دوستوں کی کوششوں سے میر واعظ پارٹی اور اُن کے درمیان صلح وصفائی ہوئی۔ انہیں میر واعظ منزل میں مدعو کیا گیا۔ جہاں باہمی گلے شکوؤں کو تجدید عہد وفا سے بدل کرنے قول وقرار ہوئے اور طے پایا کہ مجلس عمل کی تشکیل جدید کی جائے اس ضمن میں جامع مسجد کے ایک جلسہ میں مولوی یوسف شاہ، مولوی محمد امین، عبدالسلام دلال اور میر عبدالعزیز نے چودھری حمید اللہ کی حُبّ الوطنی اور فہم و فراست کی خوب داد دی۔

۸۔ جولائی کے دن صدر مسلم کانفرنس نے نئی مجلس عمل کے لئے مندرجہ ذیل عہدیداروں کے ناموں کا اعلان کیا۔ مولوی نورالدین صدر، سردار محمد ابراہیم خان بیرسٹر ایٹ لا۔ ایم ایل۔ اے کنوینر ممبران شیخ احمد دین بانہالی۔ سید عزیز حسین وکیل پونچھی۔ محمد یوسف صراف۔ محمد اسحاق قریشی۔ غازی الہی بخش میرپوری۔

کنونشن

قیام مجلس عمل کے فوراً بعد مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل کا اجلاس بلایا گیا۔ چنانچہ مجلس عمل میں میر واعظ یوسف شاہ کا نام نہ پاکر اُن کے حامیوں کی سابقہ بدگمانیاں عود کر آئیں اور انہوں نے اجلاس کا بائیکاٹ کیا۔

یہ کنونشن ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو سردار محمد ابراہیم خان کے مکان واقع آبی گذر میں منعقد ہوا جس کا تذکرہ سردار محمد ابراہیم خان نے اپنی خود نوشت[1] سوانح میں بڑی وضاحت سے کیا ہے۔ کنونشن کی روئیداد اُن ہی کی زبانی سُنیئے۔

"ہم نے مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل کا اجلاس بلایا، پونچھ کے حالات نے بڑی تشویش ناک صورت حال پیدا کر دی ہے اور پاکستان کے متعلق بھی فیصلہ کرنا تھا۔ مگر کاک حکومت نے پابندیاں تیز کر دیں ہم سب پر جو ہمیں گھٹنے کی سی۔آئی۔ڈی بیٹھ گئی۔ اجلاس میں شمولیت کے لئے دو سو کے لگ بھگ ممبران ساری ریاست سے سرینگر پہنچ گئے۔ ہمیں اجلاس کے لیے جگہ بھی نہیں ملتی تھی تمام ہوٹلوں اور ہاؤس بوٹ والوں نے انکار کیا۔ میں نے اپنا دفتر والا کمرہ صاف اور خالی کر دیا۔ یہ کمرہ کافی بڑا تھا جس کے فرش پر ہمارے سارے کونسلر آسانی سے بیٹھ گئے۔ ان لوگوں میں ایک غفار گجری صاحب بھی تشریف لائے انہیں ہم نے دعوت نہیں دی تھی۔ مگر انہیں میر واعظ صاحب والے گروپ نے بھیجا تھا، کس مقصد کے لئے یہ میرے علم میں

[1] متاع زندگی مطبوعہ لاہور۔ صفحہ ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸

ہرگز نہیں آیا۔ یہ ایک پہلوان قسم کا انسان تھا۔ کافی بلند اور موٹا اتنا کہ دروازے سے بڑی مشکل سے اندر آسکا اور میں پریشان ہوگیا۔ اس لئے کہ اگر مقصد گڑبڑ کرنا ہے تو اس پہلوان نے لڑھکنا ہی شروع کیا تو سارے کونسلر اس کے نیچے پس جائیں گے اور ساری مسلم کانفرنس اس طرح شہید ہوگی تو پھر کیا ہوگا۔ کسی نے کہا کہ اسے اندر ہی [illegible] آنے دو۔ یہ بھی جھگڑے والی بات تھی اس کا باہر رہنا اور بھی خطرناک۔ ہو سکتا تھا دوسروں کو لاکر ہلڑ ہی مچائے تو پھر بھی غلط بات تھی سری نگر کی سیاست یہاں تک اُتر آئی تھی۔ لیڈر لوگ تک ایک دوسرے کو ہاکیوں سے مارتے اور پیٹتے تھے سارا ماحول سازش اور دھوکہ دہی سے پُر ہو چکا تھا۔

میں نے معاملہ پر خوب سوچا تو میری سمجھ میں بات آئی کہ اس پہلوان کے ساتھ لڑائی بے سود ہے اور کسی قسم کی بد مزگی ہمارے خلاف ہی جائے گی نتائج کچھ ہوں ہمارے دُشمن یہی چاہتے تھے کہ یہ اجلاس بُری طرح ناکام ہو جائے۔ رام چندر کاک بھی چاہتا تھا۔ ہری سنگھ بھی یہی چاہتا تھا۔ ہمارے سیاسی مخالف نیشنل کانفرنس والے تو سری نگر میں مسلم کانفرنس کا اجلاس برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے غفار گجری[1] سے کہا۔ پہلوان صاحب تشریف رکھیئے آپ بھی اجلاس میں تشریف لائے ہیں بڑی خوشی کی بات ہے آپ نے میری بڑی حوصلہ افزائی کی ہے۔ پہلے پہلوان جوتا ہی نہیں اتارتا تھا

[1] سردار صاحب کو مغالطہ ہے عبدالغفار گجری فربہ ضرور ہے مگر قد دراز نہیں۔

حوصلہ افزائی جو ہوئی انہوں نے جوتا اُتارا۔ میں نے انہیں پکڑ کر بڑی کمیٹی کے درمیان لے گیا۔ تاکہ شور ہونے کی صورت میں اُن پر قابو پایا جا سکے۔ میں نے پھر انہیں سگریٹ دیا۔ پانی دیا۔ میری پالیسی اور خوب صورت ڈپلومیسی کام کر گئی۔ پہلوان صاحب بڑے اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر پہاڑ کی سی خاموشی سادھ کر ہماری کارروائی سننے لگے۔

یہ کارروائی بڑی طوفانی تھی ایک گروپ ایسا تھا جو چاہتا تھا کہ کشمیر ریاست خود مختار ہو جائے۔ یہ گروپ بدنیتی سے ایسا نہیں کہہ رہا تھا ان کا خیال تھا کہ اگر خود مختاری کا اعلان کر دیں تو ہندوستان ریاست پر ڈورے ڈالنا چھوڑ دے گا۔ اور پاکستان بننے کے بعد یہ خود بخود پاکستان کی جھولی میں چلی جائے گی۔ قائد اعظم کی جانب سے یہ فقرہ منسوب ہوتا ہے کہ انہوں نے کہا ہے۔ "ریاست کشمیر میری جھولی میں پکے ہوئے پھل کی طرح گرے گی۔" مگر اس کی تصدیق میں نے کبھی کرانے کی کوشش نہیں کی۔ دوسرا گروپ تھا جو آزاد یا خود مختار کشمیر کی بات سننے کے لئے تیار ہی نہ تھا اُسے پاکستان کے ساتھ غداری کہتا تھا اور مسلم کانفرنس خود مختاری کی سخت مخالف تھی۔ بہر حال بڑی طویل بحث کے بعد پاکستان کے حق میں ریزولیوشن پاس ہو گیا یہ ریزولیوشن بجا طور پر سلامتی کونسل میں بھی پھر اپنے اس جواز میں پیش ہوا کہ مسلمانانِ کشمیر ریاست کا الحاق پاکستان کے ساتھ چاہتے ہیں۔

کنونشن میں جو قرارداد پیش کی گئی وہ بارہمولہ کے پُرجوش نوجوان لیڈر محمد یوسف صراف نے تحریر کی اور انہوں نے ہی پیش بھی کی۔ لیکن بعد میں اسے خواجہ عنایت اللہ کلکرو کی جانب سے رسمی طور پر پیش کیا جانا قرار دیا گیا۔ کیونکہ وہ ریاستی اسمبلی کے ممبر تھے۔

[illegible] کے بعد محمد یوسف صراف نے اس کے حق میں زوردار تائیدی تقریر کی لیکن فی زمانہ پاکستان اور آزاد کشمیر میں بیسیوں ایسے اشخاص سامنے آرہے ہیں جو غلط طور پر وہاں موجود ہونے اور پاکستان کے ساتھ الحاق کی قرارداد کے مؤید ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ سردار محمد ابراہیم خان نے بھی اپنی خودنوشت سوانح میں قرارداد کو تحریر کرنے والے، اس کو پیش کرنے والے اور اس کے حق میں تائیدی تقریر کرنے والوں کے ضمن میں خاموشی اختیار کر کے کوئی صحت مند روایت قائم نہیں کی ہے۔

ریزولیوشن ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء

مسلم کانفرنس کا یہ کنونشن زیر صدارت چودھری حمید اللہ خان منعقد ہوا۔ مسلم کانفرنس کی جانب سے ریاست کے مستقبل کے بارے میں جو قرارداد پاس ہوئی۔ مندرجہ ذیل ہے:-

"آج سے چند ماہ قبل ریاستوں کے لوگ یہ توقع رکھتے تھے کہ برطانوی ہند کی آزادی کے ساتھ ہی وہ بھی کسی قدر آزادی کی سانس لے سکیں گے۔ لیکن ۳ جون کے اعلان نے جہاں برطانیہ نے ہندوستان کے باشندوں کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر کے مکمل طور پر آزاد کر دیا ہے وہاں اسی اعلان نے ریاستی حکمرانوں اور عوام کے لئے یہ سوال پیدا کر دیا کہ برطانوی ہندوستان کی مکمل آزادی کے بعد ریاستوں کی سیاسی حیثیت کیا ہوگی۔ ریاست جموں و کشمیر بھی تین حیثیتوں میں سے ایک حیثیت اختیار کر سکتی ہے ۱۔ پاکستان میں شمولیت ۲۔ ہندوستان کے ساتھ الحاق۔ ۳۔ مکمل آزادی اور خود مختاری کا اعلان۔

مسلم کانفرنس کا کنونشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ریاست کی جغرافیائی پوزیشن، ۸۵ فیصدی مسلم اکثریت، ذرائع رسل و رسائل کا اشتراک، ضروریات زندگی کا لین دین، زبان کا اشتراک، نسلی اور سماجی تعلقات اور سب سے زیادہ پاکستان اور ریاست جموں وکشمیر کی سرحدات کا ایک سرے سے دوسرے سرے تک مشترک ہونا۔ یہ تمام امور ایسے ہیں جن کے پیش نظر ریاست کشمیر کی شمولیت صرف پاکستان کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا یہ کنونشن سرعت کے ساتھ بدلتے ہوئے حالات اور ملکی مصلحتوں کے پیش نظر مہاراجہ بہادر سے مؤدبانہ مگر پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ جلد از جلد ریاست جموں وکشمیر کی اندرونی آزادی کا اعلان کر دیں اور خود ایک آئینی بادشاہ کی حیثیت اختیار کرتے ہوئے ایک آئین ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لائیں اور اس کے ساتھ ہی معاملات دفاع، رسل ورسائل اور امور خارجہ مستقرہ پاکستان کے ساتھ ملحق کریں۔ یہ کنونشن حکومت کشمیر پر یہ بات صاف اور پُرزور الفاظ میں واضح کر دینا چاہتا ہے کہ اگر حکومت نے کسی اندرونی یا بیرونی دباؤ کے ماتحت مسلم کانفرنس کے اس مصالحانہ مشورے کو رد کر دیا تو ریاست جموں وکشمیر کے مسلمان ایسے اقدام کی مخالفت اور مزاحمت کریں گے۔"

ردِ عمل

ریزولیوشن پاس ہونے کے بعد اس کی حمایت میں مسلم کانفرنس کے دونوں گروہوں نے کئی مشترکہ جلسے کئے جن میں مہاراجہ کو اس قرارداد پر فوری عمل درآمد کرنے پر دھمکی آمیز لب ولہجہ اختیار کیا گیا۔ یہ تجویز ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کی قرارداد کے نام سے مشہور ہے اور ہر سال آزاد کشمیر میں ہفتہ الحاق کے موقعہ پر اس کی خوب پبلسٹی کی جاتی ہے۔ اس قرارداد کے پاس ہونے کے بعد مسلم کانفرنس کے آٹھ سرکردہ کارکنوں نے خفیہ طور پر اس امر کا حلف لیا۔ اگر مہاراجہ نے قرارداد کے مطابق عمل نہ کیا تو وہ اپنے اپنے اضلاع میں علم بغاوت بلند کریں گے جس کی ابتداء راجہ عبدالحمید خان نے مظفرآباد سے کی۔ ضلع پونچھ کے تمام تحصیلوں میں اس قرارداد کے بعد عدم تعاون اور ٹیکس روکنے کی کاروائی پر عمل درآمد شروع ہوا۔ گو کہ یہ باتیں پروگرام میں شامل نہ تھیں مگر مہاراجہ پر دباؤ ڈالنے کے لئے اس حرکت کو ایک موثر ہتھیار تسلیم کیا گیا۔ ان لوگوں کی سیاسی رہنمائی غازی محمد بخش، سردار محمد عبدالقیوم خان اور فوجی لحاظ سے لیفٹننٹ محمد اشرف خان، محمد لطیف اور نائیک اللہ دتہ نے کی۔

سلہ اس سے غرض نہیں کہ کشمیر کی ایک سیاسی پارٹی نے یہ تجویز پیش کر کے کس حد تک ملی اخوت آئین کا مسودہ پاس کیا جس سے منحرف ہونا قانوناً جرم ہے البتہ یہ اس وقت اخلاقی جرم بنتا ہے جب پیر محمد افضل مخدومی جیسا فہمیدہ شخص اس قرارداد کے وجود کا سرے ہی سے انکار کرے۔ مجبوریاں اور خوشامد درست سہی مگر اس کی سرحدیں بھی مقرر ہیں۔ واقعات کو جھٹلانے سے نہ کوئی شخص اولوالعزم کہلایا جا سکتا ہے نہ زمانہ شناس اور نہ مورخ۔ مخدومی صاحب کا ایک مضمون الحاق پاکستان کی قرارداد کی حقیقت کے زیر عنوان ۲۴ جولائی ۱۹۷۱ء کے روزنامہ آفتاب سری نگر میں شایع ہوا ہے جس میں فاضل مضمون نگار بڑی ڈھٹائی کے ساتھ دعویٰ کرتا ہے (باقی اگلے صفحے پر)

قرارداد کا پاکستانی ایڈیشن

۱۵ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو مجلس عاملہ جموں و کشمیر مسلم کانفرنس آزاد کشمیر نے سردار محمد ابراہیم خان کی صدارت میں جو "انتخابی منشور" منظور کیا، اس کی تمہید میں متذکرہ صدر قرارداد کسی اضافوں اور ترمیم محل کے مطابق تیار کر کے پیش کی گئی ہے قرارداد کے اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۳ سے) بزعم خود ایک ایسے ریزولیوشن کی تائید کی جا رہی ہے جو ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء میں مسلم کانفرنس کے اجلاس میں پاس کیا گیا ہے۔ حالانکہ ایسا کوئی ریزولیوشن نہ پیش ہوا نہ پاس ہوا تھا۔ افسوس تو یہ ہے ریاست کے دونوں جانب بعض اوقات لوگوں کو اُلّو بنانے کے لئے ایسی باتیں بنائی جاری ہیں جن کا کوئی تاریخی وجود تک نہیں اور اس پر کوئی اعتراض کرنے والا بھی سامنے نہیں آتا۔

مخدومی صاحب نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ بعض اوقات لوگوں کو اُلّو بنانے کے لئے ایسی باتیں بنائی جاری ہیں جن کا کہیں کوئی تاریخی وجود تک نہیں اور اس پر کوئی اعتراض کرنے والا بھی سامنے نہیں آتا۔ [illegible] صاحب کی بزرگی کا ہمیں احترام ہے البتہ اُن کے معلومات میں [illegible] اضافہ کرنے کی غرض سے [illegible] وہ خود تاریخ [illegible] بھی فرما رہے ہیں [illegible] ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کی جانب [illegible] [illegible] اس کے بعد یہ فیصلہ [illegible] محمد افضل [illegible] لوگوں کو اُلّو بنانے کے [illegible] سرگرم عمل ہے [illegible] جن کا کہیں کوئی تاریخی وجود تک نہیں [illegible] اعتراض کرنے کا سوال ہے تو صرف تاریخی واقعہ [illegible] جسارت [illegible] [illegible] [illegible] کانفرنس [illegible] اور اب جموں و کشمیر کانگریس کا [illegible] مخدومی صاحب اس اخبار [illegible] حیثیت [illegible]

خاکے کو اگر پاکستانی ایڈیشن کا نام دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ جس کو قارئین کے معلومات میں اضافے کی غرض سے من و عن درج ذیل کیا جاتا ہے۔

(۱) "آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی یہ کنونشن اس قرارداد کے ذریعہ قیام پاکستان پر اپنے اطمینان قلبی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے قائد اعظم کو اپنی مبارک باد پیش کرتی ہے۔

(ب) برصغیر کی ریاستوں کے عوام کو اُمید ہے کہ وہ برطانوی ہندوستان کے دوسرے باشندوں کے دوش بدوش قومی آزادی کے مقاصد کو حاصل کریں گے اور تقسیم ہندوستان کے ساتھ جہاں برطانوی ہندوستان کے تمام باشندے آزادی سے ہمکنار ہوئے وہاں ۳ جون ۱۹۴۷ء کے اس اعلان نے برصغیر کی غیر خودمختار ریاستوں کے حکمرانوں کے ہاتھ مضبوط کئے ہیں اور جب تک یہ مطلق العنان حکمران وقت کے جدید تقاضوں کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں گے۔ ہندوستانی ریاستوں کے عوام کا مستقبل بالکل تاریک رہے گا۔ ان حالات میں ریاست جموں و کشمیر کے عوام کے سامنے صرف تین راستے ہیں۔ (۱) ریاست کا پاکستان سے الحاق۔ (۲) ریاست کا بھارت سے الحاق، (۳) کشمیر میں ایک آزاد اور خود مختار حکومت کا قیام۔ مسلم کانفرنس کا یہ کنونشن بڑے غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ جغرافیائی، اقتصادی، لسانی و ثقافتی اور مذہبی اعتبار سے ریاست کا پاکستان کے ساتھ الحاق نہایت ضروری ہے کیونکہ ریاست کی آبادی کا ۸۰ فیصدی مسلمانوں پر مشتمل ہے اور پاکستان کے تمام بڑے دریا جن کی گذرگاہ پنجاب ہے کے منبع وادی کشمیر میں ہیں اور ریاست کے عوام بھی پاکستان کے عوام کے ساتھ مذہبی، ثقافتی اور اقتصادی رشتوں میں مضبوطی سے بندھے ہوئے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ساری ریاست کا الحاق پاکستان سے کیا جائے۔ یہ کنونشن مہاراجہ کشمیر سے پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ کشمیر کے عوام کو داخلی طور پر مکمل خود مختاری دی جائے۔ اور مہاراجہ ریاست کا آئینی سربراہ کی حیثیت اختیار کرتے ہوئے ریاست میں ایک نمائندہ قانون ساز

اسمبلی کی تشکیل کریں اور دفاع، مواصلات اور امورِ خارجہ کے محکمے پاکستان دستور ساز اسمبلی کے سپرد کئے جائیں۔ کنونشن قرار دیتی ہے کہ اگر حکومت کشمیر نے ہمارے مطالبات تسلیم نہ کئے اور مسلم کانفرنس کے اس مشورہ پر کسی داخلی یا خارجی دباؤ کے تحت عمل نہ کیا گیا اور ریاست کا الحاق ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے ساتھ کر دیا گیا تو کشمیری عوام اس فیصلہ کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوں گے اور اپنی تحریکِ آزادی پورے جوش و خروش کے ساتھ جاری رکھیں گے۔"

عریاں آرزو

مسلم کانفرنس کے صدر نے مہاراجہ کو کیا مشورہ دیا، یا مسلم کانفرنس کے کنونشن میں کیا قرارداد پاس ہوئی وہ سیاسی سطح پر کتنی اہمیت کی حامل ہی کیوں نہ ہو مگر آخری فیصلہ بہر صورت مہاراجہ کشمیر کو ہی لینا ہے، جو بظاہر ایک گومگوں پالیسی پر گامزن تھا۔ اس صورت حال کو سمجھنے کے لئے لازم ہے کہ برطانوی اقتدارِ اعلیٰ کے خاتمے سے قبل کے حالات زیرِ نظر رکھے جائیں جن کا سرسری تجزیہ واقعات کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوگا۔

۱۷ جون ۱۹۴۷ء کو مسٹر محمد علی جناح نے اعلان کیا کہ اقتدارِ اعلیٰ کے خاتمہ پر ہندوستانی ریاستیں آزاد ہیں کہ وہ ہندوستانی آئین ساز اسمبلی یا پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شامل ہوں یا اپنی آزادی اور خود مختاری کا اعلان کریں۔ اور پھر ۱۱ جولائی ۱۹۴۷ء کو خاص طور پر ریاست جموں و کشمیر کا تذکرہ کرتے اپنے بیان میں وضاحتاً کہا کہ ریاست جموں و کشمیر کو یہ حق حاصل ہے کہ آزاد، خود مختار رہے اور اگر یہ ریاست ایسا کرے گی تو حکومت پاکستان اس کے ساتھ باہمی مفادات کے بارے میں مناسب معاہدہ کرنے کو تیار ہوگی۔ غالباً یہ کہہ کر قائد اعظم، حیدر آباد اور

۱۱ جولائی ۱۹۴۷ء کو ہی برطانوی دارالعلوم میں آزادیٔ ہند کا بل ہاؤس نے ووٹ لئے بغیر ہی پاس کیا اور وزیرِ اعظم مسٹر اٹیلی نے ہندوستان، پاکستان کی دو نوآبادیاتی حکومتوں کے گورنر جنرلوں کے ناموں کا بھی اعلان کیا۔ اس بل کے پاس ہوتے ہی ہندوستانی دیسی ریاستیں تاج کی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ قرار پائیں۔ اور انہیں مکمل آزادی حاصل ہوئی۔ وہ فنی اور قانونی حیثیت سے خود مختار کہلانے لگیں۔ اس عظیم تبدیلی کے ساتھ ہی ہندوستان کے ذیلی براعظم میں جغرافیائی و اقتصادی وحدت کا وہ رشتہ اتحاد منقطع ہوا، جو تاجِ برطانیہ کے مربوط نظم و نسق سے برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں کے درمیان قائم تھا۔ چنانچہ اس ضمن میں دیسی ریاستوں کے لئے پارلیمنٹ نے آزادیٔ ہند کی قانون سازی میں ایک دفعہ بڑھا دی جس کی رو سے بعض ضروری معاہدے اس وقت تک قائم رہیں گے جب تک کہ کوئی فریق اُسے منسوخ نہ کرے۔ اس دفعہ کے تحت دیسی ریاستوں کے حکمرانوں کو یہ موقع ملا کہ وہ ایک وقفہ تک اپنی ریاستوں کے بارے میں فیصلہ کریں کہ وہ ہندوستان اور پاکستان میں کس کے ساتھ شمولیت کریں گے یا خود مختار رہیں گے۔

خود مختاری کے بارے میں دیسی ریاستوں کے راجے، مہاراجے اور نوابوں کو "سفید آقاؤں" نے اپنی سرد مہری کا برملا اظہار کیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ۲۵ جولائی ۱۹۴۷ء کو ایوانِ والیانِ ریاست میں تقریر کرتے ہوئے انہیں اس امر کا واضح اشارہ دیا کہ ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کے وزارتی مشن پلان میں تجویز رکھی گئی ہے کہ دیسی ریاستیں اپنے جغرافیائی محل وقوع کو دیکھ کر کسی بھی حکومت کے ساتھ الحاق کریں۔ دفاع، امورِ خارجہ اور رسل و رسائل کے محکموں کے متعلق اختیارات

اس مملکت کو سونپ دیں۔

چنانچہ ۱۵ اگست کے فوراً بعد دیسی ریاستوں سے رجوعِ مملکت طے کرنے کے لئے ہر دو مملکت میں سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ وجود میں آئے۔ ہندوستان میں یہ محکمہ سردار ولبھ بھائی پٹیل کی سربراہی میں کام کرنے لگا اور اس کے سیکرٹری وائسرائے کے کمشنر اصلاحات مسٹر وی پی مینن مقرر ہوئے۔ پاکستان میں یہ محکمہ سردار عبدالرب نشتر کی تحویل میں دیا گیا اور مسٹر محمد اکرام اللہ اس کے سیکرٹری تجویز ہوئے۔ اس جلد بازی کا مقصد صرف یہ تھا کہ دیسی ریاستیں انتقالِ اختیارات کی تاریخ یعنی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی رات بارہ بجے سے پہلے پہل دو نو آبادیاتی مملکتوں میں کسی ایک کے ساتھ اپنی شمولیت پر آمادگی ظاہر کریں۔ ناز برداری کی خاطر ہند و پاک سٹیٹس ڈیپارٹمنٹوں کے سربراہوں نے والیانِ ریاست کو داخلی خود مختاری کا وعدہ دے کر انہیں امورِ خارجہ، ڈیفنس اور مواصلات کی پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کی جامع سکیمیں پیش کیں۔

اس ضمن میں مہاراجہ بیکانیر سر سادُول سنگھ نے کئی چھوٹے چھوٹے والیانِ ریاست کا ایک گروپ بنا کر ہندوستان میں اس امید پر شمولیت کا اعلان کیا کہ یہ پہل اُس کے مفادات کے تحفظ کا ضامن ثابت ہو۔ اس طرح ہندوستان میں شمولیت کے معاہدے پر دستخط کرنے والا پہلا والیٔ ریاست مہاراجہ بیکانیر ہی ہے۔

جوں جوں آزادی کی تاریخ قریب آتی گئی، والیانِ ریاست کی پریشانیوں میں اضافہ ہونے لگا۔ خوف و ہراس کی اس دلدل سے بچ نکلنے کے لئے ایوانِ شہزادگان ہند کے چانسلر نواب بھوپال نے وائسرائے سے ملاقات کی اور مسودہ آزادیٔ ہند کی روشنی میں اُس سے دریافت کیا کہ کیا ہندوستان اور پاکستان کی طرح دیسی ریاستوں کو بھی درجۂ نو آبادیات مل سکتا ہے۔ وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن جس کا رویہ والیانِ ریاست کی جانب پہلے ہی غیر ہمدردانہ تھا نے نفی میں جواب دیا۔ نواب صاحب نے ایوانِ شہزادگان کی چانسلری کو خیرباد کہہ کے یہ اعلان کیا کہ میں ہند پر انگریزی تسلط کے خاتمے کے ساتھ ہی اپنی ریاست کو آزاد اور خود مختار[1] سمجھوں گا۔ اور دوسری ریاستوں میں اپنے ہوم منسٹر مسٹر شعیب قریشی کو اس نوعیت کے اعلانات کی ترغیب دینے کیلئے بھیجا۔ چنانچہ شعیب قریشی نے پنڈت رام چندر کاک سے اس سلسلے میں اپنے قدیم مراسم کی بنا پر ہم آہنگی پیدا کرلی۔

نواب بھوپال کی اس جرأتِ گفتار کے پس پردہ وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کے سیاسی مشیر سر کارفیلڈ کی زبردست حمایت اور دماغ کام کر رہا تھا۔ مسٹر کارفیلڈ کی خواہش تھی کہ حیدرآباد دکن، ٹراونکور، جموں و کشمیر، میسور، بھوپال، جودھپور اور جوناگڑھ

لہ۔ نواب صاحب بھوپال زیادہ دیر تک خود مختاری کے جرم میں گرفتار رہے۔ چنانچہ مسلسل دباؤ کے بعد انہوں نے اس عہد اور خیال کو ترک کیا اور ہندوستان کے نائب وزیراعظم سردار ولبھ بھائی پٹیل کے کہنے پر حکومت ہند اور نواب بھوپال کے مابین ایک سمجھوتہ طے ہوا۔ جس کے تحت بھوپال کا ہند سے الحاق یکم جون ۱۹۴۹ء کو عمل میں لایا گیا۔ اس سمجھوتے کے تحت شروع میں ریاست بھوپال کا نظم و نسق براہِ راست مرکزی حکومت کے ہاتھوں میں رہا اور یہ وعدہ کیا گیا کہ جلد ہی اس کا کوئی مستقل بندوبست کیا جائیگا۔ اس معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد سردار پٹیل نے ریاست بھوپال کے عوام کے صبر و تحمل اور نواب صاحب کی سوجھ بوجھ کی بے حد تعریف کی اور کہا نواب صاحب عوام کی بھلائی اور بہبودی کے بڑے خواہاں ہیں۔ پٹیل نے اپنے طویل بیان میں بھوپال میں اقلیتوں کو یقین دلایا کہ حکومت ہند اُن کی امداد اور حفاظت کے لئے ہر ممکن اقدام عمل میں لائے گی۔ اس طرح ہندوستان سے الحاق کرنے والی تمام دوسری دیسی ریاستوں کے بعد بھوپال ہی واحد ریاست رہ گئی تھی جس نے ہند یونین میں تاخیر سے شمولیت اختیار کی۔ بھوپال کی ریاست کا رقبہ ۷ ہزار مربع میل تھا۔ اسکی آبادی آٹھ لاکھ نفوس پر مشتمل تھی اور سالانہ آمدنی ایک کروڑ روپے کے لگ بھگ تھی۔

کے والیانِ ریاست کو آزاد اور خود مختار ریاستیں قائم کرنے میں مدد دی جائے۔ چنانچہ اس نے یہ دلیل دینی شروع کی کہ والیانِ ریاستوں کے جو معاہدے برطانیہ سے ہوئے ہیں۔ ہند میں برطانوی حکومت کے اختتام پر یہ معاہدے خود بخود ختم ہوتے ہیں۔ ریاستوں سے اقتدارِ اعلیٰ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور ریاستیں خود مختار ہو جائیں گی کیونکہ برطانیہ نے معاہدے کے تحت ہی اُن کو اپنا تابع بنا لیا تھا۔ کارفلیڈ نے والیانِ ریاست تک یہ پیغام بھی پہنچایا کہ ہندوستان کی آزادی کے ساتھ ہی ریاستوں کو اس بات کا پورا حق حاصل ہو گا کہ وہ اپنے علاقہ سے ہندوستانی افواج کو نکال دیں۔ ہندوستانی ڈاک خانوں کا خاتمہ کر دیں اور غیر ریاستی باشندوں کی آمد و رفت پر پابندی عائد کریں۔ دیسی ریاستیں ہند و پاک میں شمولیت کئے بغیر اگر چاہیں تو اپنی آزادی اور خود مختاری کا اعلان بھی کر سکتے ہیں۔

مہاراجہ ٹراونکور نے کارفلیڈ کے اشارے پر ہی نواب بھوپال کے نقشِ قدم پر چلنے کی ٹھان لی اور اعلان کیا کہ وہ ۱۵۔ اگست ۱۹۴۷ء کو اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے پاکستان میں اپنا تجارتی مشن قائم کرے گا۔ نظام حیدر آباد نے بھی اسی طرح کا اعلان کیا ساتھ ہی اس کے قانونی مشیر سر والٹر مونکٹن نے حکومتِ ہند سے تحریری طور پر استدعا کی کہ وہ ۱۵۔ اگست ۱۹۴۷ء سے قبل حیدر آباد کی فوجی چھاؤنیوں سے اپنی آٹھ ہزار فوجیں واپس بلا لیں۔

والیانِ ریاست کی اس روش نے چونکہ صورتِ حال میں بہت زیادہ اُلجھن پیدا کر دی۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے کارفلیڈ کی اس مداخلتِ بے جا پر زبردست برہمی کا اظہار کیا اور اس نظریہ کی سخت مخالفت کرتے ہوئے کہا۔ دیسی ریاستوں کو آزادی کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ اُن کا فرض ہے کہ وہ بلا کسی تاخیر کے خود کو ہندوستانی نو آبادی میں ضم کر دیں۔ برٹش گورنمنٹ کی سرداری ختم ہونے کے بعد ریاستوں اور حکومتِ ہند کے باہمی حقوق اور ذمہ داریاں ختم نہیں ہوئی ہیں۔ بلکہ انہیں تجدید کی ضرورت ہے۔ برطانوی سرداری ختم ہونے سے ریاستیں آزاد نہیں ہوتیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو کی سخت برہمی اور اظہارِ تشویش پر وائسرائے نے کارفلیڈ کو چھٹی دی مگر والیانِ ریاست اپنی ضد پر قائم رہے اور حالات نے اُس وقت پلٹا کھایا جب ٹراونکور کی عوامی جماعت پرجا پرلیشد نے مہاراجہ ٹراونکور کی ہند میں شمولیت کی لیت و لعل والی پالیسی کے خلاف متشددانہ مظاہرے شروع کئے۔ اور ریاست کے وزیرِ اعظم سر راما سوامی آئر کو چھرا گھونپا گیا۔ مہاراجہ نے اس واقعہ سے خوف زدہ ہو کر وائسرائے کو ہند میں اپنی شمولیت کے معاہدہ پر دستخط کرنے کا اقرار کیا۔

ٹراونکور میں جو کچھ ہوا وہ ان تمام والیانِ ریاست کے لئے ایک انتباہ سے کم نہ تھا۔ جو اب تک شمولیت کے مسئلے پر لیت و لعل کے جھولے میں جھول رہے تھے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس ناخوشگوار حادثہ کے بعد ہندوستان میں شامل ہونے والی ریاستوں کی تعداد بڑھ گئی اور رفتہ رفتہ غیر منقسم ہندوستان کی تمام ریاستیں کم و بیش ۱۵۔ اگست ۱۹۴۷ء سے قبل اور فوراً بعد ہندوستان یا پاکستان میں ماسوائے حیدر آباد دکن، بھوپال اور جموں کشمیر کے شامل ہوئیں۔ بعد ازاں حیدر آباد کا مسئلہ پولیس ایکشن سے طے پایا لیکن مہاراجہ کشمیر کی گومگوں پالیسی سے پرے ہٹ کر اُلجھنے کے بجائے حالات اور بھی پُراسرار بنتے گئے۔

وزیرِ اعظم کاک کا نظریہ

واقعات و حقائق کی اس روشنی میں مسلم کانفرنس کے صدر چوہدری حمید اللہ نے چاہے کتنے ہی خلوص سے مہاراجہ کشمیر کو خود مختار رہنے کا مشورہ دیا ہو۔ مگر اس برہنہ حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ریاست کو ہندوستان کی گرفت میں آنے

سے بچانا چاہتا تھا۔ بعینہٖ اسی پالیسی کے تحت وزیرِ اعظم رام چندر کاک ریاست کی خود مختاری کی وکالت کر کے ریاست کو پاکستان کی گرفت سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

وزیرِ اعظم رام چندر کاک نے نجی محفلوں میں اپنے دوستوں سے خود مختار کشمیر کے حق میں یہ دلیلیں کھلی دینی شروع کیں۔ کشمیر اپنی قدرتی معدنی وسایل، جنگلات، سیاحت، میوہ / زراعت، دستکاریوں اور دیگر ذرایعوں کی بناء پر اقتصادی طور پر خود کفیل بن سکتا ہے بشرطیکہ اسے آزاد فضا میں اقتصادی منصوبہ بندی کے دایرے میں سانس لینے کا موقعہ دیا جائے۔ فوجی لحاظ سے کشمیر کو سویٹزر لینڈ کی طرح اپنی خارجی پالیسی ترتیب دینی ہوگی۔ جو گذشتہ دو مہلک جنگوں میں اپنے آپ کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوا ہے۔ اگر نیپال جیسا ملک جہاں تاحال میونسپلٹی تک قایم نہیں ہوئی ہے آزاد رہ سکتا ہے تو جموں و کشمیر کی ریاست نیپال جیسے خود مختار ملک سے انتظامیہ کے شعبوں میں آج بھی کہیں آگے ہے خود مختار کیوں نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ بلراج مدھوک اپنی تصنیف کشمیر سنٹر آف نیو الاینمنٹس میں صفحہ ۴۲، ۴۴ اور ۴۵ پر رام چندر کاک سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کرتے لکھتا ہے:۔

”دراصل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کشمیر کے الحاق کے بارے میں غیر جانبدار نہ تھا بلکہ وہ چاہتا تھا کہ مہاراجہ کشمیر پاکستان کے ساتھ الحاق کرے۔ مہاراجہ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اس دباؤ کا مقابلہ کر سکے۔ یہی وجہ اُس کے ارادوں میں سدِ راہ تھی۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا، ایک تیسرے خیال نے سر اُٹھایا وہ تھا ریاست کو آزاد رکھنا، جس کا مجدد رام چندر کاک تھا۔“

بلراج مدھوک نے اس نظریہ کی وضاحت کے لئے رام چندر کاک سے طویل گفت و شنید کی جس کی تفصیلات بتاتے وہ لکھتا ہے ”۔۔۔۔ کاک کا کہنا ہے کہ جموں و کشمیر مسلم اکثریت آبادی والی ریاست ہونے کی وجہ سے پاکستان اس پر منطقی حق جتاتا ہے۔

جس اصول پر ہندوستان کی تقسیم عمل میں آئی اُس لحاظ سے ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے پر پاکستان ناراض ہو جائے گا اور ریاست کے مسلم اکثریت والے حصوں میں فسادات کا باعث بن جائے گا۔“

ریاست کی آزادی اور خود مختاری کی گرہ کھولتے ہوئے پنڈت کاک نے بھی بالفاظِ دیگر مسٹر مدھوک کو وہی تخیل دیا جس کا اندازہ آپ چودھری حمید اللہ خان کی پریس کانفرنس سے کر چکے ہیں۔ مسٹر مدھوک نے پنڈت کاک سے پوچھا کہ ایک طرف پاکستان کی دشمنی اور دوسری جانب سے بے غرض ہندوستان کی موجودگی میں کشمیر کیسے آزاد رہ سکتا ہے۔ آر سی کاک نے کہا کچھ برسوں کے بعد جب ہندوستان مضبوط ملک بن جائے گا اور اس کے لیڈر جب تک اپنی پالیسیوں میں ایک حقیقت پسندانہ رویہ نہ اپنائیں کشمیر کو آزاد ہی رہنا چاہئے۔ بقولِ مدھوک، کاک کا خیال تھا کہ تب ہی ہندوستان کے ساتھ ریاست کا الحاق مناسب رہے گا۔“

حالاں کہ اس سے قبل مہاراجہ پٹیالہ کے کہنے پر مرکزی حکومت نے آر سی کاک کو قیامِ دہلی کے دوران تبادلۂ خیال کی دعوت دی۔ مگر وہ اس میٹنگ میں نہ آیا۔ بعد ازاں مسٹر وی پی مینن نے اُسے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے بنگلہ پر باتوں باتوں میں الحاق کے بارے میں مہاراجہ کے خیالات جاننے کی کوشش کی۔ کاک نے اس سوال کو ایک خوبصورت موڑ دے کر ٹالا۔ اسی دوران لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی وساطت سے آر سی کاک نے مسٹر جناح سے طویل ملاقات کی جس کی تفصیلات ہنوز صیغہ راز میں ہیں۔ البتہ سردار محمد ابراہیم خان اپنی تصنیف ”کشمیر ساگا“ میں یوں رقمطراز ہے:۔

”ماہِ اگست ۱۹۴۷ء میں ریاست کا سیاسی ماحول ہر گھڑی، نیا رنگ اختیار کرتا جا رہا تھا۔ وزیرِ اعظم جموں و کشمیر پنڈت رام چندر کاک، کانگریسی لیڈروں اور وائسرائے سے ملاقات کرنے دہلی چلا گیا۔ اُس نے قایدِ اعظم محمد علی جناح سے بھی ملاقات کی۔ واپسی پر کاک نے

مہاراجہ کو مشورہ دیا کہ فی الحال وہ الگ تھلگ رہے اور ہندو پاکستان، دونوں کے ساتھ "جوں کا توں اگریمنٹ" کرے۔ کاک نے مہاراجہ کو یہ بھی مشورہ دیا تھا کہ ڈاک، تار کے محکمہ جات پاکستان کی تحویل میں دے دیئے جائیں اور ساتھ ہی الحاق کے معاملہ میں مسلم رعایا کی خواہشات معلوم کی جائیں۔ اگر مسلمان پاکستان میں شامل ہونا چاہیں تو ریاست کا پاکستان کے ساتھ ہی الحاق کر لیا جائے۔ مہاراجہ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا۔ اور کاک کو مستعفی ہونا پڑا۔ اس کے بعد جنرل جنک سنگھ کو پرائم منسٹر مقرر کیا گیا جو مہاراجہ کا نزدیکی رشتہ دار تھا۔ بعدازاں مہاراجہ نے کانگرسی لیڈروں بشمول مہاتما گاندھی اور صدر آل انڈیا کانگریس کے ساتھ ملاقاتیں شروع کیں۔ ان ہندو لیڈروں کی آمد و رفت سے یہ صاف عیاں تھا کہ ریاست کے عوام کی خواہشات کے خلاف ریاست کا الحاق ہند سے کرنے کی سازش ہو رہی ہے اور اس سے مسلمانوں میں کھلبلی پیدا ہونے لگی۔"

راج گورو

براہین و دلائل کے ان تمام واقعات کے علاوہ ایک اور ہستی بھی ہری سنگھ کو خود مختار نظریہ کے پس منظر میں تھپکیاں دے رہا تھا اور جس کی والہانہ عقیدت نے مہاراجہ کو ذہنی طور ماؤف بنا رکھا تھا وہ ذات گرامی تھی راج گورو سوامی سنت دیو مہاراج کی جس نے ہری سنگھ کی روحانی تشکیل کچھ اس انداز میں دبا رکھی تھی کہ جب تک وہ روزانہ اس کے درشن کے لیے چشمہ شاہی نہ جاتا، وہ چین سے دن کاٹ نہیں سکتا تھا۔ جہاں سوامی جی مہاراج ہری سنگھ کے لیے کشش لگا کر مدت سے لاہور کے شاہی قلعہ

پر" گلاب سنگھ کے پرچم کو مستقبل قریب میں لہرانے کی بشارت سناتا تھا۔ موٹی عقل کی بات ہے کہ ریاست کشمیر کا ہندو پاک میں کسی مملکت سے الحاق کے بعد لاہور قلعے پر جھنڈا لہرانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ البتہ خود مختار ریاست کے سہانے تصور میں رنگین ہو سکتا ہے۔ اسی بناء پر مہاراجہ ہری سنگھ دن دہاڑے خود مختاری کے خواب دیکھنے لگا۔ اسے قسمت کی ستم ظریفی کہیے کہ مہاراجہ ہری سنگھ جو مذہبی عقیدے کے لحاظ سے آریہ سماجی تھا۔ اس نے اپنے دور عروج میں کبھی بھی کسی سادھو سنت کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا۔ برے دنوں میں سوامی سنت دیو کے نرغے میں کچھ اس طرح پھنس گیا اور اس کی ہر ادا کو فرمان الٰہی سمجھ کر بلا چوں و چرا اس کے آگے سر خم کرنے لگا۔ سنت دیو کے کہنے پر ہی مہاراجہ کے حکم سے شاہی محل میں لاہور قلعہ پر گاڑنے والے پرچم کے کئی خوبصورت ڈیزائن تیار کیے گئے۔ زری نقش و نگار سے مرصع کئی تیار شدہ پرچم ناپسند کر کے ضائع بھی کیے گئے اور اس مقصد کے لیے جو پرچم بسیار کوشش کے بعد تیار کیا گیا، اُسے مہاراجہ بہادر اپنے ساتھ اس وقت جموں لے بھاگا جب وہ رات کی تاریکی میں سری نگر سے فرار ہوا۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن سری نگر میں

اس سنہرے اور خوبصورت پرواز خیال نے مہاراجہ ہری سنگھ کو مقناطیسی کشش کی طرح اپنی جانب کھینچنا شروع کیا لیکن ریاست کے اندرونی ناساز حالات اُسے صبر و سکون پر قناعت کرنے کی تلقین کرنے لگے۔ اس مہر سکوت کو توڑنے کے لیے مہاتما گاندھی نے مہاراجہ ہری سنگھ سے رابطہ قائم کیا اور خواہش ظاہر کی کہ پنڈت جواہر لال نہرو کشمیر آنا چاہتے ہیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے انہیں کہلا بھیجا کہ اگر پنڈت نہرو ریاست میں داخل ہوئے تو میں اُسے گرفتار کر لوں گا۔ جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے یہ باتیں سنی

تو وہ خود ۱۹ جون کو مہاراجہ سے ملنے سری نگر آیا۔ اُس کے آنے کا واحد مقصد بقول مہر چند مہاجن[1] اور پیارے لال یہ تھا کہ مہاراجہ کے احساس شعور کو بیدار کیا جائے تاکہ وہ ریاست کے لوگوں کی خواہش کا جائزہ لے کر ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے قبل ہی ہند یا پاک میں کسی ایک ملک کے ساتھ الحاق پر اپنی آمادگی ظاہر کرے اور اس صورت میں اگر مہاراجہ پاکستان کے ساتھ الحاق کا بھی فیصلہ کرے گا تو حکومت ہند اُسے غیر دوستانہ فعل تصور نہیں کرے گی۔

سری نگر میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ مختلف اوقات پر ملاقات کے دوران ہری سنگھ نے وائسرائے کی دلی کیفیت اور مافی الضمیر کا جائزہ لیا جب وائسرائے نے ریاست کے مستقبل پر کھل کر بات کرنے کا خیال ظاہر کیا تو مہاراجہ نے مجوزہ اجلاس کے لئے ۲۲ جون کی تاریخ مقرر کی۔ مگر عین میٹنگ کے دن وائسرائے کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ خرابی صحت کے باعث میٹنگ میں شریک ہونے سے قاصر ہے۔ فرمائشی بیماری کے بہانے کا اندازہ لگانا ماؤنٹ بیٹن کے لئے بعید نہ تھا۔ اُس نے وزیر اعظم کاک کے ذریعہ مہاراجہ کو پیغام بھیجا کہ وہ آزاد رہنے کا خیال ترک کریں۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اس دورے کی تفصیل مہر چند مہاجن نے اپنی سوانح "لوکنگ بیک" صفحہ ۲۶۶ - ۲۶۷ پر یوں قلمبند کی ہے:-

"غیر تقسیم شدہ ہندوستان کا گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن ماہ جون ۱۹۴۷ء میں کشمیر کے دورہ پر آیا اور مہاراجہ کے ساتھ بات چیت کی۔ دورہ [illegible] دن کا تھا۔ پہلے دو ایک دن مہاراجہ اور وائسرائے ٹراؤٹ مچھلی کا شکار کھیلنے کے لئے چلے گئے۔ دوران سفر کار میں سوشل قریب [illegible]

[1] مصنف "لوکنگ بیک"۔ [2] مہاتما گاندھی لاسٹ فیز

پر جو بات چیت ان کے درمیان ہوئی اُس سے مہاراجہ نے دُرست یا غلط طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ماؤنٹ بیٹن کے آنے کا مقصد محض یہ ہے کہ مہاراجہ کشمیر کو پاکستان سے الحاق کرنے کا مشورہ دے۔ چونکہ مہاراجہ، لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اس مشورے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے تیسرے دن کی وہ آفیشل ملاقات جس کے بارے میں تفصیلات پہلے ہی طے ہو چکے تھے کو ٹالنے کے لئے بیماری کا بہانہ کیا۔ بادل ناخواستہ ماؤنٹ بیٹن دہلی واپس چلا گیا اور الحاق کے بارے میں اُسے دباؤ میں نہ لا سکا۔"

اسی واقعہ کو پیارے[1] لال نے یوں قلمبند کیا ہے:-

"کشمیر کے متعلق گاندھی جی ہمیشہ بے قرار رہتے اور یہ خطرہ محسوس کرتے تھے کہ کہیں دونوں ملکوں کے درمیان امن قائم رکھنے میں سدِ راہ نہ بن جائے اور انہوں نے بہتیرے کوششیں کیں کہ ایسا نہ ہو ہندوستان اور پاکستان دونوں سے اس کی حدود ملتی تھیں۔ ماہ جون کے وسط میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مہاراجہ کو سمجھانے کی کافی کوششیں کیں کہ وہ ریاست کے لوگوں کی منشاء معلوم کرنے کے بعد ۱۵ اگست سے پہلے پہل دو میں کسی ایک ملک کے ساتھ الحاق کا اعلان کرے۔ سردار پٹیل نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ذریعہ مہاراجہ کو یقین دہانی کی تھی کہ اگر وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کرے تو بھی ہندوستان کی حکومت اُسے غیر دوستانہ کارنامہ تصور نہیں کرے گی۔ مگر مقررہ تاریخ تک مہاراجہ

[1]: مہاتما گاندھی لاسٹ فیز حصہ دوم صفحہ ۴۹۰ - ۴۹۱۔ مطبوعہ نوجیون پریس احمد آباد۔

کوئی بھی فیصلہ کرنے میں ناکام رہا جس کے لئے مزید وقت درکار تھا۔ ان کے سامنے صرف یہ مسئلہ نہ تھا کہ دونوں میں سے کس ملک کے ساتھ الحاق کیا جائے بلکہ اس سے بہت ہی زیادہ اہم یہ ہے کہ کیا دونوں ممالک اور میری ریاست کے لئے بہتر یہ نہ ہوگا کہ اسے ایک آزاد ریاست رکھا جائے۔ کسی فیصلہ پر نہ پہنچنے کی مہاراجہ کو بڑی قیمت ادا کرنی پڑی۔

مہاراجہ کی پریشانی

دراصل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا کشمیر دورہ، دورے آنا اور گاندھی جی کی بے قراری کی وجہ ریاست کا ہندوستان سے الحاق کرانا مقصود تھا۔ اس سے قبل شیخ بھی کوششیں کانگریس نے کی تھیں وہ تقریباً ناکام ہو چکی تھیں۔ مہاراجہ ریاست کی اندرونی شورشوں اور بیرونی ریشہ دوانیوں سے بخوبی واقف تھا۔ ہری سنگھ اعلان آزادی کی صورت میں اس اندیشہ سے غافل نہ تھا کہ برطانوی اقتدار اعلیٰ کی سرپرستی کے ہٹتے ہی کشمیریوں نے "کشمیر چھوڑ دو" کے نعرے سے لگا رکھا ہے اور یہ تحریک فی زمانہ کم و بیش زندہ ہے۔ خود مختاری کی صورت میں بحیثیت ایک ہندو حکمران کے ہندوستانی یونین سے منہ موڑنا، ہندوستان کی اکثریت کی تمام تر اخلاقی حمایت، ہمدردی و تحفظ کا دینے کے دوش بدوش ریاست میں ان کی پروردہ سیاسی جماعت نیشنل کانفرنس کو دعوت جنگ دینے کے مترادف ہے۔ دوسری جانب پاکستان کی حکومت جس کا دعویٰ ہے کہ ریاست جموں و کشمیر مسلم اکثریت، جغرافیائی محل وقوع اور تمام مواصلاتی رابطے کی وجہ سے پاکستان کا دائمی جزو ہے۔ ان حالات کے ساتھ وہ کہاں تک مقابلہ کر سکتا ہے۔ انہیں

اور وسوسوں کے تذبذب نے مہاراجہ کو یہ بھی سمجھایا کہ اگر اندرونی اور بیرونی خطرات نے مل کر سازش کی تو تخت و تاج کیا زندگی سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ شیخ محمد عبداللہ کو اعتماد میں لئے بغیر ایسا کرنا تباہی کو دعوت دینے کے ہم پلہ ہے مگر شیخ محمد عبداللہ کی شوریدہ سری اور پنڈت نہرو سے اُن کے دوستانہ مراسم شیخ کی نیت پر شک و شبہات پیدا کرنے کے لئے مہاراجہ کی نظروں میں کافی سے زیادہ تھا۔ مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کی قرارداد نے حالات کو جہاں سنگین تر بنایا وہاں منظم اور بڑھ چڑھ کر بولنے والی ہندو اقلیت سرگرمی سے خود مختار کشمیر کے نظریہ کی مخالفت کرنے لگی۔ مہاراجہ کے سامنے یہ تجویز بھی زیر غور تھی کہ ریاست کی تمام سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں کی ایک گول میز کانفرنس منعقد کر کے کوئی متفقہ فیصلہ لیا جائے۔ مگر تذبذب اور ذہنی خلفشار نے اُسے ایسا کرنے کا موقعہ نہ دیا۔ یہ ایام مہاراجہ ہری سنگھ کے لئے انتہائی پریشان کن تھے۔

خانگی طور پر مہاراجہ اور مہارانی کے آپس تعلقات بڑے کشیدہ تھے۔ گذشتہ چھ ماہ سے ان دونوں میاں بیوی کے درمیان آپس بول چال بھی بند تھی اور اتفاقاً اگر کبھی کھانے کی میز پر اکٹھے بیٹھنے کا موقعہ میسر ہوتا تو ایک دوسرے سے آنکھیں چراتے تھے۔ اس کی بڑی اور اہم وجہ یہ تھی کہ مہارانی اپنے بھائی سنجیت چند جو مہاراجہ کا پرائیویٹ سیکرٹری بھی تھا کے اشارے پر ہری سنگھ سے مطالبہ کرنے لگی تھی کہ وہ یوراج کرن سنگھ کے حق میں تخت سے دستبردار ہو جائے تاکہ راج پاٹ کے معاملے میں مہاراجہ کے سالے صاحب کو بلا شرکت غیرے مکمل دسترس حاصل ہو سکے۔ اس طرح ریاست کے سیاہ و سفید کا مالک مہارانی اور اس کا بھائی بنے۔ مہاراجہ کے انکار پر مہارانی تارا دیوی نے اُسے ذہنی طور پریشان رکھنے کے لئے ہر وہ حربہ استعمال کرنا شروع کیا جس سے مہاراجہ کے مشکلات میں یقیناً اضافہ ہوا۔ مہارانی

تارا دیوی نے خفیہ طور پر سردار ولبھ بھائی پٹیل سے مل کر ہندوستان کے بدلتے ہوئے سیاسی حالات کے پیش نظر ریاستی سیاست میں براہ راست مداخلت شروع کی چنانچہ مہارانی نے ہی دیرینہ تعلقات کی بناء پر سردار پٹیل سے مہر چند مہاجن چیف جسٹس پنجاب ہائی کورٹ کے ذریعہ سب سے پہلے ریاست کا ہند کے ساتھ الحاق پر اپنی آمادگی ظاہر کی اور یہ خفیہ عہد و پیمان مئی ۱۹۴۷ء میں لاہور کے فلیٹز ہوٹل (FLATTIS HOTEL) میں پایۂ تکمیل کو پہنچا جس کی بناء پر بعد ازاں سردار پٹیل نے مہر چند مہاجن کو آٹھ ماہ کی رخصت دے کر ملک کے وسیع تر مفادات کی خاطر ریاست جموں و کشمیر میں وزیر اعظم کی ملازمت اختیار کرنے کی اجازت دی۔ غرض یہی ایجنسیں مہاراجہ کو خود مختاری کا اعلان کرنے میں مانع رہیں۔

گاندھی جی کشمیر میں

مہاراجہ ہری سنگھ کی اسی گتھی کو سلجھانے کے لئے ۳۰ جولائی ۱۹۴۷ء کی شام کو بھنگی بستی (دہلی) پرارتھنا سبھا میں گاندھی جی نے کشمیر جانے کا ارادہ ظاہر کرکے یہ دلیل دی کہ ۱۹۱۵ء سے لے کر آج تک میں نے کشمیر جانے کا کئی بار ارادہ کیا۔ اس زمانے میں جب کہ میں جنوبی افریقہ سے ہندوستان آ گیا تھا۔ کمبھ میلے پر ہردوار میں کشمیر کے سابق مہاراجہ۱؎ نے مجھے کشمیر آنے کی دعوت دی تھی اور ستمبر ۱۹۳۸ء میں ریاست کے وزیر اعظم سر گوپال سوامی آئینگر نے مجھے کشمیر مدعو کیا تھا لیکن سیاسی سرگرمیوں اور مصروفیت کی وجہ سے میں وہاں جا نہ سکا کوئی ایک ماہ قبل پنڈت جواہر لال نہرو نے کشمیر جانے کا خیال ظاہر کیا۔ چونکہ اُس کے وہاں جانے سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہونے کا احتمال تھا اس لئے میں نے وعدہ کیا کہ میں خود ہی چلا جاؤں گا۔ میں وہاں کے مہاراجہ کو انڈیا یا پاکستان کی دو نو آبادیاتی حکومتوں میں کسی ایک میں شمولیت

۱؎ مہاراجہ پرتاپ سنگھ

کرنے پر آمادہ کرنے نہیں جا رہا ہوں اور نہ ریاست کے اندرونی معاملات یا نیشنل کانفرنس کے لیڈر شیخ محمد عبداللہ کی رہائی کے لئے بات چیت کرنے جا رہا ہوں۔ جہاں تک ریاستوں کی کسی یونین میں شامل ہونے کا سوال ہے یہ حق ریاستی عوام کو حاصل ہے اور وہی یہ فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں میرا پختہ یقین ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ عوام کا حق ہے۔

میرواعظ کا انتباہ

گاندھی جی کے سری نگر آنے کے اعلان کے ساتھ ہی میرواعظ مولوی یوسف شاہ صدر مجلس عمل مسلم کانفرنس نے اپنے ایک بیان کے ذریعہ مہاراجہ کو انتباہ کرتے ہوئے کہا۔

"اگر مہاراجہ بہادر نے مسٹر گاندھی کے اثر و رسوخ میں آ کر ریاست کشمیر کو ہندو انڈیا میں شامل کر لیا تو ریاست میں خلل امن کا زبردست اندیشہ ہے مجھے امید ہے کہ مہاراجہ بہادر اس نازک ترین موقع پر تدبر سے کام لیں گے اور کوئی ایسا قدم نہیں اٹھائیں گے جس سے مسلمانانِ کشمیر کے ناراض ہو جانے کا اندیشہ ہو۔"

پنڈت پریم ناتھ بزاز جو اُن دنوں شیخ محمد عبداللہ اور اُن کی جماعت نیشنل کانفرنس کی مخالفت میں یدِ طولیٰ کردار ادا کر رہے تھے انہوں نے ہمدرد میں گاندھی جی کے نام ایک کھلا خط شائع کیا۔ جس میں نیشنل کانفرنس کو ایک جرائم پیشہ جماعت بتاتے ہوئے ۱۹۴۲ء میں عید کے دن میرواعظ پارٹی اور نیشنل کانفرنس کے مابین فساد کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "سینکڑوں لوگوں کے سامنے امیرا کدل پر شیخ عبداللہ نے ہاکی سٹک لے کر سربازار روزِ روشن میں بے گناہ

مسلمانوں کو بچایا۔" شیخ محمد عبداللہ نے ... پبلک جلسے میں کہا تھا: "ایسا کرنے کے لئے میں بشرطِ ضرورت تلوار بھی اٹھا سکتا ہوں۔" اگست ۱۹۴۵ء میں پنڈت نہرو کے دریائی جلوس پر مسلم کانفرنس کے سنگ باری کا تذکرہ کرتے شیخ صاحب نے بقول پنڈت بزاز کہا ——— "مختلف پارٹیوں کے لیڈروں اور اخبارات کے ایڈیٹروں کے نام گنوائے اور اپنے پیروؤں کو قتل عام کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا۔" مکتوب کے چند اقتباس درج ذیل ہیں:-

گاندھی کے نام بزاز کا کھلا مکتوب

سری نگر ۳ اگست

میرے پیارے گاندھی جی

میں آپ کے کشمیر آنے پر آپ کو خوش آمدید کرتا ہوں۔ شاید آپ کو یاد ہوگا کہ میں کئی سال پہلے آپ کو کشمیر اس کے لوگوں اور ان کے مسائل کے متعلق لکھتا تھا ——— میری اور آپ کی خط و کتابت ۱۹۴۰ء میں ختم ہو گئی۔ اس وقت سے میں نے تمام ضروری معاملات کے بارے میں آپ کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔ میں آپ کے فلسفۂ زندگی پر یقین نہیں رکھتا ہوں۔ میں آپ کے سیاسی اور اقتصادی پروگرام کا سخت نکتہ چین ہوں لیکن پھر بھی آپ کی نیک نیتی پر اعتقاد رکھتا ہوں یہی وجہ ہے کہ آج میں آپ کو یہ چٹھی لکھ رہا ہوں۔

آپ یہ کہتے ہوئے کبھی تھکتے نہیں ہیں کہ اگر سیاسی پارٹیاں ان کے لیڈر اور کارکن اپنے مخالفین کے خلاف تشدد پر اتر آئیں تو ہندوستان میں حقیقی آزادی قائم ہی نہیں ہو سکتی اس بارے میں آپ سے صدق دل سے متفق ہوں لیکن مجھے اس بات کا سخت افسوس ہو رہا ہے کہ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر آپ یہاں ایک ایسی پارٹی کی حمایت کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں جس نے گزشتہ چھ سالوں کے اندر صرف اپنے مخالفوں سے ہی نہیں بلکہ ان افراد کے خلاف بھی جن کے متعلق ان کو شک ہوتا تھا کہ وہ مخالف کیمپ سے تعلق رکھتے ہیں، شرمناک اور درندانہ سلوک کیا ہے۔ شاید آپ یہ نہیں جانتے ہیں یہ میں جانتا ہوں کیونکہ آپ کو صرف تصویر کا ایک روشن رخ دکھلایا جاتا ہے یہ روشن رخ نیشنل کانفرنس کی شستہ صاف قرار دادیں ہیں۔ آپ کو کبھی بھی نیشنل کانفرنسی لیڈروں کے حقیقی اعمال سے متعارف نہیں کیا گیا ہے۔ اس وقت آپ کے ارد گرد نیشنل کانفرنس کے کارکن اور ان کے حامی ہیں۔ امید کرتا ہوں کہ اگر آپ اس چٹھی کو پڑھ لیں گے تو آپ تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھ لیں گے ——— نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے دو سرکردہ ممبروں مسٹر غلام محی الدین قرہ اور مسٹر غلام محمد صادق نے عدالت کے صحن میں پنڈت امرناتھ ریہ کو پکڑ لیا اور سینکڑوں لوگوں کے سامنے اسے زد و کوب کیا۔ اس وکیل کا قصور صرف یہ ہے کہ نیشنل کانفرنسی لیڈروں نے سمجھا کہ اس کا موکل نیشنل کانفرنس کا سیاسی مخالف ہے آخرکار بار ایسوسی ایشن نے دونوں اصحاب کو اس ناقابلِ مذمت حرکت کی پاداش میں غیر مشروط معافی لینے پر مجبور کیا۔

گاندھی جی میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا یہ اچھا ہے کہ آپ جیسا عدم تشدد کا علمبردار ایسے لیڈروں اور ایک ایسی سیاسی پارٹی کی حمایت کرے۔ مجھے آپ سے یہ پوچھنے کا حق ہے کہ اگر آپ اس پر یقین رکھتے ہیں کہ سیاسی مخالفین کے خلاف تشدد استعمال کرنے سے کسی ملک کو آزادی نہیں مل سکتی ہے تو آپ شیخ محمد عبداللہ اور ان کے رفقاء کار کو کس طرح مدد دیتے ہیں کیونکہ اس طرح سے آخرکار کشمیر غنڈوں کے ہاتھ میں چلا جائے گا اور اس ملک میں اس طرح جمہوری آزادی قائم نہیں ہو سکے گی۔

آپ کا نیک خواہ

"پریم ناتھ بزاز"

۳ اگست ۱۹۴۷ء

اگست کی پہلی تاریخ کو گاندھی جی، ڈاکٹر سوشیلا نائر، مسٹر برج کرشن چاندی والا، شری پیش، مسز اندرا گاندھی اور مس منو بھائی لاہور پہنچے۔ ریلوے سٹیشن پر بخشی غلام محمد، خواجہ غلام محمد صادق، پنڈت دوارکا ناتھ، چودھری محمد شفیع اور مدن موہن عرف مدن لال نے اُن کا خیر مقدم کیا اور کوہالہ پل تک اُن کے ہمراہ آئے۔ کوہالہ پل کے اس پار نیشنل کانفرنس کے چند کارکنوں نے ان کا استقبال کیا جن میں کامریڈ سنت سنگھ، غلام حسن گیلانی، ادمکار ناتھ در،[1] پیر محمد افضل مخدومی، پریتھوی ناتھ، غلام الدین کانی، کامریڈ دریام سنگھ، علی محمد بٹ آف اننت ناگ قابل ذکر ہیں۔ حکومت کی جانب سے بھی چند حکام ان کے استقبال کے لئے وہاں موجود تھے جن میں مُبارک شاہ نقشبندی، وزیر اعظم رام چندر کاک کے پرسنل سیکرٹری نیلکنٹھ چکو، تحصیلدار مظفرآباد اور پولیس کے اعلیٰ افسران قابل ذکر ہیں۔

---

[1] شری ادمکار ناتھ در کا تذکرہ اس سے پہلے بھی کئی بار آیا ہے۔ در صاحب کی عملی سیاسی زندگی کا آغاز کوئٹ کشمیر تحریک سے پہلے ہوا تھا۔ شیخ صاحب کی گرفتاری کے بعد حضرت بل کے سٹیج سے پہلے جمعہ کو اپنی لیڈروں کا جو پہلا جتھا تحریک کے حق میں انفرادی طور سٹیج قائم کرنے آیا وہ تین ہندو نوجوانوں پران ناتھ جلالی، ادمکار ناتھ در اور موتی لال مصری پر مشتمل تھا۔ تقریر کرنے سے قبل گرفتاری سے بچنے کے لئے انہوں نے مسلمان لباس زیب تن کیا تھا۔ تقریر کے اختتام پر ان کے اعزاز میں کشتیوں کا ایک پُرجوش جلوس نکالا گیا۔ ناؤ پورہ اور ستھو بربر شاہ کے درمیان جونہی یہ لوگ کشتیوں سے اترے گرفتار کر لئے گئے۔ سات دن بعد ادمکار ناتھ در کو مقبول شیروانی، محمد عمر بٹ، پیر افضل مخدومی اور دیگر نیشنل کانفرنسی ورکروں کے ساتھ جموں سنٹرل جیل بھیجا گیا۔ نو ماہ بعد ان کو جموں سے سرینگر سنٹرل جیل اس وقت منتقل کیا گیا جب حکومت نے ان کے خلاف سپیشل مجسٹریٹ

بارہمولہ پہنچنے پر غلام رسول کار کی سرکردگی میں ضلع بارہمولہ کے ورکروں نے ان کو خوش آمدید کیا۔ یہاں ضلع سری نگر نیشنل کانفرنس کی طرف سے ورکروں کی کئی لاریاں پہلے ہی پہنچ چکی تھیں جنہیں محمد یوسف مسعودی، محمد یوسف بزرگ، محمد مقبول مجددی اور صوفی غلام احمد کی قیادت حاصل تھی۔ یہاں بھی لوگوں کے ایک جم غفیر نے انہیں خوش آمدید

(بقیہ حاشیہ صفحہ سے آگے)۔ کی عدالت میں بغاوت کے جرم میں مقدمہ دائر کیا۔ عدالت نے ایک چار مہینے قید اور دو سو روپے جرمانے کی سزا دی۔ قبائلی حملے کے دوران نیشنل ملیشیا میں سرگرم رہے۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں جب ریاستی حکومت نے دہلی میں انفارمیشن سنٹر قائم کیا آپ نے وہاں بحیثیت ایڈیٹر کے چارج سنبھالا۔ ۹ اگست ۱۹۵۳ء کو شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کے ساتھ ہی انہیں "شیخ حامی" کہہ کر ملازمت سے برطرف کیا گیا۔ پھر آپ بمبئی کے مشہور انگریزی روزنامہ فری پریس جرنل، روزنامہ پرتاب دہلی اور بمبئی کے ہی انگریزی ہفت روزہ نیو لائف کے نامہ نگار مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۵ء میں مسٹر جانکی ناتھ زتشی اور مسٹر وید بھسین جو اُن زمانہ جموں سے کشمیر ٹائمز شائع کر رہے تھے کے اشتراک سے کشمیر پوسٹ نام کا ایک انگریزی ہفت روزہ جموں سے جاری کیا۔ جانکی ناتھ زتشی چیف ایڈیٹر، ادمکار ناتھ در ایڈیٹر، اور وید بھسین نمائندہ خصوصی مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۴ء کے اختتام پر بخشی صاحب کی حکومت نے انہیں دہلی میں دوبارہ انفارمیشن آفیسر بننے کی پیشکش کی۔ در صاحب نے اس پیشکش پر یہ شرط عائد کی چونکہ ۱۹۵۳ء میں حکومت نے بغیر کسی شنوائی کے ملازمت سے برطرف کیا مجھے باعزت طور پر بحال کیا جائے اور بلاوجہ برطرفی کا حکم واپس لیا جائے۔ دو ماہ بعد حکومت نے ان کے شرائط تسلیم کئے۔ اس طرح شری ادمکار ناتھ در اپنی قابلیت اور دیانت کی وجہ سے مختلف منازل طے کر کے سیکرٹری، ڈپٹی سیکرٹری، کمشنر ٹورازم اور مختلف محکموں میں سیکرٹری ٹو گورنمنٹ کے عہدوں پر فائز رہنے کے علاوہ آنجہانی سیکرٹری اطلاعات کے عہدے پر تعینات رہے۔ مسٹر در کا پس منظر دینے کا باعث یہ ہے کہ موجودہ افسران میں اکثر حکام میدان سیاست سے ہی انتظامیہ میں آئے ہیں جبکہ کوئی اور تھا۔ اس زمرہ اصحاب پر قلم اٹھایا گیا تو راز ہائے سربستہ افشاں ہو جائیں گے۔

کیا۔ یہاں سے ایک پولیس کار گاندھی جی کی کار سے آگے رہی اس کے پیچھے نیشنل کانفرنس کی پائلٹ کار تھی جس پر ہل والا پرچم لہرا رہا تھا۔ یہ وہ پرچم تھا جو پنڈت جواہرلال نہرو نے حلقہ نیشنل کانفرنس خانیار کو بطور تحفہ دیا تھا۔ اس کار کے پیچھے تین اور کاریں تھیں جن میں گاندھی جی بشمول پرائیویٹ سیکرٹری ڈاکٹر سوشیلا نائیر اور ان کی پارٹی کے دوسرے ارکان سوار تھے۔

مخالفانہ مظاہرے

ریاستی حدود میں داخل ہونے کے بعد گاندھی جی کو بارہ مولہ میں مسلم کانفرنس کی جانب سے ترتیب دیئے گئے مخالفانہ مظاہرین اور نعروں کا پہلا شدید سامنا کرنا پڑا۔ مظاہرین کی قیادت، سٹوڈنٹ لیڈر مسٹر محمد یوسف صراف کر رہے تھے جس سے حالات کافی بگڑ گئے مگر نیشنل کانفرنسیوں نے ہوشیاری سے گاندھی جی کی گاڑی آگے بڑھائی۔ شالٹینگ میں بیگم شیخ محمد عبداللہ نے انہیں اھلاً و سہلاً کہا۔ سرینگر پہنچتے پہنچتے مظاہرین نے انہیں پھر گھیر لیا اور گو بیک گاندھی کے فلک شگاف نعرے لگا کر ان کی گاڑی پر حملہ کیا۔ حتیٰ کہ امیرا کدل کے قریب مظاہرین نے گاندھی جی کو پاکستان زندہ باد اور قائداعظم زندہ باد کہنے پر مجبور کیا لیکن اس سب کے باوجود کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما نہ ہوا۔ شہریوں کی جانب سے خواجہ احمداللہ شہداد، ڈاکٹر جسونت سنگھ، پنڈت سری کنٹھ ٹیکو، غلام حسن خان، پنڈت رادھا کرشن کول ایڈووکیٹ، ڈاکٹر موہن سنگھ اور پنڈت جنار دھن ٹینگ نے ان کا استقبال کیا۔ انہیں سیٹھ کشوری لال کے بنگلہ "خورشید منزل" برزلہ میں ٹھہرایا گیا۔ جہاں سب سے پہلے مبارک شاہ نقشبندی اور پنڈت کشمبر ناتھ امیار دار نے ان سے ملاقات کی۔ گاندھی جی نے انہیں اپنے کشمیر آنے کی وجہ ایفائے وعدہ قرار دیا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے

گاندھی جی کے اس دورے کے بارے میں میر عبدالعزیز ایڈیٹر ہفت روزہ 'ملت' سرینگر (حال مقیم راولپنڈی پاکستان) نے ہفت روزہ انصاف راولپنڈی کے ۲۴ ۔ ۳۰ نومبر ۱۹۸۱ء کے شمارہ میں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے کے عنوان سے اپنی یادداشت یوں قلمبند کی ہے:-

"یکم اگست ۱۹۴۷ء کو مسٹر گاندھی سرینگر پہنچے۔ ہندوؤں نے ان کا زبردست استقبال کیا۔ ہمارے علاقہ برزلہ باغات میں ایک ہندو خاتون کا کانونٹ سکول تھا اجھینندا ہوم۔ اس کے کمپاؤنڈ میں گاندھی جی کو ایک پرارتھنا اجلاس کرنا تھا۔ میں بھی اخباری نمائندہ کی حیثیت میں وہاں گیا۔ پرارتھنا میٹنگ شروع ہونے سے قبل کسی ہندو نے گیتا شلوک پڑھے اس کے بعد بیگم اکبر جہاں[1] عبداللہ (شیخ محمد عبداللہ کی بیگم) نے قرآن پاک کی تلاوت کی اور خوب کی۔ میں نے بیگم عبداللہ کو اس جلسے میں پہلی اور آخری دفعہ دیکھا اس کے بعد پرارتھنا شروع ہوئی اور سارا میدان رگھوپتی راگھو راجا رام، پتت پاون سیتا رام کے بھجن سے گونج اٹھا اور یہ دیکھ کر میری حیرانگی کی انتہا نہ رہی کہ بیگم عبداللہ اور چند دوسرے نیشنل کانفرنسی مسلمان بھی مہاتما جی کی طرح تالیاں بجاتے اور رگھوپتی راگھو راجا رام گاتے رہے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے اس جلسے میں مسلمان دس فیصد بھی نہیں ہوں گے جن

---

[1] بیگم صاحبہ کا نام اصل میں بیگم اختر جہاں ہے ان کے اسم گرامی میں یہ غلطی پارلیمانی انتخاب کے ووٹر لسٹ ۱۹۷۷ء سے پیدا ہوئی۔ (رشید تاثیر)

میں زیادہ تر سیری طرح تجسس کے مارے تھے۔ گاندھی جی نے آنے سے پہلے ہی اعلان کیا تھا کہ میں کشمیر میں نہ تو تقریر کروں گا اور نہ کوئی بیان دوں گا۔ یہاں بھی گاندھی جی رنگ ختم کر کے چل پڑے اور اُن کے پیچھے سینکڑوں کاروں کا جلوس جن میں ہندو عورتیں اور مرد جا رہے تھے

لیکن صاف ظاہر تھا۔

بے خودی بے سبب نہیں غالب — کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے"

گاندھی جی نے اپنے قیام کے دوران وزیر اعظم کاک سے کئی ملاقاتیں کیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ اور مہارانی تارا دیوی سے ملے۔ راج محل میں جب مہارانی نے انہیں سیب پیش کئے تو انہوں نے کھانے سے یہ کہہ کر انکار کیا کہ آپ کی رعایا آپ سے ناخوش ہیں۔ گاندھی جی کے مہاراجہ سے یہ پوچھنے پر تمہارے رگھوبر فوجوں کی تعداد کتنی ہے؟ مہاراجہ نے جواب دیا دس ہزار۔ ان میں کشمیری کتنے ہیں؟ کوئی نہیں۔ اس پر گاندھی جی نے کہا تو پھر شیخ عبداللہ ٹھیک ہی کہتا ہے کہ تم کشمیر کے لوگوں پر باہر کی فوج کے بل بوتے پر حکومت کرتے ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم اپنی رعایا سے ڈر رہے ہو۔[1]

تجاہل عارفانہ

گاندھی جی کے سری نگر پہنچتے ہی مسلم کانفرنس کے تین ممتاز لیڈروں میر احمد علی شاہ صدر پارلیمنٹری بورڈ مسلم کانفرنس، خواجہ غلام محمد جیولو ڈپٹی لیڈر کشمیر اسمبلی مسلم کانفرنس اور سردار محمد ابراہیم خان چیف وہپ مسلم کانفرنس اسمبلی پارٹی نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا جس میں انہوں نے اپنے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے گاندھی جی سے اپیل کی کہ وہ ریاستی سیاست میں مداخلت نہ کریں۔ اپیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم کانفرنسی لیڈر جان بوجھ کر تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔ بہرکیف اپیل کا متن مندرجہ ذیل ہے:۔

"ہمیں ڈر ہے کہ کہیں مہاراجہ بہادر پر انڈین ڈومینین کے ساتھ شامل ہونے کے لئے دباؤ نہ ڈالا جائے۔ اس لئے ہم مسلمانان کشمیر کی طرف سے یہ صاف ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہم پاکستان ڈومینین کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ مسٹر گاندھی اپنے وعدے کی بناء پر اس بدنصیب ریاست کی سیاست میں دخل نہ دیں۔ اگر انہوں نے ریاست کی سیاست میں دخل دیا تو حالات بگڑ جائیں گے۔"

گاندھی جی کی مصروفیات

گاندھی جی نے یہاں نیشنل کانفرنس کے انڈر گراؤنڈ لیڈر غلام محی الدین قرہ سے بھی طویل ملاقات کی۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اس سے قبل حکومت اُس کی گرفتاری کی بڑی خواہش مند رہی اور اُسے پکڑنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا تھا۔ اس ملاقات کے بعد عام لوگوں میں یہ تاثر پیدا ہونے لگا کہ گاندھی جی کی وساطت سے حکومت اور نیشنل کانفرنس کے درمیان اندر ہی اندر کچھ کھچڑی پک رہی ہے۔ گاندھی جی نے مختلف افراد اور اشخاص سے بھی فرداً فرداً تبادلہ خیال کیا۔ جن میں کشمیری پنڈت، ہندو پنجابی تاجر، راج گورو سوامی سنت دیو، ہری پورہ ہزارہ کے پٹھانوں کا وفد بھی اس سلسلے میں قابل ذکر ہے۔ کشمیری پنڈتوں کے وفد نے اُن کے سامنے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ اگر پاکستان معرض وجود

---

[1] شری دوارکا کرشن کاک جرنلسٹ نے صحافی دوستوں کی ایک محفل میں اس واقعہ پر تبصرہ کرتے مجھے بتایا کہ گاندھی ہری سنگھ ملاقات کے موقع پر میں واحد شخص بحیثیت اخبار نویس شریک محفل تھا۔ گاندھی جی نے مہاراجہ ہری سنگھ سے کہا کہ شیخ عبداللہ اور تمام دوسرے سیاسی نظربندوں کو فوراً رہا کرو۔ لیکن جہاں تک میری تحقیق کا تعلق ہے ان مذاکرات میں نہ کوئی صحافی [illegible] تھا اور نہ ملاقات کی جگہ کے آس پاس کسی کو جانے کی اجازت تھی۔ حتیٰ کہ اس ملاقات میں وزیر اعظم رام چندر کاک بھی شامل نہ تھے۔
(رشید تاثیر)

ہیں تو کشمیری پنڈت اور دوسرے غیر مسلم کشمیر میں کیسے رہ سکتے ہیں کیونکہ آبادی اور جغرافیائی محل وقوع کی بناء پر کشمیر کا پاکستان کے ساتھ الحاق لازم و ملزوم ہے۔ گاندھی جی نے وفد کے مختلف الخیال اصحاب کی باتیں غور سے سنیں اور انہیں بتایا کہ "پاکستان بن گیا ہے وہ تو غیر نہیں اپنے ہی بھائی ہیں کشمیر میں دلچسپ بات یہ ہے کہ یہاں شیخ صاحب اور ان کے ساتھی ہیں آپ مل کر رہیں اور آپ سب کو بڑے بھائیوں کی مرضی سے رہنا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ بڑا بھائی چھوٹے بھائی کو تکلیف میں رکھے۔"

گاندھی جی نے نیشنل کانفرنس ہندو ورکروں کے ایک وفد کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا کہ وہ مہاراجہ کو ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے کا مشورہ دیں۔ گاندھی جی نے برصغیر میں ہندو مسلم فسادات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ آج جبکہ ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کو تہ تیغ کر رہے ہیں۔ میں مہاراجہ یا ریاست کی اکثریت کو کیسے یہ مشورہ دوں کہ وہ ہندوستان کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کریں۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں پنڈت جواہر لال جیسے قوم پرست رہنما موجود ہیں لیکن سردار پٹیل اور دوسرے فرقہ پرست لیڈروں کی سرگرمیاں انتہائی عروج پر ہونے کی وجہ سے میرے لئے ایسا مشورہ دینا ناممکن ہے۔

گاندھی جی نیشنل کانفرنس کے ورکروں سے ملنے مجاہد منزل بھی گئے۔ جہاں انہیں کشمیریوں کے لئے حق خود ارادیت کی حمایت میں تقریر کرنے کی فرمائش کی گئی۔ مگر وہ اس موضوع پر تقریر کرنے کے لئے رضامند نہ ہوئے۔ انہوں نے یہ بہانہ تراشا کہ میں نے ریاست میں وارد ہونے سے پہلے ہی اعلان کیا ہے کہ میں ریاستی سیاسیات میں مداخلت نہیں کروں گا۔ چنانچہ ان کے انکار پر ایسا شور و غل ہوا اور نعرے بلند ہوئے کہ ... پندرہ منٹ تک بول نہ سکے ... گاندھی جی بغیر کچھ کہے ناراض ہو کر واپس چلے گئے۔ آپ نے اپنے قیام کے دوران شیخ صاحب کے ...

له گاندھی جی ... نیشنل کانفرنس ... زبردست ...

(صورہ) بھی گئے۔ جہاں بیگم شیخ محمد عبداللہ نے آپ کا خیر مقدم کیا۔

ولی خان کی گاندھی جی سے ملاقات

ان ہی دنوں گاندھی جی سے صوبۂ سرحد میں استصواب رائے کے بارے میں خصوصی مشورہ حاصل کرنے کے لئے عبدالولی خان سری نگر آئے اور سیٹھ کستوری لال کے بنگلہ پر اُن سے ملے۔ خان عبدالولی خان نے مہاراجہ ہری سنگھ سے بھی خفیہ طور پر ملاقات کی۔ اور یہ خواہش ظاہر کی کہ اگر وہ فوری طور ہند سے الحاق کریں گے تو صوبۂ سرحد میں ہمیں لہ فائدہ ہوگا۔ اس سے صوبۂ سرحد کی سرحدیں ہندوستان سے جا ملیں گی۔ اس طرح ہم صوبۂ سرحد

له ۔ قوم پرست مسلمانوں یعنی صوبۂ سرحد کے سُرخ پوشوں کے بارے میں پنڈت شیام لال صراف اپنے ایک انٹرویو میں کہتے ہیں جیل میں بیٹھے ہوئے ہمیں اطلاع ملی کہ ڈاکٹر خان صاحب (سرحدی گاندھی کے برادر اکبر) جو اس وقت شمال مغربی سرحدی صوبہ کے وزیر اعظم تھے، سرینگر وارد ہوئے اور مہاراجہ ہری سنگھ سے ایک خفیہ ملاقات کی۔ بہت تحقیق اور کوششوں سے یہ مصدقہ معلومات ہم تک پہنچیں کہ ڈاکٹر خان صاحب مہاراجہ کشمیر سے ریاست کا ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس وقت خان برادران اور دوسرے فرانٹیر کے نیشنلسٹ لیڈر اس بات پر متفق ہو رہے تھے کہ جموں و کشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ فوری طور پر ہو جائے تو فرانٹیر سٹیٹ کے لئے بھی راستہ کھل جائے گا اور ہم بھی اپنی سٹیٹ کا براستہ ایبٹ آباد و مظفر آباد ہندوستان کے ساتھ الحاق کریں گے۔ مگر چونکہ مہاراجہ ہری سنگھ اپنی پُرانی عادت سے مجبور تھے وہ ڈاکٹر خان صاحب کو کوئی ایسا خاطر خواہ جواب دینے سے قاصر رہے اور جیسا کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ڈاکٹر خان صاحب بڑی مایوسی کی حالت میں واپس پشاور لوٹے۔ عوامی دور جموں شیخ محمد عبداللہ نمبر صفحہ ۳۴-۳۷ (باقی اگلے صفحہ پر)

کا الحاق ہندوستان کے ساتھ کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ مگر مہاراجہ ہری سنگھ کے ڈھیل سوچ بچار اور تغافل نے خان عبدالولی خان کی تجویز کو عملی جامہ پہننے نہ دیا۔ اس مشن میں ولی خان کے ساتھ چودھری محمد شفیع بھی تھے۔ دوران ملاقات ولی خان نے باتوں باتوں میں مہاراجہ ہری سنگھ کو اس جانب بھی اشارہ دیا کہ اگر وہ فوری طور ہندوستان سے الحاق نہیں کرے گا تو پاکستان کی جانب سے اُس کی ریاست پر حملے کی جو تیاری ہو رہی ہے اُس سے بڑی تباہی مچے گی اس واقعہ کا مبہم سا تذکرہ مہر چند مہاجن نے اپنی کتاب لوکنگ بیک میں اس طرح کیا ہے :-

"مہاراجہ کو ریاست پر پاکستان کے حملے کے ارادے کا ایک ماہ پیشتر ہی پتہ لگ گیا تھا۔ یہ اطلاع ایک وفادار دوست نے دی تھی جو مہاراجہ کو صورت حالات سے آگاہ کرنے کے لئے سرحد سے خاص طور پر آیا تھا۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۱ سے) اس سلسلے میں ڈاکٹر خان صاحب مہاراجہ ہری سنگھ سے ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء سے قبل دو چار پہلے بھی خفیہ طور پر بمبئی میں مل چکے تھے۔ اسی طرح ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر چوئٹرا نے بھی ۱۵ اگست سے قبل مہاراجہ ہری سنگھ سے کئی خفیہ ملاقاتوں میں ریاست جموں و کشمیر کا ہند سے الحاق کرنے پر کافی زور دیا مگر وہ کامیاب نہ ہوئے۔ اکتوبر ۴۷ء کے دوسرے ہفتے میں ڈیرہ اسماعیل خان صوبہ سرحد کے ڈپٹی کمشنر، دیوان شیو سرن لال نے سردار پٹیل اور پنڈت جواہر لال نہرو سے الگ الگ ملاقات کر کے اس امر کا انکشاف کیا کہ پاکستان کے ایماء پر عنقریب کشمیر پر قبائلیوں کے ذریعہ حملہ ہونے والا ہے اور انہیں مسلح کرنے کے لئے پاکستان کا ٹرانسپورٹ جس میں فوجی اور غیر فوجی دونوں قسم کی گاڑیاں شامل ہیں ان کے استعمال میں لائی جا رہی ہیں غیر مسلموں سے چھینا گیا اسلحہ اُن کو فراہم کیا گیا ہے اس کے علاوہ صوبہ سرحد کی فیکٹریوں سے زیادہ سے زیادہ اسلحہ اور گولہ بارود تیار کیا جا رہا ہے۔ دیوان شیو سرن کے مطابق یہ اطلاعات حکومت کشمیر کو پہلے ہی فراہم کی جا چکی ہیں۔

گاندھی جی کے دورہ کے اختتام پر پنڈت پریم ناتھ بزاز نے ہمدرد سری نگر مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۴۷ء کے ایک طویل اداریہ میں گاندھی جی کے دورۂ کشمیر پر آنے کے ضمن میں لاہور کے کانگریسی اخبار ٹریبون کی ایک خبر کا یوں حوالہ دیا :-

"گاندھی جی نے پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کے ساتھ مل کر وائسرائے سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں خاص مسئلہ کشمیر درپیش تھا۔ ٹریبون کے نامہ نگار نے یہ بھی لکھا ہے کہ کئی ریاستیں جنہوں نے اس وقت تک اپنے مستقبل کا فیصلہ نہیں کیا ہے عوامی دباؤ کے بغیر یونین میں شامل ہونے کو تیار دکھائی نہیں دیتے۔ گاندھی جی کا دورۂ کشمیر اسی مقصد کیلئے ہو رہا ہے۔ مہاراجہ صاحب گاندھی جی سے ملاقات کریں گے اور اُن کا مشورہ حاصل کریں گے۔"

اسی اداریہ میں گاندھی جی کے سری نگر آنے پر تبصرہ کرتے پنڈت بزاز رقمطراز ہیں :-

"گاندھی جی نے کشمیر آ کر اپنی حرکات و سکنات کو محض سیر سپاٹے یا وعدہ پورا کرنے تک ہی محدود نہیں رکھا۔ یہ درست ہے کہ انہوں نے پبلک جلسوں میں کوئی تقریر نہ کی لیکن انہوں نے وزیر اعظم کشمیر سے دو بار طویل ملاقاتیں کیں۔ ان میں انہوں نے صرف آب و ہوا پر ہی گفتگو نہ کی۔ بلکہ ریاستی مسائل پر بھی غور و خوض کیا۔ انہوں نے سوامی سنت دیو سے بھی ملاقات کی۔ سوامی جی صرف سوامی جی نہیں بلکہ سیاسیات کشمیر میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ اس لئے یہ ملاقات بھی سیاسی نوعیت کی ہونی چاہیئے۔

آخر میں گاندھی جی نے مہاراجہ بہادر سے بھی ملاقات کی۔ ان ملاقاتوں کی خبریں اخباروں میں چھپتی رہی ہیں جو لوگ مہاتما گاندھی کو سچائی کا اوتار نہیں سمجھتے ہیں بلکہ محض ایک چالاک اور تجربہ کار سیاسی لیڈر تسلیم کرتے

ہیں۔ اُن کے دل میں شکوک و شبہات کا پیدا ہونا لازمی ہے یہ دوسرا سوال ہے کہ گاندھی جی کو اپنے مشن میں کتنی کامیابی ہوئی ہے اس کا جواب ابھی نہیں دیا جا سکتا۔

گاندھی جی نے واپسی پر واہ کے پناہ گزین کیمپ میں کشمیر کے دورے کا تذکرہ کرتے کہا:

"۱۵ اگست کے بعد اقتدار اعلیٰ کے خاتمے پر ریاست کشمیر قانوناً آزاد ہو جائے گی مجھے یقین ہے کہ ریاست زیادہ عرصہ تک اس حالت میں نہیں رہے گی۔ ریاست کو جلد ہی فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ کس یونین میں شامل ہونا چاہتی ہے۔ جہاں تک راستے جات کا تعلق ہے یہ فیصلہ عوام کی مرضی کے مطابق کیا جانا چاہیے اور میری خواہش ہے کہ یہ فیصلہ عوام کی رائے سے ہونا چاہیے۔ کشمیر ایک بڑی ریاست ہونے کی وجہ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کی رائے کس طرح معلوم کی جائے۔ یہی نہیں بلکہ اس کی اہمیت دیگر ریاستوں سے بہت زیادہ ہے مجھے اُمید ہے کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ ہندوستان، پاکستان، کشمیری لوگ اور مہاراجہ کشمیر آپس میں مل جل کر کریں گے۔ معاہدہ امرتسر جس کو بہت زور و شور سے معاہدہ کہا جا رہا ہے میں نے اس کا مطالعہ کیا۔ میری رائے میں ایک بجری [illegible] نامہ کی ۱۵ اگست کے بعد کوئی حیثیت نہیں۔"

وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ۳ جون ۱۹۴۷ کے پلان میں دیسی ریاستوں کی خود مختاری کے حق کو تسلیم کیا تھا۔ اس عندیہ پر مہاراجہ ہری سنگھ کو قائل کرنے کے لئے وزیر اعظم رام چندر کاک نے بھی توڑ محنت کی تھی لیکن گاندھی جی سے ملاقات کے بعد مہاراجہ نے اس خیال کو دل سے نکال دیا۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی رہی کہ کانگریسی لیڈروں کو ریاستوں کی خود مختاری ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ گاندھی

جی کا مشن اس لحاظ سے بہت کامیاب رہا۔ مہاراجہ نے وزیر اعظم کاک کا پتہ کاٹنے اور عوامی ردعمل جاننے کے لئے یہ افواہ اڑائی۔ شیخ محمد عبداللہ کو غیر مشروط طور پر رہا کیا جا رہا ہے۔ تمام ریاست کو فوج کے حوالے کیا جائے گا اور ریاست کا الحاق ہندوستان سے ہوگا۔ اڑتی ہوئی اس خبر نے یقیناً پاکستان نواز ریاستی باشندوں اور شیخ مخالف گروہ کو ہراساں کیا۔ چنانچہ اس افواہ کی صحت جاننے کے لئے میر واعظ منزل میں بیٹھے پایا کہ میر واعظ مولانا یوسف شاہ، عبدالسلام دلال، مولوی محمد امین اور میر عبدالعزیز، وزیر اعظم کاک سے دارا نشاط سری نگر کے قریب گاؤں جہاں رام چندر کاک قیام کرتے تھے، حقیقت حال دریافت کرنے پہنچ گئے۔ مسٹر کاک نے انہیں بتایا کہ میں نہ ہندوستان اور نہ پاکستان کے ساتھ ریاست کے الحاق کا قائل ہوں میں ریاست جموں و کشمیر کو آزاد اور خود مختار ریاست دیکھنے کا متمنی ہوں۔ ویسے یہ مہاراجہ کی مرضی پر منحصر ہے اور اگر اس نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کیا تو میں اس سے اتفاق نہیں کروں گا۔

آر سی کاک کی برطرفی

گاندھی جی کے واپس جاتے ہی ریاستی سیاسی اُفق کا مطلع صاف ہو گیا۔ مہاراجہ ہری سنگھ کے مافی الضمیر نے کروٹ بدلی اور طوفان سے پہلے کی خاموشی میں ۱۰ اگست صبح گیارہ بجے اس فرمان سے ارتعاش پیدا ہوا جس کے ذریعہ وزیر اعظم والئے مہاراجہ پنڈت رام چندر کاک کی برطرفی[1] کا حکم جاری ہوا۔ اور میجر جنرل ٹھاکر جنگ سنگھ کو عارضی

---

[1]: پنڈت رام چندر کاک کی برطرفی کے بارے میں مہاراجہ ہری سنگھ بہت دنوں سے سوچ رہے تھے مگر وزیر اعظم کا طرز بیان، اخلاق، انداز فکر اور انتظامی صلاحیتیں کچھ ایسی تھیں جو مہاراجہ

(حاشیہ اگلے صفحے پر)

طور وزیرِ اعظم کے عہدے پر مامور کرکے مسٹر کاک کو اُن کے مکان میں نظر بند کیا گیا۔ اس بے جا پابندی کو توڑنے کے لئے مسٹر کاک نے ڈوگرہ فوج کے انگریز چیف آف دی سٹاف جرنیل سکاٹ کی مدد اور اعانت سے ہوائی جہاز سے فرار ہونے کی سعی کی لیکن گورنر نے اُڑان منسوخ کرکے اس منصوبے کو ناکام بنایا۔

کاک کے ساتھ نیشنل کانفرنسیوں کا سلوک

حکومت نیشنل کانفرنس کے بارے میں نئے انداز اور نئی نہج سے سوچنے لگی۔ نیشنل کانفرنس جو مہاراجی لغات میں باغی، امن شکن اور تخریب کاری کے بدترین

(بقیہ حاشیہ صفحہ [illegible] سے آگے) ہری سنگھ کو رنج گیں تھیں اور وہ آسانی سے مسٹر کاک کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ کاک کی برطرفی سے قبل وہ ایک ہفتہ جموں میں رہے تھے اور اسی دوران مہاراجہ ہری سنگھ نے فیصلہ لیا۔ ۱۰ اگست کے دن جب کاک ڈیوٹی پر حاضر ہوئے اسی رات کو مہاراجہ نے انہیں کھانے پر بلایا۔ شب کے ایک بجے تک مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ سوا ایک بجے جب کاک شب بخیر کہہ کر راج محل سے نکلا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنے پرائیویٹ سیکریٹری ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ (جو ۱۹۴۰ء میں جموں و کشمیر قانون ساز اسمبلی کے سیکریٹری تھے) سے وزیرِ اعظم کاک کی برطرفی کا حکم نامہ ٹائپ کرایا۔ دستخط ثبت کرنے کے بعد مہاراجہ نے ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ اور اپنے اے ڈی سی کو ہدایت دی کہ کل سویرے کاک کے یہاں آنے سے قبل یہ خط اُس کے گھر پہنچاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ یہاں آجائے اور میں اُسے دیکھ کر اپنا ارادہ بدل دوں۔ ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ نے برطرفی کا خط پنڈت رام چندر کاک کے آفس میں انہیں سوا دس بجے بھیج دیا۔ خط پڑھنے کے فوراً بعد مسٹر کاک سیدھا اپنے گھر لوٹ آئے۔

مجرم گردانے جاتے تھے نہ صرف جیلوں سے رہا ہونے لگے بلکہ اُن کی صلاحیتوں کا اعتراف ہونے لگا۔ اُن کی عزت و احترام کے عجیب و غریب مظاہرے دیکھنے میں آئے۔ غلام محی الدین قرہ نے روپوشی کے عالم میں ہی پولیس تھانوں کو حکم نامے جاری کرنے شروع کئے ان فرمانوں کی حکومت کے جانب سے تعمیل باعث صد افتخار سمجھا جانے لگا۔ نیشنل کانفرنسیوں نے اپنی وفاداری اور آر سی کاک کی برطرفی پر مہاراجہ بہادر کو تحسین و آفرین کی تاریں بھیجیں۔ قرار دادیں پاس کیں جن میں آر سی کاک کو تمام برائیوں کی جڑ ظاہر کرکے مہاراجہ کی اولوالعزمی، فہم و دانش کے قصیدے پڑھے گئے کچھ عرصہ بعد جب نیشنل کانفرنس برسرِ اقتدار آئی تو اس نے بدلہ لینے اور انتقام گیری کے جذبے کے تحت پنڈت رام چندر کاک پر کورپشن اور بدعنوانیوں کے کئی مقدمے دائر کئے۔ رسوا اور ذلیل کرنے کی چاہ میں ہتھکڑیوں میں جکڑ کر سرینگر کی سڑکوں اور بازاروں میں پیدل چلا کر لوگوں کے سب و شتم کا ہدف بنایا۔ نیشنل کانفرنس کے باوقار جلوس نے امیرا کدل کے پُر رونق بازار میں جبکہ وہ پولیس کی حراست میں تھے، دھوتی میں لپٹا کر اُن پر تھوکا اُن کے ساتھ ناشائستہ اور اخلاق سوز برتاؤ کیا۔ گو کہ بظاہر نیشنل کانفرنسی حکومت نے انہیں بے عزت کرنے اور بدلہ لینے کا طریقہ ڈھونڈ نکالا۔ لیکن درحقیقت انہوں نے اپنی کوتاہ اندیشی، کمینہ پن، ذلالت، بدترین فاشسٹ ذہن اور کھوکھلے پن کا مظاہرہ کیا۔ حکومت چاہے تو وہ کسی کو بھی اقتدار کے نشے میں آکر بیڑیاں پہنا سکتی ہے لیکن جب بادی النظر سے دیکھا جائے تو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے مخلوق کی نہیں بلکہ اس حکومت کی بے عزتی اور رسوائی ہوتی ہے۔ جو گروہ شہریوں کی تضحیک پر کمر بستہ ہو اور صرف وہی حکومت داد و تحسین کی مستحق قرار دی جا سکتی ہے جو اُن لوگوں کو جن کے نظریات سے اُسے شدید اختلاف ہی کیوں نہ ہو نہ صرف انہیں ضمیر کی آزادی میسر رکھے بلکہ ان کے منصب اور رتبے کا لحاظ بھی

جمہوریت کا بھی وہ تصور ہے جس کا اہلِ ریاست صدیوں سے متلاشی رہے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ ریاستی باشندے آج بھی اس جمہوری حق سے محروم ہیں۔

غرض قیدخانوں کے دروازے وا ہوئے، دھڑا دھڑ سیاسی قیدی پیرول کے نام پر رہا ہونے لگے۔ بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق اور دوسرے سیاسی لیڈروں پر عاید شدہ پابندیاں اٹھالی گئیں۔ بخشی غلام محمد کے لاہور سے سری نگر پہنچنے پر انہیں مائسمہ میں ایک بیٹھک جلسہ یا استقبالیہ دیا گیا۔ اس عوامی جلسہ میں بخشی صاحب کی دستار بندی کی گئی اور لوگوں نے باغی عبداللہ کی جے کے نعرے لگائے اس پر بخشی غلام محمد نے اس نعرے کی اصلاح کرتے کہا چونکہ "جے" ہماری قومی زبان کا لفظ نہیں ہے اس لئے "جے" کے بجائے زندہ باد کہا جائے اور لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ آزاد کشمیر زندہ باد کے نعرے لگائیں۔ بخشی غلام محمد کی آمد کے چند دن بعد غلام محمد صادق لاہور سے سری نگر آئے۔ ان کا ایک شاندار استقبالی جلوس نکالا گیا اور مائسمہ میں ان کے مکان کے سامنے ہی ان کے اعزاز میں استقبالیہ جلسہ ہوا جس میں انہوں نے تقریر ...

لے :- یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ لاہور سے واپسی پر بخشی غلام محمد نظریاتی طور پر پاکستان کے حامی بن کر آئے اور یہاں انہوں نے اپنے کئی معتبر سرکردہ ساتھیوں سے ریاست کا پاکستان سے الحاق کے بارے میں تبادلہ خیال بھی کیا اور انہیں اعتماد میں لے کر اپنی حمایت بھی دی۔ بعد ازاں جب بخشی غلام محمد اور اُن کے درمیان ٹھن گئی تو انہوں نے کئی مجلسوں میں برملا کہنا شروع کیا۔ "چونکہ بخشی غلام محمد کو کشمیر میں پاکستان کے حق میں پروپیگنڈا کرنے کے عوض لاہور میں کسی ہندو کی چھوڑی ہوئی مل الاٹ کرنے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اس لئے وہ پاکستان کے حق میں مخفی طور پر رائے عامہ منظم کرنے کی مہم چلا رہے ہیں"۔ لیکن بخشی غلام محمد کے طرفداروں نے اس کی نفی کی۔

کرتے کہا۔ "منطقی طور پر ہماری تحریک ہمیں وہاں پہنچائے گی جو ہمارے اصول ہیں۔ مجھے یقین ہے ہم سیکولرازم کی راہ پر گامزن رہیں گے"۔

آغا شوکت علی کی دوبارہ گرفتاری

سیاسی جدوجہد کی انہی دنوں مسلم کانفرنس کے جنرل سیکرٹری آغا شوکت علی کو بھی پیرول پر جیل سے باہر آنے کا موقعہ ملا۔ لیکن ۲۰۔ اگست ۱۹۴۷ء کی رات کو انہیں سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے جرم میں دوبارہ قید کیا گیا۔ دراصل اس گرفتاری کی وجہ یہ ہوئی کہ آغا شوکت اور سردار محمد ابراہیم خان نے گلمرگ میں مسٹر ہاشمی جو بعد میں پاکستانی ترقیاتی کمیشن کے رُکن تھے سے مُلاقات کی تھی اور پھر اگلے دن سری نگر میں ڈاکٹر محمد دین تاثیر کے مکان پر یہ طے پایا کہ سردار ابراہیم اور آغا شوکت راولپنڈی سے ہو کر پونچھ جائیں گے تاکہ وہاں جاری شدہ تحریک کو مضبوط بنا سکیں۔ مگر حکومت کو آغا شوکت کی سرگرمیوں کا کسی نہ کسی طرح پتہ چلا اور انہیں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔

اس طرح حکومت نے اپنی بدلتی ہوئی پالیسی کا مظاہرہ کرنے کے ساتھ ساتھ مسلم کانفرنس ورکروں اور لیڈروں پر سی۔ آئی۔ ڈی کے کڑے پہرے میں اضافہ کیا اور ان میں کئی ایک کو سری نگر میں رہنے کا پابند بنایا گیا۔ سردار محمد ابراہیم خان نے پروگرام کے مطابق راولپنڈی کی راہ لی۔ اُن کے فرار ہونے کے اس مشن میں راجہ عبدالحمید خان مظفرآبادی نے ٹیکسی کا انتظام کیا جس نے راتوں رات برار کوٹ کے راستے انہیں راولپنڈی پہنچایا۔ صبح جب سخت سی آئی ڈی پہرہ کے باوجود اُن کے سری نگر سے نکل جانے کی خبر حکومت کو ملی تو یہ افواہ اڑائی گئی کہ وہ برقعہ پہن کر بھاگ گیا جس کی سردار ابراہیم نے اپنی سوانح میں بھی تردید کی ہے دراصل اُن کے ریاست سے نکل جانے کے سلسلے میں ڈاکٹر تاثیر کے ہاں برقعہ کا تذکرہ بھی آیا تھا جس کو سردار ابراہیم نے اپنی خودداری کے منافی قرار دے کر

ہو گی تھا۔ راجہ عبدالحمید خان کو حکومت کشمیر نے سردار ابراہیم کو بھگانے کے جرم میں گرفتار کر کے سری نگر سنٹرل جیل میں قید کیا اور جب نیشنل کانفرنسیوں کے ہاتھ میں حکومت آگئی تو مولانا محمد سعید مسعودی کی سفارش پر انہیں رہا کیا گیا لیکن کچھ عرصہ بعد سری نگر میں پاکستان کے حق میں سرگرمیاں کرنے کے پاداش میں ان کے نام دوبارہ وارنٹ گرفتاری جاری ہوئی اس گرفتاری سے بچنے کے لئے ماہ فروری ۱۹۴۸ء میں وہ یہاں سے سرحد پار کر کے مظفرآباد چلے گئے۔

آغا شوکت علی اگر دوبارہ گرفتار نہ کئے جاتے اور پروگرام کے مطابق دوراولپنڈی پہنچتے تو یہ بات یقینی تھی کہ انہیں آزاد کشمیر نام سے قائم ہونے والی متوازی حکومت کا پہلا سربراہ ہونے کا اعزاز حاصل ہوتا۔ جس کے بعد میں سردار محمد ابراہیم خان سربراہ بنے۔ کیونکہ حکومت پاکستان کی یہ خواہش تھی کہ آزاد کشمیر حکومت قائم ہونے کے ساتھ ہی اس کی سربراہی مسلم کانفرنس کے کسی ذمہ دار عہدیدار جو خصوصاً سرینگر سے تعلق رکھتا ہو کو سونپ دی جائے۔ اس سلسلے میں آغا شوکت علی، چودھری حمید اللہ خان اور میر واعظ مولوی یوسف شاہ کے نام زیر غور تھے جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔

(۴)

طلوعِ آزادی

۱۶ر اگست ۱۹۴۶ء کو مسلم لیگ نے کل ہند پیمانے پر ڈے آف ڈائریکٹ ایکشن منایا۔ جس سے اسی دن کلکتہ میں ہندو مسلم فساد شروع ہوا اور یہ سلسلہ سارے برصغیر میں ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء تک کہیں تیز اور کہیں مدھم انداز میں جاری رہا۔ لیکن طلوعِ آزادی کے ساتھ ہی اس میں بڑی شدت پیدا ہوئی ہر طرف قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوا اور صدیوں سے ایک ساتھ رہنے والے لوگ ایک دوسرے کے خون سے ہولی کھیلنے میں راحت محسوس کرنے لگے۔ محبت و مروت کی جگہ عداوت اور خون آشامی نے لی جس سے اشتراکی نظریہ انتہائی صورت اختیار کر کے انارکی اور افراتفری میں تبدیل ہوئی۔ ایک اندازے کے مطابق اگست ۱۹۴۷ء کے ہندو مسلم فسادات میں پورے برصغیر میں دس لاکھ انسانی جانیں انسانیت کے نام پر کوتاہ اندیشوں کے ہاتھوں ضائع ہوئیں۔ گو کہ ان دنوں ہماری ریاست کی فضائیں بھی فرقہ وارانہ تناؤ سے مکدر اور بوجھل تھیں مگر تا حال کوئی اہم ناخوشگوار واقعہ رونما نہیں ہوا۔ البتہ جموں میں توازن بگڑنے کا قوی احتمال تھا۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی رات کے پورے بارہ بجے ہندوستان برطانوی دوصد سالہ غلامی سے آزاد ہوا اور دُنیا کے نقشے پر دو نئی آزاد مملکتیں بھارت اور پاکستان کے نام سے اُبھر آئیں۔ اس موقع پر ریاستی حکومت نے آزادی کی مسرتوں کو دوبالا کرنے کی خاطر سرکاری طور پر تین دن کی تعطیل کا اعلان کیا۔ دونوں حکومتوں کے وزراء اعظم کو مبارک بادی کے برقیے بھیجے اور ہر دو ممالک کے ریاستی محکمہ جات کے سربراہوں کو مطلع کیا کہ ریاستی حکومت موجودہ حالات کو برقرار رکھنے والے کسی معاہدہ کو خوش آمدید کہے گی۔ ریاستی حکومت نے تجویز پیش کی کہ تفصیلات طے ہونے اور نئے معاہدوں کے وجود میں آنے تک فی الحال موجودہ انتظامات کو برقرار رکھا جائے۔

چنانچہ اس سلسلے میں ریاست جموں وکشمیر کے وزیر اعظم کی طرف سے پاکستان کے وزیر محکمہ تعلقات ریاست[1] سردار عبدالرب نشتر کے نام جو تار مورخہ ۱۲ اگست ۴۷ء کو بھیجی، مندرجہ ذیل ہے:-

---

[1] : ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے جو اس وقت تک براہ راست وائسرائے کی نگرانی میں تھے حکومت ہندوستان اور پاکستان کو اطلاع دی۔ جموں وکشمیر کی حکومت اُن تمام مسئلوں پر ہر دو حکومتوں سے (اسٹینڈ اسٹل) معاہدہ کرنا چاہتی ہے جن پر ہندوستان سے جانے والی انگریز حکومت سے معاہدہ ہے۔

(نوٹ)۔ اس موقع پر عبدالغفار خان اور عبدالصمد اچکزئی نے کانگریس سے شکوہ کرتے کہا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ بھارت ماتا کے ٹکڑے ہونے نہیں دئیے جائیں گے۔ لیکن ملک کے تقسیم کے اگریمنٹ پر دستخط کئے گئے اگر کانگریس کے رہنما خاص کر نہرو اور پٹیل تقسیم کے عہدنامے پر دستخط نہ کرتے تو مسٹر جناح اور نواب زادہ لیاقت علی خان کے دستخطوں سے پاکستان نہ بنتا۔ یہی بات سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے بھی کہی لیکن اُس نے پاکستان کو ایک حقیقت تسلیم کرتے ہوئے اُس میں اپنے تئیں سمو دیا۔

"ریاست جموں وکشمیر حکومت پاکستان کے ساتھ ان سبھی امور کے بارے میں جوں کا توں معاہدے کا خیر مقدم کرے گی جو اس وقت ریاست اور برطانوی ہند کے درمیان نافذ العمل ہیں۔ ہماری تجویز ہے کہ نئے معاہدوں کی تشکیل اور تفصیلات کے طے ہونے تک موجودہ معاہدات برقرار رکھے جائیں گے۔"

اس کے جواب میں ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو حکومت پاکستان کے سیکریٹری امور خارجہ کی طرف سے وزیر اعظم جموں وکشمیر کو بذریعہ تار مندرجہ ذیل جواب بھیجا گیا۔

"آپ کی تار مورخہ ۱۲ اگست موصول ہوئی حکومت پاکستان اس تجویز سے متفق ہے کہ تفصیلات طے ہونے اور نئے معاہدے تشکیل پانے تک موجودہ انتظامات کو برقرار رکھنے کے لئے حکومت جموں وکشمیر کے ساتھ جوں کا توں معاہدہ کیا جائے۔"

اس طرح حکومت پاکستان نے ۱۶ اگست ۱۹۴۷ء کو جوں کا توں معاہدہ (اسٹینڈ اسٹل اگریمنٹ) کو قبول کرتے ہوئے اس پر دستخط ثبت کئے جبکہ انڈین یونین نے ریڈکلف ایوارڈ[1] کے باوجود اُسے نامنظور کیا۔

---

[1]۔ سر ریڈکلف کو مُسلم لیگی زعماؤں اور کانگریسی لیڈروں نے یہ اختیارات دیئے تھے کہ وہ ہند و پاک کے درمیان حدبندی کا فیصلہ صادر کریں۔ اس کمیشن نے بڑی بیدردی سے ہندوستان کا نقشہ سامنے رکھ کر ایک ملک کے گاؤں کو دوسرے ملک کے ساتھ ایسے جوڑا جیسے کاغذ کے کسی ٹکڑے کو گوند سے کسی اور ٹکڑے کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ وہ ایک ہی بار موقع کا ملاحظہ کرنے اپنے دفتر سے باہر نکلا۔ باقی سارا کام دفتر میں بیٹھے بیٹھے انجام دیا۔ ریڈکلف ایوارڈ کو پڑھ کر لیاقت علی خان غصے سے لال پیلے ہو گئے۔ لیاقت علی خان کو اس بات کی سخت شکایت رہی

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۵ پر)

اسٹینڈ اسٹیل اگریمنٹ فارم (انڈیا)[1]

ہندوستانی اسٹینڈ اسٹیل اگریمنٹ فارم کا آفیشل متن۔

چونکہ ہندوستان کی ڈومنین اور دیسی ریاستوں دونوں کا مفاد اسی میں ہے کہ باہمی دلچسپی اور مفادات سے متعلق اُمور کے بارے میں جو معاہدے اور انتظامی بندوبست

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۳ سے) کہ حد بندی کمیشن نے پاکستان کو نقصان پہنچانے کی خاطر جان بوجھ کر ضلع گورداسپور کو ہند میں شامل کر کے ہندوستان کی سرحدوں کو ریاست جموں و کشمیر سے ملایا۔ پنڈت نہرو نے بظاہر تمام ایوارڈ پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا لیکن دونوں حکومتوں کو اس ایوارڈ کو بلا چون چرا منظور کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ریڈ کلف کمیشن پر تبصرہ کرتے شاہ اللہ بٹ اپنی تصنیف کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک صفحہ ۲۶ پر یوں رقمطراز ہیں: "صوبوں کی تقسیم کے لئے یہ اصول طے کیا گیا تھا کہ جس ضلع میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی وہ پاکستان کو دیا جائے گا اور جس ضلع میں غیر مسلموں کی اکثریت ہوگی وہ ہندوستان میں شامل رہے گا چنانچہ ریڈ کلف کمیشن جسے پنجاب کی تقسیم کا کام سونپا گیا تھا۔ ضلع گورداسپور کے سوا سارے پنجاب کی تقسیم اسی اصول کے تحت عمل میں لائی۔ لیکن ضلع گورداسپور جس میں مجموعی طور پر مسلمانوں کی اکثریت تھی، کو تحصیلوں کی بنیاد پر تقسیم کیا گیا۔ اس طرح وہ تحصیل جس میں پٹھانکوٹ شامل تھا، کے ہندوستان میں شامل رکھنے کی گنجائش پیدا کی گئی۔ اگر طے شدہ اصول کے تحت گورداسپور کا ضلع پاکستان کو دے دیا جاتا تو ریاست جموں و کشمیر اور ہندوستان کے درمیان سرحدی رشتہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا لیکن ضلع گورداسپور کو اس کی تحصیلوں میں آبادی کی اکثریت اور اقلیت کی بناء پر تقسیم کیا گیا۔"

[1] : پاکستانی جوں کا توں معاہدہ کم و بیش اسی طرح کا ہے۔ جس میں ہندوستان کی جگہ لفظ پاکستان درج ہے۔

ان کے مابین موجود ہیں انہیں فی الحال رائج رکھا جائے اور اس سلسلے میں انڈین ڈومنین یا اس کے کسی حصے اور دیسی ریاستوں کے درمیان معاہدے کئے جائیں۔

لہٰذا ـــــــ اور ہندوستان کی ڈومنین کے درمیان طے پایا ہے کہ

۱۔ (الف) باہمی اُمور سے متعلق تاج برطانیہ اور کسی بھی دیسی ریاست کے درمیان موجود سبھی معقول انتظامی بندوبست اور معاہدے ہندوستان کی ڈومنین اور متعلقہ دیسی ریاست کے مابین تب تک قائم رہیں گے جب تک ان کے بارے میں نئے معاہدے طے نہ پائیں۔

(ب) دفعہ الف میں بیان اُمور کا مجموعی ذکر ہے ان میں کوئی کمی کئے بغیر متذکرہ صدر اُمور میں وہ اُمور بھی خاص طور پر شامل سمجھے جائیں گے جن کی تفصیل اس معاہدے سے منسلک شیڈول میں دی گئی ہے۔

۲۔ اس معاہدے یا ان معاہدات اور انتظامات کے متعلق جو اس معاہدے کے تحت برقرار رکھے گئے ہیں اگر کوئی بھی اختلاف پیدا ہو تو اُسے ثالثی کے ذریعہ امکانی حد تک انڈین آربیٹریشن ایکٹ ۱۸۹۹ء کے تحت طے کیا جائے گا بشرطیکہ ان معاہدات کے ذریعہ گورنر جنرل یا گورنر کے بغیر کسی اور کو ثالثی کے اختیارات نہ دئے گئے ہوں۔

اس معاہدے کے تحت کسی بھی فریق کو اقتدارِ اعلیٰ کے اختیارات کا حق نہیں دیا گیا ہے۔

دستخط سیکرٹری ٹو دی گورنمنٹ آف انڈیا　　　　دستخط ریاست

شیڈول:۔

۱۔ ہوائی مواصلات۔ ۲۔ ہتھیار اور سازو سامان ۳۔ اشیاء پر کنٹرول ۴۔ کرنسی اور سکہ ۵۔ کسٹم۔ ۶۔ ہندوستانی ریاستوں کی افواج۔ ۷۔ خارجی

معاملات۔ ۸۔ ملک بدر کرنا۔ ۹۔ درآمدات و برآمدات پر کنٹرول۔ ۱۰۔ آبپاشی اور بجلی۔ ۱۱۔ موٹر گاڑیاں۔ ۱۲۔ قومی شاہراہیں۔ ۱۳۔ افیون۔ ۱۴۔ تار، ڈاک اور ٹیلی فون۔ ۱۵۔ ریلوے (اس میں ریلوے کے رقبے میں پولیس کا بندوبست بھی شامل ہے) ۱۶۔ مرکزی ایکسائز ڈیوٹی، انکم ٹیکس سے چھوٹ اور ٹیکسوں سے متعلق دیگر انتظامات شامل ہیں۔

سرینگر ہیڈ پوسٹ آفس پر پاکستانی پرچم

۱۵ اگست کی رات کو ریاست بھر میں سرکاری اور غیر سرکاری عمارتوں پر چراغاں کیا گیا۔ سرکاری بلڈنگوں پر بھارتی جھنڈا (جو دو رنگوں کا مرکب تھا اوپر اور نیچے زرد رنگ اور بیچ میں سرخ رنگ۔ اس پر کسی قسم کا کوئی نشان نہیں تھا) نصب کیا گیا۔ عام لوگوں نے اپنے مکانوں اور دوکانوں پر ان سیاسی جماعتوں کے پرچم لہرائے جن سے وہ وابستہ تھے۔ اننت ناگ کے پورے ضلع میں ہر مکان اور دوکان پر ہرے رنگ کے جھنڈے لہرائے گئے خاص کر اسلام آباد کا پورا قصبہ ہرے جھنڈوں کا شہر نظر آنے لگا۔ اس دن وادی کے تقریباً تمام ڈاک خانوں پر پاکستانی قومی پرچم لہرایا گیا۔ ریاستی حکومت کی جانب سے جب اس پر اعتراض کیا گیا تو سری نگر ہیڈ پوسٹ آفس کے سپرنٹنڈنٹ نے یہ کہہ کر جھنڈا سرنگوں کرنے سے انکار کیا کہ ریاستی محکمۂ ڈاک تار پاکستان سے وابستہ ہے اس لئے جب تک ہمیں مرکز سے ہدایات موصول نہ ہوں گی ہمارے لئے ریاستی حکومت کے احکام پر عمل درآمد کرنا ناممکن ہے۔

مس ناصرہ صدیقی

۱۹ اگست کی شام کو جامع مسجد سری نگر میں مسلم کانفرنس کی جانب سے

میر واعظ مولوی یوسف شاہ کی صدارت میں جلسہ ہوا۔ جس میں مہاراجہ کو پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ جلسہ گاہ میں عبدالسلام دلال کے علاوہ لاہور سے آئی ایک خاتون مس ناصرہ صدیقی[1] نے برصغیر میں فرقہ وارانہ فسادات کی خونچکاں داستان کچھ اس جذباتی انداز میں بیان کی جس سے ماحول میں کشیدگی کے آثار رونما ہونے لگے اس کے جواب میں بیگم شیخ محمد عبداللہ اور زینب بیگم نے فرقہ وارانہ اتحاد کی تبلیغ بڑے زور و شور سے شروع کی۔

---

[1] :۔ مس ناصرہ صدیقی، جو اب بیگم ناصرہ کیانی کہلاتی ہیں۔ آجکل راولپنڈی میں قیام پذیر ہیں۔ میرٹھ یو۔پی کے نواب جمشید علی شیر جنگ کی پوتی اور نواب زادہ علی محمد کی واحد اولاد ہیں۔ ابتدائی عمر میں ہی بیگم مولانا محمد علی جوہر کے ذریعہ تبلیغی کاموں اور میدان سیاست میں قدم رکھا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی سے دینی تعلیم حاصل کی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بھی دوران تعلیم سیاست میں حصہ لیتی رہی آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسلر، صوبہ پنجاب مسلم لیگ کی کونسلر، پنجاب زنانہ صوبائی مسلم لیگ کی سیکرٹری اور مسٹر جناح کی قابل اعتبار اور سرگرم کارکن تصور کی جاتی تھیں۔ مسلم لیگ کی شہہ پر ۱۹۴۳ء میں پہلی بار سری نگر آئی۔ سری نگر اور اسلام آباد میں بچوں کے لئے دو پرایمری سکول کھولے اور ان کی آڑ میں مسلم لیگی سیاست کے لئے زمین ہموار کرتی رہیں۔ ۱۸ جون ۱۹۴۷ء کو سری نگر اور ضلع اننت ناگ کے سرکردہ مسلم کانفرنسی لیڈروں، مسلم سٹوڈنٹس یونین کے رہنماؤں سے رابطہ اور تال میل قائم رکھنے کے لئے خفیہ میٹنگیں کرتی رہیں۔ نیشنل کانفرنس میں غلام محی الدین قرہ سے خاص مراسم رہے۔ کوئٹ کشمیر تحریک کے افتتاحی ایام میں مسٹر قرہ کی وساطت سے بیگم شیخ محمد عبداللہ سے بحیثیت ایک مذہبی خاتون کے متعارف ہوئی۔ بادامی باغ جیل میں اوائل ستمبر ۱۹۴۷ء مسٹر قرہ کی معیت میں شیخ صاحب سے ملاقات کی اور انہیں ریاست کا



ڈاکٹر سید نذیر احمد



جناب چودھری غلام عباس خان



چلی ہے سوئے لال چوک ۔ کشمیری خواتین۔ ۱۹۴۷ء



پنڈت نہرو اور شیخ صاحب



جناب محمد علی جناح سرینگر میں اپنی بچی دینا کے ساتھ۔ ۱۹۳۹ء



جنرل محمد زمان کیانی



محترمہ ناصرہ صدیقی

حکومت نے حالات کو قابو میں رکھنے کی خاطر سری نگر اور جموں میں کشمیر ڈیفنس رولز کی دفعہ ۵۴ کے تحت کئی اخبارات پر سنسر شپ عاید کی اور کانسٹیٹیوشن ایکٹ اینڈ کشمیر آرمڈ فورسز سپیشل پاورس آرڈی ننس (فوجیوں کو خصوصی اختیارات عطا کرنے والا قانون) چھ ماہ کے لئے نافذ کیا۔ اس آرڈی نینس کی رو سے ریاستی فوجی افسران جن کا عہدہ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳۸ سے آگے) پاکستان سے الحاق کرنے کی استدعا کی۔ شیخ صاحب نے جواباً کہا۔ "آپ بجا فرماتے ہیں۔ مگر میں باہر نکل کر دیکھوں گا۔ جو عوام کا مطالبہ ہوگا وہی کروں گا۔ ساتھ ہی سوال کیا کہ پاکستان میں مسلم لیگی لیڈروں کا رویہ کیا ہے۔" مسٹر قرہ کی وساطت سے ہی انہوں نے ادھم پور اور پونچھ کا دورہ کیا۔ پونچھ میں مسلم کانفرنس لیڈر نذیر حسین شاہ وکیل نے ان کی آمد کی خبر سنتے ہی روپوشی اختیار کی۔ مولوی غلام حیدر جنڈالوی نے انہیں کیپٹن خان محمد خان اور صوبیدار میجر شفیق اختر سے متعارف کرایا۔ اس دورے میں باغ کے راجپوت گوجروں نے انہیں بتایا کہ یہاں سابقہ فوجی سدھنوں کی اکثریت ہے جن سے گذشتہ سال ڈوگرہ حکومت نے اسلحہ چھین لئے ہیں یہاں اسلحہ کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔ پونچھ سے سری نگر واپس پہنچنے پر انہیں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سری نگر نے زیر نمبر سی/۱۵/۲ مورخہ ۲۱ راگست ۱۹۴۷ء بدیں مضمون نوٹس جاری کی۔

"آپ کو کئی بار کشمیر کی سیاسیات میں دخل دینے سے منع کیا گیا ہے لیکن ان متعدد وارننگوں کے باوجود آپ کی تخریبی کارروائیاں اب بھی جاری ہیں۔ آپ نے کشمیر ڈیفنس رولز کے قانون ۲۴ کی شق "الف" اور قانون نمبر ۵۰ کی شق "سی" کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سوپور اور بانڈی پورہ میں سیاسی جلسے منعقد کئے حالانکہ ان قوانین سے آپ کئی بار بخوبی واقف کئے جا چکے ہیں۔ آپ نے بانڈی پورہ کی پولیس کو یہ کہہ کر دھوکہ دیا کہ آپ لاہور جا رہے ہیں اور اس کے بجائے پونچھ چلے گئے۔ پونچھ کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی رائے ہے کہ آپ کا پونچھ جانا ریاستی سلامتی کے خلاف ایک منصوبے کا حصہ تھا اور ظاہر ہے کہ حکومت اس سے چشم پوشی نہیں کر سکتی

(باقی حاشیہ ص ۲۴۰ پر)

لیفٹیننٹ سے کم نہ ہو کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے ماتحتوں کو اس صورت میں گولی چلانے کا حکم دے سکتا ہے جب کوئی شخص سنتری کے کہنے پر رک نہ جائے یا کسی کے مال و جان کو نقصان پہنچائے یا نقصان پہنچانے کی کوشش کرے یا یہ احساس دلائے کہ وہ نقصان پہنچانے والا ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳۹ سے آگے)۔ اس کے بعد آپ نے دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ۱۹ راگست کو سری نگر کی جامع مسجد میں تقریر کی اور اس جلسے میں قابل اعتراض قراردادیں پاس کروائیں۔ ان حالات آپ کی تخریبی کارروائیوں کی روک تھام کے لئے میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آپ کل یعنی ۲۲ راگست ۱۹۴۷ء کی صبح کے دس بجے سے بیس گھنٹے کے اندر اندر ریاست جموں کشمیر کی حدود سے باہر چلی جائیں بصورت دیگر میں ریاست کے تحفظ اور نظم و ضبط کی خاطر آپ کے خلاف سنگین کارروائی کرنے پر مجبور ہوں گا۔"

مس ناصرہ صدیقی ریاستی حدود سے باہر جانے کی بجائے اسلام آباد چلی گئیں اور اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں جب ریاستی حکومت کو ان کی سرگرمیوں کا پتہ چلا تو سب ڈویژنل مجسٹریٹ اننت ناگ نے انہیں وارننگ دیتے ہوئے مندرجہ ذیل نوٹس جاری کیا۔

"چونکہ میرے پاس یہ باور کرنے کے شواہد ہیں کہ آپ کی موجودہ اور آئندہ حرکات ممکنات عوامی سلامتی اور امن کے منافی ہیں اس لئے میں آر۔ این۔ مشو سب ڈویژنل مجسٹریٹ اننت ناگ آپ کو جموں و کشمیر ڈیفنس رولز کے قانون ۲۴ کی ذیلی شق "الف" کے تحت ہدایت کرتا ہوں کہ آپ اننت ناگ، کولگام، پلوامہ اور پہلگام کی تحصیلوں کی حدود میں آئندہ چھ ماہ تک کوئی جلسہ منعقد کریں اور نہ تقریریں کریں۔ میں مندرجہ بالا قانون کی شق "سی" کے تحت آپ کو مزید ہدایت دیتا ہوں کہ آپ آج یعنی ۲ ستمبر ۱۹۴۷ء کے چھ بجے بعد دوپہر سے قبل تحصیلات کولگام، پلوامہ، پہلگام اور اننت ناگ کی حدود سے باہر چلی جائیں اور چھ ماہ تک ان تحصیلوں کی حدود میں داخل نہ ہوں۔ میرے دستخط اور مہر عدالت سے آج ۲ ستمبر ۱۹۴۷ء کو جاری کیا گیا۔"

(باقی حاشیہ ص ۲۴۱ پر)

اخبارات پر سنسر شپ عاید کرنے کے خلاف مقامی ایڈیٹرز کانفرنس نے شدید احتجاج کیا اور مسلم کانفرنس نے اپنے ایک بیان میں آرڈی ننس کے نفاذ پر شک و شبہ ظاہر کرنے کے بعد کہا کہ حکومت امن عامہ کی آڑ میں اس جماعت کی سیاسی سرگرمیوں کو ہدف بنانا چاہتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۳) ستمبر کی رات کو اسلام آباد میں غلام مصطفیٰ کے ایما پر ایک خفیہ میٹنگ میں شرکت کی۔ رات کے ایک بجے جب محمد دل ڈاک بنگلہ میں پہنچے۔ پولیس نے ڈاک بنگلہ کا گھیراؤ کیا اور سویرے نو بجے انہیں گرفتار کر کے لے گئے۔ ان کی اپنی کار ور ڈرائیور تھا۔ اسی دن بیج بہاڑہ میں غلام نبی زندہ دل اور غلام حسن ڈار نے ان کے لئے ایک پبلک جلسے کا اہتمام کیا تھا۔ یہاں پہنچ کر ڈرائیور نے کار خراب ہونے کا بہانہ کر کے اہل جلسہ کی مدد حاصل کرنی چاہی لیکن پولیس نے بڑی عجلت سے انہیں اپنی گاڑی میں بٹھایا۔ پولیس کی ایک بس آگے اور ایک پیچھے تھی۔ کچھ دور چل کر وہ حاجت بشری کا بہانہ کر کے گاڑی سے اتر گئیں اور درختوں کی اوٹ میں چھپ گئیں۔ چھ گھنٹے کی تلاش کے بعد پولیس مایوس ہو کر ان کی کار اور ڈرائیور کو پکڑ کر لے گئی۔ سری نگر میں جن سیاسی لیڈروں اور کارکنوں سے انہوں نے رابطہ قائم کیا تھا۔ ان میں کسان مزدور کانفرنس کے عبدالسلام یتو اور ان کے ساتھی، نیشنل کانفرنس کے غلام محی الدین قرہ، مسلم کانفرنس میں مولوی نورالدین مولوی محمد امین۔ عبدالسلام طلال۔ شاہ اللہ شمیم۔ محمد یوسف صراف۔ غلام نبی زندہ دل، غلام حسن ڈار، محمد علی۔ عبدالرحیم درانی ایڈووکیٹ۔ میر عبدالعزیز، غلام مصطفیٰ، غلام محمد میر اور پروفیسر اقبال قابل ذکر ہیں۔ ۲۵، ۲۶ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو لشکر کے مزاحل و دستہ کے ساتھ ٹیٹوال کے قریب ہندوستانی افواج کی گولی سے زخمی ہوئی اور جب ہوش آیا۔ چناری کے ملٹری ہسپتال میں ... ہمیں جیالوں نے انہیں مجاہد کی حیثیت سے پکارا۔ پاکستانی اخبارات نے غازیہ ملت مجاہدۂ اسلام کے القابات سے یاد کیا تھا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۳ پر)

غیر منظم حملے

لیکن ان اقدامات سے حکومت پر شہری حقوق کی پامالی کا الزام نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ حالات ہی کچھ ایسا رُخ اختیار کر بیٹھے تھے کہ ان اقدامات کے بغیر امن برقرار رکھنا ناممکن تھا۔ ساری ریاست میں پنجاب کی سرحدات سے قریب رہنے والے لوگ سمٹ کر جموں اور سری نگر شہر کی طرف جان بچانے کی خاطر جوق در جوق آنے لگے۔ ان کے آنے سے سری نگر میں اُس وقت تشویش پیدا ہوئی جب ہندوؤں اور دستی بموں سے لیس کئی غیر مسلم گرفتار کئے گئے۔ جموں میں غیر ریاستی پناہ گزینوں کے لئے گنجائش پیدا کی گئی ان کے جموں پہنچتے ہی ہندو راجیہ سبھا کے اشارے پر سامبہ، اکھنور، میرپور، بھمبر، رنبیر سنگھ پورہ، بلندری، اکھنور، آر ایس پورہ، چھاڑ کان، کھاڑے کریال، رام گڑھ، پونچھ اور جموں خاص میں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۲ سے: ۱۹۲۹ء میں ان کی شادی انڈین نیشنل آرمی کے جنرل محمد زمان کیانی سے ہوئی۔ ان کے بارے میں پروفیسر ایل۔ ایف۔ رشبروک ولیمز L. F. Rushbrook Williams نے اپنی تصنیف "سٹیٹ آف پاکستان" کے صفحہ ۹۰ پر لکھا ہے: "انہوں نے نہ صرف زخمیوں کی مرہم پٹی اور تیمارداری کا کام سنبھالا بلکہ مخالف سمت سے گولیوں کی بوچھاڑ کے اندر اپنے سپاہیوں کو گولہ بارود بھی پہنچایا۔" ... کارنامہ انجام دینے میں جن خواتین نے قومی ہیروئنوں کا درجہ اور شہرت حاصل کی اُن میں ناصرہ صدیقی بھی شامل ہیں جنہوں نے اس سے قبل بھی کشمیر کے مسلمانوں کو مہاراجہ کے تشدد سے نجات دلانے کی سیاسی تحریکوں میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ ناصرہ صدیقی گولیوں کی بوچھاڑ میں بہادری سے اپنا فرض انجام دیتے زخمی بھی ہوئیں انہیں اس شجاعت کے لئے تمغہ بھی عطا کیا گیا۔" ناصرہ صدیقی برصغیر ہندو پاک کی واحد خاتون ہیں جنہوں نے ان دو نئی مملکتوں کے وجود میں آتے ہی ان کے جنگی محاذوں پر جا کے مخالف سمت میں کیوں نہ ہو ارادل دستے کے ساتھ جانبازی، شجاعت اور حوصلے کا خوب مظاہرہ کیا۔

فرقہ وارانہ فسادات کے شعلے بھڑک اٹھے، جس کو منظم اور مؤثر بنانے کے لئے پٹیالہ سے سادہ لباس میں مسلح افراد منگائے گئے، جنہوں نے منظم طور پر حملے شروع کر دیئے۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں نے پاکستان سے اسلحہ مکئی کے کانڈوں میں چھپا کر اونٹوں پر لاد کر منگائے مگر یہ سلسلہ کچھ زیادہ کامیاب نہ رہا جب پاکستان نے فوراً ہی منقطع کر کے ریاستی سرحدوں پر باقاعدہ چھاپہ مار حملوں میں اضافہ کیا اور یہ حملے جموں سے ستر میل دور "کوٹلی"، کوہالہ، میرپور، پاکستانی گاؤں "علی بیگ" اور جہلم سے رنبیر سنگھ پورہ، بلندری، سانبہ، اکھنور، چھالڑ، منادر، پانسری (میرا گھر جموں سے چھ میل دور ایک گاؤں) وتچھ، سنگھو چک کے قریب بینیا کشم ویسٹ، کھوربل، سفریاں، آر پنڈی، چاڑ کان، کھنڈار، کریال، کوٹلی، ہلسپور، پرمال، چنوڑ، گھوٹ، رام گڑھ، ننگ، بڑو چک اور منڈو چک پر شروع کئے۔

ناکہ بندی

اشتعال طور پر ان حملوں کو روکنے کے لئے حکومت نے ریاستی فوجوں کو سرحد کے ساتھ ساتھ پہلے ہی پھیلایا تھا، جس سے ریاستی افواج چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ کے رہ گئی تھی۔ حکومت پاکستان نے اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ مہاراجہ پر دباؤ ڈالنے کی غرض سے ریاست کی اقتصادی ناکہ بندی کے درپے ہو کر بدوش جموں سیالکوٹ ریلوے کی آمدورفت ۱۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کی تاریخ سے اس علاقے میں شدید فرقہ وارانہ فسادات کا بہانہ بنا کر معطل کر دی۔ اس آڑ میں حکومت پاکستان نے ریاستی حکومت کے ۸ ہزار من گیہوں جس کی ادائیگی پہلے ہی کی گئی تھی سیالکوٹ میں روک لی۔ راولپنڈی میں ۴۹۰۰۰ گیلن پٹرول کا کوٹہ روکنے کے علاوہ نمک، چائے اور دوسری اشیائے خوردنی اور ضروریات زندگی کی نقل و حمل میں رکاوٹیں کھڑی کیں اور پابندیاں عاید کر کے ریاستی حکومت کو سخت دباؤ اور مشکلات سے دوچار کیا۔

ریاستی حکومت نے پاکستانی ریلوے حکام سے اُن پانچ ریلوے ویگنوں کو جو سیالکوٹ ریلوے اسٹیشن پر رکے پڑے تھے (جن میں تین ویگن پٹرول کے ایک ڈیزل آئیل اور ایک مٹی کے تیل سے بھرا تھا) استدعا کی کہ انہیں اجازت دی جائے تاکہ وہ ان ویگنوں کو ریاستی افواج کے ایک دستے کی زیر نگرانی سوچیت گڑھ اور جموں لا سکیں لیکن وہاں سے کوئی جواب نہ ملا۔ ان واقعات کے پیش نظر ریاستی حکومت نے ۲۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو جموں، پٹھانکوٹ کی جانب سے کشمیر اور ہندوستان کے درمیان پرانی پگڈنڈی نما سڑک کے بجائے نئی اور کشادہ شاہراہ تعمیر کرنے کے لئے محکمہ پبلک ورکس کو جامع سکیم مرتب کرنے کی ہدایت دی جس پر ۲۰ ہزار روپے کے تخمینے کا اندازہ لگایا گیا اور اس پروجیکٹ پر فوری عمل درآمد شروع کیا گیا۔ اس سے درپردہ ہونے والی سیاسی و فوجی حکمت عملی اب کوئی راز نہ رہا۔ جس سے مہاراجہ ہری سنگھ کے بارے میں ریاستی مسلمانوں کی بدگمانیاں یقین میں بدلنے لگیں۔

لہ۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنے چیف سیکرٹری چودھری نیاز احمد کو حکومت پاکستان سے ضروریات کی ترسیل اور ریلوے لائن کھولنے کے سلسلے میں بات چیت کرنے کی غرض سے راولپنڈی بھیجا مگر وہ وہاں سے ناکام لوٹے۔ جموں میں فرقہ وارانہ فسادات کے دوران چودھری نیاز احمد پاکستان چلے گئے۔ ۱۹۴۷ء میں وہ آزاد کشمیر اسمبلی کے ممبر تھے جب قبائلیوں نے کشمیر پر حملہ کیا۔ اس حملے کے دوران انہوں نے کرناہ، اوڑی، ہندواڑہ، مظفرآباد، اسکردو، میرپور، راجوری، بھمبر، گلگت، گریس اور چلاس میں سرکاری خزانے لوٹے۔ اس سے ریاستی حکومت کو مزید بارہ لاکھ انیس ہزار روپے کا نقصان پہنچا۔ اس رقم میں وہ روپے شامل نہیں جو انہوں نے محکمہ پبلک ورکس، محکمہ جنگلات اور محکمہ بجلی کے خزانوں سے لوٹ کے حاصل کئے۔ ایک اندازے کے مطابق اس حملے کے دوران صرف جنگلات کو چھتر لاکھ اکاون ہزار کا نقصان پہنچا۔

جنگ سنگھ کی استدعا

ان واقعات کے ظہور میں آتے ہی مسلم کانفرنس لیڈر ہوا کا رُخ دیکھ کر سری نگر کی سڑکوں میں تعین کر بیٹھے انہوں نے زبردست دباؤ کے باوجود اپنی آواز اور خواہش مہاراجہ کے کانوں تک پہنچانے میں تساہل سے کام لیا اور نہ ہمت نہ کی۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو جامع مسجد سری نگر میں چودھری حمیداللہ کی قیادت میں ایک بھاری عوامی جلسے میں منعقد ہو کر مہاراجہ سے ریاست کا فوری الحاق پاکستان کے ساتھ کرنے کا مطالبہ کیا۔ جلسے کے اختتام پر چودھری حمیداللہ خان نے ایک جلوس شہر کے بائیں علاقوں سے نکالنے کے لئے ترتیب دیا۔ اس جلوس میں شامل لوگوں کے ہاتھوں میں کثرت سے پاکستانی جھنڈے تھے۔ جلوس کو ریاستی فوج نے جامع مسجد کے نوشہ گیٹ پر روک کر چودھری حمیداللہ کو وزیراعظم جنگ سنگھ کا پیغام پہنچایا جس میں کہا گیا کہ اس نازک وقت پر جب مہاراجہ بہادر یہ سوچ رہے ہیں کہ کس ڈومنین سے ریاست کا الحاق کیا جائے یا کونسی پالیسی اختیار کی جائے ریاست میں پُرامن حالات کی اشد ضرورت ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ آپ اس نوعیت کے جلوسوں کی حوصلہ افزائی کر کے اُن کی ذہنی پریشانیوں کا مزید باعث نہ بنیں اس اپیل اور استدعا پر چودھری حمیداللہ نے جلوس کو منتشر ہونے کا حکم دیا۔

مولوی یوسف شاہ کا پُراسرار فرار

میرواعظ یوسف شاہ جنہیں مسلم کانفرنس کے دیگر ممتاز رہنماؤں کے ساتھ حکومت نے سری نگر میں رہنے کا پابند بنایا تھا۔ حکومت پاکستان کے اشارے پر خفیہ طور سری نگر سے چل پڑے اور ان کے دو میل پار ہونے تک ریاستی حکومت یہی سمجھتی رہی کہ میرواعظ کڑے پہرے میں ہیں۔ میرواعظ مولوی یوسف شاہ کے سری نگر سے فرار ہونے کے باب میں خواجہ احمداللہ مکائی نے جو حیرت انگیز پارٹ ادا کیا ہے وہ قابل ذکر ہے احمداللہ مکائی جو نہ صرف میرواعظ کی شکل و صورت میں مشابہ تھے بلکہ عالی ہم مصرعہ اور ہم جماعت بھی تھے۔ میرواعظ کے مکان پر سی آئی ڈی کا کڑا پہرہ بٹھایا گیا تھا۔ اسی دوران ایک دن میرواعظ بھیس بدل کر سہ پہر کو اپنے گھر سے نکلے اور اُن کی جگہ سی آئی ڈی والوں کی نظروں کے سامنے احمداللہ مکائی براجمان ہوئے اور یہ عمل اُس وقت تک جاری رہا جب تک کوہالہ پار کر کے مولوی یوسف شاہ کے پہنچنے کا تار میرواعظ منزل نہ پہنچا۔ عجیب کی بات تو یہ ہے تار گھر سے جونہی پولیس کو معلوم ہوا کہ میرواعظ ریاستی سرحد پار کر گئے ہیں ایک اعلیٰ پولیس آفیسر نے موقع کے سی آئی ڈی سے دریافت کیا تم نے جو رپورٹ دی ہے مولوی یوسف شاہ اپنے گھر پر ہے دکھاؤ وہ کہاں ہے۔ سی آئی ڈی نے انگلی کے اشارے سے میرواعظ منزل کی کھڑکی کی جانب اشارہ کیا۔ چند لمحوں کے لئے سی آئی ڈی آفیسر بھی مخمصے میں پڑ گیا یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کی سابقہ وزارت میں میرواعظ مولانا یوسف شاہ کو جلاوطن کیا گیا۔ ان دنوں شیخ صاحب خود جیل میں تھے۔

پاکستانی حکمت عملی

چند دنوں بعد چودھری حمیداللہ بھی مہاراجہ کی نیت اور عزائم کی تہہ کا کھوج لگانے کے بعد پُراسرار طور پر کوہ مری پہنچے۔ اُن کے ریاست سے فرار ہونے پر حکومت نے ۲۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ایک حکم نامہ کے ذریعہ مولوی یوسف شاہ اور چودھری حمیداللہ خان پر ریاستی حدود میں بغیر اجازت داخلے پر پابندی عاید کی۔

ریاستی حکومت کی یہ کارروائی یقیناً پاکستانی مفادات کے خلاف تھی چنانچہ ہوا کا رُخ موڑنے کے لئے مسٹر جناح نے مہاراجہ کے نام مختلف اوقات میں اپنے انگریز طرفی

سیکرٹری کے ذریعہ بہن ذاتی خطوط بھیجے جن کا بظاہر مفہوم یہ تھا کہ ڈاکٹروں نے اُن کی ناسازیٔ صحت کی بنا پر انہیں مشورہ دیا ہے کہ وہ آب و ہوا کی تبدیلی کے لئے سری نگر میں کچھ عرصہ قیام کریں۔ اس سلسلے میں مہاراجہ کی اجازت مطلوب ہے۔ مہاراجہ ان خطوط میں چھپی ہوئی ڈپلومیسی کو تاڑ گیا اور جواب دینے میں لیت و لعل کرتا رہا۔ اُسے خدشہ تھا کہ اس طرح مسٹر جناح کشمیر آکر پاکستان نواز عنصر کی حوصلہ افزائی کریں گے اور اُسے پاکستان میں شامل ہونے پر مجبور کریں گے۔ بالآخر مجبوراً مہاراجہ نے نہایت ہی نرم لہجہ میں لکھ بھیجا کہ "وہ ایسے ہمسایہ ملک کے گورنر جنرل کو دعوت دینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں جو ان کے شایان شان انتظامات نہیں کر سکتا۔" اس طرح سیاسی شطرنج کی اس پہلی بازی میں یقیناً مسٹر جناح مات کھا گئے لیکن پاکستان کے سیاستدان حکمران کئی دوسرے ہتھکنڈے بھی آزمانا چاہتے تھے جن میں باجگذار ریاستوں کے نواب، زمیندار اور سلطانوں کا دباؤ بھی شامل تھا چنانچہ گلگت کے بڑے جاگیرداروں، زمینداروں کے علاوہ چترال، ہونزہ، دارل، نگر، پونیال، چیلاس، درکوٹ، گپس، تیرو اور یاسین کے حکمرانوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کو پے در پے برقیے بھیجے جن کا مفہوم یہ تھا کہ ہم آپ کے وفادار ہیں اور آئندہ بھی پشت در پشت وفادار رہنے کا وعدہ کرتے ہیں بشرطیکہ آپ فوری طور ریاست کا پاکستان سے الحاق کا اعلان کریں۔

مہر چند مہاجن

۲۵ اگست ۱۹۴۷ء کو مہارانی تارا دیوی نے مہر چند مہاجن (جو پنجاب ہائی کورٹ کے جج تھے) کو اپنے خصوصی قاصد کیپٹن ہرنام سنگھ کے ذریعہ مراسلہ بھیجا جس میں اُن سے استدعا کی گئی کہ وہ ہز ہائی نیس کے سامنے انٹرویو کے لئے فوراً حاضر ہو جائیں تاکہ اس فیصلے پر عملدرآمد ہو سکے جو ہمارے درمیان طے ہوا ہے۔ ان دنوں مسٹر مہاجن اپنے آبائی گاؤں دھرم شالہ پنجاب میں مقیم تھے۔

۱۸ ستمبر کو مہاراجہ نے مہر چند مہاجن کو پانچ سال کے لئے ریاست کا وزیر اعظم مقرر کیا اور رام لال بٹرہ کی تقرری بطور نائب وزیر اعظم کے عمل میں لائی گئی۔ ۱۹ ستمبر کو مہاجن نے دہلی میں سردار بلدیو سنگھ کی رفاقت میں سردار ولبھ بھائی پٹیل سے ملاقات کی۔ سردار پٹیل نے اُسے ملک کے وسیع مفادات کی خاطر ریاست کشمیر کی ملازمت اختیار کرنے پر حوصلہ افزائی کرتے ہوئے آٹھ ماہ کی ڈیوٹی رخصت منظور کی اور یہ تمام کارروائی انتہائی رازداری سے وقوع پذیر ہوئی کیونکہ نیشنل کانفرنس راہنماؤں کو مہاراجہ اور دہلی سے یہ اشارہ ملا تھا کہ مہاراجہ ہری سنگھ ریاست میں ایک ایسی کیبنٹ بنانے کا خواہش مند ہے جس میں نیشنل کانفرنس کی اکثریت ہوگی۔ بشرطیکہ نیشنل کانفرنس مہاراجہ کے نامزد بلدیو سنگھ پٹھانیہ کو سینئر منسٹر کی حیثیت میں قبول کریں۔ نیشنل کانفرنس کے رہنما اس قسم کی کیبنٹ میں شامل ہونے کے لئے تیار ہو گئے تھے لیکن اُن کی یہ خواہش تھی کہ سینئر منسٹر کی حیثیت شیخ محمد عبداللہ کو حاصل ہو۔ چنانچہ اس گتھی کو سلجھانے کے لئے ۱۸ ستمبر کو ہی نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں گرما گرم بحث جاری ہی تھی کہ آیا ہم اس پیشکش کو قبول کریں یا مسترد۔ اجلاس میں شامل بخشی غلام محمد کو کسی نے آواز دی وہ اُٹھ کر باہر نکلا۔ واپسی پر اُن کے ہاتھ میں مہاراجہ ہری سنگھ کے شاہی فرمان کی کاپی تھی جس میں مہر چند

لے: ۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کو حکومت پاکستان نے مہاراجہ کشمیر کیلئے ہندوستان سے الحاق کرنے کا ایک مثبت جواز اس وقت فراہم کیا جب نواب جونا گڈھ نے اپنی ریاست جس کی آبادی ہندوؤں پر مشتمل تھی کو نظرانداز کرکے اپنی ریاست کے الحاق کا پاکستان سے درخواست کی جس کو حکومت پاکستان نے غیر مشروط طور پر قبول کیا۔ اس طرح ایک ہندو اکثریت والی ریاست کے حکمران کی جانب سے پاکستان کے ساتھ الحاق اور پاکستان کی جانب سے اس کی قبولیت نے جموں و کشمیر کی مسلم اکثریت والی ریاست کے ہندو حکمران کو ہندوستان سے الحاق کرنے کا بہترین وجہ جواز فراہم کیا۔ بہرحال یہ ہے کہ جونا گڈھ کے عوام نے نواب کے خلاف شدت سے آواز بلند کی اور ہندوستان میں شامل ہوئے۔

مہاجن کو پانچ ہزار روپے ماہوار مشاہرہ کے عوض پانچ سال کے لئے ریاست کا وزیرِ اعظم مقرر کیا گیا تھا اور سٹیٹ سے ملنے والی دوسری رعایات اور مراعات درج تھیں اس اطلاع کے بعد بحث و تمحیص بے کار تھی۔ البتہ یہ فیصلہ لیا گیا کہ بخشی غلام محمد فوری طور دہلی جا کر پنڈت نہرو کو تمام ماجرہ سنائیں۔

مہاجن کی پریس کانفرنس

۱۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو سری نگر میں قلمدانِ وزارت سنبھالتے ہی مسٹر مہاجن نے ایک پریس کانفرنس میں اپنی تقرری کے وجوہات اور ریاستی حالات پر تبصرہ کیا۔ پہلے سے تیار شدہ ایک تحریری بیان پڑھ کر سنایا جس سے مترشح ہوتا تھا کہ مسٹر مہاجن اس حقیقت سے واقف تھے کہ ان کی تقرری اس وقت عمل میں آئی جب ریاست اقتدار کوشی کی کشمکش میں بری طرح پھنسی ہوئی ہے وہ پونچھ کی بغاوت سے بھی غافل نہ تھے۔ مگر ان تمام باتوں سے کشمیریوں کی توجہ ہٹانے کے لئے وہ انہیں اُن کی غربت کا بھیانک اور ڈراؤنی شکل دکھا کر ریاست میں ایک چالاک آدمی کی طرح قدم جمانے کے لئے اپنے کسی بے نام اور پتی دوست کی دولت کا رعب جماتے ہوئے پچیس تیس کروڑ روپے کی لاگت سے سری نگر میں ایک سیمنٹ فیکٹری قائم کرنے کا مژدہ سنانے سے نہیں چوکے بشرطیکہ ریاست میں امن و امان قائم رہے۔ مسٹر مہاجن نے اخباری نامہ نگاروں کے کئی سوالات کا جواب دیتے پاکستان کی جانب سے ریاست کی ناکہ بندی کو موضوعِ سخن بناتے کہا میں نے کل میجر شاہ[1] سے بات چیت کی اور اُسے کہا کہ وہ اپنی حکومت کو ناکہ بندی ختم کرنے کے لئے کہے۔ پونچھ کے واقعات پر تفصیلات بہم پہنچاتے ہوئے انہوں

---

[1]: میجر ایس۔ بی۔ شاہ اسسٹنٹ ڈیفنس سیکرٹری حکومت پاکستان

نے میز پر پڑے کاغذ کے ایک پرزے کو پڑھنا شروع کیا جس میں گیارہ فوجی، ایک پولیس کا سپاہی اور ایک جمعدار کی موت کی خبر تھی۔ اس پر خیال آرائی کرتے انہوں نے کہا یقیناً یہ حملے ریاست پر پاکستان کی جانب سے ہو رہے ہیں مگر ریاستی حکومت اتنی مضبوط ہے کہ وہ ان حملوں کا منہ توڑ جواب دے سکتی ہے۔ میں بغاوت پر آمادہ ریاستی باشندوں کو انتباہ کرتا ہوں کہ جو لوگ موجودہ حکومت کو ختم کرنے یا متوازی حکومت قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔ باغی تصور ہوں گے اور ہتھے چڑھنے پر اُن کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا۔ جو باغیوں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ مسٹر مہاجن نے پریس کانفرنس میں شیخ محمد عبداللہ کی بے حد تعریف کی جس سے در پردہ اُس سیاسی کھچڑی کی بو صاف آنے لگی جو گاندھی جی کے ذریعہ ریاستی حکومت اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان پک رہی تھی۔

معاہدہ بادامی باغ

شیخ محمد عبداللہ نے بھدرواہ سب جیل میں ہی مہاراجہ کے پرائیویٹ سیکرٹری ڈاکٹر چھابڑا سے ملاقات کی ان کے ساتھ مرزا محمد افضل بیگ اور پنڈت کشپ بندھو بھی مقید تھے۔ جیل میں ہونے کے باوجود شیخ صاحب کے راہ و رسم اور نامہ و پیام کا سلسلہ انڈین کانگریس کے قائدین سے جاری تھا۔ چنانچہ یہ گمان اب یقین میں بدلنے لگا کہ گاندھی جی نے قیام سری نگر کے دوران ہی مہاراجہ کو مشورہ دیا تھا کہ شیخ محمد عبداللہ کو رہا کیا جائے۔ بھدرواہ سب جیل سے ہی شیخ صاحب نے مہاراجہ ہری سنگھ کو یکے بعد دیگرے دو خط لکھے جن میں شیخ صاحب نے اپنے اور اپنی جماعت کی طرف سے مہاراجہ کو وفاداری کا یقین دلایا کہ ہم نہ تو آپ کی ذات کے خلاف ہیں اور نہ آپ کے خاندان سے کوئی رنجش ہے ہم صرف ریاست میں آپ کی سربراہی میں ذمہ دار نظامِ حکومت کے متلاشی ہیں۔ آپ مجھے اور میری جماعت نیشنل کانفرنس پر جو قوم پرست نظریات کی ریاست

ہیں دلیس جن واحد نمائندہ جماعت ہے جس کا ہندوستان میں کانگریس داعی ہے اب جبکہ ہندوستان آزاد ہو چکا ہے۔ ان مشکل لمحات میں قوم پرست طاقتوں کا متحد اور منظم ہو کر زندہ رہنے کے لئے پہلے سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ باہمی تعاون اور اعتماد کو وسعت دے کر نیشنل کانفرنس کو جو ریاست کے جملہ قوم پرستوں کی ترجمان جماعت ہے آپ کی سرکردگی میں حکومت بنانے کا موقع دیا جائے۔ شیخ صاحب[1] کے بھیجے ہوئے مکتوبات میں سے ایک کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۲۶ ستمبر ۱۹۴۷ء

سرکار والا مدار

تقریباً ڈیڑھ سال کی اسیری کے بعد مجھے ٹھاکر جنک سنگھ، مہارانی تارا دیوی کو بخشی کے ساتھ تفصیل سے بات چیت کرنے کا موقع ملا۔ اسی دوران ریاست میں جو ناخوشگوار واقعات ظہور پذیر ہوئے ان کا تذکرہ غیر ضروری سمجھتا ہوں۔ ریاست کا ہر بہی خواہ محسوس کرتا ہے کہ بہت سے ناخوشگوار واقعات کی بنیاد غلط فہمیاں ہیں جو غرض مند لوگوں نے اپنے اغراض پورا کرنے کے لئے پیدا کی تھیں۔ سابق وزیر اعظم رائے بہادر رام چندر کاک نے اپنی شاطرانہ چالوں اور شرارت آمیز طریقوں سے ان غلط فہمیوں کو عروج پر پہنچایا۔ اگرچہ عارضی طور پر ہی سہی وہ کسی حد تک اپنے مقاصد میں کامیاب ہوا۔ اس نے مجھے اور میری جماعت کو ہمیشہ غلط رنگ میں پیش کیا اور جب بھی میں نے سرکار والا اور رعایا میں رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی اس نے میری کوششوں کو ذاتی غرض کا نام دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ سرکار والا کے اور ریاست کے تمام ایسے دشمنوں کا پردہ فاش ہو چکا ہے۔

ماضی میں جو کچھ بھی ہوا اس سے قطع نظر میں سرکار والا کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں اور میری پارٹی سرکار والا کی ذات، شاہی خاندان یا تخت شاہی کے تئیں بھی بد خواہی کا جذبہ نہیں رکھتے تھے۔ اس خوبصورت ملک کی نشو و نما، ترقی اور عام لوگوں کی حالت بہتر بنانا ہی ہمارا مشترکہ مقصد ہے جس کو پورا کرنے کے لئے میں اور اپنی جماعت کی مخلص وفاداری اور امداد کا یقین دلاتا ہوں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ میں سرکار والا کو یہ بھی یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ریاست کے اندر یا باہر کی کوئی جماعت ہماری اس کوشش میں اگر سد راہ بننے کی کوشش کرے تو ہم اسے ملک کا دشمن سمجھیں گے اور اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کریں گے۔

جن مشترکہ مقاصد کا ذکر اوپر کر چکا ہوں ان کو پورا کرنے کے لئے ایک دوسرے پر اعتماد اور یقین کا ہونا ضروری ہے۔ اس کے سوا ان مشکلات کا کامیابی سے مقابلہ کرنا مشکل ہے جو اس ریاست کو سب طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔

اس خط کو بند کرنے سے قبل میں دوبارہ سرکار والا کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں آپ کا وفادار ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا مجھے موقع بخشے کہ یہ ریاست سرکار والا کے زیر سایہ امن و آشتی کا گہوارہ بنے اور ترقی کے راستے پر گامزن ہوتے ہوئے بھی اچھی حکومت کی ایسی مثال قائم کرے کہ دوسری ریاستیں اس کے نقش قدم پر چلیں[1]

سرکار والا کا نہایت وفادار

شیخ محمد عبداللہ

---

[1] ریاست کے سابق وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق نے مجھے ان خطوط کا مندرجہ بالا نفس مضمون بتاتے ہوئے کہا کہ وہ خطوط ریاستی حکومت کے تحویل میں تھے۔ ۱۹۵۸ء میں وزیر اعظم بخشی غلام محمد نے شیخ صاحب کی دوبارہ گرفتاری کے جواز میں پنڈت نہرو کے حضور میں یہ کہہ کر پیش کئے کہ زیادہ عرصہ تک شیخ محمد عبداللہ کو قید میں رکھنے کی صورت میں وہ خود ہی اپنے نظریہ میں لچک پیدا کرتا ہے اور اس نوعیت کے خطوط لکھنے پر مائل ہوتا ہے۔ صادق صاحب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ان کے پاس ان خطوط کی نقل موجود ہے اور وہ مجھے فراہم کریں گے۔ مگر ان کی موت نے ایسا نہ ہونے دیا۔

[1] خط وکتابت سردار پٹیل صفحہ ۱۳۰

شیخ صاحب اور مہاراجہ ہری سنگھ کے درمیان نامہ و پیام کا یہ سلسلہ گو کہ عرصۂ دراز تک عوامی نگاہوں سے مخفی رہا۔ مگر خط و کتابت کی افواہیں اُن ہی دنوں عوامی حلقوں میں سنجیدہ بحث کا موضوع ضرور بنا اور شیخ صاحب کے بادامی باغ فوجی چھاؤنی میں منتقل ہوتے ہی اس خفیہ خط و کتابت کو معاہدہ بادامی باغ کا نام دے کر مسلم کانفرنسی حلقوں نے خوب اچھالا۔ چنانچہ اس واقعے کے چرچے ابھی زوروں پر ہی تھے کہ کشمیر بوٹ مینز ایسوسی ایشن کی طرف سے مہاراجہ کو ایک میمورنڈم محمد اقبال چاپری کے ذریعہ بھیجا گیا۔ جس میں انہوں نے مہاراجہ کو خود مختار رہنے کا مشورہ دیا۔ یہ میمورنڈم جب بخشت چند کو پیش کیا گیا۔ تو اُس نے مسٹر چاپری کو شو نرائن فوطیدار اور جنارد ھن ڈنگ وکیل کی موجودگی میں کہا اب ایسے میمورنڈم قابل اعتناء نہیں کیونکہ ہم نے شیخ محمد عبداللہ سے اس مسئلے پر سمجھوتہ کر لیا۔[1] اس واقعہ کی تصدیق مہر چند مہاجن کی کتاب لوکنگ بیک صفحہ ۱۲۰ میں درج بخشت چند کے خط مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۴۷ء سے بھی ہوتی ہے جو کئی گم گشتہ کڑیوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ جس میں اُس نے مہر چند مہاجن کو لکھا ہے:۔

"شیخ محمد عبداللہ نے اُن کاغذات پر دستخط کر دیئے ہیں جو آپ کو اُس وقت دکھائے گئے تھے جب آپ سری نگر آئے تھے۔ شیخ کو کل رہا کیا جا رہا ہے۔"[2]

---

[1] دراصل مسٹر محمد اقبال چاپری نے متذکرہ میمورنڈم بخشت چند کے اشارے پر ہی کشمیر بوٹ مینز ایسوسی ایشن کے نام پر تیار کیا تھا۔ غالباً یہ ساری ممکناری محمد اقبال چاپری نے ریاستی اسمبلی میں اپنی نامزدگی کا معاوضہ جان کر اور وفاداری کے ثبوت میں کی۔

[2] اس واقعہ پر غلام احمد کشفی کا حوالہ دینا بے جا نہ ہوگا۔ انہوں نے "کشمیر ہمارا ہے" کے

(باقی صفحہ ۲۵۵ پر)

شیخ صاحب کی رہائی سے قبل مسٹر ڈی پی دھر نے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کا پیغام لے کر ان سے بادامی باغ میں ملا۔ جہاں تین دن کے طویل بحث و تکرار کے بعد شیخ محمد عبداللہ غیر مشروط طور جیل سے باہر آئے۔

شیخ صاحب کی رہائی

۲۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو شیخ محمد عبداللہ رہا ہوئے اور اُن کا دریائی جلوس نکالا گیا۔ جس کے دوران دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر مسلم کانفرنسیوں نے اُن کا پاکستان زندہ باد کے نعروں سے استقبال کیا۔ اسی شام کو انہوں نے حضوری باغ میں پبلک جلسے سے خطاب کیا۔ بخشی غلام محمد نے سپاسنامہ پیش کیا۔ جس میں اُن کی وصف قیادت کے قصیدے پڑھے گئے۔ سپاسنامے کے آخر پر یہ شعر پڑھا۔

سپردم بتو مایۂ خویش را   تو دانی حساب کم و بیش را

اس عظیم الشان جلسہ میں شیخ صاحب نے اپنی تقریر کے دوران کہا:۔ "میں نہیں جانتا ہوں کہ مجھے کیوں گرفتار کیا گیا اور کیوں رہا کیا گیا — اب ہندوستان کی آزادی کے بعد ریاست جموں و کشمیر کے مستقبل کے بارے میں تین نقطے اُبھر آتے ہیں۔ ۱۔ ہندوستان سے الحاق ۲۔ پاکستان سے الحاق ۳۔ ریاست کی خود مختارانہ حیثیت —" انہوں نے آخرالذکر کو معاشی، اقتصادی اور جغرافیائی محل وقوع کی بنا پر مبہم الفاظ میں رد کیا اور مسٹر جناح کے دو قومی نظریہ کی نفی کرتے کہا —

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۳ سے) صفحہ ۲۳۵ پر اس واقعہ کا تذکرہ کرتے لکھا ہے:۔ "کشمیری عوام اور جمہوری دنیا کو فریب دینے کے لئے شیخ محمد عبداللہ کو بھدرواہ جیل سے سری نگر منتقل کیا گیا۔ ٹھاکر جنک سنگھ اور رائے بہادر شیام سندر لال دھر کے ذریعہ غلامانہ اقتدار کی تجویز کی گئی۔"

"گو کہ میں اس کا نہ کبھی قائل تھا اور نہ اب ہوں مگر باوجود اس کے آج پاکستان ایک حقیقت ہے جو دوست یہاں پاکستان کے ساتھ ریاست کی شمولیت کے بارے میں بڑھ چڑھ کر نعرے لگاتے ہیں انہیں مخلصانہ اور محتاط انداز میں اس کے ردِ عمل پر غور کرنا چاہیے۔ کہیں یہاں بھی ویسے ہی حالات رونما نہ ہوں جن سے آج برصغیر ہند و پاک دوچار ہے۔ مسٹر جناح نے کوئٹ کشمیر تحریک کے دوران ہمیں روسی ایجنٹ اور غنڈے کہہ کر ہماری تضحیک کی۔ برعکس اس کے پنڈت جواہر لال نہرو نے نہ صرف ہماری حمایت و مدد کی بلکہ ہماری خاطر جیل جانے سے بھی گریز نہیں کیا۔ میں اُن کا اور گاندھی جی کا بے حد مشکور ہوں۔ لیکن کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں ہمارے سامنے نہ مسٹر جناح کی دشمنی حائل ہو سکتی ہے اور نہ پنڈت جی کی دوستی کا لحاظ رکھا جائے گا۔ کشمیر کے مفاد کو دوستی یا عداوت کے جذبہ پر قربان نہیں ہونے دیا جائے گا۔"

شیخ صاحب نے اپنی تقریر کے دوران ایسا لب و لہجہ اختیار کرنے کی سعی کی جس سے ہند و پاک دونوں کو خوش رکھا جائے۔ البتہ روانیِ الفاظ اور جوش و خروش کے بہاؤ میں آ کر شیخ صاحب نے پاکستان کی اقتصادیات کو یہ کہہ کر چھیڑا کہ "پاکستان کے پاس خود اپنے عوام کو دینے کے لئے کچھ نہیں ہے وہ اپنے ساتھ ملا کر ہمیں کیا دے گا۔ ہم ریاست کے الحاق پر اُس وقت تک سوچ بھی نہیں سکتے جب تک کہ عوام کو اقتدار منتقل نہ کیا جائے۔ جب ہم آزاد ہوں گے تب ہی آزادانہ طور پر دونوں میں سے کسی ایک ڈومینین میں شامل ہونے کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔"

شیخ محمد عبداللہ کے مبہم اور گومگو خیالات سننے کے بعد مسلمانوں کا ایک دھڑا جو نیشنل کانفرنس میں بھی شامل تھا اُن سے برملا اظہارِ بدظنی کرنے لگے۔ مگر بقول شیخ صاحب "وہ بڑے مضبوط دل و دماغ کے انسان ہیں" انہوں نے اپنے دل و دماغ میں ایک رائے قائم کر لی تھی جس کو موقع و محل دیکھ کر ایک ماہر سیاستدان کی طرح دھیرے دھیرے لوگوں تک پہنچانا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ۵؍ اکتوبر کو مجاہد منزل میں اسیرانِ کوئٹ کشمیر کی جشنِ رہائی[۱] کے موقع پر مسئلہ الحاق کے موضوع پر خیال آرائی کرتے اپنی دلی کیفیت کا بڑی ہوشیاری سے اعادہ کیا اور سامعین کو مخاطب کرتے اپنے نظریاتی مخالفین کو فہمائش کی کہ وہ پاکستان ریڈیو سے ایسی خبریں نشر نہ کرائیں جس سے اس پروپیگنڈے کو تقویت ملے کہ شیخ محمد عبداللہ اور حکومت کشمیر کے درمیان خفیہ معاہدہ طے پایا ہے۔" اس سے وہ ہمارے جذبات کو اُبھارتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر اشتعال میں آ کر ہم کہہ دیں گے ـــ جاؤ ہم ہندوستان میں شامل ہو جائیں گے۔" زیرک اور دانا کشمیری قوم شیخ محمد عبداللہ کے مافی الضمیر کو سمجھتے ہوئے بھی ان سے واشگاف الفاظ میں مسئلہ الحاق کے بارے میں وضاحت سے سننا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس زمرہ کے خوش فہمیوں کو لباب سیاست کی باریکیوں کو ذہن نشین کرانے کے لئے شیخ صاحب نے ۱۹؍ اکتوبر کو حضرت بل کی تقریر میں گورنر جنرل پاکستان مسٹر محمد علی جناح پر شدید نکتہ چینی کی اور اُن کے ایک سابقہ بیان کو اپنے موضوعِ سخن کا محور بنایا۔ جس میں کہا گیا تھا "مسلم لیگ ریاستوں[۲] کے اندرونی معاملا

---

[۱]: اس جلسہ میں غلام محی الدین ہمدانی نے ۲۳ رہا شدگان کو عوام سے متعارف کرایا۔

[۲]۔ حالانکہ اس سے قبل کئی بار شیخ صاحب نے بذات خود بیرون ریاست کی سیاسی جماعتوں سے اپیل کی تھی کہ وہ ریاست کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کریں۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ہری پورا اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعہ اعلان کیا گیا کہ کانگریس دیسی ریاستوں کی سیاست میں مداخلت کرنا نہیں چاہتی ہے۔ تفصیلات کے لئے تحریک حریت کشمیر جلد دوم صفحہ ۴۷ – ۴۴، ۴۶، ۴۷ اور ۴۹۔ یہ ریاست کے اندرونی معاملات میں مداخلت

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۵۲ پر)

میں دفن دینے والی پالیسی کو ریاستی عوام کے بنیادی حقوق کے خلاف سمجھتی ہے۔ شیخ صاحب نے اس جملے کی تشریح میں کہا — "اگر ہماری ریاست نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا تو اس اعلان کی رُو سے ہم ہمیشہ جاگیردارانہ نظام کے غلام بنتے رہیں گے۔" یہ کہتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ بھول گئے کہ ہندوستان اور پاکستان سے الحاق کرنے والی تمام ریاستوں کے عوام نے اندرونی آزادی اور جاگیردارانہ نظام کے خاتمہ کی اُمید پر ہی متعلقہ ڈومینیوں سے الحاق کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان دنوں شیخ صاحب کے رگ و پے میں کانگریسی لیڈروں کی قربت اس حد تک سموگئی تھی وہ فیلِ بے مہار کی طرح ابن الوقت اور چاپلوسوں کے واحد لیڈر والے نعرے سے کچھ اس انداز میں جھومنے لگے۔ جس سے اُن کی قائدانہ صلاحیتوں کا کم اور وقتی جوش و خروش کا زیادہ مظاہرہ ہونے لگا۔ بقولِ جگر ؎

فکرِ منزل ہے نہ ہوشِ جادۂ منزل مجھے — جا رہا ہوں جس طرف لے جا رہا ہے دل مجھے

مولانا مسعودی کے اعزاز میں جلسہ

حکومت نے خفیہ باہمی اعتماد کے زیرِ اثر مفاہمت کا رابطہ بڑھانے کی خاطر کشمیر چھوڑ دو تحریک کے دوران گرفتار شدہ تمام نیشنل کانفرنسیوں کو غیر مشروط طور پر رہا کرنا شروع کیا۔ چنانچہ بھدرواہ جیل سے مرزا محمد افضل بیگ، کشیپ بندھو، سردار بدھ سنگھ، رام نگر قلعہ سے صوفی محمد اکبر، پنڈت شیام لال صراف، میرپور جیل سے گیانی سنت سنگھ، مظفرآباد سب جیل سے مولانا محمد سعید مسعودی، ماسٹر عبدالعزیز اور [illegible] رہا کئے گئے۔ ان کے خیرمقدم کے لئے ڈسٹرکٹ نیشنل کانفرنس سری نگر نے ۱۵ اکتوبر کو حضوری باغ میں استقبالیہ جلسہ کا اہتمام کیا۔ جہاں کئی مقررین کے بعد مولانا مسعودی نے اپنے مخصوص فلسفیانہ انداز میں مظفرآباد سب جیل کے محل وقوع سے

حاشیہ [illegible] کوئی [illegible] نہیں ہے بلکہ ریاست کے مستقبل اور وہ آزاد [illegible] کسی ایک کے [illegible]

اپنے زندان کے آخری ایام تک کے دلخراش واقعات کا نقشہ کھینچا۔ مولانا نے اپنی اسیری کے آخری دنوں میں پونچھ سے لائے ہوئے اُن سیاسی قیدیوں[1] کا تذکرہ بھی کیا۔ جنہیں راجہ پونچھ کی ناعاقبت اندیشی اور وزیرِ اعظم سیین کی کوتاہ اندیشی نے بغاوت پر اُکسایا تھا۔ باشندگانِ پونچھ پر روا رکھے گئے ظلم و تشدد کو جاگیردارانہ نظام کی دین کہہ کر اس کی مذمت کی۔ انہوں نے مسئلہ الحاق کے مختلف پہلوؤں پر اظہارِ خیال کرتے کہا۔ "ہم نے ریاست میں جاگیردارانہ نظام کا نام و نشان مٹانے کے لئے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریوں کو لبیک کہا اور جب رہا ہوئے وہ نظام وہی ہے جہاں کوئٹ کشمیر تحریک سے پہلے تھا۔ البتہ جب ہم جیل گئے ہندوستان پر تاجِ برطانیہ کا راج تھا۔ جیل سے رہا ہوئے ہندوستان آزاد ہو چکا ہے اور پاکستان عالمِ وجود میں آیا ہے۔ پاکستان کو ایک آزاد مملکت کی حیثیت میں تسلیم کرنے کی خاطر ہندوستان کی جانب سے پنڈت جواہر لال نہرو، مہاتما گاندھی اور سردار ولبھ بھائی پٹیل نے اپنے دستخط کئے ہیں۔ بعینہٖ ہندوستان کو آزاد مملکت کی حیثیت میں ماننے کے لئے مسٹر محمد علی جناح، نوابزادہ لیاقت علی خان اور سردار عبدالرب نشتر نے اپنے دستخط ثبت کئے ہیں۔ اس لئے اب جو لوگ ہندوستان یا پاکستان کی مخالفت میں یہ نعرے لگاتے ہیں "ہندوستان کو مٹا دیں گے یا پاکستان کو تباہ کریں گے" وہ دراصل ہندوستان یا پاکستان کی مخالفت نہیں کرتے ہیں بلکہ اُن لیڈروں اور قائدین کی تضحیک کرتے ہیں جن کے حامی ہونے کا وہ دم بھرتے ہیں۔ اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا جائے گا کہ ہمیں کانگریسی لیڈروں نے یقین دلایا تھا کہ وہ ہندوستان کو تقسیم ہونے نہیں دیں گے۔

[1] ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے دن قبائلی حملے کی گولہ باری سے تقریباً یہ تمام مسلمان قیدی مظفرآباد سب جیل میں ہلاک ہوئے۔

اب جبکہ انہوں نے ہمیں اعتماد میں لئے بغیر ہی تقسیمِ ہند کی پالیسی کو اپنایا۔ تو ہم اپنے تئیں اُس عہد و پیمان کے پابند نہیں قرار پا سکتے جو ہندوستان سے اپنی وابستگی کے بارے میں ہمارے درمیان ایک طے شدہ فیصلہ تھا۔"

مولانا ابھی اس موضوع پر بول ہی رہے تھے کہ شیخ محمد عبداللہ جن کی صدارت میں جلسہ ہو رہا تھا اور غلام محی الدین قرہ نے اُن کی شیروانی کی پُشت کے دونوں نوک پکڑ کر انہیں گھسیٹ کر بٹھایا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر شیخ صاحب نے کہا — "مولانا ابھی ابھی جیل سے رہا ہو کر آتے ہیں انہیں بدلتے ہوئے حالات کا مشاہدہ نہیں ہے۔" جلسہ معمولی جھگڑے کے بعد برخاست ہوا۔ اس طرح شیخ محمد عبداللہ نے اپنے مافی الضمیر پر لپٹے ہوئے ریشمی لبادوں اور تخیل کے پردوں کو خود ہی نوچ کر لوگوں کے سامنے بے حجاب کیا۔

پنڈت دوارکا ناتھ کاچرو کا خط

شیخ صاحب کے خیالات جاننے اور اُن کے طریقِ کار کا تجزیہ کرنے کے لئے پنڈت جواہر لال نہرو نے پنڈت دوارکا ناتھ کاچرو سیکرٹری آل انڈیا سٹیٹس پیوپلز کانفرنس کو حالات کا مشاہدہ کرنے یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کو سری نگر بھیجا تھا۔ مسٹر کاچرو نے ۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ۱۹ نکات پر مشتمل مکتوب[1] کشمیر اور شیخ محمد عبداللہ کے نظریات کے بارے میں پنڈت نہرو کو بھیجا۔ ملاحظہ فرمائیے:

سری نگر۔ ۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء

پیارے پنڈت جی!

میں گذشتہ چار دن سے یہاں ہوں اور اُمید ہے کہ سوموار کو بذریعہ ہوائی جہاز

[1] سردار پٹیل کی خط و کتابت جلد اول ص ۵۴ - ۵۵ ۔

واپس آؤں گا۔ یہاں کے حالات کا خلاصہ یوں ہے:-

۱۔ شیخ صاحب اور اُس کے نزدیکی ساتھیوں نے ہند یونین کے حق میں فیصلہ کر لیا ہے۔

۲۔ مگر ابھی اس فیصلہ کا اعلان نہیں کیا گیا اور یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ ابھی تک نیشنل کانفرنس نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

۳۔ نیشنل کانفرنس کے بیشتر لیڈر جیلوں میں ہی ہیں صرف شیخ محمد عبداللہ کو رہا کیا گیا ہے۔

۴۔ شیخ صاحب نے یہ کہا ہے کہ تمام سیاسی قیدی رہا کر دیئے جائیں اور ورکنگ کمیٹی اور جنرل کونسل کی میٹنگ منعقد ہونا ممکن بنائی جائے تاکہ عوام کے سامنے جو مسئلہ ہے اُس کا فیصلہ ہو سکے۔

۵۔ فی الحال شیخ صاحب نے تقاریر کا سلسلہ شروع کر دیا ہے تاکہ نیشنل کانفرنس جو لابدی فیصلہ کرنے والی ہے اُس کے حق میں رائے عامہ تیار ہو سکے۔

۶۔ تقاریر میں کہا جا رہا ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کا جو قتل ہوا ہے وہ دونوں مذاہب کے اصولوں کے خلاف ہے۔ الحاق کا فیصلہ مذہبی جذبات کی بنیاد پر نہیں ہو سکتا اور یہ کہ کشمیریوں کی مصیبت کے وقت اور اُن کی جدوجہد آزادی میں اگر کسی نے ساتھ دیا تو وہ گاندھی جی، جواہر لال اور کانگریس ہی تھی۔ مسلمانوں نے یا مسلم لیگ نے یا مسٹر جناح نے کبھی ہماری حمایت نہیں کی۔ یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ مسٹر جناح اور مسلم لیگ لوگوں کی نظروں میں ایسے پیش کئے جائیں کہ انہوں نے ہمیشہ کشمیریوں کی تحریک کی مخالفت کی ہے اور وہ والیانِ ریاست کی طرفداری کرتے ہیں۔

۷۔ اس بات پر زور دیا جا رہا ہے کہ کشمیر نیشنل کانفرنس کا نصب العین ہے کہ سرداری عوام کو منتقل ہو اور مہاراجہ صرف آئینی حکمران رہے اور الحاق

کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت بھی یہی اصول مدنظر رکھا جائے گا۔ مختصر یہ کر وہ اس ڈومینین کے ساتھ الحاق کریں گے جو اُن کے اس نصب العین کو حاصل کرنے میں مدد دے۔

۸۔ ایک اہم بات جس کو مدنظر رکھا جانا ضروری ہے وہ یہ ہے ریاستی نظم و نسق بالکل درہم برہم ہو چکا ہے۔ خوف و ہراس چھایا ہوا ہے حکومت کی طرف سے کوئی قابل شخص بات چیت کے لئے موجود نہیں ہے۔ نا ہی مہاراجہ نے تا حال شیخ صاحب سے گفت و شنید شروع کرنے کی جانب کوئی قدم بڑھایا۔

۹۔ مہاراجہ کوئی بھی فیصلہ کرنے کا نا اہل ہے شیخ صاحب نے مہاراجہ کو ایک عمدہ خط بھیجا ہے۔ مہارانی نے بھی شیخ محمد عبداللہ اور بیگم عبداللہ سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے مگر اس طرف مزید پیش رفت نہ حکومت کی طرف سے ہوئی ہے اور نہ مہاراجہ کی جانب سے۔

۱۰۔ ان حالات نے شیخ عبداللہ کو بے قرار کر دیا ہے اور اُس کے ساتھیوں کی مسلسل نظربندی کی وجہ سے معاملہ اور بھی سنگین بنتا جا رہا ہے۔

۱۱۔ شیخ صاحب یہ محسوس کرتے ہیں کہ انہیں فوری طور کافی حد تک اقتدار منتقل کیا جائے ورنہ نیشنل کانفرنس کی پوزیشن بہت خراب ہو جائے گی۔ لیگ کا مقابلہ کرنا، ریاست میں امن عامہ قائم رکھنے اور عوام کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے یہ لازم ہے کہ ہندیونین کے ساتھ الحاق کے ساتھ ساتھ نیشنل کانفرنس کے ساتھ تصفیہ کیا جائے۔

۱۲۔ نیشنل کانفرنس کا بدل صرف مسلم فرقہ پرست جماعت ہی ہو سکتی ہے اس لئے نیشنل کانفرنس زور دے رہی ہے کہ اسے ریاست کے انتظامیہ کے متعلق اعتماد میں لیا جائے اور نظم و نسق کے اختیارات سونپے جائیں۔

۱۳۔ اقلیتوں کے ترقی پسند طبقہ کا بھی یہی مطالبہ ہے۔ ہے شیخ عبداللہ کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں۔

۱۴۔ کشمیر نہایت خطرناک حالات سے دوچار ہے اور جب تک کانگریس مضبوط قدم اٹھا کر مہاراجہ کو نیشنل کانفرنس کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے لئے مجبور نہیں کرتی تب تک کشمیر کا مستقبل نہایت تاریک ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسے مسلم لیگ کے لیڈروں یا پرائیویٹ ہتھیار بندوں کے ہاتھوں میں پڑنے سے نہیں روک سکتی۔

۱۵۔ شیخ صاحب کو آج آپ کا خط مل گیا اور کل تک اس کا جواب تیار کر لیا جائے گا۔

۱۶۔ غالباً میں سوموار کو بذریعہ ہوائی جہاز واپس آؤں گا اور شیخ صاحب کا خط ساتھ ہی لیتا آؤں گا۔ یہ ایک طویل خط ہو گا جس میں نیشنل کانفرنس کے کیس پر پوری روشنی ڈالی جائے گی۔

۱۷۔ شیخ صاحب کی زبردست خواہش تھی کہ وہ دہلی آکر آپ سے مل سکے مگر یہاں کے حالات ایسے ہیں کہ ابھی مزید چند روز اُس کا دہلی آنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ اس لئے انہوں نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں واپس جا کر آپ کو اور سردار پٹیل کو سب حالات سے آگاہ کروں۔

۱۸۔ مجھے یہ تو یقین ہے کہ ہم سب سے زیادہ بہتر، آپ خود ان حالات کی اہمیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مگر مجھے اُمید ہے کہ آپ کے ساتھی بھی آپ کے ہم خیال بن سکیں گے۔

۱۹۔ میرا خیال ہے کہ آپ یہاں کے حالات کی اہمیت کو محسوس کریں گے۔

آپ کا : دوارکا ناتھ

پونچھ میں بغاوت

نئی دنیا بنانے کو نئے عنصر نہیں آتے
یہی عنصر بدلتے ہیں یہی فرسودہ ہوتے ہیں

وادی میں شیخ محمد عبداللہ کے بیانات سے بھڑک سی مچ گئی۔ ابھی عوامی ردعمل ظاہر ہی ہو رہا تھا کہ پونچھ کے کشیدہ حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے گئے۔ پونچھ میں رونما ہونے والے بعد کے واقعات نے تو تمام دنیا کی توجہ پہلی بار اپنی جانب مرکوز کرائی۔

پونچھ مسلم اکثریتی علاقہ ہے جہاں کے باشندے سپاہ گیری پیشے کے لئے مشہور ہیں۔ اس علاقے کے تقریباً اسی فیصد جفاکش اور باہمت جوانوں نے دوسری عالمگیر جنگ میں اپنی بہادرانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے اور اُن کی یہی صفت ان کے لئے مصیبت بن گئی۔ ریاستی حکومت ان پر فخر محسوس کرنے کے بجائے اُن سے خوفزدہ ہوئی۔ اور اُن سے فائدہ اُٹھانے کے بجائے انہیں پامال کرنے کے خفیہ منصوبوں پر غور کرنے لگی۔ چنانچہ اُن کی اقتصادی بدحالی میں اضافہ کرنے کے پروگرام کو عملی شکل دینے کے لئے جاگیر پونچھ کے وزیر بھیم سین نے راجہ کے مشورے سے چولہا ٹیکس کے نام پر ہر کنبہ

لے: بغاوت کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جب مہاراجہ ہری سنگھ نے بلدیو سنگھ پٹھانیہ کے ساتھ راولاکوٹ کا دورہ کیا۔ ان دنوں ریٹائرڈ کیپٹن خان محمد خان المعروف بڑا خان جو کہ ریکروٹنگ آفیسر بھی رہ چکا تھا نے تمام سابق فوجیوں کو جمع کر کے مہاراجہ کو سلامی دی۔ دراصل اس کی نیت بُری نہیں تھی اُس نے مہاراجہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایسا کیا تھا لیکن مہاراجہ "بہادر" اس مظاہرے سے خوفزدہ ہوا اُس نے بلدیو سنگھ سے کہا۔ یہ تو اچھی بھلی آرمی ہے ان سے لائسنس یافتہ اور بغیر لائسنس کے تمام ہتھیار چھین لو میں تو ان سے خوف محسوس کرتا ہوں ان سے ہتھیار چھین لینے کے عمل نے ہی انہیں مہاراجہ کی نیت پر شک و شبہ کرنے پر اکسایا۔

پر ایک نیا ٹیکس عائد کیا جس سے لوگوں میں بے چینی پھیلی اور اس کے خلاف احتجاجی جلسے ہونے لگے اس پر جاگیر پونچھ نے ٹیکس منسوخ کرنے کے بجائے شرح ٹیکس میں اضافہ کر کے اُس کی وصولی میں متشددانہ کارروائیاں شروع کیں اور اندھا دھند گرفتاریوں کا سلسلہ جاری کیا۔ دنوں میں ہزاروں افراد گرفتار کر لئے گئے جس سے جاگیر میں انارکی اور طوائف الملوکی کے آثار ظاہر ہونے لگے اس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے مشرقی پنجاب کی مسلم لیگ نے حکومت پاکستان کے اشارے پر مسلم کانفرنس کارکنوں سے مل کر جاگیر پونچھ کے علاوہ میرپور، کوٹلی، بھمبر اور راجوری میں پاکستان کے حق میں پروپیگنڈے کی مہم تیز کی۔ پنجاب کے ہندو مسلم فسادات نے یقیناً اس پروپیگنڈے کو خوب ابھار دی۔ یہ عمل مہاراجہ کشمیر اور اس کے مشیروں کو ناگوار خاطر گذرا۔ انہوں نے بغیر کسی توقف فوری مہارت اور باضابطہ پلان کے اس علاقے میں اپنی عسکری طاقت اور برتری کا مظاہرہ کرنے کے لئے لیفٹیننٹ کرنل کشمیر سنگھ کٹوچ کی زیر سرکردگی میں سپیشل کمانڈ کا قیام عمل میں لایا اور راؤ بہادر کرنل بلدیو سنگھ پٹھانیہ کو شہری نظم و نسق کا منتظم (انچارج) مقرر کیا۔ اس ساری کارروائی کا مقصد بظاہر یہ تھا کہ فرقہ وارانہ کشیدگی اور تناؤ کو کم کیا جائے لیکن کرنل پٹھانیہ نے برعکس اس کے غیر مسلموں میں اسلحہ تقسیم کئے اور وسیع پیمانے پر فرقہ وارانہ فسادات برپا کرائے۔ ہر تنومند مسلمان کو باغی کا نام دے کر گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ اس نادر شاہی حکم سے خصوصیت کے ساتھ سابقہ فوجی سپاہی اور آفیسر دھر لئے گئے۔ کئی مسلمان بستیوں میں آگ لگا دی گئی۔ لوگوں جن میں ضعیف، بچے اور عورتیں شامل تھیں سرحد پار دھکیلنے کی کارروائی شروع کی گئی۔

عوامی مسلح بغاوت

یہ عمل اگست ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ پاکستان کے عالم وجود میں آتے ہی

پاکستان کے حکمرانوں نے پونچھ کے سابق فوجیوں کو خفیہ طور پر متحد اور منظم کرنا شروع کیا اور اس علاقے میں رہنے والے مسلم کانفرنسی لیڈروں نے بڑی ہوشیاری سے لوگوں کے بھڑکتے ہوئے جذبات اور پونچھ کے ماحول کی افتاد سے ہم آہنگی پیدا کی۔ انھوں نے ہندو حکمرانوں کے طرزِ ستم اور مسلم رعایا کی مظلومی کی داستانیں سنا سنا کر حکومت کی دسترس سے محفوظ بچے کھچے سابق فوجیوں کی حوصلہ افزائی کر کے انہیں ہتھیاروں کی فراہمی کا وعدہ دے کر مسلح بغاوت پر اکسایا۔ ہتھیار فراہم کرنے میں آزاد ہند فوج کے جنرل محمد زمان کیانی نے اپنی جائیداد فروخت کر کے پیر مانکی شریف جو صوبہ سرحد کے سرکردہ مسلم لیگی رہنما تھے کی وساطت اور امداد سے صوبہ سرحد سے رائفلیں حاصل کر کے پونچھ، میر پور اور کوٹلی کے مسلمانوں تک وسط ستمبر میں ہی پہنچیں۔ علاقہ سدھنوتی اور باغ میں سابق فوجیوں کی کئی خفیہ اور غیر رسمی میٹنگیں ہوئیں جن میں ریاستی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے باقاعدہ خفیہ فوجی تیاریوں کے مرحلے طے ہوئے۔ یہ خفیہ تیاریاں زیادہ دیر تک خفیہ نہ رہیں۔

چنانچہ نیلا بٹ (پونچھ) کے مقام پر ۲۳ اگست[2] ۱۹۴۷ء کو ڈوگرہ فوج اور پونچھی عوام میں پہلی بار براہ راست ٹکر ہوئی۔ اس دن آزاد کشمیر کے ایک سابق صدر سردار محمد عبدالقیوم خان نے ریاستی فوج پر پہلی گولی داغی اور عوامی سطح پر مسلح بغاوت کی بسم اللہ کی اور یہیں سید خادم حسین شاہ شہید ہوئے۔ چنانچہ ۲۶ اگست کو باغ کے میدان ہڈا باڑی میں پونچھی مسلمانوں کے ایک اجتماع سے سردار محمد عبدالقیوم خان خطاب کر رہے تھے کہ ڈوگرہ فوج نے اُن پر فائر کیا۔ گولی قابل خان نام کے ایک پونچھی مسلمان کو لگی۔ اس پر ریاستی افواج اور پونچھی عوام کے درمیان گولیوں کا تبادلہ ہوا۔ ریاستی افواج نے برین گنوں کا استعمال کیا جس سے ایک درجن کے قریب مسلمان شہید ہوئے۔ اسی روز نئی لیپاڑی کے کیمپ سے غازی محمد بخش نے ریاستی فوج سے چھینی ہوئی رائفل سے جوابی فائرنگ کی۔ ۳۰ اگست کو جولی چیڑ اور دوتھان کے مقامات پر غازی محمد بخش اور سردار محمد عبدالقیوم خان نے گھات لگا کر ریاستی فوج پر حملہ کیا، جبکہ ۲۷ اگست کو دوتھان کے مقام پر کیپٹن حسین خان اور لیفٹیننٹ سردار محمد اشرف خان کی پارٹی کا ڈوگرہ فوج سے خاصہ تصادم ہوا اور ان کی پارٹی کے ہاتھوں ۲ اکتوبر کو ۲۱ ریاستی فوجی مارے گئے۔ تھانہ دھیر کوٹ (کوٹلی) کو جلایا گیا۔ اسی روز نائیک اللہ دتہ نے سنگ پر حملہ کیا اور تھوراڑ کے مقام پر جگت رام جج کو گولی مار کر ہلاک کیا۔ ۵ اکتوبر کو صوبیدار میجر محمد نصر خان ڈوگرہ افواج سے لڑتے ہوئے جاں بحق ہوئے۔

مہاراجہ کی گرفتاری کا منصوبہ

اس تصادم کو راجہ پونچھ نے مسلمانوں کی بغاوت کا نام دے کر اپنے خدشات کا اظہار مہاراجہ ہری سنگھ کے روبرو کیا۔ مہاراجہ کا اندازِ فکر بدل چکا تھا۔ اس نے پونچھ میں پاکستان کی سرحدات سے ملحق ہونے کی بنا پر حفظ ماتقدم کے طور پر کئی نئی فوجی چوکیاں قائم کرائیں۔ بنکر اور خندقیں کھودی گئیں۔ فوجی سپاہیوں نے علاقے کے

۱: ۱۹۹۰-۹۱ء میں جیپ کے ایک حادثے میں وفات پا گئے۔

۲: ۲۳ اگست آزاد کشمیر میں ہر سال یومِ جہاد کے طور پر منایا جاتا ہے۔ بعض لوگ سردار محمد عبدالقیوم خان کے پہلی گولی چلانے کے واقعہ سے اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ جابر لوہار کیپٹن حسین خان شہید پونچھ ہیں اور دوسرے درجے پر سردار قیوم خان، کیپٹن خان محمد خان، صوبیدار میجر شفیق اللہ، رحمت خان بالترتیب، راجہ غلام حیدر خان جنڈالوی ریلیف بھی شامل ہیں اور کیپٹن ڈاکٹر ظفر کو زخمیوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی کے کام میں اول درجہ پر ٹھہراتے ہیں۔ انصاف راولپنڈی ۲ اگست ۱۹۸۲ء کے شمارے میں سردار محمد اشرف خان نے دعویٰ کیا ہے کہ ڈوگرہ افواج پر پہلی گولی میں نے چلائی تھی۔

باشندوں پر نہ صرف اپنی دہشت پسندی کے مظاہروں کو تیز تر کیا بلکہ معصوم اور ادھ کھلی نوخیز کونپلوں کو بھی اپنی ہوس گیری کا نشانہ بنایا۔ اس سے عام لوگوں میں حکومت کے خلاف بدظنی اور نفرت میں مزید اضافہ ہوا۔ وہ خفیہ فوجی تنظیم میں جوق در جوق بھرتی ہونے لگے۔ سکیم کے تحت خفیہ تنظیم میں اتنے سپاہی بھرتی کئے جانے مطلوب تھے جو تعداد میں مہاراجہ کی فوج سے زیادہ بنتے اور موقع پاتے ہی مسلم کانفرنسی لیڈروں کے اشارے پر ریاست کے تمام اہم پلوں کو اڑا کر نہ صرف مہاراجہ کے افواج کو پامال کرتے بلکہ مہاراجہ کو گرفتار کر کے حسب منشاء اسے پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے پر مجبور کراتے لیکن یہ سکیم اس وقت ناکام ہوئی جب حکومت نے کثیر تعداد میں مسلم کانفرنسی لیڈروں کی وارنٹ گرفتاری جاری کی اس پر خفیہ تنظیم کے لیڈروں کو اپنا پروگرام تبدیل کرنا پڑا۔

تھری ناٹ تھری کا استعمال

حالات کے تیزی سے بدلنے کے بعد ستمبر میں کھانی گالر کے مقام پر عوامی جنگ معرکے میں بیس پونچھی شہید اور ایک درجن کے قریب ڈوگرہ فوجی زخمی ہوئے۔ ۱۰ اکتوبر کو باغ کے علاقے میں خفیہ تنظیم اور مہاراجہ کی افواج کے درمیان براہ راست ٹکر ہوئی۔ یہیں پر فوجی تنظیم کے رضاکاروں نے پہلی بار تھری ناٹ تھری کی بندوقوں کا آزادانہ استعمال کیا جس سے حکومت کا شبہ یقین میں تبدیل ہوا۔ کہ ریاستی عوام کو پاکستانی حکومت مسلح کر کے بغاوت پر اکسا رہی ہے۔ ظاہر ہے پاکستان کی طرف سے اس دباؤ کا واحد مقصد مہاراجہ کو پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے پر مجبور کرنا تھا۔ یہ لمحات نہ صرف ہری سنگھ کی زندگی کے مشکل ترین تھے۔ بلکہ اس کی سنجیدگی کا بھی امتحان تھا کہ وہ اپنے بدلتے ہوئے خیالات کو کن منتخب الفاظ کا لبادہ پہنا کر ہندوستان کے ساتھ

کشمیر کے الحاق کا واضح اشارہ کرے گا۔ چنانچہ اس نے اپنی مہم اور ارادے کی وضاحت کے لئے ڈپٹی پرائم منسٹر مسٹر رام لال* باترا کا انتخاب کیا۔ جس نے دہلی میں ایک پریس کانفرنس میں بیان دیتے ہوئے کہا۔

"ہم ہند اور پاکستان دونوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے ہیں باوجود لگاتار افواہوں کے ہمارا ارادہ نہ تو ہندوستان کے ساتھ شامل ہونے کا ہے اور نہ پاکستان کے ساتھ۔ مہاراجہ اور اس کی حکومت نے فیصلہ لیا ہے جب تک ہند میں امن و امان قائم نہ ہو جائے تب تک اس مسئلے کا تصفیہ نہ کیا جائے یہ فیصلہ اسی صورت میں بدلا جا سکتا ہے جب دونوں میں سے کوئی ہمارے خلاف طاقت کا استعمال کرنے پر اتر آئے۔ مہاراجہ نے مجھے بتایا ہے کہ اس کا منشاء یہ ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کو مشرق کا سوئٹزرلینڈ بنایا جائے جو مکمل غیر جانبدار ملک ہے۔ چونکہ کشمیر کی آمدنی کا زیادہ ذریعہ سیاحت پر منحصر ہے اس لئے ہمیں خیال رکھنا چاہیئے جس ریاست میں فرقہ وارانہ فسادات ہوں وہاں سیاح ہرگز نہیں آئیں گے۔ کشمیر کی جغرافیائی پوزیشن بھی...."

---

* یہ رام لال باترہ ان دنوں اپنے ماتحت مسلم ملازمین سے اکثر یہ پوچھا کرتا تھا کہ تم لوگ کب مسلمان بنے ہو اور جواب سننے بغیر خود ہی کہتا تھا۔ کوئی بات نہیں اب کے جلدی ہندو بن جاؤ گے۔ رام لال باترہ ہندو راجپوتوں کو یہ یقین بھی دلا رہا تھا کہ کشمیر پر پاکستان کی جانب سے حملہ ہونے کی صورت میں ایک خفیہ معاہدہ کے تحت جو مہاراجہ کشمیر اور حکومت نیپال کے درمیان طے پایا ہے۔ حکومت نیپال دس ہزار سپاہیوں کو مہاراجہ کی فوری مدد کے لئے بھیجے گا۔

اہم ہے اور ہم اسے ایک شاندار تفریح گاہ بنانا چاہتے ہیں۔ ہماری سرحدیں چونکہ ہندوستان، پاکستان، تبت، روس، افغانستان اور سنکیانگ سے ملتی ہیں۔ (بحوالہ ہندوستان ٹائمز نئی دہلی ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

دہلی جاتے ہوئے رام لال بانرہ کا اٹیچی کیس لاہور ہوائی اڈہ پر اٹھا لیا گیا جس میں ایسے کاغذات تھے جن کی روشنی میں ہندوستان سے ریاست کے الحاق پر گفت و شنید کرنی مطلوب تھی۔ ان کاغذات کے مطالعے سے بھی پاکستانی حکمرانوں کو مہاراجہ ہری سنگھ کے ارادوں کا پتہ چلا۔

احتجاجی مراسلے

۱۵ اکتوبر کو ریاست کے وزیراعظم مہر چند مہاجن نے برطانوی وزیراعظم مسٹر اٹیلی کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں پاکستان کی ناکہ بندی کی شکایت کرتے گورداسپور سے گلگت تک پھیلی ہوئی ۵۲۵ میل ریاستی سرحد پر پاکستان کی جانب سے حملے کے خوف کا اندیشہ ظاہر کیا اور استدعا کی کہ وہ حکومت پاکستان کو کامن ویلتھ کا ممبر ہونے کے ناطے ریاست جموں و کشمیر سے اسٹینڈ اسٹیل ایگریمنٹ کے تحت اور کامن ویلتھ کے اصولوں کے مطابق برتاؤ کرنے پر آمادہ کریں۔ اس مکتوب کا کوئی جواب نہیں آیا۔ ۱۸ اکتوبر کو ریاستی حکومت نے دو الگ الگ احتجاجی مراسلے گورنر جنرل اور وزیراعظم پاکستان کے نام بھیجے جن میں اسٹینڈ اسٹیل ایگریمنٹ کی خلاف ورزی اور ریاستی سرحدوں پر جھڑپوں کے بارے میں باغیوں کو فوجی امداد دینے پر سخت احتجاج کیا گیا۔ گورنر جنرل پاکستان نے ۲۰ اکتوبر کو ریاستی حکومت کی مکتوب کے سخت لب و لہجہ پر افسوس ظاہر کرتے اپنے جواب میں ضروریات زندگی کی سپلائی میں تاخیر کی وجہ مشرقی پنجاب میں گڑبڑ اور کوئلے کی قلت ظاہر کی اور وعدہ کیا کہ حالات معمول پر آتے ہی [illegible]

جائے گی۔ لیاقت علی خان وزیراعظم پاکستان نے خط کے جواب میں پاکستان پر عاید کردہ الزامات کی تردید کرتے تجویز پیش کی کہ ان کی جانچ پڑتال کے لئے ریاستی حکومت ایک غیر جانبدار کمیشن مقرر کرے جس کے ممبران ریاستی حکومت کے نامزد ہوں۔ وزیراعظم پاکستان نے سرحدی جھڑپوں میں فوجی امداد کے الزام کو بعید از صداقت کہا۔

لاہور سے راز و نیاز

ستم ظریفی کی انتہا تو یہ ہے کہ ریاستی حکومت کو بظاہر پاکستان کی جانب سے حملے کا یقین بڑی دیر بعد ہوا۔ حالانکہ میر واعظ مولوی یوسف شاہ کے سری نگر سے چلے جانے اور قبائلی علاقوں کا دورہ کرنے والی خبروں کے آغاز سے ہی راولپنڈی کے مضافات اور شہر میں قبائلیوں کے اجتماعات دیکھنے میں آئے جو کھلے بندوں خان بہادر قلی خان کی قیادت میں جہاد کشمیر میں شرکت کو اپنی آمد کی وجہ بتاتے تھے اتنا ہی نہیں بلکہ سری نگر میں غلام نبی گلکار اور کئی دوسرے مسلم کانفرنسی رہنماؤں نے میجر طفیل[1]، محمد رفیق، اور خورشید انور اسسٹنٹ سالار مسلم لیگ نیشنل گارڈ کی ہدایت میں مسلم نیشنل گارڈ کے نام سے جو نیم فوجی تنظیم قائم کی اس کے ذریعہ سری نگر اور اس کے گردونواح میں باضابطہ اور کھلے عام مسلم نوجوانوں کو فوجی تربیت دی جانے لگی تھی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عوامی تحریکوں کو کامیابی کی منزلوں تک پہنچانے کے لئے لازم ہے کہ انتظامیہ میں ہمدرد اور حمایتی پیدا کئے جائیں۔ یہی وہ رابطہ ہے جس سے عوامی تحریک کو تقویت مل سکتی ہے اور جابرانہ طاقتوں کی عوام کش پالیسیوں کا قبل از وقت پتہ لگا کر تحریک کو صحیح سمت چلایا جاسکے۔ بیشک ریاست میں کوٹ کشمیر تحریک اور پونچھ کی بغاوت اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

غرض اس دور میں نواب ممدوٹ اور عبدالقیوم خان کی ہدایت پر پاکستان سے

---

[1] میجر طفیل پاکستان محکمہ سراغرسانی ایجنسی سے وابستہ تھے جنہوں نے یہاں کئی سرکردہ دیہاتی لیڈر



جناب عبدالسلام بٹ



مس محمودہ صاحبہ



محترمہ زینب بیگم



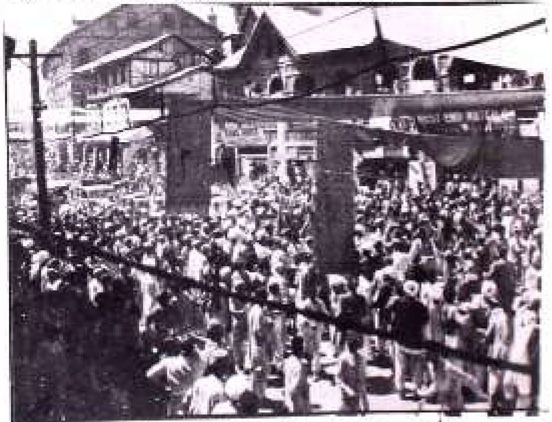
محترمہ ساجدہ ظہیر احمد



شری نند لال واتل ۔ مدیر روزنامہ خدمت : سرینگر



خواجہ عبدالصمد وانی (مدیر کشیر) راولپنڈی



۱۹۴۷ء میں شیخ صاحب کے دہلی سے واپس لوٹتے ہوئے ایک استقبالیہ

آئے ہوئے کئی سرکردہ مسلم لیگی لیڈروں[1] اور اعلیٰ حکام (جن میں جسٹس انوار الحق، میاں افتخار الدین، ملک تاج الدین، شیخ حسام الدین، ڈاکٹر محمد دین تاثیر، میجر اے جی بی بریگیڈیر حبیب الرحمان اور شیخ صادق حسین قابل ذکر ہیں۔ ان تمام اصحاب کو انفرادی طور پر نیشنل کانفرنسی لیڈروں اور شیخ محمد عبداللہ سے پرانے اور گہرے مراسم تھے۔ اسی بنا پر وہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے شیخ صاحب کو ریاست جموں و کشمیر کا الحاق پاکستان سے کرانے کی حمایت حاصل کرنے کی امید پر یہاں آئے تھے۔ یہ لوگ بخشی غلام محمد کے دولت خانہ واقع خانقاہ سوختہ پر یہاں کے ممتاز لیڈروں سے تبادلہ خیال کرتے رہے لیکن شیخ صاحب کو اپنا ہم خیال بنانے میں ناکام ہوئے۔ حالانکہ قیام لاہور کے دوران بخشی غلام محمد کو نواب افتخار حسین خان ممدوٹ، نوابزادہ لیاقت علی خان اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۹ سے) نیشنل کانفرنسیوں سے گہرا رابطہ قائم کر کے انہیں اندرونی بغاوت پر آمادہ کیا تھا لیکن شیخ صاحب کے اقتدار سنبھالتے ہی ساری اسکیم زمین بوس ہوئی۔ میجر طفیل، محمد رفیق اور اُن کے دوسرے نو ساتھی ہاؤس بوٹ سے گرفتار کر لئے گئے۔ البتہ خورشید انور اس سے قبل ہی یہاں سے چلے گئے تھے۔

[1] ڈاکٹر محمد دین تاثیر، آغا مظفر کے ہاں قیام پذیر تھے گو کہ وہ بظاہر اس وفد میں شیخ صاحب اور دوسرے قوم پرست لیڈروں کو پاکستانی حکمرانوں اور سیاستدانوں کی جانب سے اس بات پر آمادہ کرانے آئے تھے کہ وہ پاکستان سے الحاق کی حمایت کریں۔ اس ملاقات سے قبل ہی ایک شام ڈاکٹر تاثیر نے درگا پرشاد در سے ایک طویل ملاقات میں اپنا یہ عندیہ پیش کیا کہ ریاست کو ہندوپاک میں شامل کئے بغیر تاج برطانیہ کی سرپرستی میں ایک آزاد مملکت کی صورت میں رکھا جائے۔ دو گھنٹے کی یہ گفت و شنید ڈی پی در نے سی آئی ڈی کے ذریعہ دہلی کے سرکاری حلقوں تک پہنچائی۔ جہاں در صاحب کی اس کارکردگی کی کافی سراہنا کی گئی اور اسے دیرینہ دوستی کا تجدید عمل کہا گیا۔

خان عبدالقیوم خان نے کشمیر کا پاکستان سے الحاق کی صورت میں خاص مراعات کی پیشکش کی تھی۔ حق تو یہ ہے کہ غلام محمد صادق، بخشی غلام محمد اور کئی دوسرے سرکردہ نیشنل کانفرنسی لیڈروں نے اس دور میں نجی مجلسوں میں بدلتی ہوئی سیاسی صورت حال کے پیش نظر اپنے سیاسی نظریے میں لچک پیدا کی تھی۔ انہوں نے دلیلیں دے کر یہ کہنا شروع کیا، چونکہ نیشنل کانفرنس پر برصغیر ہند کی تقسیم اور پاکستان کے عالم وجود میں آنے کے بعد یہ امر عاید ہوتا ہے کہ ہم اپنی پالیسیوں اور سیاسی نظریات پر دوبارہ غور کریں۔ ان ہی دنوں خورشید حسن نے جو پچھلے دو مہینوں سے مسٹر جناح کی ہدایت پر شیخ صاحب کے تازہ خیالات اور نقطہ نظر یا اُفتاد کا جائزہ لینے کے لئے سری نگر میں قیام پذیر تھے۔ بخشی غلام محمد سے ایک طویل ملاقات کی۔ اس ملاقات میں بخشی غلام محمد انہیں یہ سمجھاتے رہے کہ پہلے اقتدار پر قبضہ کیا جائے بعد میں الحاق کا فیصلہ لیا جائے جبکہ خورشید حسن اس بات پر مصر تھے کہ پاکستان سے کشمیر کی شمولیت کے بعد اقتدار حاصل کرنا معمولی بات ہے۔ بات چیت کسی خاطر خواہ نتیجہ پر پہنچنے سے رہ گئی۔ اس ملاقات کی روئیداد خورشید حسن نے چالیس صفحات پر لکھ کر کراچی بھیجی۔ اس کے بعد خورشید حسن گرفتار کر کے سری نگر سنٹرل جیل میں قید کئے گئے۔ جہاں قاسم آغا شوکت علی، ایم۔ اے صابر، حاجی جلال الدین، حمزہ شریف، پروفیسر سیف الدین اُن کا بھائی غلام محمد، ابرار شاہ، سرور خان، عبدالغفار گجری، مولوی محمد امین، مولوی عبداللہ شوپیانی، سردار شاہ، مولوی نور الدین، پونچھ کے حسن شاہ، راولاکوٹ کے لطیف خان، عبدالغنی ریونیو ایڈووکیٹ، غلام رسول کانگف اس سے پہلے ہی مقید تھے۔

اس سارے سیاسی ڈرامے کی تہہ میں جہاں پاکستان کشمیر کے مسلم قوم پرست لیڈروں کو اپنا ہم خیال بنا کر اپنی داخلی استوار کرنے کا خواہش مند تھا، وہاں کشمیری رہنما دہلی سے مکمل رابطہ قائم رکھے ہوئے اتنا وقت چاہتے تھے جس میں مہاراجہ دہلی کے دباؤ میں آ کر انہیں اقتدار سونپ دے۔ مہاراجہ [illegible] کرنے کے لئے شیخ محمد عبداللہ ڈپلومیسی کا جواب ڈپلومیسی

سے دیتے ہوئے غلام محمد صادق کو پاکستان سے کشمیر کے الحاق کی صورت میں تفصیلات دریافت کرنے کے لئے لاہور بھیجا۔ ان دنوں لاہور بھی برصغیر کے دوسرے بڑے شہروں کی طرح ہندو مسلم فسادات کی وجہ سے قتل و غارت گری کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ غلام محمد صادق بحیثیت قوم پرست مسلمان ہونے کے سخت قسم کے مذہبی مسلمانوں کے عتاب کے سزاوار تھے۔ چنانچہ لاہور میں صادق صاحب نے حسب سابقہ انار کلی میں واقع دہلی مسلم ہوٹل میں قیام کیا۔ جہاں غلام محمد صادق کے آمد کی خبر سنتے ہی محمد یوسف صراف (سابق چیف جسٹس آزاد کشمیر ہائی کورٹ) پانچ سات سو نوجوان لے کر انار کلی کے اس ہوٹل پر جہاں صادق صاحب مقیم تھے حملہ کرنے کی غرض سے آئے۔ مشہور قوم پرست شاعر خان غازی خان جو آجکل دہلی میں مقیم ہیں نے ان حملہ آوروں کو دیکھ فوراً ہوٹل میں آکر چودھری محمد شفیع اور ہوٹل منیجر کو اطلاع دی جس نے غازی حسین بخش صدر انجمن اصلاح چار سو بیساں، ضیاء الحسن، صادق کاشمیری اور کئی دوسرے ساتھیوں نے مل کر اس حملے کو ناکام بنایا۔ اس واقعہ کے بعد خواجہ غلام محمد صادق حفیظ جالندھری کے ہاں اقامت پذیر ہوئے۔ ان دنوں ریاست جموں و کشمیر کے ممتاز ڈاکٹر سید نصیر احمد شاہ لاہور میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھے جو اپنے قوم پرست نظریات کی

۱؎ : انار کلی کا یہ ہوٹل خصوصاً جموں و کشمیر کے سیاسی ورکروں کے لئے ایک پناہ گاہ تھی۔ اس کا منیجر سردار محمد عالم جالندھری علاقہ ٹوکھو کا رہنے والا تھا اور اس کا نائب منیجر محمد شفیع لاہور کا باشندہ اور جماعت احرار کا سرگرم رکن تھا۔ ۲؎ : غازی حسین بخش بعد میں لاہور چھوڑ کر دہلی آئے اور وہیں وفات پائی۔ ۳؎ : ان میں میاں افتخار الدین، سوشلسٹ لیڈر محمد یوسف جو آل انڈیا سوشلسٹ پارٹی کا سالار تھا، عبداللطیف، کامریڈ معراج الدین گجراں والا، اور ماڈل کالج کے کشمیری پروفیسر میر ... شاہ اندرابی جن کا پنجاب کے لوگوں پر بڑا ...
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۲ پر)

وجہ سے کافی بدنام تھے۔ ان پر سات مرتبہ لاہور میں قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مگر ہر بار بچ نکلے۔ غرض ان اسباب کے باوجود خواجہ غلام محمد صادق لاہور میں پاکستانی رہنماؤں جن میں نوابزادہ لیاقت علی خان اور راجہ غضنفر علی خان قابل ذکر ہیں سے تفصیلات طے کرنے میں کامیاب ہوئے اور یہ طے پایا کہ شیخ محمد عبداللہ لاہور، راولپنڈی یا پشاور میں جہاں چاہیں گورنر جنرل پاکستان سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ صادق صاحب ابھی لاہور ہی میں تھے کہ شیخ محمد عبداللہ سری نگر سے دہلی پہنچے۔ بقول خواجہ غلام محمد صادق کے یہ خبر سنتے ہی مجھ پر برق سی گری اور میں نے بات چیت کی تفصیلات سنانے کا بہانہ بنا کر انڈین ایئرلائنز کے جہاز سے جس کی آخری پرواز لاہور سے دہلی کے لئے ہو رہی تھی اس میں سوار ہو کر دہلی پہنچا۔"

پاکستانی مکتوب

خواجہ غلام محمد صادق نے مجھے ایک ملاقات میں اس واقعہ کی تفصیلات سناتے ہوئے کہا کہ پاکستانی لیڈروں سے میری بات چیت کافی اُمید افزا رہی۔ یہ درست ہے کہ مسٹر جناح نے مجھ سے ملنے سے انکار کیا جب میں دہلی پہنچا اور شیخ محمد عبداللہ سے ملا اس وقت وہ پنڈت جواہر لال نہرو کے ہاں تھے۔ پنڈت جی کے استفسار پر میں نے سرسری واقعات

(القدیر و کشمیر صفحہ ...) اختر تھا۔ مولانا عبدالعزیز خطیب جامع مسجد میاں میر صاحب، مولانا محمد ... صاحب صدر انجمن خدام الدین لاہور، حکیم محمد اسلم قریشی، شیخ حسام الدین امرتسری، مولانا مظہر علی اظہر، عبدالمجید سالک ایڈیٹر "انقلاب"، مولانا غلام رسول مہر، مولانا نصیر اللہ خان، پروفیسر غلام ... طفیل تبسم، اُستاد دامن، اُستاد ... یہ دونوں اصحاب پنجابی زبان کے شاعر تھے۔ مولانا ... جو انار کلی جامع مسجد کے امام تھے۔ مولانا ظفر علی خان جو ... کا دستِ شفقت کشمیری رہنماؤں کے سروں پر تھا۔

بیان کرکے انتہائی رازداری کے انداز میں شیخ صاحب سے کشمیری زبان میں کہا آپ کے لئے
وہاں سے ایک مراسلہ بھی لایا ہوں۔ شیخ صاحب کا یہ سننا تھا فوراً اُردو میں مجھ سے مخاطب
ہوکر بولے "کہاں ہے وہ خط مجھے دے دو" ایک سخت ذہنی کوفت اور جھجک کے بعد
میں نے خط شیخ محمد عبداللہ کے حوالے کیا۔ خط کھول کر شیخ صاحب نے پنڈت جی کی طرف
بڑھایا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ خط پڑھنے کے بعد ہی پنڈت جی نے کشمیر میں زیادہ
دلچسپی لینی شروع کی۔

پہلے مسلمان بن کر آؤ

اس خط میں وزیر اعظم پاکستان نواب زادہ لیاقت علی خان نے شیخ صاحب کو پاکستان
آنے کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ استدعا کی تھی کہ آپ فی الحال ہندوستان کے ساتھ
کسی قسم کے معاہدے میں فریق نہ بنئے اور ضمنی طور پر اس امر کا اشارہ کیا کہ اگر کشمیر کا پاکستان
کے ساتھ الحاق ہو جائے گا تو پاکستان دفاع، رسل و رسائل اور خارجہ پالیسی کے معاملات
کے علاوہ کسی اور بات کا طالب نہ ہوگا۔ بلکہ پاکستان کشمیر کو مرکزی حکومت کی کابینہ میں
نمائندگی دینے کے علاوہ فارن سروسز میں نہ صرف نشستیں دے گا بلکہ خارجہ پالیسی ترتیب
کرنے میں کشمیر کے مشوروں اور مفادات کا خیال رکھے گا۔

خواجہ غلام محمد صادق کے کہنے کے مطابق ۲۱ اکتوبر کو ہم لوگ ماسوائے شیخ صاحب
کے واپس سری نگر پہنچے۔ اور شہر میں حملہ آور زندہ باد کے اِکے دُکے نعرے گونجنے لگے چند دنوں
بعد جب نیشنل کانفرنس کے ہاتھوں میں اقتدار آیا تو یہ پروپیگنڈا شدت اختیار کر گیا۔
کہ غلام محمد صادق کو وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان نے قیام لاہور کے دوران مسٹر
جناح کا یہ پیغام سنایا "اس وقت تک تم لوگوں سے بات چیت ناممکن ہے جب
تک تم مسلمان بن کر نہ آؤ گے" حالانکہ یہ جملہ جو حقائق سے کوسوں دور ہے مسٹر جناح کی

کی شخصیت کو زک پہنچانے کے لئے جان بوجھ کر گھڑا گیا۔ مندرجہ صدر جملے کے بارے میں
جب میں نے خواجہ غلام محمد صادق سے دوران ملاقات استفسار کیا تو انہوں نے نہ صرف اسے
جھٹلایا بلکہ یہ بھی کہا کہ "مجھے لاہور بھیج کر اور بذات خود شیخ محمد عبداللہ کے دہلی چلے جانے
نے میرے اس گمان کو یقین میں بدلا کہ مجھے پاکستان بھیج کر "قربانی کا بکرا" بنایا گیا تھا۔

بیئرر چیک

شیخ صاحب پر ہند سے الحاق کی طرفداری میں جلد بازی کے ضمن میں جو
نکتہ چینی اور الزامات عائد کئے جاتے ہیں اُن کی بنیادی وجوہات میں یہ ٹھوس حقیقت
اپنی جگہ مسلّم ہے۔ اگر شیخ صاحب ہند سے الحاق کا حامی بھرنے سے قبل بر سبیل دلیل
پاکستانی رہنماؤں سے بذات خود رابطہ قائم کرتے اور اُن سے تبادلۂ خیالات کے بعد اپنی
رائے ظاہر کرتے تو وہ اس نکتہ چینی سے یقیناً بچتے جو آئندہ کے مورخ اُن کے سیاسی
داؤ پیچ کی جلد بازی پر عاید کریں گے۔ کیونکہ افراد کی ذاتی رنجشیں، خوشنودی یا خوشامد
قوموں کے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں مانع نہیں ہوتیں۔

مسز بلقیس تاثیر (بیگم محمد دین تاثیر) نے ۲۵ اگست ۱۹۸۳ء کو مجھے ایک
ملاقات میں بتایا کہ شیخ محمد عبداللہ ۱۲ اکتوبر سے ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے دوران خفیہ طور
پاکستانی لیڈروں سے ملنے لاہور گئے۔ جہاں مسٹر جناح شیخ صاحب کے ساتھ ملنے سے انکار کرتے کہا۔
"کشمیر میری جیب میں بیئرر چیک (BEARER CHEQUE) کی مانند ہے" اور اس کی
تائید انہیں بیگم میاں افتخار الدین نے یہ کہہ کر کی کہ اس خفیہ دورے میں شیخ صاحب
نے اُن کے ہاں دو شب گزارے۔ دراصل ان دونوں معزز خواتین کو مغالطہ ہے۔
شیخ صاحب کوئٹ کشمیر تحریک سے قبل یعنی مئی ۱۹۴۶ء کے پہلے ہفتے میں میاں افتخار الدین
کے ہاں قیام پذیر تھے۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں مذکرہ صدر جملہ پروپیگنڈہ کی بنیاد پر گھڑا گیا۔
پاکستانیوں نے قائد اعظم کی ستائش میں، اور نیشنل کانفرنس نے کشمیری تضحیک کے ضمن میں اسے خوب اچھالا۔

قبائلی یلغار

خیر مقدم ہو رہا ہے ہر نئے صیاد کا
اہلِ گلشن کے ضمیروں کو نہ جانے کیا ہوا

شیخ محمد عبداللہ نے پنڈت جواہر لال نہرو کی خواہش پر دہلی جانے کا پروگرام مرتب کیا اور جانے سے قبل شیخ اور بیگم شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ ہری سنگھ سے ملاقات کی۔ شیخ صاحب نے انہیں اپنے اور اپنی جماعت کی طرف سے مکمل وفاداری کا یقین دلاتے ہوئے مشورہ دیا کہ وہ آئینی حکمران کی حیثیت قبول کرنے کے لئے اپنے تئیں آمادہ کریں۔

۲۰ اکتوبر کو شیخ محمد عبداللہ، مرزا محمد افضل بیگ، غلام محی الدین قرہ پالم ایئرپورٹ پر اترے جہاں وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو، مسز فیروز گاندھی اور دوسرے قریب شہری و اعلیٰ سرکاری حکام نے ان کا شاہانہ استقبال کیا۔ شیخ صاحب پنڈت جی کے ہاں اقامت پذیر ہوئے بیگ صاحب اور دوسرے رفقاء نے کانسٹی ٹیوشن ہاؤس میں قیام کیا۔ دہلی کے اس مختصر قیام کے دوران شیخ محمد عبداللہ نے سردار ولبھ

بھائی پٹیل، رفیع احمد قدوائی، مولانا ابوالکلام آزاد، دیوان چمن لال، جے پرکاش نرائن، کامریڈ پی۔ سی جوشی سے فرداً فرداً کشمیر کی صورت حال پر گفتگو کی اور گاندھی جی سے کئی گھنٹے تک تنہائی میں بیٹھ کر ریاست کی موجودہ سیاست پر تبادلۂ خیال کرتے رہے۔

۲۱ اکتوبر کو انہوں نے دہلی میں اس عزم کا اعادہ کیا کہ الحاق کے مسئلہ پر ریاستی عوام اقتدار منتقل ہونے کے بعد ہی غور کر سکتے ہیں۔ پونچھ کے بارے میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں آپ نے کہا۔ "جو کچھ پونچھ میں ہو رہا ہے وہ عوامی تحریک ہے اور اس تشدد کا رد عمل ہے جو وہاں کے عوام پر روا رکھا گیا ہے۔"

۲۲ اکتوبر کو شیخ صاحب سری نگر واپس لوٹے جہاں انہیں ایئرپورٹ پر بخشی غلام محمد نے اطلاع دی کہ مظفر آباد پر قبائلیوں نے حملہ کیا۔

پونچھ کے بارے میں بیان

اگلے دن شیخ صاحب نے مائسمہ کے سابق تانگہ اڈہ (موجودہ بڈشاہ چوک فوارہ کی جگہ) میں ایک عوامی اجتماع سے خطاب کرتے پونچھ کی شورش کو اپنا موضوع سخن بناتے کہا۔ "یہ کیسا بہتان ہے کہ ریاست پر حملہ ہوا ہے اصل واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ آرہے ہیں وہ کوئی غیر نہیں بلکہ ریاستی باشندے ہیں۔ یہ لوگ پونچھ کے رہنے والے ہیں جو برٹش آرمی میں ملازم تھے۔ جنگ کے اختتام پر انہیں ملازمت سے سبکدوش کیا گیا اب جبکہ انگریز ہندوستان سے چلے گئے ان کی بہادری کے صلہ میں انگریزوں نے مہاراجہ کو ان کی بھلائی کے لئے ایک خاص رقم دی ہے جس کو حکومت ہڑپ کر بیٹھی ان کا واحد مقصد و مطالبہ یہ تھا کہ وہ رقم ان کی بہبود پر صرف کی جائے اس کے جواب میں ڈوگرہ آرمی کو پونچھ بھیج کر وہاں قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا۔ اس پر باغیرت

پونچھیوں نے ہتھیار سنبھال کر جاگیرداری کے فرسودہ اور جابرانہ نظام کے خلاف بغاوت کی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق فرقہ وارانہ پروپیگنڈا کر کے حملہ آوروں کا شور و غل مچایا جا رہا ہے۔" کچھ دنوں بعد جب شیخ صاحب نے اقتدار سنبھالا اور انہیں قبائلیوں کی آڑ میں چوروں، ڈاکوؤں اور لٹیروں کے نام سے للکارا۔ اس اثنا میں انہوں نے مہاراجہ کو دھمکی دی کہ اگر اس نے ہماری خواہش کے مطابق عمل نہ کیا تو ہم بغاوت کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔

خفیہ میٹنگ

شیخ محمد عبداللہ کے دہلی جانے کی خبر نے پاکستانی حکمرانوں کی اس آخری امید پر پانی پھیر دیا جو غلام محمد صادق کی یقین دہانیوں سے اس کشمیری لیڈر سے وابستہ کی تھیں۔ انہوں نے مزید وقت ضائع کئے بغیر پہلے سے تیار کردہ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۷ء سے اپنے اس جنگی پلان کو روبہ عمل لانے کا فیصلہ لیا جو کوہ مری میں نواب زادہ لیاقت علی خان کی صدارت میں خفیہ مجلس مشاورت کے تحت طے پایا تھا جس میں نواب ممدوٹ، وزیر خزانہ غلام محمد، چودھری محمد علی، آئی جی قربان علی، مشتاق احمد گورمانی، میجر جنرل سکندر مرزا، عبدالقیوم خان، سردار شوکت حیات خان، خواجہ عبدالرحیم آئی سی ایس، میجر جنرل اکبر خان، بریگیڈیئر شیر خان، خورشید انور، کرنل شاہد حامد، امیر محمود و دیگر، آزاد ہند فوج کے جنرل محمد زمان کیانی اور اعلیٰ سول حکام نے شرکت کی۔ چنانچہ اس خفیہ میٹنگ میں یہ طے پایا کہ میرپور، پونچھ کے عوام کی تحریک اور قبائلیوں کی آڑ میں کشمیر پر ہلہ بول دیا جائے۔ جس میں اس خدشہ کو دور کیا گیا کہ حملے کی صورت میں مرکزی اور صوبائی حکومت قبائلیوں کے کوہ یلغار کرنے کی نقل و حرکت میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔ اس نے جی ایچ کیو کو اس امر سے مطلع کیا جائے۔ ان دنوں کوہ مری میں میجر جنرل نذیر تعینات

سلسلے میں تمام ممکنہ اقدامات اور تجاویز زیر غور لائی گئیں۔ رضاکاروں اور قبائلیوں کے لئے اسلحہ اور دیگر ضروریات کی فراہمی پر جنرل محمد زمان کیانی مامور کئے گئے۔ میٹنگ میں فوجی جرنیلوں نے وزیر اعظم پاکستان کے سامنے صورت حال کے پیش نظر یہ تجویز رکھی تھی کہ جموں پر فوری طور قبضہ کیا جائے لیکن لیاقت علی خان نے اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا بلکہ ہدایت دی کہ رضاکاروں کے صف میں کوئی پاکستانی ملازم شامل نہ ہو تاکہ پاکستان پر حملہ کرنے کا الزام عاید نہ ہو۔ میٹنگ میں کشمیر پر یلغار کے منصوبے کو آخری شکل دے کر ۲۱/۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی رات کا انتخاب کیا گیا۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ ۲۳ اگست ۱۹۴۷ء سے لے کر ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء تک پونچھ کے سابقہ فوجیوں اور عوام نے تقریباً پونچھ اور اس کے ملحقہ علاقوں میں ہری سنگھ کی حکومت تہس نہس کر کے چھوڑ دی تھی۔

اس منصوبے کو روبہ عمل لانے کے لئے ایک وار کونسل قائم کی گئی جس نے پاکستان کی سرحد سے ملے ہوئے ریاستی علاقے کو تین سیکٹروں میں تقسیم کیا گیا۔ سیکٹر نمبر ایک میں مظفر آباد، گلگت۔ سیکٹر نمبر ۲ میں کوٹلہ میرپور اور سیکٹر نمبر ۳ میں میرپور جموں کا علاقہ شامل کیا گیا۔ سیکٹر نمبر ۲ کو تین سب سیکٹروں میں منقسم کیا گیا۔ سب سیکٹر نمبر ایک باغ، سب سیکٹر ۲ راولاکوٹ اور سب سیکٹر نمبر ۳ پلندری۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں یہ قزاقی کا آغاز سیکٹر نمبر ۱ سے ہوا جس کی کمان سردار محمد عبدالقیوم خان اور میر علی اصغر شاہ کے ہاتھ میں تھی۔ سب سیکٹر نمبر ۲ کی کمان کیپٹن حسین خان راولاکوٹ کے پاس رہی ان کا سیکنڈ ان کمانڈ کیپٹن رحمت اللہ خان تھے۔ پلندری سب سیکٹر کی کمان لیفٹیننٹ کرنل خان محمد خان کر رہے تھے ان کا سیکنڈ ان کمانڈ کیپٹن پیرو خان تھے اور یہی لوگ آگے بڑھتے ہوئے میرپور میں داخل ہوئے۔

سیکٹر نمبر ۲ سے ہی تین سو لاریوں میں پانچ ہزار کے قریب قبائلیوں نے

جو آفریدی، مسعودی، شینواری اور وزیری قبائل، سابقہ پنجابی فوجیوں، برٹش آرمی کے سابق ریاستی فوجیوں، لاہور، سرگودھا اور پاکستان کے دوسرے حصوں کے رضاکاروں پر مشتمل تھے۔ خورشید انور[1] کی کمان میں حملہ کیا۔ یہ آندھی کی طرح کوہ مری سے کوہالہ پل، گڑھی حبیب اللہ اور مانسہرہ کی طرف کشن گنگا پل عبور کر کے ریاست میں گھس آئے۔

۱؎ خورشید انور جالندھر کے کسی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ۴۴-۱۹۴۳ء میں جنگ کے دوران ملٹری سپلائی میں کلرک تھے۔ چونکہ راشن کی زبردست قلت تھی یہ ملٹری سٹور سے نواب صدیق علی سالار آل انڈیا مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے نوجوانوں کے لئے کافی مقدار میں چوری چھپے راشن سپلائی کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے نواب صدیق علی ان کے ممنون تھے۔ دسمبر ۱۹۴۶ء میں نواب صدیق علی نے ان کی سابقہ خدمات کے عوض ان کو ۲۵۰/ روپے ماہوار مشاہرے پر نیشنل گارڈ کا اسسٹنٹ سالار نامزد کیا لیکن انہیں کسی بھی صوبے نے تسلیم نہیں کیا کیونکہ ہر صوبے کا اپنا سالار تھا۔ اگست ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے موقع پر خورشید انور نے لاہور، راولپنڈی، پشاور اور ایبٹ آباد میں خوب لوٹ مار کی جس کی بنا پر کافی بدنام ہوئے۔ بدنامی کا داغ مٹانے، لوٹ کا مال ہضم کرنے اور عوام کی نظروں سے کچھ عرصہ دور رہنے کے لئے مری آ گئے۔ یہاں مسلم نیشنل گارڈ کے قائم کردہ کیمپوں کلڈناگ، کاندرل اور صفاپورہ میں نوجوانوں کو خفیہ فوجی تربیت دینے کے کام کی نگرانی کرتے رہے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ خورشید انور کو حکومت پاکستان کے اعلیٰ سرکاری حلقوں تک مکمل رسائی حاصل تھی۔ انہیں پاکستانی حکام کو یہ باور کرانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ وادی کشمیر کے گوشے گوشے سے نہ صرف واقف ہیں بلکہ عام کشمیری تک ان کی رسائی اور مکمل رابطہ قائم ہے جس کی بنا پر انہیں قبائلیوں کی کمان سپرد کی گئی۔ چونکہ آزاد فوج جو بیشتر آئی این اے، سابق پنجابی سابق ریاستی افواج

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۳ پر)

اور برق رفتاری کے ساتھ مظفرآباد کی طرف بڑھنے لگے، جہاں لیفٹیننٹ کرنل نارائن سنگھ کی قیادت میں ڈوگرہ افواج جو ڈوگروں اور مسلمان راجپوتوں پر مشتمل تھی کا سامنا ہوا۔ یہ حملہ اُن چھاپہ مار حملوں سے منفرد تھا جو پچھلے ایک ماہ سے تقریباً تمام سرحد پر جاری تھے۔ اس منظم حملے کے لئے مانسہرہ، مظفرآباد کو منتخب کیا گیا، جہاں کرنل نرائن سنگھ کے زیر قیادت جموں و کشمیر ۴ انفنٹری تعینات تھی۔ یہ تمام فوج راجپوتوں پر مشتمل تھی جس میں ہندو اور مسلمان تقریباً برابر تھے۔ کرنل نے اپنا ہیڈ کوارٹر دریائے جہلم کے کنارے پر دومیل کے مقام پر قائم کیا تھا۔ یہیں سے اس نے کچھ فوجی دستے زیر شیر علی کی قیادت میں کوہالہ، رام کوٹ اور گھوڑی پہنگ کی سرحد پر کاغان پاکستان کی سرحد پر نگرانی کے لئے بھیجے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲ سے) راجپوت، گوجر اور سدھنوں پر مشتمل تھی۔ خورشید انور کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ خورشید انور نے اس راز کو پاتے ہی بارہ مولا میں قبائلیوں میں یہ کہہ کر اختلاف پیدا کیا کہ آزاد فوجی سری نگر ائیرپورٹ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں ہم براہ راست سری نگر پہنچ کر مہاراجہ کے بے شمار مال و دولت والے محل پر قبضہ کر لیں گے۔ اس سے جہاں قبائلیوں میں دو رائیں ہوئیں۔ وہاں کشمیر پر پاکستان کے قبضے کی ناکامی کی دیگر وجوہات میں ایک اہم وجہ یہ بھی ہوئی کہ اس کے بھیجے ہوئے غیر منظم قبائلی ٹکڑیوں میں منتشر ہوتے اس طرح ایک جماعت آزاد فوج کے ساتھ مل کر آگے بڑھنے کی خواہش مند رہی اور دوسری نے لوٹ مار میں دلچسپی دکھائی۔ آزاد فوج کے بعض افسر جن میں سرفہرست جنرل کیانی ہیں قبائلیوں کی شمولیت کو سرے سے ہی ناپسند کرتے تھے بارہ مولا جو قبائلیوں کا مرکز بن چکا تھا سے قبائلیوں کے باہمی اختلاف نے انہیں آگے بڑھنے میں دشواریاں پیدا کیں۔ قبائلی لشکر اوڑی سیکٹر سے واپس دھکیلنے کے بعد خورشید انور کو غبن اور لوٹ کے الزام میں برطرف کیا گیا۔ خورشید انور ۵۲-۱۹۵۱ء میں چل بسے۔

سراغ رسانوں کی اطلاع

کرنل نرائن سنگھ کو اپنے ماتحت فوج کی بہادری پر بڑا ناز تھا۔ کیونکہ اسی فوج نے انگریزوں کے ساتھ مل کر دوسری جنگِ عظیم میں نمایاں فتوحات حاصل کی تھیں۔ اس تمام فوج کو انبالہ سے براہِ راست لا کر یہاں تعینات کیا گیا جبکہ انہیں دو مہینوں کی چھٹیاں منانے کا قانونی حق تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ جونہی یہ دستے یہاں پہنچے اس کے ساتھ ہی یہ افواہیں گرم ہونے شروع ہوئیں اور اس کے مختلف علاقوں میں ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے۔ جموں میں ہندوؤں نے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ اس سے مسلمان فوجی بے حد پریشان ہوئے اور ان کے دلوں میں نفرت کا جذبہ بھڑک اٹھا۔ میجر شیر علی کو مسلم کانفرنس لیڈروں [illegible] پیغام بھیجا گیا مسلمانوں نے ان سے رابطہ قائم کیا اور معلوم پایا کہ جونہی حملہ ہوگا تو مسلم فوجی آزاد فوجوں کا ساتھ دیں گے۔ اس کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ ڈوگرہ افواج نے اس علاقے میں قدم رکھتے ہی غیر مسلموں میں خفیہ طور اسلحہ تقسیم کرنا شروع کیا جس سے شہری مسلمان کافی خوف زدہ ہوئے۔ انہوں نے اپنے بچاؤ کے لئے مظفرآباد شہر چھوڑ کر دیہاتوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پناہ گاہیں تلاش کرنی شروع کیں۔ مقامی ہندو اور سکھوں کو حکومت کی جانب سے یہ خاص ہدایت ملی کہ وہ شہر چھوڑ کر کہیں نہ جائیں۔ اگر کسی نے چوری چھپے بھاگنے کی کوشش کی تو اسے گرفتار کر کے سخت سزا دی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اگر غیر مسلم مظفرآباد شہر کو چھوڑ کر جائیں گے تو افواہیں پھیلنے کا خطرہ ہے۔ غرض حکومت کے ساتھ مکمل اشتراکِ عمل کے پاداش میں سکھوں اور ہندوؤں نے مخبری اور رضاکارانہ طور پر خفیہ سراغ رسانی کے فرائض انجام دینے شروع کئے۔

چنانچہ ان لوگوں نے کرنل نارائن سنگھ کو اطلاع دی کہ میجر شیر علی خان پاکستانیوں سے ملا ہوا ہے اور اس کے ماتحت مسلمان فوجی کسی بھی وقت دھوکہ دے سکتے ہیں۔ سکھ

اس نے ان کی بات سنی ان سنی کی۔ جس پر مظفرآباد کے ہندو اور سکھوں کا ایک وفد مہاراجہ ہری سنگھ سے سری نگر ملنے آیا۔ مگر مہاراجہ بہادر کے سالے صاحب میاں پنجنت چند نے وفد کو مہاراجہ سے ملنے کا موقع نہ دیا۔ البتہ وفد کو مہاراجہ ہری سنگھ کے روحانی و سیاسی مشیرِ اعلیٰ راج گورو، گورو سنت دیو سے چشمہ شاہی کے بنگلہ پر ملوایا۔

وفد نے گورو جی کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ مظفرآباد میں تعینات فوج کے بیشتر آفیسر اور سپاہی پاکستان سے ساز باز میں مشغول ہیں۔ ان کے ذریعہ کافی اسلحہ ریاست میں لایا گیا ہے اس لئے لازم ہے کہ اس جانب خاص توجہ دی جائے۔ خاص کر کرشن گنگا پل پر تعینات مسلم سپاہیوں کو تبدیل کر کے ان کی جگہ ڈوگرہ، گورکھا یا سکھ سپاہی تعینات کئے جائیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو نتائج خطرناک ہو سکتے ہیں۔ اس پر راج گورو جی مہاراج نے کہا۔ کیا آپ لوگ چاہتے ہیں کہ ہم ان مسلمان سپاہیوں کو مہاراجہ کے پیلس میں رکھیں۔ آپ لوگ واپس چلے جائیں اور کرنل نرائن سنگھ سے ملیں۔ خواہ مخواہ کی افواہیں نہ پھیلائیں جب بھی ایسا وقت آئے گا آپ لوگوں کو وہاں سے بحفاظت نکالا جائے گا۔ وفد مایوس ہو کر مظفرآباد واپس لوٹ آیا۔ اسی شام کو مظفرآباد کے ہندو اور سکھوں کا ایک اور وفد ڈپٹی کمشنر مہتہ دونی چند کی جائے رہائش پر ان سے ملنے گیا اور ان سے درخواست کی کہ کرشن گنگا پل کو فوری طور بارود سے اڑا دیا جائے۔ کیونکہ ہماری اطلاع ہے آج رات کو حملہ ہوگا۔ ڈپٹی کمشنر دونی چند نے کرنل نارائن سنگھ کو فون پر اطلاع دی اور وہ اسی وقت ڈی سی کے رہائش گاہ پر آیا۔

تمام واقعہ سننے کے بعد کرنل نے وفد سے مخاطب ہو کر کہا۔ تم لوگ بکواس کرتے ہو۔ کرنل نے وفد کے سامنے فون کر کے میجر شیر علی کو بلایا اور کہا ان لوگوں کا کہنا ہے کہ گڑھی حبیب اللہ خان میں قبائلی حملہ کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ رام کوٹ جا کر حالات کا جائزہ لے کر فوراً واپس آؤ۔ میجر شیر علی لوہار گلی کا موڑ کاٹ کر رام کوٹ سے ایک گھنٹے کے اندر

واپس آیا۔ کرنل کو سلام بجاتے کہا۔ جناب وہاں تو کوئی نہیں ہے تمام آبادی سوئی پڑی ہے۔ یہ سُن کر کرنل نرائن سنگھ وفد کے سامنے اپنی ناراضگی اور غصے کو چھپا نہ سکا اور جیپ میں بیٹھ کر سیدھا دومیل ڈاک بنگلہ چلا آیا۔ جہاں علاقے میں تعینات تقریباً تمام فوجی افسران پاکستان سے درآمد شدہ ولایتی شراب سے اپنی روح کو آسودگی بہم پہنچا رہے تھے۔ قبائلیوں کے کئی گروہ سرِشام ہی سے شہر میں داخل ہونے شروع ہو گئے تھے اور اُن کے رہنے اور خورد و نوش کا انتظام مقامی بھٹیار خانوں میں کیا گیا تھا۔

۲۲ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

۲۲ر اکتوبر کو کوئی پانچ بجے صبح کا عمل تھا کہ گولیاں چلنی شروع ہو گئیں اور شہر کو آگ اور دھوئیں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کرشن گنگا پُل[1] پر تعینات مسلم ریاستی راجپوت سپاہیوں نے موقع پاتے ہی قبائلیوں کا ساتھ دیا۔ دومیل ڈاک بنگلہ کے ڈوگرہ فوجیوں کو شراب کی مستی کی حالت میں قتل کیا گیا جن میں کرنل نرائن سنگھ بھی شامل تھے۔ وزیر وزارت مہتہ دوفی چند کو اس کے مکان پر گولی مار کر ہلاک کیا گیا۔ عیدگاہ کے قریب تعینات ڈوگرہ سپاہیوں نے جوابی فائرنگ شروع کی مگر ان کی پیش نہ چلی۔ مسلمان سپاہیوں نے قبائلیوں کا ہراول دستہ بن کر اُن کی رہنمائی شروع کی۔ ڈوگرہ فوج کے ریجنل کمانڈر بریگیڈیر راجندر سنگھ کو مسلم افواج کے باغی ہونے کا علم اُس وقت ہوا جب قبائلی اوڑی کے قرب و جوار میں پہنچ چکے تھے۔ بریگیڈیر راجندر سنگھ نے انہیں اوڑی پُل کو اڑا کر بڑی بے جگری سے مقابلہ کر کے دو دن تک روکے رکھا۔

---

[1]: کرشن گنگا پُل پار سے آنے والی گولیوں کی بوچھاڑ سے جو پہلا غیر مسلم ہلاک ہوا وہ تھا کرشن لال وزیر جس کو زخمی حالت میں اُٹھا کر روشن لال دیرو گھنشام دہرہ نے ہسپتال لے جانا چاہا مگر ان کے پہنچنے سے قبل ہی قبائلی ہسپتال پر قابض ہو چکے تھے۔

۲۴ر اکتوبر کو قبائلیوں نے پیش قدمی کر کے مہورہ پاور ہاؤس کو اپنے قبضہ میں لے لیا اُسے جزوی طور نقصان پہنچایا جس سے سری نگر میں برقی رو کی سپلائی بند ہو گئی اور شہر سری نگر تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

کرنل ایل پی سین اپنی کتاب سلینڈر واز دی تھریڈ کے صفحہ ۳۰ پر قبائلیوں کی آمد کا تذکرہ کرتے لکھا ہے:۔

"مظفرآباد کا قصبہ ریاست جموں وکشمیر کی اُس سرحد پر واقع ہے جہاں سے پاکستان صرف سات میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس سرحدی مقام کی حفاظت کے لئے فورتھ جموں وکشمیر انفنٹری کو مامور کیا گیا تھا۔ اس فوج کا کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل نرائن سنگھ تھا اور اس فوج میں نصف ڈوگرہ ہندو اور نصف پونچھی مسلمان تھے۔ جب صوبہ جموں کی سرحدوں پر پاکستانی حملوں کی خبریں موصول ہونے لگیں تو فورتھ جموں وکشمیر انفنٹری کے کمانڈر کو یہ بتایا گیا کہ پونچھی سپاہ قابلِ اعتبار نہیں ہیں کیونکہ چند مقامات پر وہ دشمن کے ساتھ چلے گئے ہیں اس لئے اپنی فوج کے پونچھی مسلمانوں کو سری نگر بھیج دے اور ان کی جگہ ڈوگرہ ہندوؤں کو بلا لیا جائے۔ کرنل نرائن سنگھ یہ سُن کر سیخ پا ہو گیا اور کہنے لگا کہ وہ اس بٹالین کے ساتھ عرصہ دراز سے وابستہ رہا ہے اور اُسے اپنے پونچھی جوانوں پر ڈوگرہ ہندوؤں سے بھی زیادہ اعتبار ہے اور وہ کسی بھی صورت میں پونچھی مسلمانوں کی بے حرمتی کرنے کو تیار نہ تھا۔ مگر دوسرے ہی دن کرنل نرائن سنگھ کو اپنے جوانوں کے تئیں وفاداری کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ ۲۲ر اکتوبر کو پو پھٹنے سے پہلے جب سب سوئے ہوئے تھے پونچھی مسلمان اُٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے اپنے ہتھیار اسلحہ خانوں سے اُٹھا لئے

اور سوتے ہوئے ڈوگرہ ہندو فوجیوں کی چھاؤنی کی طرف آٹومیٹک مشین گنوں کا منہ موڑ دیا اور گولیاں چلانی شروع کیں۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو مار ڈالا۔ اُن کے ساتھ کرنل نرائن سنگھ کو بھی جس نے اُن پر اعتبار کیا تھا۔ یہ کام ختم کرنے کے بعد پونچھی سپاہیوں نے پاکستان کی طرف رابطہ قائم کیا چنانچہ قبائلی پُل پار کر کے مظفر آباد میں آ گھسے اور لوٹ کھسوٹ آتشزنی وغیرہ شروع کر دی۔"

مہاراجہ کا فرار

۲۴ اکتوبر دسہرے کا دن تھا۔ اس روز علی الصبح مہاراجہ ہری سنگھ جس کے چہرے کی تازہ سلوٹیں اُس کی پریشان حالی کی نشاندہی کر رہی تھیں۔ مایوس و نڈھال چشمہ شاہی راج گورو سوامی سنت دیو کے درشن کو ہاتھ میں شاہی تلوار لیے پہنچے۔ سوامی جی نے ہری سنگھ کے مایوس چہرے پر اُچٹتی نظر ڈالی۔ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اُس کی حوصلہ افزائی کرتے شاہی تلوار کو میان سے نکال کر شرقاً غرباً گھما کر مہاراجہ سے یوں مخاطب ہوا "اے ہری سنگھ خوش رہ، تمہارا جھنڈا لاہور کے قلعے پر لہرانے والا ہے۔" یہ بشارت سن کر مہاراجہ کا مضمحل اور پژمردہ چہرہ فرطِ مسرت سے کھل اٹھا۔ اور راج گورو کے پاؤں چھونے۔ اجازت لے کر راج گدھ آ کر دستور و رواج کے مطابق سرکاری اہل کاروں سے نذرانے قبول کرنے لگا۔ دربار ہال درباریوں سے پُر تھا۔ وہ فرداً فرداً مہاراجہ کے سامنے تعظیماً سر جھکا کر اُس کی عمر درازی اور بلند اقبالی کی دعائیں دیتے نذرانے پیش کرتے گئے۔ اچانک بجلی گُل ہو گئی۔ تمام درباریوں معہ ہری سنگھ کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ الیکٹریکل چیف انجینئر مسٹر جوالا (صادق صاحب کی حکومت میں وزیر رہ چکے ہیں) نے ٹیلی فون پر بیہودہ وجہ دریافت کرنے کی لاکھ کوشش کی لیکن

سب بے سود کوئی جواب نہ ملا۔ حواس باختگی اور افراتفری کا یہ عالم ابھی طاری ہی تھا کہ اُوڑی بارہ مولہ محاذ سے بریگیڈیئر راجندر سنگھ کا قاصد ان کا آخری خط لے کر آیا جس میں مہاراجہ کو اطلاع دی گئی کہ قبائلی حملہ آور ڈوگرہ فوج کی ٹکڑیوں کو تباہ کرتے سُرعت سے سری نگر کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ مہاراجہ نے یہ خط دربار ہال میں شمع کی لَو کی روشنی میں پڑھا اور دربار برخاست کر کے محل کی راہ لی۔

اسی شام کو رام لال باترہ نے حکومتِ ہند کو مہاراجہ کا ذاتی خط دیا جس میں مہاراجہ نے اپنی لاچاری اور شدید قبائلی حملے کا تذکرہ چھیڑ کر ہتھیار، اسلحہ اور سپاہیوں کی فوری امداد کی اپیل کی تھی۔ ۲۵ اکتوبر کی صبح کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی قیادت میں ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ ہوئی اور یہ طے پایا کہ حکومتِ ہند کو مکمل اطلاعات و حالات کا تجزیہ سے قبل کوئی فوری قدم نہیں اُٹھانا چاہیے۔ اس سلسلے میں فی الحال مسٹر وی۔ پی۔ مینن کو فوری طور سری نگر حالات کا ذاتی مشاہدہ کرنے کے لئے بھیجا جائے تاکہ وہ مرکزی حکومت کو تفصیلی رپورٹ پیش کر سکے۔ چنانچہ برطانیہ کے اُس طیارے میں جو برطانوی باشندوں کو سری نگر سے نکالنے کے لئے بُک کیا گیا تھا۔ مسٹر مینن اور مسٹر ڈی۔ این۔ کول سری نگر آئے۔ یہ سیدھے ایئرپورٹ سے وزیر اعظم مہر چند مہاجن سے اُس کی کوٹھی پہنچ گئے۔ مہاجن نے انہیں وادی کے دہشت زدہ ماحول کے سیاق و سباق سے باخبر کرتے اپیل کی کہ حکومتِ ہند کو کشمیر کی فوری حمایت پر آنا چاہیے۔ مہاراجہ اور اُس کے خاندان کو کشمیر چھوڑنے کا مشورہ دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اولین لمحات فرصت میں ہری سنگھ کو معہ اُس کے کنبے کے افراد کو مال و دولت سمیٹ کر سری نگر سے جموں بھاگنے کا مشورہ دیا۔ خوف زدہ مہاراجہ جو پہلے سے ہی فرار ہونے کے بارے میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا نے مینن اور مہاجن کے مشورے کو فوراً قبول کیا۔ مہاراجہ نے شیخ محمد عبداللہ کے اُس پیغام کو جو مہارانی تارا دیوی کی وساطت سے اُن تک پہنچایا گیا تھا اور جس میں انہیں یہ مشورہ دیا گیا کہ فرار ہونے سے

بہتر ہے کہ ہم جم کر مقابلہ کریں۔" مہاراجہ نے اس مشورے کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

یہ عریاں حقیقت ہے، مینن اور مہر چند نے مہاراجہ کو غلط مشورہ دیا کہ وہ کشمیر سے بھاگ جائے۔ اگر مہاراجہ ہری سنگھ ایسا نہ کرتے تو یقیناً آج حالات کچھ اور ہوتے۔ مینن اور مہاجن نے دہلی کے اشارے پر مہاراجہ کی شخصیت کو زک پہنچانے اور اپنے مقاصد کو کامیاب بنانے کے لئے ایسا کیا۔ یہ اس لئے ضروری سمجھا گیا۔ تاکہ مہاراجہ کشمیر سے دور ہو کر ان کی فراہم شدہ اطلاعات پر قناعت کرے۔ اس طرح دہلی میں مہاراجہ کے خلاف سازش کی گئی اور کشمیری جو پہلے ہی سے جاگیردارانہ نظام کے خلاف نبرد آزما تھے۔ مہاراجہ کے فرار ہونے سے اور بھی متنفر ہوئے اور اس سب کا پورا پورا فائدہ دہلی والوں نے اٹھایا۔

وی۔ پی۔ مینن اپنی کتاب موسوم بہ "انٹیگریشن آف انڈین سٹیٹس" میں اس کی وجہ بتلاتے ہوئے رقمطراز ہے "—— مہاراجہ لاچار تھا اور اگر حکومت ہند یہ فیصلہ لیتی کہ وہ اس کی امداد نہیں کرے گی تو اس میں شک نہیں کہ اس کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا جاتا۔ یقین تھا کہ قبائلی یہاں پہنچ کر محل کو لوٹتے اور قیمتی اشیاء لے جاتے۔"

نہ جانے کن سیاسی وجوہات سے مجبور ہو کر مسٹر مینن نے استعارات اور تشبیہات کے پردوں میں اس حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی۔ اگر قبائلی سرینگر پہنچنے میں کامیاب ہوتے تو وہ ہری سنگھ کو گرفتار کر کے حسب منشاء اپنے حق میں بیان دلواتے اور اگر وہ لیت و لعل سے کام لیتے تو ان کا کام تمام کر دیتے۔ مسٹر مینن چاہے مہاراجہ ہری سنگھ کا کتنی ہی وکالت کیوں نہ کریں لیکن یہ حقیقت بہ ثبات تاریخ کے صفحوں پر رقم رہے گی کہ کشمیر کا آخری جاگیردار راجہ جو صرف ایک گھنٹہ قبل لاہور پر اپنی فتح و کامرانی کا پرچم لہرانے کی بشارت سن کر آیا تھا۔ راج دربار کی برقی روشنی ہوتے ہی گھبرا کر محل کی چار دیواری میں پناہ گزین ہوا۔ ایسے کاہل اور بزدل شخص کو اگر بھاگنے کا مشورہ نہ بھی دیا جاتا تو وہ خود ہی فرار ہوتا۔ اس کی بزدلی اور نالائقی کی اس سے بڑھ کر اور کیا شان ہو سکتی ہے۔

ہوا تھا کہ حفاظت کے ... اور ساتھ ہی ماتوں میں اس نے تمام سرکاری ٹرانسپورٹ کو اپنے راجپوت رشتہ داروں اور اپنا نجی سامان ڈھونے کے استعمال میں لایا۔ چنانچہ مہاراجہ کے ذاتی سامان زر و جواہرات اور قیمتی اشیاء وغیرہ کے لئے اسی گاڑیاں استعمال کی گئیں۔ اور خود کار ڈرائیو کر کے راتوں رات جموں پہنچ گیا اور بھاگتے بھاگتے "اولڈ سیکریٹریٹ" کے میرو مندر سے سنگ سیاہ (بلیک ایکس) کی قیمتی مورتی اٹھا کر لے جانے سے نہ چوکا۔[1] اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مہاراجہ نے کشمیر سے بھاگنے کا پروگرام پہلے ہی مرتب کیا تھا ورنہ یہ ناممکن ہے کہ ایک خوفزدہ ماحول میں اسی گاڑیوں میں قیمتی اشیاء کا انتخاب اور قابل اعتبار ملازمین سے سامان لوڈ کرنا جبکہ ہر ایک کو جان کے لالے پڑے ہوں کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

شیخ محمد عبداللہ کے نام احتجاجی مکتوب

مہاراجہ ہری سنگھ کا بزدلوں کی طرح بھاگنے کی اس حرکت کو نیشنل کانفرنس لیڈروں کے علاوہ آزاد کشمیر کے حکمرانوں اور ریاست والوں نے بھی بڑی دیر تک اچھالا۔ بالآخر مہاراجہ نے اپنی خاموشی توڑتے ہوئے ۳ر دسمبر ۱۹۴۸ء کو ریاست کے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کے نام ایک احتجاجی مکتوب بھیجا جو مندرجہ ذیل ہے:-

وزیر اعظم!

میں آپ کی توجہ اس پروپیگنڈا کی طرف دلانا چاہتا ہوں جو بدخواہی کے جذبہ کے تحت میرے خلاف ریاست کے اندر اور باہر کیا جا رہا ہے میرے عندیہ میں یہ بات وزیر اعظم کی نوٹس میں آچکی ہے

---

[1] نوٹ: حالات درست ہونے کے بعد مہاراجہ نے اس مورتی کو واپس میرو مندر میں بھیجا۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ نہ تو اس قسم کی حرکتوں کی تردید کی جا رہی ہے اور نہ ہی ان پر پابندی لگائی جا رہی ہے میں اس خط کے ساتھ چند کاپیاں جن میں وزراء اور نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کی تقاریر کے اقتباس شامل ہیں آپ کو بھیج رہا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ وزراء کے لئے آئینی اور اخلاقی لحاظ سے ایسی سطح پر اترنا مناسب نہیں۔ یہ معاملہ آپ پر چھوڑتا ہوں کیونکہ اس بارے میں جتنی فکر مجھے ہے اتنی ہی تشویش حکومت کو بھی ہونی چاہیئے۔ تاکہ ریاست کے آئینی سربراہ کے وقار، عزت اور پوزیشن کی حفاظت کو یقینی بنایا جاسکے۔ اور کسی بھی حرکت کو جو اس کے خلاف ہو چاہے کہیں سے بھی ہو اس کے ساتھ فوراً اور سختی سے نپٹا جائے مجھے اُمید ہے کہ آپ ایسے رجحانات اور پروپیگنڈا کے خلاف جتنی جلدی ممکن ہو سکے روک لگائیں گے اور اس ضمن میں آپ جو بھی کارروائی کریں گے اُس سے مجھے باخبر رکھیں گے۔

مہاراج دھیراج

۳، دسمبر ۱۹۴۸ء"

شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ ہری سنگھ کے متذکرہ صدر خط کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ ان کے خلاف نکتہ چینی میں مزید آنچ دی گئی۔ مہاراجہ کے خلاف مہم جوئی کی غالباً سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ کشمیری مسلمان چاہے وہ قوم پرست تھے یا ملت پرست دونوں یہ محسوس کر رہے تھے کہ اگر ہری سنگھ چاہتا تو جموں میں مسلمانوں کا جس سفا کی سے قتل عام کیا گیا نہیں ہوتا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ مہاراجہ کے خطوط جو انہوں نے سردار پٹیل اور دوسرے ہندوستانی لیڈروں کے نام لکھے (جن کا تذکرہ اسی کتاب میں آگے کہیں آئے گا) ان میں ہری سنگھ نے اپنے خاندان، ہندوؤں اور سکھوں کے تحفظ کے لئے اظہار تشویش کیا لیکن مسلمانوں کے اجڑنے، تباہ و فنا ہونے پر رسماً بھی حرفِ اُف زبان پر نہیں لایا۔ برعکس کشمیری لیڈر ہر قوم اور طبقہ کے تحفظ و بقاء کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔

ایک الہامی پیشین گوئی

مہاراجہ ہری سنگھ کا ۲۵، اکتوبر ۱۹۴۷ء کے دن بزدلوں کی طرح بھاگنے سے ۷۹ برس قبل یعنی ۱۸۶۸ء میں کی گئی وہ الہامی پیشین گوئی پوری ہوئی جو پادری آرتھر برنکمین (ARTHUR BRINCKMAN) نے اپنی تصنیف WRONGS OF KASHMIR میں انگریزی اخبار "فرینڈس آف انڈیا" میں شائع شدہ مراسلہ کو درج کر کے محفوظ کیا تھا۔

پادری آرتھر برنکمین نے اپنی تصنیف میں تفصیل سے بیعنامہ امرتسر کے رُو سے ۷۵ لاکھ روپے کے عوض کشمیر کے فروخت ہونے کے واقع کو قلمبند کیا ہے اور خواہش ظاہر کی ہے کشمیر کو برطانوی ہند کا صوبہ ہونا چاہیئے تھا۔ جس مراسلہ کا اُوپر تذکرہ آیا ہے، رانگس آف کشمیر کے صفحہ ۳۴ پر یوں درج ہے:۔

"اگر ہم اس (مہاراجہ) پر سے اپنی عنایات اور دست شفقت کو ہٹا لیں تو ایک سال کے اندر ہی اس کی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ لداخ، بلتستان، گلگت اور استور کے عوام اگر سکھ افواج کا مقابلہ کر سکتے تھے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان سرحدی علاقوں کی فتح سے متاثر ہو کر کشمیر کے لوگ بھی مہاراجہ کی افواج کو راشن مہیا کرنا بند کر دیں جس سے مہاراجہ جموں واپس جانے پر مجبور ہو جائے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ پہلے سے ہی ایسی تیاری کر رہا ہے اور کشمیری لوگ بڑے فخر و مباہات سے اُس سڑک بانہال روڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ یہی وہ سڑک ہے جس راہ ڈوگرے واپس بھاگ جائیں گے"۔

مہاراجہ کا خط برائے الحاق

غرض جموں پہنچ کر مہاراجہ ہری سنگھ نے مسٹر مینن کی وساطت سے حکومتِ ہند سے فوری امداد کے لئے جو درخواست پیش کی مندرجہ ذیل ہے :۔

"میرے پیارے لارڈ ماؤنٹ بیٹن

میں یوئر ایکسی لینسی کو مطلع کرتا ہوں کہ میری ریاست کے اندر نہایت خطرناک حالات پیدا ہو گئے ہیں اس لئے فوری امداد کی درخواست کرتا ہوں۔ جیسا کہ آنجناب کو علم ہے ریاست جموں و کشمیر نے ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی ڈومینین میں شمولیت نہیں کی۔ جغرافیائی لحاظ سے میری ریاست دونوں ڈومینیوں کے درمیان میں ہے۔ دونوں کے ساتھ اس کے اقتصادی اور کلچرل تعلقات بہت گہرے ہیں اور اس کی حدود روس اور چین کے ساتھ ملتی ہیں۔ یہ ایک ایسی اہم بات ہے جسے پاکستان اور ہند غیر ملکی معاملات کے پیش نظر درگذر نہیں کر سکتے۔ میں چاہتا تھا کہ غور و خوض کے لئے مجھے کچھ وقت مل جاتا تاکہ میں فیصلہ کر سکتا کہ کس ڈومینین کے ساتھ ریاست کے الحاق کرنے میں بہتری ہے یا دونوں ملکوں اور میری ریاست کی بھلائی اسی میں ہے کہ دونوں ڈومینیوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھتے ہوئے خود مختار رہے۔

غرض میں نے دونوں ملکوں سے مل کر اپنی ریاست کے ساتھ جُوں کا تُوں معاہدہ کے لئے بات چیت کی۔ پاکستان کی حکومت نے اس تجویز کو تسلیم کیا۔ البتہ حکومت ہند نے میری حکومت کے حکام سے مزید گفت و شنید کرنا بہتر سمجھا۔ لیکن بعد کے واقعات کی وجہ سے جن کا ذکر نیچے کیا جاتا ہے میں ایسا نہ کر سکا۔ حکومت پاکستان اس وقت تک اسی جُوں کا تُوں معاہدہ کی رُو سے ریاست کے اندر ڈاک و تار کا انتظام سنبھالے ہوئے ہے۔

گو کہ ہماری حکومت اور حکومت پاکستان کے مابین سٹینڈ سٹل معاہدہ ہو چکا تھا لیکن انہوں نے خوراک، نمک، پٹرول جیسی ضروری اشیاء کی سپلائی روک کر ہماری ریاست کا گلا گھونٹنا شروع کیا۔

آفریدی، سادے کپڑوں میں ملبوس فوجی سپاہی اور غنڈے جدید ترین اسلحہ جات سے ہتھیار بند ہو کر پہلے علاقہ پونچھ میں اس کے بعد علاقہ ملحقہ سیالکوٹ اور پھر بھاری کثرت سے ضلع ہزارہ کی طرف سے رام کوٹ کے راستے ریاست پر حملہ آور ہوئے۔ اس حملے کو روکنے کیلئے ہمیں ریاست کی محدود سے چند فوجیں سرحد کی مختلف جگہوں میں یکدم بکھیر کر بیک وقت دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا۔ مگر اس سے مال و جان اور لوٹ کھسوٹ کو روکا نہ جا سکا۔ مہورہ پاور ہاؤس جہاں سے سارے شہر سری نگر کو بجلی مہیا کی جاتی ہے جلا دیا گیا ہے۔ عورتوں کا کثیر تعداد میں اغوا کیا گیا اور ان کی بے حرمتی کی گئی ان کی حالت کو دیکھ کر میری آنکھوں میں خون بہتا ہے اس طرح تمام ریاست کو اپنے پاؤں تلے روندنے کی غرض سے وحشی درندوں کا بے قابو لشکر حکومت کے گرمائی دارالخلافہ سری نگر کی طرف بڑھ رہا ہے۔

صوبہ سرحد کے دور افتادہ علاقوں سے آئے ہوئے قبائلیوں کا جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہو کر موٹر ٹرکوں میں لگاتار آنا اور

مانسہرہ، مظفرآباد سڑک کا استعمال کرنا“۔ ایسی باتیں ہیں جو غالباً شمال مغربی سرحدی صوبہ کی گورنمنٹ اور حکومتِ پاکستان کے علم و یقین کے بغیر نہیں ہو سکتیں باوجود میری حکومت کے بار بار کی استدعا کرنے کے، ان حملہ آوروں کو روکنے کی سعی نہیں کی گئی۔ ریڈیو پاکستان اور پاکستانی پریس کی ان واقعات پر رپورٹیں ثابت کرتی ہیں کہ یہ حکومتیں ان واقعات سے لاعلم نہیں ہیں۔ پاکستان ریڈیو نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ کشمیر میں ایک عارضی حکومت قائم کر دی گئی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ میری ہندو اور مسلمان رعایا نے اس یورش میں بالکل کوئی حصہ نہیں لیا۔ ان حالات کے پیشِ نظر جو کہ میری ریاست میں رونما ہوتے ہیں اور اس عظیم خطرہ کے جو کہ سامنے نظر آ رہا ہے اب ایک ایسی حالت پیدا ہو گئی ہے کہ میرے پاس سوائے ہند یونین کی مدد حاصل کرنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہا اور جب تک میری ریاست ہند یونین میں شامل نہ ہو اسے ہند کی امداد نہیں مل سکتی اس لئے میں نے شمولیت کا فیصلہ کر لیا ہے اور دستاویزِ الحاق آپ کی حکومت کی منظوری کیلئے شامل ہے۔ اس کی دوسری صورت صرف یہ ہے کہ ریاست کو لٹیروں کے رحم پر چھوڑ دیا جائے۔ ایسی حالت میں کوئی مہذب حکومت نہ تو قائم رہ سکتی ہے اور نہ قائم رکھی جا سکتی ہے جب تک میرے اندر اپنی ریاست کی حفاظت کے لئے جان باقی ہے میں یہ آخری نوعیت کی صورت پیدا نہ ہونے دوں گا۔ میں آنجناب کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ میرا یہ ارادہ ہے کہ فوراً ہی عبوری حکومت قائم کر دوں اور شیخ عبداللہ کو اس کی ترتیب کے لئے دعوت دوں تاکہ یہ وزیراعظم سے مل کر اس خطرہ کے وقت ہی ذمہ داریوں کو سنبھالیں۔ اگر میری ریاست کی حفاظت اور بچاؤ مطلوب ہے تو سری نگر میں فوراً امداد پہنچنی چاہیئے۔ مسٹر مینن حالات کی سنجیدگی سے بخوبی واقف ہیں اور مزید جو دریافت کرنا چاہیں اُن سے کر سکتے ہیں۔ بہترین خواہشوں اور دعاؤں کے ساتھ ـــ

آپ کا مخلص

ہری سنگھ

۲۶ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

۲۶ر اکتوبر کو ہی مسٹر مینن نے ڈیفنس کمیٹی کے سامنے اپنے شاہدات پیش کرتے مہاراجہ ہری سنگھ کی اس خواہش کا اعادہ کیا کہ وہ ہند سے الحاق کرنے کے لئے بے تاب ہے بشرطیکہ اُسے بروقت فوجی امداد بہم پہنچائی جائے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اس خواہش کو بنیاد قرار دے کر کہا۔ اس طرح کشمیر ہندوستان کا حصہ بن جائے گا اور ہندوستانی افواج کشمیر بھیجی جا سکتی ہیں مگر وہاں کی آبادی اور محل وقوع کو زیرِ نظر رکھ کر الحاق مشروط ہونا چاہیئے۔ قبائلیوں کو ریاست سے باہر نکال کر جونہی امن و امان قائم ہو گا۔ وہاں کے لوگوں کی رائے استصواب کے ذریعے معلوم کی جانی چاہیئے اس کی تائید پنڈت جواہر لال نہرو اور دوسرے وزراء نے کی اس کے ساتھ ہی وی پی مینن نے مہاراجہ کا خط معہ دستاویزِ الحاق کمیٹی کے سامنے پیش کیا جس میں مہاراجہ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ فوری طور پر ایک عارضی حکومت کا قیام عمل میں لانا چاہتا ہے تاکہ شیخ محمد عبداللہ، وزیراعظم مہر چند مہاجن کے ساتھ عبوری ذمہ داریوں کو سنبھالے اس کے جواب میں ڈیفنس کمیٹی کی منظوری کے بعد ہندوستان کے گورنر جنرل نے مہاراجہ کو ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جو خط بھیجا مندرجہ ذیل ہے:۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا جواب

گورنمنٹ ہاؤس، نئی دہلی

۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

میرے پیارے مہاراجہ صاحب

آنجناب کا مراسلہ مورخہ ۲۶۔ اکتوبر بدست مسٹر وی پی مینن نظر نواز ہوا۔ ان خاص حالات میں جن کا آنجناب نے تذکرہ کیا ہے ریاست جموں و کشمیر کا ہندو یونین سے الحاق میری حکومت نے منظور کر لیا ہے۔ میری حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ جہاں کسی ریاست کا کسی ڈومینین میں شامل ہونا باعث تنازعہ ہو اس کا فیصلہ وہاں کی رعایا کی مرضی کے مطابق ہو۔ اس کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے میری حکومت کی خواہش ہے کہ جونہی کشمیر میں امن قائم ہو جائے اور اس کی سرزمین حملہ آوروں سے خالی ہو جاتی ہے ریاست کا کسی مملکت میں شامل ہونے کا مسئلہ ریاستی باشندوں کے استصواب رائے سے حل کر لیا جائے۔

بردست آنجناب کی فوجی امداد حاصل کرنے کی اپیل کی تعمیل میں احکام جاری کر دیئے گئے ہیں کہ فوراً ہندوستانی افواج کو کشمیر بھیجا جائے تاکہ وہ آپ کی فوجوں کو حملہ آوروں سے ملک کو بچانے اور رعایا کے جان و مال اور عزت کی حفاظت کرنے میں امداد دیں۔ میں اور میری حکومت یہ معلوم کر کے مطمئن ہوئے ہیں کہ آنجناب نے شیخ محمد عبداللہ کو آپ کے وزیر اعظم کی مدد سے حکومت کی تشکیل دینے کی دعوت دی ہے۔

نیک خواہشات کے ساتھ

آپ کا مخلص

ماؤنٹ بیٹن آف برما

مسٹر مینن لکھتا ہے کہ دستاویز الحاق پر دستخط ہونے کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ نے مجھ سے کہا۔ کہ میں نے اپنے اے۔ ڈی۔ سی کو سونے سے قبل ہدایت دی تھی کہ اگر مسٹر مینن واپس آگئے تو مجھے نیند سے نہیں جگانا۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ مکمل بندوبست کر کے واپس آیا ہے اور اگر وہ وقت مقررہ کے اندر نہیں آیا تو سمجھ لینا کہ ہر شئے کھو گئی ہے اس صورت میں مجھے گولی مار کر ہلاک کر دینا۔" بزدلی کی اس منہ بولتی حقیقت کے دوش بدوش ہری سنگھ جی نے جموں پہنچ کر اہل کشمیر کے نام اپنی کھوکھلی شخصیت اور وقار کا ڈھول بجاتے ہوئے ایک پیغام گھسیٹ ڈالا جس میں ریاست کا حکمران ہونے کے ناطے دعویٰ کیا۔ جب تک مجھ میں جان اور جان میں سانس باقی ہے میں ان آزاد لٹیروں کے رحم پر اپنے لوگوں کو نہیں چھوڑ دوں گا۔"

اسی روز علی الصباح مسٹر مینن اور مہر چند مہاجن، مہاراجہ ہری سنگھ کا دستخط شدہ دستاویز الحاق لے کر بذریعہ ہوائی جہاز ۸ بجے صبح دہلی کے صفدر جنگ ایئرپورٹ پر اترے اور سیدھے وزیر اعظم کی کوٹھی پر پہنچے۔ جہاں سردار پٹیل پہلے سے موجود تھا۔ وہاں کیا گفتگو ہوئی اُسے تفصیل کے ساتھ مہر چند مہاجن نے اپنی تصنیف میں قلمبند کیا ہے جس کا اقتباس درج ذیل ہے :-

"میں فوراً وزیر اعظم کی کوٹھی واقعہ یارک روڈ چلا گیا۔ جہاں سردار پٹیل بھی تھا اس بات کے پیش نظر کہ حملہ آور بارہ مولا اور سری نگر کی طرف بڑھتے چلے آرہے ہیں، میں نے التجا کی کہ کسی بھی شرط پر فوجی امداد بہم پہنچائی جائے۔ میں نے کچھ زوردار انداز میں کہا کہ سری نگر شہر کو کسی بھی قیمت پر لوٹ اور تباہی سے بچانا لازمی ہے۔ دوران گفتگو

۱: ماخوذ از انٹگریشن آف سٹیٹس ۲: لوکنگ بیک صفحہ ۱۵۱-۱۵۲-۲۰۰

وزیر اعظم نے کہا۔ اگر قبائلی حملہ آور شہر پر قبضہ بھی کر لیں تو ہندوستان کے پاس اتنی طاقت ہے کہ وہ اُسے پھر واپس لے سکے گا۔ میں نے پھر پُرزور مگر مودبانہ الفاظ میں کہا ہمیں فوری امداد کی ضرورت ہے۔ اس پر انہوں نے کہا۔ فوری طور پر فوجی امداد بھیجنی ممکن نہیں۔ کیونکہ اس مہم کے لئے کافی تیاری اور انتظامات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور صرف تمہارے مطالبہ کرنے سے فوج نہیں بھیجی جا سکتی۔ میں اپنے مطالبہ پر بضد رہا اور وزیر اعظم اپنی رائے پر ڈٹے رہے۔ آخر کار میں نے کہا۔ ہمیں جو فوجی امداد درکار ہے وہ دیجئے۔ آپ کشمیر کا الحاق قبول کر لیں اور جو اقتدار آپ عوامی پارٹی کو دینا چاہیں دے دیں۔ سری نگر شہر کو بچانے کے لئے لازم ہے کہ فوجی امداد بذریعہ طیارہ آج شام تک سری نگر روانہ ہونی چاہیئے ورنہ میں لاہور جا کر مسٹر جناح سے شرائط طے کروں گا ——— جب میں نے وزیر اعظم ہند کو بتایا کہ مجھے حکم ملا ہے کہ فوری فوجی امداد نہ ملنے کی صورت میں پاکستان چلا جاؤں تو وہ قدرتی طور پر پریشان ہوگئے اور مجھ سے غصے کے لہجہ میں کہا "مہاجن چلے جاؤ"۔ میں کھڑا ہوگیا اور کمرے سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ سردار پٹیل نے مجھے روکا اور میرے کان میں کہا — "بلاشبہ مہاجن تم پاکستان نہیں جا سکتے —" ابھی یہ مکالمہ جاری ہی تھا کہ باہر سے ایک سلپ آئی جس کو پڑھ کر وزیر اعظم نے اونچی آواز میں کہا "شیخ صاحب بھی تو یہی کہتے ہیں"۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ شیخ محمد عبداللہ ساتھ کے کمرے میں بیٹھ کر ہماری بات چیت سُن رہا تھا۔ شیخ صاحب نے یہ کہہ کر فوجی امداد فوری طور بھیجی جائے میرے ہاتھ مضبوط کئے —— ۲۶ اکتوبر کو دہلی میں میری بات چیت کامیاب رہی اور آخر کار انڈین کیبنٹ نے ریاست کا الحاق نامہ منظور کر لیا۔"

یہ بات بعید از معلومات نہ ہوگی کہ ۲۵ اکتوبر کو شیخ محمد عبداللہ نیشنل کانفرنس کی یہ تجویز لے کر دہلی گیا تھا کہ نیشنل کانفرنس کو انتظامیہ کے سارے اختیارات سونپ دیئے جائیں اور عوامی دستوں کے لئے ہتھیار فراہم کئے جائیں۔ لیکن پنڈت نہرو نے یہ مطالبہ برصغیر میں شدید فرقہ وارانہ فسادات کی بناء پر ٹھکرا دیا۔ انہوں نے عوام کو ہتھیار دینے کے

لہ: شیخ محمد عبداللہ اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان دوستانہ تعلقات بہت گہرے تھے۔ جونہی پنڈت نہرو نے بحیثیت وزیر اعظم ہند کے عہدہ سنبھالا۔ قدرتی امر ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کے توقعات نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھانے کے لئے دہلی کی راہ لی اور حکومت ہند سے اسلحہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ پنڈت نہرو ابھی یہ طے کرنے بھی نہ پائے تھے کہ شیخ محمد عبداللہ کو کس حیثیت میں اسلحہ دیئے جائیں جب پنڈت جواہر لال نہرو کے سامنے شیخ صاحب نے حرف مدعا زبان پر لایا۔ تو انہوں نے اُن سے صاف اور واضح لفظوں میں کہا۔ آج میری پوزیشن آپ کے دوست کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔ اصولاً ایک حکومت ہی کسی دوسری حکومت کو اسلحہ فراہم کر سکتی ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ کشمیر میں مہاراجہ کی حکومت کو ختم کر کے اقتدار سنبھالیں۔ حکومت ہند ان دنوں جس نازک صورت حال سے گذر رہی ہے۔ یہ ناممکنات میں ہے کہ میں کوئی خاطر خواہ مدد کر سکوں۔ کشمیر میں آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے اس لئے نہ صرف پاکستان کی نظریں اس پر لگی ہوئی ہیں بلکہ ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت کو مہاراجہ سے ہمدردی پیدا ہوئی ہے پھر بھی میں آپ کو نا اُمید نہیں کروں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ریاستی اقتدار خوش اسلوبی اور پُر امن طریقے سے آپ کے ہاتھوں میں منتقل ہو۔ اُس کے بعد آپ جیسا چاہیں کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد مہر چند مہاجن پنڈت جی سے ملنے آئے بغل والے کمرے میں شیخ صاحب بیٹھ کر سب سُن رہے تھے۔ انہیں اس گفت و شنید میں اپنے خواب کی تعبیر نظر آئی۔ انہوں نے فوراً اپنی رضامندی کا ایک کاغذ

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۱ پر)

بجائے فوج بھیجنے کو ترجیح دی۔ حق تو یہ ہے کہ الحاق کے جملہ حقوق برطانوی حکمت عملی کے مطابق مہاراجہ ہری سنگھ کی ذات سے منسوب تھے۔ شیخ صاحب کے ہاتھ سے لکھا ہوا کاغذ کا پرزہ صرف اُن کی خوشنودی اور اخلاقی حمایت تک محدود تھی۔ حقائق کے جہاں میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ البتہ حالات نے حکومت ہند اور ہری سنگھ کو شرط الحاق جو تابع رائے شماری ہے کا پابند بنایا۔

دستاویزِ الحاق

ا: میں شریمان اندر مہندر راج راجیشور مہاراج ادھیراج جموں وکشمیر نریش تتھا آدی دیش آدھیتی حکمران جموں وکشمیر بہ استعمال اقتدار خود اپنی مذکورہ ریاست میں اس دستاویز الحاق کی تکمیل کرتا ہوں اور (۱) یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں ڈومینین انڈیا کے ساتھ اس ارادے سے الحاق کرتا ہوں کہ گورنر جنرل آف انڈیا ڈومینین کی مجلس ساز، فیڈرل کورٹ اور دیگر اختیارات حاکم جو ڈومینین کے اغراض کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ میری اس دستاویز الحاق کے رُو سے لیکن ہمیشہ تابع اُس کے شرائط کے اور صرف اغراض

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲ سے آگے) کے پُرزے پر لکھ کر پنڈت جی کو بھیجی۔ سچ تو یہ ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کی قوم پرستی نہ کسی ظاہر داری کی تابع تھی اور نہ کسی بناوٹ کا ردعمل بلکہ وہ سچے معنوں میں قوم پرست نظریہ کے قائل تھے۔ یہ اور بات ہے کہ آگے چل کر "قوم پرستوں" نے انہیں فرقہ پرست کہہ کر ایسے چھچھے چھبوائے جنہیں وہ اکثر و بیشتر یاد کیا کرتے تھے اب جبکہ اُن کے سامنے منزل کٹھن تھی وہ بھلا مخالف سمت اپنا رُخ کیسے پھیرتے۔ بعد کے واقعات اس کی تائید کرتے ہیں۔ حکومت ہند کی وزارت دفاع نے الحاق کے بعد شیخ محمد عبداللہ اور بخشی غلام محمد کی درخواست پر سلامتی فوج کے لئے ہتھیار سپلائی کئے جس پر مہاراجہ ہری سنگھ نے مرکزی حکومت کو ایک مراسلہ بھیجا اس پر مستوار ... فوج کو ... اور خفیہ امداد بہم پہنچانے پر تنبیہ کرتے ... دھمکی دی کہ اگر یہ سلسلہ ختم نہ کیا گیا تو میں ...

ڈومینین کے لئے ریاست جموں وکشمیر کی نسبت ایسے اختیارات (جن کا بعد میں اس ریاست سے حوالہ دیا گیا ہے) استعمال کرے گا۔ جو کہ بموجب گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ[1] کے ذریعہ اُس کے تحت اُس سے حاصل ہوا۔ جو کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہند کے ڈومینین

---

[1]: گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء برٹش پارلیمنٹ نے ایک مسودۂ قانون پاس کیا تھا اس ایکٹ کے نفاذ کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے تمام والیانِ ریاست ہندوستانی صوبوں کے مانند ایک وفاقی فیڈریشن میں شامل ہو جائیں۔ دستاویز الحاق میں اسی ایکٹ کی جانب اشارہ ہے اس ایکٹ کے تحت ہی ہندوستانی دیسی والیانِ ریاست نے ہند پاک کی مملکتوں سے الحاق کیا۔ ایکٹ کے چھٹے حصے میں ہندوستانی ریاستوں کے الحاق کی یوں وضاحت کی گئی۔

ا: (الف) ہندوستان کی ایک ریاست کا الحاق ہندوستان کی ڈومینین کے ساتھ اُس صورت میں جائز تصور کیا جائے گا۔ جب گورنر جنرل نے دستاویز الحاق کی منظوری دی ہوگی جو حکمران ریاست نے پیش کیا ہو جس میں ریاست کا حکمران اس امر کا اقرار کرے کہ وہ ڈومینین کے ساتھ اس بناء پر الحاق کرتا ہے کہ گورنر جنرل ہند کی ڈومینین کی قانون ساز اسمبلی، فیڈرل کورٹ کے وہ قوانین جو اُن پر لاگو ہوں گے کا عوام کی بھلائی کے لئے تفویض کئے جائیں گے۔

(ب) جو قوانین دستاویز الحاق کے تحت ریاست پر حاوی ہوتے ہیں اُن پر پوری طرح عملدرآمد کیا جائے گا۔

۲: دستاویز الحاق یہ واضح کرے گا کہ حکمران اُن قوانین میں سے کن کو تسلیم کرے گا۔ جو ڈومینین کی قانون ساز اسمبلی اس ضمن میں مرتب کرے گی۔

۳: کوئی بھی حکمران ریاست ضمنی دستاویز الحاق بھی پیش کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ گورنر

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۳ پر)



خواجہ غلام نبی گلکار



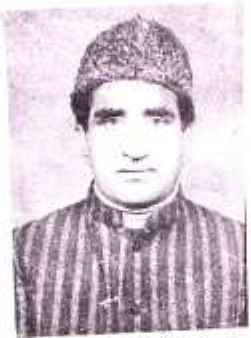
خواجہ علی شاہ



نایب اللہ دتہ خان



شری ہری رام شرما



جناب محمد اسماعیل



خواجہ امیرالدین چھینٹ ساز اُن کا فرزند غلام نبی



مولانا عبدالسلام ہمدانی



جناب محمد جمال آخون

میں نافذ العمل ہو۔ یہ ایکٹ جو نافذ العمل ہوگا۔ " ایکٹ ہذا " کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔"

۲ : میں اس یقین دہی کا ذمہ لیتا ہوں کہ ایکٹ کے احکام کو ریاست ہذا کے اندر جہاں تک کہ وہ اس دستاویزِ الحاق کی رُو سے قابلِ اطلاق ہوں۔ مناسب طور پر موثر کیا جائے گا۔

۳ : میں اُن تمام معاملات کو منظور کرتا ہوں جو کہ ضمیمہ مشمولہ میں درج ہیں یعنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ [illegible] سے آگے) جنرل نے تسلیم کیا ہو۔ جو دستاویزِ الحاق سے مختلف بھی ہو سکتا ہے۔

۴ : اس دستاویز کے تحت ریاستی حکمرانوں کو یہ اختیارات سونپ دیئے گئے ہیں کہ وہ اس کا استعمال اُس فرد کے حق میں بھی تفویض کرتا ہے جو حکمران کے اختیارات کے فرائض انجام دیتا ہو۔

۵ : اس ایکٹ کے تحت جس ریاست نے ڈومنین کے ساتھ الحاق کیا ہو اُس کو "الحاق ریاست" ACCEDING STATE کہا جائے گا۔

۶ : جونہی دستاویزِ الحاق یا ضمنی دستاویزِ الحاق کو اس ایکٹ کے تحت منظور کیا جائے، دستاویزِ الحاق کی کاپیاں اور گورنر جنرل کی منظوری کے کاغذات ڈومنین کے قانون سازیہ میں پیش کئے جائیں اور تمام عدالتیں اس کی نوٹس لیں گی۔"

پاکستانی ترامیم دستاویزِ الحاق میں

۱۹۴۷ء میں مملکت پاکستان کے وجود میں آتے ہی حکومتِ پاکستان نے اپنے عارضی آئین کے تحت گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے سیکشن [illegible] کی دفعہ [illegible]، [illegible] اور [illegible] کو بعینہٖ منظور کیا۔ ماسوائے لفظ ڈومنین کی جگہ انہوں نے فیڈرل اور فیڈریشن استعمال کیا۔ دفعہ [illegible] کی پہلی سطر میں لفظ ہندوستان حذف کیا گیا اور آخری سطر میں حکمران یا

(بقیہ حاشیہ صفحہ [illegible] پر)

ایسے معاملات جن کی نسبت ڈومنین کی مجلس قانون ساز قانون بنا سکتی ہے۔

۴ : میں اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ ہندوستان کی ڈومنین کے ساتھ بدیں یقین الحاق کرتا ہوں کہ اگر گورنر جنرل اس ریاست کے حکمران کے مابین کوئی معاہدہ جس کی رُو سے ڈومنین کی مجلس قانون ساز کے وضع کردہ کسی قانون کو روبعمل لانا ہو تو اُس کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ [illegible] سے آگے)۔ اُس کے وارثین یا ولی عہد کی جگہ صرف حکمران رکھا گیا۔ سیکشن [illegible] کی پہلی دفعہ کے (الف) میں ڈومنین کو حذف کر کے فیڈریشن کا استعمال کیا گیا۔ حکومتِ پاکستان کا دفعہ [illegible] اور دفعہ [illegible] یکساں ہے ہندوستان کے دفعہ [illegible] اور [illegible] کے اس ترمیم کے ساتھ کہ "الحاق ریاست" کی جگہ انہوں نے فیڈریٹیڈ سٹیٹ FEDERATED STATE لکھا۔ سیکشن [illegible] کے دفعہ [illegible]، [illegible] اور [illegible] آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء جس کو حکومت پاکستان نے منظور کیا مندرجہ ذیل ہے۔

۳ : ماسوائے اس کے گورنر جنرل کسی دستاویزِ الحاق کو منظور نہیں کرے گا جب تک کہ وہ اس سے مکمل اور جائز تصور نہیں کرے گا۔ ایسا کوئی دستاویزِ الحاق جو فیڈریشن کے لوازمات سے مطابقت نہ رکھتا گورنر جنرل نامنظور کر سکتا ہے جبکہ گورنر جنرل قانون کے تحت کسی بھی دستاویز کو منظور کرنے کا اختیارات رکھتا ہے کوئی بھی ایسا دستاویز جس کی گورنر جنرل نے منظوری دی ہو بعد میں اُس کی جوازیت کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا ہے۔

۵ : بہ شرطا ہر ایک دستاویزِ الحاق کے لئے لازمی ہے کہ اس ایکٹ کے تمام دفعات کو فیڈرل آئین سازیہ میں ترمیم کی جا سکتی ہے ماسوائے اس کے کہ اس سے ریاست کا الحاق اثر انداز ہو لیکن ایسی کوئی ترمیم قابلِ قبول نہیں ہوگی جو کہ ریاست کے حکمران نے ضمنی دستاویزِ الحاق میں تسلیم کیا ہو جو بعد ازاں فیڈرل کورٹ اور گورنر جنرل کو تسلیم کرنی ہوگی۔

۶ : کوئی بھی دستاویزِ الحاق یا ضمنی دستاویز اس وقت تک جائز قرار دی جا سکتی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ [illegible] پر)

حکمران ریاست استعمال کرے گا۔ یا کسی ایسے معاہدے کے متعلق جو منظور کیا جائے گا۔ کہ وہ اس دستاویز کا ایک جز ہے اور اسی طرح اس کے معنی نکالے جائیں گے اور وہ اثر پذیر ہوگا۔

۵۔ اس دستاویز الحاق کی شرائط ایکٹ ہذا میں آزادی ہند ایکٹ ۱۹۴۷ء میں کسی ترمیم کے ذریعے کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ تاوقتیکہ ایسی ترمیم میں نے بذریعہ کسی ضمنی دستاویز کے منظور کی ہو۔

۶۔ لازم ہے کہ کوئی امر اس دستاویز میں ڈومینین کی مجلس قانون ساز کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ اس ریاست کیلئے کوئی ایسا قانون بنائے جس کے تحت کسی غرض کیلئے جبراً زمین حاصل کی جائیگی۔ لیکن میں اس امر کا ذمہ لیتا ہوں کہ اگر ڈومینین کے کسی قانون کے مقصد کے لئے جو اس ریاست پر جاری ہے کسی زمین کا حاصل کرنا ضروری تصور کرے تو میں اُن کی درخواست پر اور اُن کے خرچ پر یہ زمین حاصل کروں اور اگر یہ زمین میری ملکیت ہو تو میں یہ انہیں باہمی شرائط پر منتقل کردونگا۔ جن کا باہمی سمجھوتہ ہوا ہو۔ سمجھوتہ نہ ہونے کی صورت میں اسکا فیصلہ کوئی ایسا ثالث کریگا جس کو چیف جسٹس آف انڈیا نے مقرر کیا۔

۷۔ اس دستاویز میں کسی امر نے کسی طریقے سے میری ذمہ داری متصور نہ ہوگی کہ میں نے ہندوستان کے کسی آئندہ آئین کو منظور کیا ہے یا میرے اختیار تمیزی پر پابندی لگ گئی ہے کہ میں گورنمنٹ آف انڈیا کے لیے آئندہ آئین کے تحت کوئی معاہدہ کروں۔

۸۔ دستاویز ہذا میں کوئی امر ریاست ہذا پر میرے اجرائے اقتدار اعلیٰ پر متمیز جیسا کہ اس دستاویز میں انتظام کیا گیا ہے کسی اختیار و حکم، یا حقوق کے جو مجھے اس وقت بحیثیت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲ سے آگے) جب تک کہ اس کی منظوری حکمران نے بذات خود نہ دی ہو۔ (حکمران کے متعلق یہ تشریح کی گئی کوئی شخص جو وقتی طور پر حکمران ریاست کے اختیارات چلا بیٹھا ہو جیسا کہ کسی بھی وجہ سے یا نابالغ حکمران ہونے کی صورت میں تھا)

حکمران ریاست حاصل ہیں کے استعمال پر اثر انداز ہوگا اور نہ ہی ریاست میں موجودہ وقت نافذ قانون کی جواز پر اثر انداز ہوگا۔

۹:- میں اعلان کرتا ہوں کہ میں اس دستاویز کو منجانب ریاست تکمیل کرتا ہوں اور کہ اس دستاویز میں کوئی حوالہ جو میری طرف ہو یا حکمران ریاست کی طرف ہو اس کے حوالے میں میرے وارث اور جانشین بھی شامل سمجھے جائیں گے۔

آج بتاریخ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو میرے دستخط سے جاری ہوا۔

دستخط۔ ہری سنگھ مہاراج ادھیراج

میں اس مسودہ الحاق کو منظور کرتا ہوں

دستخط: ماؤنٹ بیٹن آف برما گورنر جنرل ہند

تاریخ ستائیس اکتوبر انیس سو سنتالیس

دستاویز الحاق کے منظور ہوتے ہی ڈومینین کی قانون ساز کو ریاستوں میں مندرجہ ذیل معاملات کی ذمہ داریاں تفویض ہونگی۔

الف:- تار، ٹیلی فون، وائرلیس، براڈکاسٹنگ اور اس نوعیت کے دیگر رسل و رسائل

(ب) فیڈرل ریلوے، طریقہ کار۔ تمام ریلوں کے بارے میں جن میں سرمایہ کا کام دینا کرنا، سٹیشن سروس، دیگر لوازمات، ٹریفک کا تبادلہ، ریلوے انتظامیہ کی ذمہ داری جیسا کہ مسافروں اور سامان کا لے جانا اور لانا، چھوٹی ریلوں کے حفاظتی انتظامات، مسافروں اور سامان کے لے جانے کی ذمہ داری انتظامیہ۔

(ج) سمندر میں جہاز رانی، جہازوں کی آمدورفت اور اُن کے حدود کا تعین کرنا۔

(د) بندرگاہوں کا انتظام۔

(ر) بڑی بندرگاہیں [illegible] کا بندوبست کرنا اور حدود کا تعین کرنا۔ بندرگاہوں کے منتظمین کے اختیارات و قانون کا تعین کرنا۔

(ف) ہوائی جہاز اور فضائیہ، ہوائی اڈے، ہوائی آمد و رفت (ٹریفک) ہوائی اڈوں کا انتظام اور تربیت۔

(ق) لائٹ ہاؤس۔ جن میں چھوٹے جہاز اور دیگر ضروریات جو کہ ہوائی اور بحریہ کے جہازوں کے تحفظ سے تعلق رکھتے ہوں۔

(ک) فضائیہ اور بحریہ کے ذریعہ مسافروں اور سامان کا لانا، لے جانا۔

(ی) ریلوے پولیس کو ریلوے حدود سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے اختیارات۔

۹۔ ANCILLARY

(الف) ڈومینین کو قانون سازیہ کے لئے انتخابات، متعلقہ ایکٹ کے دفعات کے تحت متذکرہ بالا عبارات کی خلاف ورزی میں قوانین نافذ کرنے اور بنانے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۔ (الف): ڈومینین کی بحریہ، پیدل اور فضائی افواج یا کوئی اور مسلح فوج جو تربیت دی جائے گی جس کو الحاق کرنے والی ریاست تربیت دے یا اس کے اخراجات برداشت کرتی ہو جو ڈومینین کی کسی بھی افواج کے ساتھ تعلق رکھتی ہو۔

(ب) بحریہ، پیدل اور فضائی ورکس، کنٹونمنٹ علاقوں کا انتظامیہ۔

(ج) اسلحہ، آتشیں اسلحہ بارود۔

(د) آتش گیر مادہ۔

۲: امورِ خارجہ

(الف) خارجی معاہدات دستاویزات جو دوسرے ممالک کے ساتھ کئے جائیں گے۔ افراد کی واپسی، جن میں مجرموں اور دیگر ملزموں کی واپسی جو کہ ہز میجسٹی ڈومینین اور بیرونِ ہند میں ہوں۔

(ب) اجازت نامے، عارضی آمد و رفت اور ہندوستان سے برطرف کرنے کے ساتھ اُن لوگوں کی نقل و حرکت جو برطانوی شہری نہیں ہیں مگر اس وقت ہندوستان میں مقیم ہیں یا الحاق ریاستوں سے تعلق رکھنے والے لوگ جو ہندوستان سے باہر مقدس مقامات کی زیارت کرنا چاہتے ہوں۔

(ج) غیر جانبداری

۱۲۔ رسل و رسائل

(ب) متذکرہ بالا عبارات کے بارے میں پوچھ تاچھ، معلومات، مواد کی فراہمی۔

(ج) متذکرہ بالا عبارات کے لئے عدالتوں کے اختیارات، حدود جن میں ریاستی حکمرانوں کا مشورہ لینا لازمی نہیں ہوگا۔ جس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ریاستی عدالتوں کے اختیارات میں تبدیلی لائی جائے گی۔

ہندوستانی فوجیں کشمیر میں

دستاویز الحاق کے منظور ہوتے ہی ہندوستانی افواج کی پہلی بٹالین جو سکھوں پر مشتمل تھی، لیفٹننٹ کرنل دیوان رنجیت رائے کی کمانڈ میں ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء صبح کے ۹ بجکر۔ امنٹ پر سری نگر ایئرپورٹ پر اتری[1] چونکہ اس سے پہلے ریاست میں ہندوستانی افواج کا کوئی ہیڈ کوارٹر نہیں تھا اس لئے ریاستی حکومت نے ان کے لئے سونہ وار میں نواب خسرو جنگ کی کوٹھی اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تفویض کی۔ آج کل اس کوٹھی میں جموں و کشمیر ہائی کورٹ کے چیف جسٹس قیام کرتے ہیں ان سے پہلے خواجہ شمس الدین بحیثیت وزیر اعظم ۱۹۶۳ء میں رہائش پذیر تھے۔ غرض اس کوٹھی میں ہندوستانی افواج نے سری گیریژن SRI GARRISON کے نام سے آپریشن شروع کیا۔

اَن کہی کہانی

ہندوستانی افواج سے مقامی لوگوں کا رابطہ استوار کرنے اور اطلاعات بہم

---

[1]: ہندوستانی افواج کو لے کر طیارے ایئرپورٹ پر اترنے سے قبل سری نگر شہر کے اوپر چکر لگاتے رہے۔ [illegible]

پہنچانے کی غرض سے دُرگا پرشاد در نے نذیر احمد مسعودی کو سری نگر بیزن پہنچایا۔ نذیر احمد مسعودی پہلا شخص ہے جنہوں نے گنڈ رامہ لار کے قریب قبائلیوں کو دیکھا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں میں نے اُن سے ایک طویل انٹرویو لیا جس کو اختصار کے ساتھ قلمبند کرتا ہوں۔

"میں ریسرچ رینجر کمپارٹمنٹ ۲۲، موضع شیر باغ بارہ مولہ میں تعینات تھا۔ ۲۶ اکتوبر کو عید الاضحیٰ کی تقریب منانے کے لئے کئی دن پہلے اپنے گاؤں لوٹ گیا تھا۔ عید کے دوسرے دن جب میں ڈیوٹی پر واپس آ رہا تھا۔ تمام راستے میں افراتفری مچی ہوئی تھی۔ ایک بڑا ہجوم محکمہ جنگلات کے دفتر کو توڑ پھوڑ رہا تھا اور سامان لوٹ رہا تھا دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ قبائلی لشکر نے مظفر آباد پر قبضہ کر لیا ہے اور مہاراجہ کی فوجیں بے تحاشہ بھاگ رہی ہے۔ ہر طرف سے پاکستان کے حق میں نعرے لگ رہے ہیں۔ ٹرانسپورٹ کا تختہ نظام (درہم) برہم ہو چکا ہے۔ میں پیدل چل کر اگلے دن کپواڑہ پہنچا۔ وہاں بھی یہی ہنگامہ تھا۔ تھانے کے سامنے لوگوں کی ایک جماعت اسے جلانے کی کوشش کر رہی تھی اور خواجہ ثناء اللہ ذیلدار درگمولہ لوگوں کے مجمع میں کھڑا انہیں ایسا کرنے سے منع کر رہے تھے۔ اُن سے معلوم ہوا کہ قبائلی لشکر سوپور سے آگے نکل گئی ہے انہوں نے مجھے تنبیہ کی کہ میرا اِدھر جانا مناسب نہیں۔ دو ایک دن حالات کا مشاہدہ کرو۔ میں رات بسر کرنے کے لئے کنسٹھ پورہ لولاب چلا گیا۔ راستے میں ہائی ہامہ کے مقام پر لوگوں کی بڑی تعداد کو زنگ آلودہ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰ سے آگے) گئے تھے۔ تاکہ اپنی آمد کا احساس دلایا جائے۔ اس دن مولانا مسعودی کئی نیشنل کانفرنسی ورکروں کے ساتھ مجاہد منزل سری نگر کے صحن میں بیٹھے تھے۔ جہازوں کی گڑگڑاہٹ سن کر خواجہ غلام محمد بٹ آف لسنت باغ نے فرطِ مسرت سے اچھل کر مولانا سے کہا "ہندوستانی فوج آگئی"۔ مولانا نے بڑے ہی صبر و تحمل سے جواب دیا: "ہاں! ہماری غلامی کی نئی زنجیریں آگئیں"۔

تلواریں لے کر گھومتے دیکھا۔ کنسٹھ پورہ میں ہی اتفاقاً مجھے میرے ماموں زاد بھائی مولوی عزیز الرحمان سے ملاقات ہوئی۔ ہم دونوں نے اکٹھے رات گزاری، اگلے دن لولاب وعد پورہ کی پہاڑی عبور کرکے ملن گام باندی پورہ میں قدم رکھا۔ یہاں ہم نے ناگا بابا جی صاحب مشہور خدا پرست بزرگ کے لنگر میں رات گزاری۔ ان دنوں ناگا بابا جی صاحب بقید حیات تھے اُن کے مولانا مسعودی صاحب سے خاصے مراسم تھے اور مجھے اُن دنوں سے جب میں گریز میں رینجر تھا جانتے تھے۔ ناگا بابا جی صاحب نے مجھے نصیحت کرتے کہا اگر آگے جانے کا ارادہ ہے تو یہ خاکی رنگ کے کپڑے اتار دو۔ انہوں نے مجھے اپنے ہاں سے کچھ کپڑے اور سفید پگڑی دی۔ اگلے دن ہم دونوں پیدل چل کر کوئی شام کے چار بجے صفا پور نالہ سِندھ سڑک پر پہنچے۔ اور یہیں ہمیں پہلی بار کشمیر سلامتی فوج سے بھری ایک لاری سید احمد شاہ (ریشام جی) کی کمانڈ میں، جس میں کئی دوسرے نوجوانوں کے علاوہ صوفی محی الدین آف گاندربل بھی تھے، نظر آئی جو گاندربل محاذ سے صفاپور کا پٹرول کر رہے تھے، ایک دوسرے کو دیکھ کر ہم نے ہاتھ ہلائے اور ممکن تھا کہ ہم بھی لاری میں بیٹھ کر اُن کا ساتھ دیتے مگر انہوں نے کہا کہ ہم تھوڑا آگے جاکر واپس لوٹ رہے ہیں اس پر ہم دونوں نے فیصلہ لیا جب تک یہ لوگ واپس آتے ہیں ہم آہستہ آہستہ آگے بڑھیں۔ کنڈ رامہ موڑ پر ہمیں پہلی بار لشکر کے ایک گروہ کو دیکھنے کا موقع ملا۔ جو جوش و خروش میں رقص کرتے ہوئے پڑاؤ ڈالے بیٹھے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی ہمارا سہم جانا قدرتی امر تھا۔ مگر مولوی عزیز الرحمان نے حوصلے سے کام لے کر اُن سے فارسی زبان میں گفتگو کی۔ اور میں خاموشی سے آگے بڑھتا ہی گیا ان میں سے ایک نے کہا "داخو ملا دے" (یہ مولوی ہے)۔ اسی دوران میں درختوں کی اوٹ لے کر کافی دور کھیتوں میں آگے نکل گیا۔ کچھ لوگ کھیتوں سے دھان اٹھا رہے تھے ہر سو سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اُن سے بات کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ تھوڑی دیر میں مولوی عزیز الرحمان بھی آگے اور کہا مجھے داڑھی اور فارسی کی بدولت رہائی ملی اور

تمہاری خلاصی اس لئے ہوئی کہ میں نے انہیں کہا یہ میرا چھوٹا بھائی ہے اور طالب علم ہے۔

کھیر بھوانی کے موڑ پر ہمیں کشمیری پنڈتوں کا ایک قافلہ نظر آیا جس میں پیر و جوان بچے اور خواتین سب جمع تھے وہ سری نگر جانا چاہتے تھے لیکن پولیس کے چند سپاہی انہیں گاؤں کی طرف دھکیل رہے تھے۔ میں نے ایک پولیس مین کو اعتماد میں لیتے ہوئے کہا بہتر تو یہ ہے کہ انہیں بھاگ جانے دیجئے۔ کیونکہ تقریباً تین میل کی دوری پر قبائلی ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں۔ یہ سنتے ہی سپاہی نے مجھے پکڑ کر تھانیدار (یہ قادر گاندربلی تھا جس کو حال ہی میں حوالدار سے ترقی دی گئی تھی) کے سامنے کھڑا کیا۔ ابھی میں پوری بات کہنے بھی نہ پایا تھا۔ مولوی عزیز الرحمان نے میری تصدیق کی اس پر تھانیدار سخت برہم ہوا اور سپاہی سے مخاطب ہو کر کہا۔ یہ نقطو کالی ہیں انہیں حوالات میں بند کر دو۔ ورنہ پل کے قریب سپاہی نے ایک لاری میں بٹھا کر ہمیں تھانہ گاندربل کی ایک کوٹھری میں بند کیا۔

کوئی آدھی رات کا عمل ہوگا۔ کنگن سڑک سے ایک ننگا سا سائیکل سوار تھانے کے سامنے رکا جو صرف پاجامہ پہنے ہوا تھا اس نے چلا کر آواز دی۔ سپاہی روشنی لے کر آگے بڑھا اور وہ بھی اس کے قریب آیا میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ وہی پٹرول کمانڈر شیام جی تھا۔ میں نے اسے دیکھتے ہی آواز دی۔ شیام جی میری آواز سنتے ہی دوڑے دوڑے کمرے کی کھڑکی سے جھانکنے لگا۔ یہاں کیسے؟ میں نے تمام واقعہ سنایا۔ انہوں نے تھانیدار کے پاس میری شناخت کی اور ہماری رہائی عمل میں آئی۔ ساتھ ہی شیام جی نے اپنی روداد سناتے ہوئے کہا جب ہم صفاپور سے لار واپس آ رہے تھے ہماری مڈبھیڑ کنڈ لار کے قریب قبائلیوں سے ہوئی۔ جنہوں نے لاری تباہ کی۔ ہم میں سے کچھ بھاگ گئے اور کچھ پکڑے گئے میں کنگن والے نالہ پار کر کے تھانے میں اطلاع دینے آیا۔ اس طرح تقریباً رات گذر چکی تھی۔ تھکاوٹ سے بدن کا انگ انگ ٹوٹ رہا تھا لیکن ہم آگے بڑھتے ہی گئے اور صبح بلہامہ پہنچ کر محکمہ جنگلات کے آفیسر شیخ ولایت خان کے گھر میں پناہ لی۔ اسی روز صبح صادق کو فائرنگ کی آواز آئی۔ پتہ چلا کہ جے اینڈ کے سٹیٹ فورس کی ایک پلاٹون جو گنگر ہامہ میں ڈیوٹی پر تھی واپس لوٹتے ہوئے فائرنگ کر رہی ہے۔ اگلے دن میں پیدل چل کر صورہ شیخ صاحب کے مکان پر پہنچا۔ شہر میں کرفیو نافذ ہوا تھا۔ یہاں مجھے کرفیو پاس مہیا کر دیا گیا جو راستے میں کام آیا ہوتے ہوئے میں مجاہد منزل پہنچا۔

یہاں شہر کے تمام مضافات سے ہر قسم کی خبریں آ رہی تھیں۔ یہیں معلوم ہوا کہ ناربل سے بڈگام اور دوسری جانب گندربل سے صفاپورہ بانڈی پورہ تک قبائلیوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ یہاں سے نکل کر میں مولانا مسعودی کے پاس ایمرجنسی حکومت کے ہیڈ کوارٹر پہنچا جو سینما جواب گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کا آفس ہے پہنچا۔ مولانا مجھے دیکھ کر حیران ہوئے۔ میں نے انہیں تمام واقعہ سنایا۔ وہاں ڈی پی در بھی بیٹھا تھا۔ ڈی پی در نے مجھے کہا بہتر یہ ہوگا کہ یہ اطلاع فوجی ہیڈ کوارٹر سری نگر مسٹر ... کو دی جائے۔ اگلے دن میں ڈی پی در کے ساتھ فوجی ہیڈ کوارٹر گیا اور تمام حالات سے ان کو باخبر کیا غرض اس طرح ہندوستانی افواج کی نقل و حمل میں مقامی لوگوں نے مدد دینی شروع کی۔

شیخ محمد عبداللہ نے ایمرجنسی حکومت میں شامل ہونے کا اقرار کیا اور اسی تاریخ کو دہلی سے سری نگر واپس آئے۔ ان واقعات کے پیش نظر پاکستان کے اس شور و غل میں کوئی صداقت نہیں ہے کہ ہندوستانی فوجیں ۲۲ اکتوبر کو ہی سری نگر پہنچنی شروع ہوئی تھیں۔ ... اس کی تردید کرتے رقمطراز ہے کہ ۲۵ اکتوبر کی صبح کو ہمیں حملہ کشمیر میں فوجیں بھیجنے کے لئے منصوبہ بند طریقے بنالیں۔ تاکہ ہندوستانی فوج ہوائی اور زمینی راستوں سے بھیجی جاسکے۔

پاکستان کا انگریز فوجی کمانڈر اور مسٹر جناح

ان حالات میں مسٹر جناح کا پیچ و تاب کھانا لازمی تھا۔ انہوں نے جنرل سر ڈگلس گریسی جو پاکستان آرمی کا قایمقام کمانڈران چیف تھا کو حکم دیا کہ پاکستانی افواج کے دو بریگیڈ راولپنڈی اور سیالکوٹ کے راستوں سے ریاست میں داخل کرے تاکہ راولپنڈی سے داخل ہونے والا بریگیڈ سری نگر اور سیالکوٹ والا جموں پر قبضہ کرلے۔ اس حکم کی تعمیل کے بارے میں ہدایات حاصل کرنے کے لئے سُپریم کمانڈر فیلڈ مارشل آکنلک جو دہلی میں مقیم تھا سے ٹیلی فون پر رابطہ قایم کرکے منظوری مانگی گئی۔ آیا وہ مسٹر جناح کے حکم کی تعمیل کرے یا اُسے مسترد کرے۔ فیلڈ مارشل آکنلک کا اشارہ پاتے ہی جنرل گریسی نے یہ کہہ کر گورنر جنرل پاکستان سے اپنی معذوری ظاہر کی۔ کہ ایسے احکامات سُپریم کمانڈر کی منظوری حاصل کئے بنا آپ جاری نہیں کرسکتے۔

۲۸۔ اکتوبر کو فیلڈ مارشل آکنلک (AUCHINLECK) ہوائی جہاز سے لاہور پہنچا اور مسٹر جناح پر واضح کیا کہ کشمیر جو اب قانونی طور پر ہندوستان کا حصہ بن چکا ہے۔ اگر اس صورت میں پاکستانی افواج کشمیر میں داخل ہوئی تو ہر وہ برطانوی سپاہی جو پاکستانی افواج میں ملازم ہے خود بخود اور فوری طور علیحدگی اختیار کرے گا۔ اس پر مسٹر جناح نے کشمیر میں پاکستانی فوج بھیجنے کے احکامات منسوخ کئے۔ ان دنوں ہندوستانی افواج کا کمانڈر انچیف جنرل سر راب لوکہرٹ (SIR RAB LOCKHART) تھا جس کو یکم جنوری ۱۹۴۸ء میں ملازمت سے سبکدوش کیا گیا اور ان کی جگہ جنرل رائے بوچر (GEN. ROY BUTCHERY) کمانڈر انچیف مقرر ہوا۔

اس واقعہ کو مشن ود ماونٹ بیٹن میں ایلن کیمبل جانسن نے یوں ضبط تحریر میں لایا ہے:۔

"آج ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ کے دوران جنرل آکنلک نے لاہور سے لارڈ ماونٹ بیٹن کو ٹیلی فون پر مطلع کیا کہ محمد علی جناح نے پاکستانی افواج کو کشمیر بھیجنے کے جو احکام جاری کئے تھے اُن احکامات کو مسٹر جناح سے رد کرانے میں کامیاب ہوا۔ یہ حکم جنرل گریسی کو جو اُس وقت جنرل مسروی (MESSERY) کی جگہ پاکستانی افواج کا قایم مقام کمانڈر انچیف تھا۔ گورنر مغربی پنجاب کے ملٹری سیکریٹری کے ذریعہ ملا تھا۔ مسٹر جناح اُس وقت گورنر مغربی پنجاب کے ہاں قیام پذیر تھے۔ جنرل گریسی نے کشمیر میں پاکستانی افواج کے دو بریگیڈ بھیجنے کے ضمن میں مسٹر جناح سے کہا تھا کہ وہ ان احکامات کی تعمیل کرنے سے اُس وقت تک قاصر ہے جب تک کہ سُپریم کمانڈر کی منظوری حاصل نہ ہو۔ جنرل گریسی کی فوری استدعا پر جنرل آکنلک بذریعہ طیارہ لاہور پہنچا تھا اور وہ مسٹر جناح کو یہ سمجھانے میں کامیاب ہوا کہ اب جبکہ کشمیر کا الحاق ہندوستان سے ہوچکا ہے حکومت ہند کو مکمل اختیار حاصل ہے کہ وہ مہاراجہ کی استدعا پر اپنی فوجیں ریاست میں بھیجے۔ جنرل آکنلک نے لاہور سے واپس آنے سے قبل مسٹر جناح کو

۱۔ لیکن ۱۹۴۸ء کے اوایل میں ہی پاکستانی فوج کے دستے کشمیر میں داخل ہوگئے۔ جب جنرل ڈگلس گریسی کی جگہ جنرل مسروی نے دوبارہ اپنا عہدہ سنبھالا۔ پاکستانی فوج میں برطانوی افسروں کی تعداد ہندوستانی فوج کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی اور مسٹر جناح کی اس ایکشن سے برطانوی افسروں کو واپس بلانے کی دھمکی کھوکھلی نکلی۔ یہ درست ہے کہ مسٹر جناح اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں اُس وقت کامیاب ہوئے جب پانچ ہزار کے قریب قبائلی کشمیر پر قبضہ کرنے میں ناکام ہوئے اور یہ حقیقت اُس وقت آشکار ہوئی جب یونائیٹڈ نیشنز کمیشن برائے ہندوپاک سے جو سیکورٹی کونسل کے ریزولیشن مورخہ ۹۔ نومبر ۱۹۴۸ء کے ذریعہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۴ پر)

ظاہرف۔ اپنے جاری شدہ احکامات منسوخ کرنے پر آمادہ کیا۔ بلکہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور پنڈت نہرو کو لاہور آنے کی دعوت بھی دلائی۔"

جموں میں قتل و غارت

کشمیر سے فرار ہونے والا "مہاراجہ بہادر" کا قبائلی اور پونچھی مسلمانوں پر غصّہ ایک قدرتی امر ہے اور جس سے انسانی فطرت کا نام دے کر درگزر کیا جاسکتا ہے۔ مگر جموں پہنچ کر ہری سنگھ کے حرکات و سکنات سے یہ ظاہر ہونے لگا کہ وہ بدترین قسم کا فرقہ پرست متعصب اور حواس باختہ آدمی ہے۔ اُس نے قبائلیوں کے حملے اور پونچھ کی بغاوت کا بدلہ صوبہ جموں کے نہتے مسلمانوں سے لینے کی ٹھان لی۔ اس [illegible]

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۳ سے آگے: قائم کیا گیا تھا۔ جس نے موقع پر آکے اس امر کا انکشاف کیا کہ پاکستانی افواج کے تین بریگیڈ کشمیر کے اندر لڑ رہے ہیں۔ اس طرح ایک نئی صورت حال نمودار ہوئی۔ کیونکہ اس سے پہلے پاکستان نے کبھی بھی اپنی فوج کی کشمیر میں موجودگی کو تسلیم نہیں کیا تھا۔

لہ: یہ دور آشوب حشر سے کچھ کم نہ تھا اس پر طرّہ یہ کہ گورنر جموں چیت رام چوپڑہ نے جموں سے سری نگر جانے والوں کے لئے ایک حکم کے تحت پرمٹ سسٹم رائج کیا جس کا بظاہر مطلب یہ تھا کہ صوبہ کشمیر میں داخل ہونے والوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔ اس طرح پرمٹ گورنر کے آفس سے اجرا ہونے لگے۔ لیکن ان کی پڑتال کے لئے روزانہ بلاناغہ چیت رام چوپڑہ بذات خود سیکرٹریٹ کے سامنے کھڑا ہوتا تھا۔ ان دنوں جموں سری نگر کے درمیان [illegible] والوں کی ڈاک لانے لے جانے پر مامور تھی اور ایک ٹرک بارہ مولہ دیا سلائی فیکٹری کا مال ڈھوتی تھی۔ تمام مسافروں کیلئے ٹرانسپورٹ کا واحد ذریعہ یہی دو گاڑیاں تھیں۔ گورنر چُن چُن کر مسلمانوں کو ان گاڑیوں سے نیچے اُتارتا تھا۔ چاہے ان کے پاس پرمٹ ہی کیوں نہ ہو۔

مہارانی تارا دیوی کے اشارے پر رنجیت چند نے سرکردہ راجپوتوں کی ایک میٹنگ طلب کی۔ جس میں حقیقت سنگھ، ٹھاکر کرتار سنگھ، کرنل بلدیو سنگھ کے علاوہ راشٹریہ سیوک سنگھ کے لیڈروں اور گورنر جموں چیت رام چوپڑہ نے شرکت کی۔ میٹنگ میں ریاست میں رونما ہونے والے واقعات کے اسباب پر غور کیا گیا اور علاج یہ دریافت کیا گیا کہ کشمیر مسلمان آبادی کی وجہ سے ہری سنگھ کے ہاتھ سے نکل گیا اب اگر صوبہ جموں میں مسلمانوں کو رہنے دیا گیا تو باقی ماندہ علاقے سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اس لئے ان کا انخلاء لازمی امر ہے۔ چنانچہ منصوبہ عمل میں لایا گیا اور مرتب شدہ پروگرام کے مطابق ریاستی ملازمت میں اعلیٰ مسلم آفیسران کی گرفتاری عمل میں لائی گئی۔ سب سے پہلے میاں عبدالرشید ڈی آئی جی پولیس، شیخ محمد سلیم [illegible] محمد مقبول رجسٹرار کوآپریٹو، بریگیڈیر خدا بخش، کرنل ولی محمد اور کئی دوسرے سرکردہ سول اور فوجی اشخاص گرفتار کرکے ست واری ملٹری کیمپ میں نظر بند کئے گئے۔ اور کئی گولیوں کے ہدف بنائے گئے۔ جن میں راجہ سرور خان وزیر وزارت ادھم پور کا نام سرِفہرست ہے۔ راجہ صمت علی خان میرپوری کو جو صدر تھانہ جموں کا تھانیدار تھا۔ تھانے میں ہی ایک سپاہی نے گولی مار کر شہید کیا۔ ممتاز قریشی نام کا ایک سب انسپکٹر پولیس کو پولیس والوں نے ہی دن دہاڑے ساتھ کے بازار میں ہلاک کیا۔ راجہ مظفر خان آف اوڑی منصف ریاسی کو گوردھن سنگھ ڈپٹی

لہ: خواجہ سیف الدین گنائی اُن دنوں ہیرانگر میں پولیس انسپکٹر تھے اُن کے ہندو دوستوں نے انہیں انتباہ کیا کہ اگر آج رات کو آپ فرار نہ ہوئے تو کل سویرا غالباً آپ کا آخری سویرا ہوگا۔ ڈر خوف کے مارے وہ راتوں رات دو چار دن کی خوراک لے کر اسی ہندو دوست کی رہبری میں جنگل میں چھپ گیا پھر جب بخشی غلام محمد نائب وزیر اعظم کی حیثیت میں جموں پہنچے تو انہوں نے مسٹر گنائی کو جنگل سے تلاش کرکے سری نگر بھیجا۔

کمشنر نے خود اس کے مکان پر جا کر آواز دی اور جونہی وہ برآمدے میں آیا اُسے گولی مار کر ہلاک[1] کیا۔ عریاں سفاکی کی یہ خونریز داستان آناً فاناً سارے جموں میں پھیلی جس سے قہر آلودہ ماحول میں یکایک چھریوں کے کھنکنے کی جھنکار اور گولیوں کی کان پھٹی آواز خونی ملہار گانے لگی۔ اس خون آشام ماحول کو مزید آنچ دینے کے لئے "مہارانی صاحبہ" ایک کھلی کار میں جموں شہر کے سڑکوں پر چیختی چلاتی جلوہ گر ہوئی۔ "ڈوگرو! تمہاری غیرت کب تک سوتی رہے گی۔ مسلمان غلاموں نے تمہارے راج پر قبضہ کر لیا ہے۔" یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب مہاراجہ سری نگر سے فرار ہوا۔ مہارانی نے دوسری کار میں سوار تھی جلوس میں لوگوں کے جذبات اُبھارتے کہا: "مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لئے ہر ہندو آزاد ہے۔" ردِ عمل کے طور پر ایک سب انسپکٹر پولیس نے ریوالور نکال کر موقعہ پر ہی دو مسلمان گوجروں کو نشانہ بنایا۔ غرض جہاں جہاں سے مہارانی زہر فشانی کرتی گذری، فسادات کی تباہ کاریوں اور خونریزی میں اضافہ ہوتا گیا۔ دراصل مہارانی کی لوچ بھری پُرسوز آواز نے جادو کا کام کیا۔ جموں کے دور دراز علاقوں میں جہاں بھی مسلمان رہتے تھے فرقہ پرستوں کے تشدد کا شکار بنے اور جو جان بچا کر پہاڑوں اور دشوار گذار راہوں کو طے کر کے جموں پہنچنے میں کامیاب ہوئے انہیں جموں کے حدود میں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ٹھکانے لگایا گیا۔

یہاں یہ کہنا بعید از معلومات نہ ہوگا کہ اس واقعہ سے پیشتر مہاراجہ پٹیالہ نے مہاراجہ ہری سنگھ کو جموں میں اپنے قیام کے دوران مشورہ دیا تھا کہ پنجاب سے آئے

۱: ایسا ہی واقعہ سرینگر میں بھی رونما ہوا ہے جہاں ٹھاکر رتن سنگھ ڈپٹی وزارت نے پولیس انسپکٹر راؤ اقبال کے گھر جا کر اسے باہر نکالا اور سرِ عام اس پر گولی چلائی۔

ہوئے غیر مسلم پناہ گزینوں کو مسلح کرو۔ تاکہ یہ آڑے وقت میں کام آسکیں۔ چنانچہ اس مشورے کے تحت میٹنگ کے اختتام پر بخیت چند نے سرکاری اسلحہ خانوں کے بند کواڑ کھول دیئے اور من پسند لوگوں میں اسلحہ[1] تقسیم کر کے انہیں مسلح کیا۔ جس سے مسلمان محلوں اور دیہاتوں پر منظم فائرنگ شروع ہوئی۔ شہر میں کرفیو نافذ کیا گیا۔

مقابلے میں مسلمانوں نے سیالکوٹ سے چودھری حمید اللہ کی بھیجی ہوئی چھ عدد وہ بندوقیں بھی تہہ خانوں سے باہر نکالیں جنہیں چودھری حمید اللہ نے اونٹوں پر لدی ہوئی مکئی کے کانڈ میں چھپا کر چند دن پیشتر بھیجا تھا۔ حاصل شدہ ہتھیاروں[2] سے مورچے سنبھال کر مسلمانوں نے ترکی بہ ترکی جواب دینا شروع کیا۔ مگر انہیں اپنے محصور رہنے کا احساس بُری طرح ستانے لگا۔ یہ مورچہ بندی تین دن تک قائم رہی۔

حکومت تحفظ دینے سے قاصر

چوتھے دن حکومت نے "اُستادِ علم" سے کرنل پیر محمد خان اور شیخ محمد اشرف کو طلب کیا۔ گاڑی میں بٹھا کر اُن کے ذریعہ لاؤڈ سپیکر پر منادی کروائی۔ حکومت

۱: اس دوران جموں سول ایڈمنسٹریشن پر آر۔ ایس۔ ایس نے قبضہ کیا اور اس کے لیڈر احکامات جاری کرنے لگے۔ بخیت چند کے ایماء پر تھری ناٹ تھری کی دس ہزار رائفلیں جموں میں اور تین ہزار رائفلیں کشمیر میں راجپوت ہندوؤں میں تقسیم کی گئیں۔

۲: جنرل سمندر خان جموں کا رہنے والا تھا اور اس کا سگا بھائی رحمت اللہ خان جو باغ مہتاب سرینگر اور جموں دونوں جگہوں پر رہتا تھا ۱۹۴۷ء میں مجاہدین کو جنرل سمندر خان کے جموں والے مکان سے بھی چند ہتھیار ملے۔ یہ ہتھیار رحمت اللہ خان کے بڑے لڑکے بریگیڈیئر اسلم جو ان دنوں ۴ کشمیر انفنٹری میں کیپٹن تھا اور اس کے بھائی کرنل انور نے بریالی کی لڑائی کے

(باقی حاشیہ صفحہ آ پر)

جا سکتی ہے۔ جو لوگ پاکستان جانا چاہیں وہ جا سکتے ہیں اس لئے فائرنگ بندی جائے تاکہ آپس میں صلح و مشورہ کیا جائے۔" فائرنگ بند ہونے کے بعد کرنل پیر محمد خان کے مکان پر گورنر جیت رام چوپڑہ نے کہا۔

"ان حالات میں حکومت مسلمانوں کو تحفظ دینے سے قاصر ہے اس لئے آپ لوگ کوئی ایسا فیصلہ لیجئے جس سے یہاں امن قایم ہو سکے۔"

اس میٹنگ میں سردار گوہر رحمان لودھی، عمراؤ خان اور مسلمانوں کے کئی دوسرے سرکردہ لیڈر مدعو کئے گئے تھے۔ انہوں نے حکومت کے تیور دیکھ کر یہ فیصلہ لیا کہ پانچ محلوں میں جتنے بھی مسلمان ہیں انہیں پاکستان بھیجا جائے۔ اس طرح انہیں پولیس لائین میں جمع ہونے کے لئے کہا گیا۔ پولیس لائن میں اکٹھا ہونے پر انہیں دو دن تک سپرنٹنڈنٹ پولیس کیلاش ناتھ باکری کی نگرانی میں لاریاں مہیا ہونے کے بہانے حراست میں رکھا گیا اور ان کا پیچھے چھوٹا ہوا تمام اثاثہ لوٹ لیا گیا۔

خونِ ناحق

۵ نومبر کو مسلمان مہاجرین سے لدی ہوئی تیس۳۰ لاریاں سوچیت گڈھ کی سرحد سے پاکستان میں داخل ہونے کے لئے جموں پولیس لائن سے چل پڑیں۔ ستواری پہنچ کر اس قافلہ کا رُخ سوچیت گڈھ کے بجائے سانبہ کی طرف موڑ لیا گیا۔ سانبہ روڈ پر کچھ دور چل کر "ماوا" کے مقام پر یک بیک ایک ساتھ فائرنگ شروع ہوئی اور ان خانماں برباد لوگوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ ان میں سے اکثر مارے گئے۔ کئی جوانوں

(بقیہ: سیرینڈ... سے آگے۔ احتشام پر اپنے ساتھ لائے تھے۔ بریگیڈیر اسلم ۱۹۴۷ء کے بعد ریاستی آرمی سے مستعفی ہو کر پاکستان آرمی میں چلا گیا اور بریگیڈیر ریٹائر ہوا۔

نے اپنی جان پر کھیلتے ہوئے نہر پار کی اور پانچ میل کی مسافت سر ہتھیلی پر رکھ کر پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ اس بزدلانہ قتل و غارت[1] کے بعد بچے کھچوں میں جس قدر جوان لڑکیاں رہ گئیں، اغوا کی گئیں۔ اسی مقام پر چودھری غلام عباس خان کی سولہ[2] سالہ بیٹی بھی اغوا ہوئی۔ اُن کی بیگم شدید زخمی۔ رنبیر سنگھ پورہ میں چودھری حمید اللہ کا سارا خاندان قتل کیا گیا۔ حالانکہ اس سے قبل چودھری حمید اللہ خان نے اپنے کنبے کے افراد کو لے جانے کے لئے سیالکوٹ سے ایک ٹرک بھیجی تھی، لیکن اس علاقے کے مسلمانوں نے اُن کے کنبے کو پاکستان جانے نہیں دیا بلکہ مطالبہ کیا کہ اس موقع پر چودھری صاحب کا سیالکوٹ میں رہنے سے بہتر ہے کہ وہ جموں چلے آئیں۔

غرض باقی ماندوں کو تہہ تیغ کیا گیا۔ مسلمانوں کے اس خونِ ناحق سے اُس ہری سنگھ کی آنکھ تک نہ پھڑکی جس نے تخت نشین ہوتے وقت "انصاف میرا مذہب ہے" کہا تھا اور نہ عیاش مہارانی کی نسوانیت جاگی، نہ چوڑیاں کھنکی۔ دراصل جو کچھ ہو رہا تھا ایک منصوبہ بند سازش کے تحت انجام پا رہا تھا۔

[1] جوں ہی ماوا مہاجرین کی گاڑیاں پہنچیں تو پہلی ٹرک پر بلا انصاف نام کا ایک شخص اپنی جوان قبول صورت بہن کے ساتھ سوار تھا۔ قاتلوں نے اس لڑکی کو اٹھا کر لے جانا چاہا۔ بلا انصافی نے مدافعت کی۔ اُس کی گردن تلوار سے کاٹی گئی۔ ساتھ ہی فائرنگ اور قتلِ عام شروع ہوا۔ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے غلام مصطفےٰ تو ایم ایل اے بوٹریاں نے کئی دوستوں کو بتایا کہ گورنر جیت رام چوپڑہ میرا دوست تھا اُس نے آنے والے خطرے کا اشاروں اشاروں میں مجھے انتباہ کرتے پاکستان جانے سے منع کیا مگر مجھ پر پاکستان کا بھوت سوار ہو چکا تھا اور ریاستی حکومت مسلمانوں کو تحفظ بہم پہنچانے میں پہلو تہی سے کام لینے لگی تھی میں بھی اس کارواں میں شامل تھا۔ میں کیسے بچ نکلا۔ یہ اُن کا بھی اسی لئے کسی معجزے سے کم نہیں۔

[illegible] کا اغوا کیا گیا ہے مہاراجہ صاحب کو اس بات کی ذمہ داری کا اقرار کرنا پڑے گا کیونکہ ڈوگرہ فوجیں براہ راست اس کے ماتحت تھیں وہ ابھی تک [illegible] کی حکمرانی نہیں ہٹا۔ لہٰذا اس کو وہاں کے تمام اپنے برے اقدامات کا ذمہ دار گردانا چاہیے جو اس کے ہاتھ سے ہو رہے ہیں۔

سردار محمد ابراہیم خان اپنی کتاب کشمیر ساگا میں اس واقعہ کا یوں تذکرہ کرتے ہیں۔

[illegible] پاس یہ شہادت موجود ہے کہ یوں جاتے ہوئے راستے میں [illegible] مہاراجہ ہری سنگھ نے خود اپنی افواج کو حکم دیا تھا کہ جہاں بھی دیکھو مسلمان ملے اس کو قتل کر دو۔ اس طرح ڈوگرہ [illegible] کو تباہی [illegible] پایا جا سکتا ہے ہزاروں کے طور پر [illegible] اس نے جرأت اور [illegible] مہاراجہ کی زیر نگرانی اسلحہ جات راجپوتوں اور ہندوؤں میں تقسیم کیے گئے۔

مسلمان اپنی جانیں بچانے کے لیے جموں شہر میں پناہ گزین ہو گئے اس طرح انہوں نے ان لوگوں کا کام آسان بنا دیا جو ان کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ شہر میں مسلمانوں پر دن دہاڑے گولی چلنے لگی۔ مسلم گھروں کو بجلی اور پانی کی لائنیں کاٹ دی گئیں۔ اور راشن کی سپلائی بند کر دی گئی۔ ان مسلمانوں نے میاں نصیر الدین احمد کی رہنمائی میں سخت مقابلہ کیا۔ انہیں دبانے ڈوگرہ حکومت نے ایک اعلان جاری کیا کہ اگر مسلمان ہتھیار ڈال دیں تو انہیں بحفاظت سلامت پاکستان سرحد تک پہنچا دیا جائے گا۔ اس اعلان کا احترام کرتے ہوئے مسلمانوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ چنانچہ یہ لوگ

اگلے دن ۳۵ گاڑیوں پر مشتمل مسلمانوں کا دوسرا قافلہ جموں سے روانہ ہو کر چل پڑا۔ اور یہ بھی ستواری کے مقتل پر پہنچا کر ان پر فائرنگ شروع کر دی گئی کہ انڈین آرمی کے ایک افسر نے جوان کے لیے فرشتہ رحمت ثابت ہوا۔ فائرنگ کی آواز سنتے ہی اس نے سپاہیوں کو مورچہ بندی کا حکم دیا۔ اس نے گھیراؤ کر چند دوسرے حملہ آوروں کو گرفتار کر لیا اور خود ان [illegible] کے بچ جانے کو [illegible] ستواری کی طرف لے آیا۔ جہاں انہیں پناہ دی اور ان کی جان بچائی۔ اس جنگ میں [illegible] باقی ماندہ مسلمانوں کو [illegible] کے باوجود اپنے عزیز و اقارب کی موت کا [illegible] انہوں نے اپنے مکمل تحفظ کا مطالبہ کیا۔ [illegible] انہوں نے ہندوستانی فوج کی حفاظت قبول کر کے سرحد پار کی۔

شدید [illegible] جموں کے مسلمانوں کو اس خونریز واقعہ کا علم ہوا [illegible] پنڈت [illegible] نے انہیں پاکستان روانہ کرنے کی یقین دہانی [illegible] اطلاع دی کہ ستواری جانے والے ٹرکوں [illegible] مسلمانوں کا بھی قتل عام کیا گیا ہے۔ مسلمانوں [illegible] پاکستان جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ انہوں نے سرکاری تحفظ کے بغیر اپنے گھروں میں رہنے کا فیصلہ لیا۔ اس تمام قتل و خرابے کی ذمہ داری مہاراجہ ہری سنگھ [illegible] اور اس کے انتظامیہ کے سر ہے۔ [illegible] دنیا تک اہل خرد اہل دانش مہاراجہ کی اس گھناؤنی حرکت پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔ ایسا شخص کسی ہمدردی کا مستحق نہیں جو اپنی رعایا کو تحفظ [illegible] اور ان کے خلاف سازش کرے۔

۲۰ دسمبر ۱۹۴۷ء کو برلا ہاؤس میں گاندھی جی نے جموں کے حالات پر [illegible] سمجھائیں تھا۔

"جموں میں بے شمار مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ [illegible]

ایک میدان میں اکٹھے ہو گئے۔ ساٹھ لاریوں میں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو سوار کیا گیا۔ یہ ساٹھ لاریاں اور دوسرے دن مزید لاریاں کٹھوعہ کے جنگل میں لائی گئیں جہاں مسلح سکھ، ڈوگرہ اور برہمن غنڈوں نے ان نہتے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔"

ردعمل کے طور پر اس سفاکانہ خونریزی کا اثر کشمیر کے ان علاقوں (آزاد کشمیر) پر بھی پڑا جہاں سردار محمد ابراہیم خان کے زیر قیادت نئی حکومت قائم ہوئی تھی چنانچہ سردار صاحب اس امر [illegible] حقیقت کا یوں انکشاف کرتے ہیں:

"جموں کے واقعات کا قدرتی اثر ان علاقوں میں ہوا جو اب آزاد کشمیر کہلاتے ہیں۔ جونہی جموں میں مسلمانوں کے قتل عام کی خبر پھیلی اس کا بدلہ آزاد کشمیر میں بسنے والے سکھوں اور ہندوؤں سے لیا گیا۔ چند مقامات پر بے گناہ ہندوؤں اور سکھوں کو قتل کیا گیا۔ کچھ مقامات پر بے گناہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا اور مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی کارروائی کرنے کا کوئی جواز نہ تھا اور اگر ہم ہندوؤں کے ساتھ بہتر سلوک کرتے تو مستقبل کے مؤرخ ہماری جنگ آزادی کو سنہری حروف میں قلمبند کرتے۔"

آزاد کشمیر میں ہندو مہاجرین کے لئے جو کیمپ قائم کئے گئے تھے ان کا ذکر کرتے ہوئے سردار محمد ابراہیم خان لکھتے ہیں:

"میرپور سے تقریباً ۱۵ میل دور علی بیگ کے مقام پر ریفیوجی کیمپ تھا جس کا معائنہ کرنے میں چلا گیا۔ ان مہاجرین میں میں نے اپنے چند کیس ایسے بھی دیکھے جو بڑی خطرناک حالت میں تھے۔ میں نے ان کو یقین دلایا کہ جلد ہی ان کو پاکستان بھیج دیا جائے گا۔ یہاں سے انہیں ہندوستان بھیج دیا جائے گا۔ دو دن کے بعد جب میں دوبارہ اس کیمپ میں گیا تو مجھے یہ جان کر [illegible] ہوا کہ وہ قتل کر دیئے گئے تھے۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میری زندگی میں کبھی دوسرے واقعے نے میرے ضمیر کو اتنا عذاب نہیں پہنچایا جتنا کہ اس واقعے نے۔ ان دوستوں نے جن کو میں نے ہندوستان پہنچانے کا وعدہ کیا تھا اور جو قتل کر دیئے گئے تھے، میرے متعلق کیا رائے قائم کی ہوگی۔ اس کی شرم اور ندامت سے میرے دل پر گہرا اثر ہوا۔"

کوٹی بانوں کا قتل

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ قبائلی حملے کے ساتھ ہی شیخ محمد عبداللہ کی حکومت کو [illegible] اور سنگین صورت حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ [illegible] کا مشرق جو مظفر آباد، چناری، بارہمولہ، ہٹیاں اور ڈومیل کے [illegible] وحشت سے جان بچانے کی خاطر جوق در جوق سری نگر آنے لگے۔ [illegible] غیر مسلم سرکاری ملازمین کی حالت بھی ان مہاجرین سے کچھ زیادہ بہتر نہ تھی۔ [illegible] سنگھ جہاں اپنی جان بچا کر بے یار و مددگار [illegible] سکا تھا۔

ریاست میں رسل و رسائل کا نظام پہلے ہی محدود تھا [illegible] تباہ کر دیں۔ پٹرول کی نایابی اور سرکاری ٹرانسپورٹ پر ہری سنگھ [illegible] نے تمام نظام درہم برہم کر دیا تھا۔ [illegible] وادی کے مسلمانوں نے [illegible] کے لئے نمائش گراؤنڈ میں کیمپ کھولا اور انہیں یقین دلایا کہ [illegible] انتظام ہوتے ہی انہیں بحفاظت جموں بھیج دیا جائے گا۔ ان کی جان و مال [illegible] کوئی غیر فطری حرکت [illegible] اس کا پیش نظر یہ پایا کہ ضلع سری نگر [illegible] بارہمولہ اور ضلع اسلام آباد۔

تاجروں کا ایک والنٹیر دستہ تیار کیا جائے جو ان غیر مسلموں کو جموں لے جائے گا۔
چنانچہ تین سو تانگوں پر مشتمل غیر مسلموں کا یہ قافلہ [illegible] کے سامان کو حق بات [illegible] کی زعفرانی جموں کی جانب چل پڑا۔ کئی دن کے مسلسل سفر اور تھکا دینے والے کٹھن سفر کے بعد یہ قافلہ بخیریت اپنی منزل مقصود کو پہنچا۔ اس طرح کشمیری [illegible] نے اپنے بلند کردار، جذبۂ ایثار اور بھائی چارے کی لافانی مثال قائم کی۔ [illegible] سیوکوں کی گردنیں شرم و ندامت سے جھک جانی چاہئے تھیں برعکس اس کے [illegible] بے گناہ ان کی نفرت انگیزی اور تعصب کے نتیجے غضب [illegible] وقت ان [illegible] بیشتر گروہ کے تعاقب پر قتل کر گئے۔

سری نگر کے نشیب و فراز

جولائی [illegible] ریاست میں [illegible] کا دور دورہ تھا [illegible] آگ [illegible] کا کام کیا [illegible] مخصوص [illegible] سرکاری [illegible] جان بچانے اور [illegible] جموں [illegible] اور طوائف الملوکی [illegible] غلام [illegible] والنٹیروں کی ایک [illegible] شہر کے مختلف علاقوں میں امن و امان اور فرقہ وارانہ اتحاد برقرار رکھنے کے لئے گشت لگانا شروع کیا۔ ایسے نازک موقع پر [illegible] ہمت افزا قدم تھا جس سے متاثر ہو کر ۵ اکتوبر کو دو جماعت سے قبل شیخ محمد عبداللہ نے امیرا کدل کے عوامی اجتماع میں اعلان کیا کہ وہ تمام رنگ

جو شہر میں رہتے ہیں یا یہاں مقیم ہیں فرقہ وارانہ طرح متحد ہو کر اپنے غیر مسلم بھائیوں کا تحفظ کریں۔ فرسودہ نظام حکومت کی ناقابلیت اور عوامی مطالبے کو ٹھکرانے کا پھل [illegible] ہے کہ کوٹلی اور جموں میں شدید فرقہ وارانہ فسادات کے بعد [illegible] مظفرآباد قبائلی حملہ آوروں کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ ایک طرف بیرونی حملہ اور دوسری طرف بے جان [illegible] نظام حکومت کا عوام کے ساتھ عدم تعاون [illegible] غیر دانشمندانہ طریقہ [illegible] [illegible] ہے بلکہ [illegible] روز ہو رہے ہیں [illegible] کی تباہی [illegible] جاتے۔ ان حالات میں [illegible] نے یہ تہیہ کیا ہے کہ عوام کے [illegible] کا تحفظ کیا جائے [illegible] شیخ محمد عبداللہ نے خانقاہ [illegible] کے ایک جلسہ میں اپنے حامیوں سے [illegible] ہزار والنٹیر فراہم کرنے کا مطالبہ کیا جو [illegible] فوج کہلائے [illegible] سامنے والنٹیر کور میں نام لکھوانا شروع کیا [illegible] یہ جماعت آگے چل کر ایک نیم فوجی تنظیم میں [illegible] بریگیڈ کے [illegible] اپنی [illegible] کیا وہ امیرا کدل [illegible] ٹاکیز کے سامنے [illegible] نیشنل کانفرنس میں کمیونسٹ [illegible] اس موقع پر انہوں نے [illegible] کے شہرہ [illegible] چوک کا نام [illegible] لال چوک کا نام دیا اور اسی نام سے اب یہ مشہور ہے [illegible] بریگیڈ کو مولانا مسعودی نے چند ارشادات "نام کے پمفلٹ میں مندرجہ ذیل الفاظ میں متعارف کیا۔

(بقیہ حاشیہ [illegible] سے آگے)۔ تعداد میں نیشنل کانفرنس کی طرف سے [illegible] [illegible] یا تھا۔ شیخ صاحب سے مخاطب ہو کر کشمیری زبان میں کہا۔ [illegible] گفتہ گر [illegible] [illegible] حق [illegible] نکمے ہیں۔ [illegible] جواب [illegible] ذرا دیکھ لیجیو۔ چند دنوں کے بعد جب پاکستانی خیالات [illegible] شروع ہوئی۔ لوگ اپنی پیشانی پر ایک موٹا سا ٹیکہ لگا کر تانگے پر امیرا کدل کے پوسٹ خانے [illegible] گشت لگاتے ہوئے وہاں سے چلا چلا کر کہنے لگا مجھ پر شک نہیں کرنا [illegible] ٹیکہ لگایا۔

نوجوانوں کی تنظیم خالد کشمیر بخشی غلام محمد نے [illegible] شروع کی تھی جس کو سلامتی فوج یا پیس بریگیڈ کا نام [illegible] اُس وقت اس تنظیم کا مقصد صرف فرقہ وارانہ [illegible] اور پنجاب کے دونوں تقسیم شدہ حصوں یا جموں [illegible] واقعات کو کشمیر میں نا ممکن بنانا تھا [illegible] کے بعد ہی یہ رضاکار ایک مسلح [illegible] اور اس تنظیم کو بندوقیں اٹھا کر بیرونی حملہ آوروں سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ خالد کشمیر بخشی غلام [illegible] [illegible] ہوئی تھی جو پورے قومی [illegible] [illegible] جیسے [illegible] بجلی کی رفتار [illegible] [illegible] کشمیر کی شکل [illegible] [illegible] خواجہ غلام محمد صادق [illegible] [illegible] بیک وقت سپاہی [illegible] کرنا شروع کی۔

دفاعی کمیٹی

جوں جوں قبائلی لشکر کا دباؤ سری نگر کے [illegible] خوف و ہراس اور پناہ گزینوں کی سراسیمگی میں اضافہ [illegible] بخشی غلام محمد [illegible] بیرونی حملے کی روک تھام [illegible] ایک جمہوری حکومت "دفاعی کمیٹی" کے نام سے تشکیل [illegible]

جنرل [illegible] (جنرل سیکریٹری) بخشی غلام محمد۔ پیس بریگیڈ غلام محی الدین [illegible] [illegible] غلام محمد صادق۔ دفتری امور پنڈت شیام لال [illegible] [illegible] معاملات پنڈت [illegible] ڈاکٹر شمبو ناتھ [illegible] مواصلات بخشی عبد الحمید۔ خبر رسانی [illegible] اشرف گنائی۔ [illegible] غلام حسن [illegible] حکومت [illegible] تک کام [illegible] [illegible] قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر [illegible] [illegible] وہ ہتھیاروں کے استعمال [illegible] [illegible] سے زیادہ اور [illegible] [illegible] ۳۱ [illegible] فرمان جاری کیا جس کے تحت شیخ محمد عبداللہ کو ایمرجنسی [illegible] [illegible] شیخ کا [illegible] حکومت [illegible] [illegible] ہندوستان کے ساتھ الحاق [illegible] [illegible] آپ آگے بڑھ [illegible] کا [illegible] [illegible] اور [illegible] الحاق کا [illegible] ایک [illegible] منطقی [illegible] [illegible] انتظام [illegible] تھے۔

[illegible] سب سے پہلے [illegible] کا [illegible] [illegible] [illegible] انتخاب کیا گیا چونکہ مہاراجہ کی حکومت عملی طور پر [illegible] [illegible] کی وجہ سے چھوڑ کر [illegible] گئے تھے [illegible] [illegible] مجاہد [illegible] کا [illegible] [illegible] سے دو ہوئے بندوقیں [illegible] حملہ آور [illegible] [illegible] بہتر تدبیر تھی۔

سلامتی فوج

ریاست کے اُس حصے پر جو قبائلیوں کی دسترس سے محفوظ تھا نئی حکومت نے مضبوطی سے اپنی گرفت [illegible] قایم کی اور عبوری [illegible] آفیسرز اتقررکئے [illegible] تھیں [illegible] میر مقبول گیلانی، [illegible] کیلئے منشی محمد اسحاق، فضیل [illegible] اور [illegible] عبدالغنی ترالی، بارہ مولہ کے لئے صوفی محمد اکبر شاہ تھے۔ شیخ محمد عبداللہ کی اپیل پر [illegible] لوگوں نے رضاکاروں کی صف میں اپنا نام لکھوایا وہ عبداللہ گارڈز کے سپاہی اور سلامتی فوج کہلانے لگے۔ ان کا چیف [illegible] بنائے گئے [illegible] مقرر [illegible] نیشنل کانفرنس کے رضاکاروں نے شہر اور دیہی علاقوں میں [illegible] نظام [illegible] اور کندھوں پر لکڑی کے نقلی بندوق لٹکا کر [illegible] اور [illegible] کشمیری [illegible] تیار [illegible] اتحاد [illegible] فلک شگاف نعرے لگاتے باضابطہ [illegible] دیکھے [illegible] دیے گئے جس سے [illegible] اقلیت کی [illegible] ان رضاکاروں نے [illegible] اور [illegible] کے تمام [illegible] چھین لئے جو شہر سرینگر کے حدود میں [illegible] کرنا [illegible] ہوسکتے اور اپنے [illegible] سے پُرسکون فضا کو بگاڑنے کے انجام [illegible] جرأت [illegible] اتحاد کا بحال رکھ [illegible] انجام [illegible] فراموش نہیں کیا جا سکتا [illegible] کے لشکر کو بارہ مولہ سے پیچھے [illegible] وقت [illegible] کانفرنس لیڈر [illegible] اس وقت تک [illegible] نفرت [illegible] تھے انہیں ان کا سانس لیا اُن کے دور میں [illegible] پھر تک [illegible] اور اس کے شعلوں سے براہ راست اپنے مدمقابل مخالف [illegible] نام [illegible] اور

اُن کے حامیوں کے خلاف اپنی شعلہ نوائی کو آگ دینے لگے۔ دُشنام طرازیوں اور سب و شتم کے ساتھ انہیں ففتھ کولمنسٹ کا خطاب [illegible] بریگیڈ کو ان کے خلاف اُکسایا۔ نتیجے کے طور پر انہوں نے ملکی حفاظت اور دینی امن کے نام پر مسلم کانفرنس کے حامیوں کا قافیہ تنگ کرنے کی غرض سے اُن پر حملہ کرنے [illegible] بریگیڈ [illegible] رضاکار [illegible] منتقل [illegible] [illegible] دوا [illegible] کی [illegible] اجازت کے بغیر ہی گھروں میں گھس کر خانہ تلاشیاں لینے لگے۔ [illegible] اور شریفوں کو رسوا کرنا ان کا وطیرہ امتیاز [illegible] انتقام [illegible] تمام [illegible] بیڑیاں پہنا [illegible] اور رسوا [illegible]

[illegible] کہ [illegible] اور [illegible] سے [illegible] لوگوں [illegible] یا اس کی خفیہ [illegible] دشمن [illegible] کے [illegible] اور قایدین کے [illegible] تو [illegible] مقام [illegible] ان کے ہاتھوں میں جان کی [illegible] نام پر [illegible] لگے [illegible] اسے طریقہ کار کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا تھا۔ [illegible] ففتھ [illegible] یا پانچواں [illegible] اصطلاح [illegible] INFANTRY [illegible] [illegible] دشمن [illegible] سے اس کی [illegible] شروع [illegible] پانچویں کالم کی مدد سے [illegible] گرفت [illegible] کی فسطائی حکومت قائم کرلی۔

اُن کی تذلیل کرنا ان کی ادا ٹھہری۔

ناپسندیدہ عمل

اس سلسلے میں مشتے از خروارے نمونے کے طور چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔ کشمیر پوسٹ مینز ایسوسی ایشن کے صدر محمد اقبال چاپری کو محض اس بنا پر کہ وہ مسلم کانفرنس کا ہامی ہے سر راہ گرفتار کر کے [illegible] رسی سے اُن کے دونوں ہاتھ اُلٹے باندھ کر اور دنیا کی گندگی و غلاظت اُن کے چہرے پر مل کر ڈل گیٹ سے لال چوک تک گھسیٹ کر لے گیا۔ جگہ جگہ نیشنل کانفرنس کے سورماؤں نے انہیں اپنے ڈنڈوں سے [illegible] اور ان کے منہ پر تھوکا اور لاتوں سے روندا۔ اسی حالت میں انہیں شیخ محمد عبداللہ کے [illegible] سیکرٹریٹ دیکھنا [illegible] پہنچایا گیا جہاں شیام [illegible] نے اُن کی [illegible] کر کے انہیں کارپوریشن [illegible] پہنچانے کی ہدایت دی۔ [illegible] (محمد اقبال چاپری [illegible]) کو جیل میں [illegible] کے بعد سینٹرل جیل منتقل کیا گیا۔

اس واقعے کے چند ہفتے بعد مولانا محمد سعید مسعودی [illegible] کا معائنہ کرنے گئے۔ مختلف بارکوں میں پھرنے کے بعد مولانا اس جگہ پہنچے جہاں غلام حسن [illegible]، کنہیا لال وکیل، محمد اقبال چاپری، پرنسپل حسیف الدین، عبدالغفور حجام، معراج الدین ہنڈو [illegible] بعد ازاں ایم [illegible] اور [illegible] چلا گیا) اور مظفر آباد کا ایک نوجوان مشتاق [illegible] وزیر وزارت [illegible] کا فرزند تھا [illegible] کے بعد [illegible] مولانا کی [illegible] سے چار ہوئیں۔ انہوں نے مولانا سے مخاطب ہو کر کہا۔ کیوں مولانا [illegible] آپ اپنے عزیزوں اور بھائیوں سے کرتے ہیں۔ مولانا خاموش رہے۔ مشتاق [illegible]

اپنا [illegible] بار بار کھتے ہوئے ان [illegible] ناشائستہ کلمات استعمال کیے اور ساتھ ہی گوشت کی [illegible] بھی کیا۔ [illegible] مولانا بغیر کچھ کہے آگے بڑھے۔ ان کے جانے کے بعد مذکورہ دوسرے قیدیوں نے مشتاق حسین کے طرزِ کلام پر سخت نکتہ چینی کی۔ جس کے جواب میں مشتاق حسین نے انہیں بتایا [illegible] کوئی سیاسی آدمی نہیں تھا لیکن میری گرفتاری کا باعث [illegible] شخص بنا۔ واقعہ یوں ہے کہ میں ہندوارہ کے علاقے میں ایک دن گھوڑے پر [illegible] جا رہا تھا۔ اتنے میں مولانا ایک فوجی جیپ میں سامنے سے گذرے میں نے سلام [illegible]۔ انہوں نے دُعا دیتے ہوئے کہا کہ علاقہ خطرات سے پُر ہے آپ اپنا گھوڑا [illegible] اور خود ہمارے ساتھ [illegible]۔ میں انتہائی خلوص اور معصومانہ انداز میں اُن کے ساتھ جیپ میں بیٹھا اور مجھے سیدھے سینٹرل جیل پہنچا کر [illegible] کے [illegible] گیا۔ [illegible] جلال الدین، مولانا مسعودی کے ساتھ سپرنٹنڈنٹ جیل [illegible] چنانچہ ان [illegible] قیدیوں [illegible] قیدی بد معاشوں اور اخلاقی [illegible] رات [illegible] ہوئے تھے [illegible] افسروں کے چھپنے کے [illegible] سپرنٹنڈنٹ [illegible] جیل [illegible] سے [illegible] دریافت کیا جواب میں [illegible] اور تقریباً [illegible] تیاریوں کی خوب مار پیٹ کی گئی۔ [illegible] سپرنٹنڈنٹ [illegible] آغا شوکت [illegible] ارشاد مسعودی [illegible] کو سنگین میں ڈالا گیا۔ حاجی جلال الدین کو [illegible] کرنے کا [illegible] تھا وہ آغا شوکت کی شریفانہ ذات تھی۔ [illegible] جلال الدین [illegible] کے سامنے گئے اور ان سے اظہار ہمدردی کی۔ اس پر آغا شوکت نے کہا: ان بازاروں میں [illegible] کھاتے پڑتے ہیں [illegible] آغا شوکت نے کہا میرا خیال ہے کہ ہم سب [illegible] کریں۔

لیکن اس سلسلے میں سیف الدین اور صابر سے پہلے دریافت کیا جائے۔ اگر وہ تیار ہوئے تو بھوک ہڑتال بہتر ہے۔ حاجی جلال الدین نے سنگین میں سیف الدین کو کھانا کھلانا چاہا۔ سیف الدین نے کہا "مار کھانے کے بعد کھانا بھی نہیں کھائیں گے۔" اگلے دن آغا شوکت نے سپرنٹنڈنٹ جیل سے کہا کہ "آپ ہمیں دوہری سزائیں نہیں دے سکتے ہیں۔ جیل بھی اور سنگین بھی۔" اس پر چالیس قیدیوں کی جماعت کو سری نگر سنٹرل جیل سے پہلے بادامی باغ اور پھر قلعہ رام نگر کے جیل میں جو کہ چار دن کی مسافت گاڑی اور پیدل سفر کرا کے پہنچایا گیا۔

۱۹۴۸ء کی سردیوں میں سوم ناتھ ٹکو ایڈیٹر ویکلی "نو کشمیر" نے انتظامیہ اور ملیشیا کی زیادتیوں کے بارے میں اپنے ایک اداریے میں حکومت پر نکتہ چینی کی جس کے پاداش میں ان کے آفس واقع رزیڈنسی روڈ پر حملہ کیا گیا۔ ان کو گھسیٹ کر مال چوک پہنچایا گیا ان کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ سارا جسم کیچڑ میں لت پت تھا۔ برف اور خون جو آ رہے تھے باقی ماندہ رہی سہی کسر پوری کی۔ کاردنیشن ہوٹل میں پہلے تو ان کی خوب مار پیٹ کی گئی اور بعد ازاں یہ دھمکی دے کر رہا کیا گیا اگر تم نے دوبارہ "موجودہ" "صالح نظام" پر قلم اٹھانے کی کوشش کی تو عبرتناک سزا دی جائے گی۔ بے چارہ کشمیری پنڈت تھا اگلے دن کشمیر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ دوسرے اخباری مدیروں کی حالت ان سے کچھ بہتر نہ تھی۔ انہوں نے اپنے اوپر خود ہی ایک قسم کی سنسرشپ عاید کی تھی اور یہ سلسلہ کم و بیش خواجہ غلام محمد صادق کے بحیثیت وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالنے تک جاری رہا۔

اقتدار کا غلط استعمال

اس طرح نیشنل کانفرنس نے ایک نئی قسم کی سیاسی جاگیرداری قائم کر دی

نیشنل کانفرنس محلہ صدروں کو اپنے تینوں مجسٹریٹوں کے اختیارات حاصل ہو گئے جس سے انتظامیہ ان کی لونڈی اور عدلیہ غلام بن کے رہ گیا۔ دیہاتوں میں جگہ جگہ عوامی عدالتیں قائم کی گئیں۔ جہاں فرد جرم سے پہلے سزائیں تجویز کی جاتی تھیں۔ بے گناہ لوگ ناکردہ گناہوں میں پکڑے جاتے اور عبرتناک سزاؤں کو برداشت کرتے ہوئے۔ نیشنل کانفرنس محلہ اور حلقہ کمیٹیوں کے آفس سب جیلوں میں تبدیل ہوئے انہوں نے جب اور جس کو چاہا گرفتار کیا۔ اس سے دہشت گردی کا بازار گرم ہوا۔ اور عام لوگوں کے دلوں میں اس جماعت کے بارے میں نفرت کی خلیج وسعت پانے لگی۔ انہوں نے جاگیردارانہ نظام سے حاصل شدہ پریس اور پلیٹ فارم کی تمام آزادی چھین لی۔ "ایک لیڈر، ایک تنظیم اور ایک پروگرام" کے نعرے ہر سو سنائی دینے لگے۔ اس فاشسٹ طرز عمل کو جمہوریت کا نام دے کر جہاں کہیں کسی نے اس پر حرف علت زبان پر لایا اس کی زندگی دوبھر بنائی گئی۔ غرض ؎

جن جھروکوں سے تمنا تھی گل برسیں گے
ان سے برسے تو چلتے ہوئے خنجر برسے

اعتراف

چلئے ان لوگوں نے ریاستی مسلمانوں سے کتنا ہی برا سلوک کیوں نہ کیا۔ مگر

۱؎: ان رضاکاروں کے ہوتے ہوئے اگر کہیں کسی ریڈیو پر ڈائل گھماتے ریڈیو پاکستان کی آواز سنائی دیتی تھی تو اس جرم میں نہ صرف ریڈیو ضبط کیا جاتا تھا۔ بلکہ مالک ریڈیو کو ہیرا نگر جیل کی ہوا کھانی پڑتی تھی۔ ان حالات کے پیش نظر تمام ہوٹلوں اور ریسٹورنٹوں میں "سیاسی گفتگو کرنا منع ہے" کے بورڈ دیواروں پر لگائے گئے۔



لیفٹننٹ جنرل ہربخش سنگھ



جناب نذیر احمد مسعودی



جنرل ایل۔ پی۔ سین



لیفٹننٹ جنرل ایس کے کوچ



جناب محمد یوسف ڈار



جناب محمد اقبال چاری



جناب قریشی محمد یوسف



جناب محمد مقبول شیروانی

یہ حقیقت تاریخ کے صفحوں پر آبِ زر سے لکھی جائے گی کہ شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں ان بے لگام لوگوں نے وادی کے غیر مسلموں کی جان و مال کے تحفظ میں ایک تاریخ ساز رول ادا کیا۔ اگر یہ تنظیم اُن ہمت شکن حالات میں وجود میں نہ لائی جاتی تو گمان تھا کہ صوبہ جموں کی طرح یہاں بھی فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑتے۔ حق تو یہ ہے کہ نیشنل کانفرنسیوں کو حکومت چلانے کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ قبائلی لشکر نے ان کے اوسان خطا کئے تھے۔ اس لئے ان کا اپنے سیاسی مخالفوں کے ساتھ زیادتی کوئی غیر متعلق بات نہ تھی ہاں اگر وہ اعتدال سے کام لیتے تو یہ ہمیشہ کے لئے ستائش کے مستحق ٹھہرتے۔

سیاسی امتیاز

ان دنوں ساری وادی میں نمک کی شدید قلت محسوس کی گئی۔ حکومت اور پیس بریگیڈ کے بل بوتے پر نیشنل کانفرنس کی تنظیم نے نمک کے ذخایر پر جبری قبضہ کر کے اپنے عزیز و اقارب میں تقسیم کرنے کا کام اپنے ہاتھوں میں لیا۔ عام اور بے وسیلہ لوگوں کو بھی نمک تولوں (گراموں) کے حساب سے قیمتاً فروخت کیا گیا۔ اس پر طرہ یہ کہ عام لوگوں میں فیاضی کے اس چشمے سے وہی فیضیاب ہوتے رہے جو نیشنل کانفرنس کے حلقہ و محلہ کمیٹیوں کی مہر لگی ہوئی تصدیق شدہ درخواستیں پیش کر سکتے تھے بعض لوگوں کے راشن کارڈ نیشنل کانفرنس کا بنیادی ممبر نہ ہونے کی بناء پر ضبط کئے گئے۔ اس ضمن میں مولانا محمد سعید مسعودی جنرل سیکرٹری نیشنل کانفرنس نے اس جماعت کے ممبران کے حقوق کے تحفظ کے لئے پارٹی کی بنیادی ممبرشپ فارم تین رنگوں میں جاری کئے۔ سُرخ رنگ کے فارم ان لوگوں کے لئے مخصوص کئے گئے جو پہلے سے نیشنل کانفرنس سے منسلک تھے۔ پیلے رنگ کے فارموں پر ممبرشپ حاصل کرنے والوں سے مقصد یہ تھا گو کہ یہ لوگ نیشنل کانفرنس کے ممبر نہیں ہیں مگر کانفرنس کے مفادات کو ان سے تاحال کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوا۔ اور سبز رنگ کے فارموں پر ممبرشپ حاصل کرنے والوں پر کڑی نظر رکھنی لازم قرار پائی گئی۔ انارکی اور دہشت گردی کا یہ عالم تھا کہ سُرخ رنگ کے فارم پر ممبرشپ حاصل کرنے کے لئے خاصی رشوت دینی پڑتی تھی اور جو لوگ ممبرشپ حاصل نہیں کرتے تھے اُن کے راشن کارڈ ضبط ہونے لگے۔ کانفرنس کے کارکنوں کو ہدایت دی گئی کہ ایسے لوگوں کی درخواستوں کی تصدیق نہیں کی جائے۔ جس سے شہر کی اکثریت لہٰذا شہری حقوق سے بہ فیض نیشنل کانفرنس محروم ہونے لگے۔

ستم کی رسمیں بہت تھیں لیکن نہ تھی تری انجمن سے پہلے
سزا خطائے نظر سے پہلے عتاب جرم سخن سے پہلے

کشمیر نیشنل ملیشیا

نومبر کے دوسرے ہفتے میں حکومت نے پیس بریگیڈ سے رضا کار دو سو افراد کو چن کر ملیشیا کے نام پر باضابطہ اپنی فوج منظم کرنی شروع کی۔ اس فوج کو منظم کرنے میں دو اشخاص راجہ ہنس اور دوسرا ہاکی کا مشہور ریفری صوبیدار قابل ذکر ہیں۔ اگرچہ یہ دونوں شیام جی (سید احمد شاہ) کے ماتحت تھے اور ان سب کے اوپر بحیثیت نگران اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق تھے۔ راجہ ہنس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ایک کمیونسٹ ہے۔ چنانچہ اس نے ملیشیا کو کمیونسٹ طرز پر ترتیب دیا۔ ہر پلاٹون کے کمانڈر کے علاوہ ایک انٹلیجنس آفیسر مقرر کیا جسے پولیٹیکل کمانڈر کا نام دیا گیا۔ اس طرح پولیٹیکل کمانڈر نہ صرف علاقے میں ہونے والے حالات پر نظر رکھتا تھا بلکہ ملیشیا کے افراد کے حرکات و سکنات کی بھی نگرانی کرتا تھا۔

ملیشیا کو مزید مؤثر بنانے کے لئے ان دنوں ایک سرکاری حکم جاری ہوا جس کے تحت اگر کوئی سرکاری ملازم جے اینڈ کے ملیشیا میں کام کرنا چاہے تو اسے وہی تنخواہ دی جائے گی جو وہ اپنے محکمے میں لیتا ہے۔ اس حکم کے تحت کئی نوجوان سرکاری ملازم نیشنل ملیشیا میں شامل ہوئے۔ ان میں نذیر احمد مسعودی نے نمایاں کارنامے انجام دئیے جن کا اعتراف کئی فوجی جرنیلوں نے اپنی تصانیف میں بھی کیا ہے چنانچہ جے اینڈ کے ملیشیا کے کمانڈنگ آفیسر کرنل بی۔ این۔ راؤ نے یکم جون ۱۹۴۸ء کو ریڈیو کشمیر جموں سے اپنی نشری تقریر میں نذیر احمد مسعودی کی بے حد تعریفیں کیں۔ دراصل ایک مختصر وقت میں نیشنل ملیشیا قائم کر کے انہیں عسکری ٹریننگ دی گئی اور کشمیری نوجوانوں نے مختلف محاذوں پر اپنی شجاعت کے جوہر دکھلانے شروع کر دئیے۔ ان کے لئے بخشی غلام محمد نے حکومت ہند سے ابتدا میں معمولی سے اسلحہ حاصل کئے۔ انہیں مزید مسلح کرنے کے لئے جب بخشی غلام محمد نے حکومت ہند سے مارٹر توپوں اور لائٹ مشین گنوں کا آرڈر دیا تو مہاراجہ ہری سنگھ نے اس پر سخت برہمی کا اظہار کیا۔ سردار پٹیل کے نام اپنے [illegible] مکتوب مورخہ [illegible] جنوری ۱۹۴۸ء میں لکھا۔

"یہ افواہیں پھیلی ہوئی ہیں کہ ہوم گارڈز (ملیشیا) کو ماڈرن ہتھیار بانٹے جا رہے ہیں جو ایک خطرناک بات ہے [illegible] کہ پاکستانی حملہ آور یہ ہتھیار چھین لیتے ہیں۔ ہوم گارڈز [illegible] کے استعمال کے اہل نہیں ہیں [illegible] ظاہر ہے [illegible] ایک [illegible] کو [illegible]

[illegible] نذیر احمد مسعودی نے میجر جنرل کلونت سنگھ [illegible] کے ساتھ [illegible] مختلف محاذوں پر کام کیا۔

نہیں لیا جا رہا ہے اور مجھے یہ بھی نہیں بتایا جاتا کہ کس نوعیت کے ہتھیاروں کا آرڈر دیا گیا ہے اور کس قسم کے اسلحہ وصول کر کے بانٹے گئے یا اس طرز انتظامیہ کی تہہ میں کونسی پالیسی کارفرما ہے۔"

اس سے قبل بخشی غلام محمد اور شیخ محمد عبداللہ نے وزیر اعظم ہند سے کئی بار یہ شکایت کی تھی کہ ملیشیا کے لئے جو ہتھیار ماقبل یہاں بھیجے گئے۔ انہیں مہاراجہ اور مہر چند مہاجن نے [illegible] راشٹریہ سیوک سنگھ کو دے دئیے جن کو وہ جموں میں مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ چنانچہ ۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء کو وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے سردار پٹیل سے اس ضمن میں وضاحت طلب کی جس کے جواب میں ۷ جنوری ۱۹۴۸ء کو سردار پٹیل نے اپنے خط میں انہیں بتایا۔

"بخشی غلام محمد نے آپ سے شکایت کی تھی کہ ملیشیا کے لئے دہلی سے جو ہتھیار بھیجے گئے وہ انہیں نہیں ملے اور وہ بعد ازاں راشٹریہ سیوک سنگھ کو سونپ دئیے گئے۔ یہ اشارہ بھی دیا گیا کہ مہاراجہ اور مہر چند مہاجن اس کے ذمہ دار ہیں ۔۔۔ میں نے اس معاملے میں تحقیق کی ہے اور صورت حال یوں ہے کہ مہاراجہ، مہاجن یا ریاست کے فوجی ہیڈکوارٹر کو اسلحہ کی اس سپلائی کے متعلق کچھ نہیں بتایا گیا ہے۔ اور نہ ہی ریاست کو کوئی علم ہے کہ اسلحہ کس نے وصول کئے اور کہاں گئے اور کہیں نے تقسیم کئے۔ البتہ مہاجن نے یہ دریافت کیا کہ تمام ہتھیار میجر جنرل کلونت سنگھ کے سپرد کئے گئے تھے اور کلونت سنگھ کے ذریعہ یہ ہتھیار بخشی غلام محمد کے سپرد کئے جاتے رہے ہیں۔ بخشی نے میجر جنرل کلونت سنگھ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اسے لائٹ مشین گن اور مارٹر بھی بھیجے گئے ہیں۔ مگر کلونت سنگھ نے یہ مطالبہ اس بنا پر نامنظور کر دیا کہ

ہوم گارڈ (ملیشیا) میں ایسے لوگ موجود نہیں جو ایسے ہتھیاروں کو صحیح ڈھنگ سے استعمال کر سکیں گے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بخشی غلام محمد نے ہز ہائی نیس یا مہاجن کے علم اور منظوری کے بغیر ہی ان ہتھیاروں کی سپلائی کا آرڈر دے دیا تھا۔"

اس طرح حکومت ہند کے کچھ اراکین شیخ محمد عبداللہ کے ارادوں پر شک کرنے لگے۔ حالانکہ ہند پارلیمنٹ میں اس پر طویل مدت تک سخت لے دے ہوتی رہی۔ چنانچہ ۷ جولائی ۱۹۵۲ء کو پارلیمنٹ میں جموں و کشمیر ملیشیا کے متعلق بحث میں مسٹر ٹی ٹی کرشنم نے ڈیفنس منسٹری کی طرف سے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ملیشیا اندرونی ڈیفنس، سرحدی حفاظت اور سلسلہ رسل و رسائل کی حفاظت کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ متعدد ممبر خاص طور پر ہندو مہا سبھائی ممبر اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے۔ مسٹر سی۔ این۔ چترجی اور وی جی دلشی پانڈے نے پوچھا کہ کیا یہ ہند فوج کا حصہ ہے یا ریاستی حکومت کے ماتحت ہے کیا حکومت ہند اس سے امداد دے رہی ہے اگر امداد دے رہی ہے تو حکومت ہند کو ملیشیا پر کیا اختیارات حاصل ہیں۔

پنڈت نہرو نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ ملیشیا لازمی طور پر ایک قسم کی مسلح پولیس ہے جس کو حکومت ہند نے اس کی تربیت کے لئے چند فوجی افسروں کی خدمات ریاستی حکومت کو مستعار دی ہے اس کا فوج سے کوئی تعلق نہیں ہے ملیشیا ایک ریاستی "سینا" ہے نیشنل کانفرنس کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

غرض ان لوگوں کا خیال تھا کہ موجودہ حالات میں مہاراجہ پر زیادہ آسانی سے اعتبار کیا جا سکتا ہے اور ان میں سے بعض مرکزی کابینہ میں بھی کافی تناؤ پایا جاتا تھا۔ خود گاندھی جی بھی شک سے خالی نہ تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایک اصول پسند کے لئے ہر چیز

کی بازی لگانا زیادہ موزوں ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ خطرہ محسوس کر کے انسان اپنے اصولوں کو قربان کر دے۔ بہر کیف شک و شبہات کے اس بیج نے کشمیری لیڈروں اور مرکزی حکومت کے درمیان آگے چل کر جو وسیع خلیج پیدا کی وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی۔ مہاراجہ ہری سنگھ اور سردار ولبھ بھائی پٹیل کی مشترکہ مخالفت نے پنڈت جواہر لال نہرو کی زبانی حمایت اور ہمدردیوں کو بار آور نہ ہونے دیا۔ رفتہ رفتہ پنڈت جی بھی اس نظریے کے قائل ہو گئے کہ ریاست الگ فوج کے اخراجات برداشت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ بالآخر اس فوج کو ۱۹۵۳ء کے بعد ہندوستانی دفاعی افواج میں مدغم کر کے اس کا حصہ قرار دیا گیا۔

وومینز ڈیفنس کور

پیس بریگیڈ سے ہی کئی اور نیم عسکری تنظیمیں وجود میں آئیں۔ جن میں ہوم گارڈ، کشمیر آرمڈ پولیس، اسپیشل سٹاف، فیلڈ سروے آرگنائزیشن قابل ذکر ہے۔ حکومت نے مردوں کے دوش بدوش خواتین کو بھی فوجی ٹریننگ دینی لازمی سمجھا۔ چنانچہ کشمیر وومینز ڈیفنس کور کے نام سے ایک جداگانہ تنظیم زینب بیگم کی سرکردگی میں قائم کی گئی جس میں مس محمودہ، ساجدہ ضمیر احمد، حالا بیگم، ہمدم جان، ترپتا کور، مسز پشپا سنگھ، مسز اکھوارہ، گارگی، شیلا بھاٹیہ، اوشا راج بنس، سعادت بمبرانی، مسز اکوبل، بیگم کشفی، مسز بیدی، جانہ بیگم گونی گھوش، رخ ملک وغیرہ۔ کیپٹن دیارہ، مسز محمد رجب نے نمایاں حصہ لیا۔ اس کا ہیڈ کوارٹر زنانہ پارک اور صاحب مسز کیکر کی بلڈنگ میں قائم کیا گیا۔ تقریباً پندرہ سو کشمیری خواتین نے یہاں تھری ناٹ تھری کو چلانے کی مکمل ٹریننگ حاصل کی۔ شانتی سینا کے نام سے کشمیری خواتین رضاکاروں کو سٹریٹ فائٹ ٹریننگ دی گئی۔

ان ہی دنوں جموں سے آنے والے مسلم ریفیوجیوں کا ایک کیمپ بندوق چھاؤنی حضوری باغ کے قریب قائم کیا گیا تھا۔ چونکہ فوجی طرز کی اس نئی تنظیم میں ریڈ کراس کی شاخ بھی قائم ہو چکی تھی ایک دن وومنز ڈیفنس کور کے مرکزی دفتر پر یہ خبر آئی کہ ریڈ کراس ونگ سے وابستہ جوان، رفیوجی لڑکیوں کا سودا کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی زینب بیگم، محمودہ جی۔ مسز بیگ، اور ساجدہ ضمیر احمد وہاں پہنچیں۔ تو کیا دیکھتے ہیں جموں کی ایک مسلم پناہ گزین لڑکی نیلام ہو رہی ہے۔ پولیس کو اطلاع دی گئی۔ ردعمل کے طور پر ریڈ کراس ونگ سے کئی جوان برطرف کئے گئے اور اس ونگ کو براہ راست وومنز ڈیفنس کور کی سربراہ کے ماتحت کیا گیا۔

یہ پہلا موقع ہے جب تحفظِ وطن اور آزادیٔ کشمیر کے نام پر کشمیری خواتین نے گھر کی چار دیواری سے باہر قدم رکھا، بندوق کو اپنے کندھے پر سنبھالا لیکن یہ تجربہ نہ تو کامیاب ہونے دیا گیا اور نہ دیرپا ثابت ہوا۔

ریاستی افواج

ایک طرف تو یہ عالم تھا کہ مہاراجہ ہری سنگھ ریاست میں متوازی فوج کے وجود کو اپنے ذاتی جاہ و جلال کے لئے نہ صرف توہین سمجھ رہا تھا بلکہ اس کو ریاست کے لئے عظیم خطرہ تصور کرتا تھا۔ دوسری جانب مہاراجہ بہادر کی ساری فوج جو قبائلی حملے کے پہلے ہی دور میں تتر بتر ہو چکی تھی۔ اور باقی ماندہ پناہ گاہیں تلاش کر کے درویشانہ زندگی گذارنے کا تہیہ کر چکی تھیں۔ حالانکہ ایسے بزدل سپاہیوں کی کھوج نکالنے میں لیفٹننٹ جنرل ایل۔ پی۔ سین نے جو انکشاف کیا ہے وہ نہ صرف اہم ہے بلکہ فوجی تاریخ میں حیرت انگیز بھی۔

لیفٹننٹ جنرل ایل۔ پی سین بحیثیت ایکٹنگ بریگیڈیر ۱۶۱ انفنٹری

بریگیڈ کے ساتھ نومبر ۱۹۴۷ء میں کشمیر آیا۔ ریاستی محکمۂ دفاع کی طرف سے میجر پریم ناتھ کاک کو ان کے ساتھ رابطہ آفیسر کے تعینات کیا گیا۔ بریگیڈیر سین نے آتے ہی میجر کاک سے دریافت کیا کہ سری نگر میں ریاستی افواج کا کوئی دستہ موجود ہے۔ کاک نے جواب دیا کہ وادی کشمیر میں ریاستی فوج کا کوئی دستہ نہیں ہے۔ ریاستی فوج کے چند جوان بادامی باغ چھاؤنی کے ہسپتال میں بیمار پڑے ہیں یا بیماری کے بعد آرام کر رہے ہیں مگر ایک ماہ بعد بریگیڈیر سین کی حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی جب اسے معلوم ہوا کہ بادامی باغ چھاؤنی میں ریاستی افواج کے ۱۹۰۰ تجربہ کار جوان اور افسر موجود ہیں۔ یہ حقیقت کیسے ظاہر ہوئی اس کو بریگیڈیر سین کے الفاظ میں ہی سنئے:۔

"ریاستی فوج کا راشن ختم ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے راشن کے لئے ۱۶۱ انفنٹری بریگیڈ کو درخواست کی جس میں دو ہزار نفوس کے لئے راشن طلب کیا گیا میرا خیال تھا کہ دو ہزار میں ایک "صفر" کا اضافہ غلطی سے ہو گیا ہے اور راشن صرف دو صد اشخاص کے لئے ہی طلب کیا گیا ہوگا۔ کیونکہ میجر کاک نے مجھے بتایا تھا کہ بادامی باغ میں ریاستی افواج کے صرف کچھ بیمار جوان موجود ہیں۔ چنانچہ میں نے دو صد نفوس کے لئے راشن منظور کیا اور ہیڈ کوارٹر کو اس معاملے کی چھان بین کرنے کے لئے ہدایت دی جہاں سے مجھے جواب ملا کہ ریاستی فوج کے دو ہزار فوجیوں کے لئے راشن طلب کیا گیا ہے کیونکہ بادامی باغ میں دو ہزار فوجی موجود ہیں۔ میں نے دو ہزار کے لئے راشن کی منظوری تو دے دی مگر میں نے حکم دیا کہ اگلے روز دس بجے صبح میں بادامی باغ میں فوج کا معائنہ کروں گا۔ تمام افسران و جوان ماسوائے بیمار فوجیوں کے پریڈ

میں حاضر رہیں۔ اگلے دن دس بجے بادامی باغ پہنچا تو میری حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی کہ واقعی پریڈ میں ۱۰۵ افسر و جوان اسلحہ سمیت موجود ہیں اور ۴۶ نفوس ہسپتال میں یا چھاؤنی میں بیمار پڑے ہیں۔ میں نے پوری نفری کی گنتی کروائی ان میں [illegible] دوسری عالمی جنگ میں [illegible] ہوئے تھے بھی! ان کی چھاتیوں پر لگے [illegible] یہ عیاں تھا کہ یہ تجربہ کار سپاہی ہیں [illegible] اور افسروں کو ایک طرف لے جا کر پوچھا کہ وہ گزشتہ [illegible] کا کوئی جواب نہ ملا۔ ان میں سے ایک سینئر افسر سے میں نے [illegible] طلب کیا تو اس نے بتایا وہ سب لوگ سری نگر میں [illegible] دوبارہ پوچھا کہ انہوں نے اپنی موجودگی کا پتہ ۱۶۱ بریگیڈ کو کیوں نہیں دیا اور گزشتہ دنوں میں ضرورت کے وقت اس بریگیڈ کی مدد کیوں نہیں کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ بادامی باغ سے رنجیدہ ہو کر واپس آیا میں نے میجر جنرل کلونت سنگھ کو جموں سے فون کیا۔ جو دوسرے دن سری نگر پہنچا۔ میں جنرل کلونت سنگھ کو بادامی باغ لے گیا۔ جہاں اس نے فوج کا معائنہ کیا۔ جنرل کلونت سنگھ بھی میری طرح ہی اس فوج کو دیکھ کر حیران رہا۔ میں نے جنرل سے اجازت مانگی کہ اس فوج کو فوری طور پر جموں تبدیل کر دیا جائے۔ کیونکہ وہ یہاں مفت کا راشن کھاتے ہیں۔ اور وہ کسی طرح بھی میرا اعتماد حاصل نہ کر سکتے تھے۔ جنرل کلونت سنگھ نے ان میں سے چھ صد جوان یہاں رکھنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ ان کو بارہ مولہ بھیج دیا گیا اور باقی فوجیوں کو جموں بھیج دیا گیا۔"

بعد میں ریاستی فوج کے اس طرح روپوش ہونے کی وجہ یہ بتائی گئی کہ قبائلی گھسنے کے بعد ان کا رابطہ ہیڈ کوارٹر سے کٹ گیا تھا اور عوامی یلغار سے خوف زدہ ہو کر بادامی باغ میں مورچہ سنبھالے بیٹھے تھے ہندوستانی افواج کی آمد پر ان کا احساس خوف تو جاتا رہا لیکن جنگ کے تصور سے گھبرا کر وہ اپنے وجود کو چھپاتے رہے۔

ریاستی فوج کے خوفزدہ سورماؤں کے دلیرانہ کارناموں کی کہانی یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ اس واقعہ سے قبل انہوں نے ڈل گیٹ میں ایک رات کو سائیکلوں کی کئی دوکانوں کے تالے توڑے اور تقریباً تین سو سائیکل چوری کئے اور ان پر سوار ہو کر جموں بھاگ گئے۔ ان دنوں سری نگر میں آج کل کی طرح موٹر گاڑیاں بکثرت نہیں تھیں اکثر سیاح ڈل گیٹ کے ان ہی دوکان سے سائیکل کرایہ پر لے کر شہر سری نگر کی سیر کیا کرتے تھے۔ سائیکل دوکانوں کی یہ قطار ڈاکٹر سید نصیر احمد شاہ کے کلینک سے لے کر ڈل گیٹ کی اوقاف بلڈنگ تک تھی۔

نئی حکومتیں، نئے عزائم

۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو غلام نبی گلکار انور کاشمیری نے راولپنڈی سے آزاد حکومت کا اعلان کر کے بذات خود اس کا صدر ہونے کا دعویٰ کیا اور اس اعلان کے فوراً بعد خفیہ طور اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے سری نگر آئے لیکن یہاں سرکردہ مسلم کانفرنس ہونے کی بنا پر گرفتار ہوئے۔ انور کاشمیری کا یہ اعلان پاکستان کے تمام اخبارات میں ۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ انور کاشمیری کے دستخط سے جاری شدہ اعلان نامے پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور نے اپنے ۸ اکتوبر کے شمارے میں لکھا:۔

" مسٹر انور کاشمیری مسلم کانفرنس کے رکن ہیں جن کے صدر چودھری

غلام عباس خان اور جنرل سیکرٹری آغا شوکت علی ہیں۔"

انور کاشمیری نے اپنے پہلے صدارتی فرمان میں اعلان کیا۔

"برطانوی تاج کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ کشمیر کا موجودہ حکمران مہاراجہ ان حقوق سے محروم ہو گیا ہے جن کا اس کو معاہدہ امرتسر کے مطابق دعویٰ تھا۔ اس معاہدہ کے مطابق کشمیر کو انگریزوں نے وہاں کے موجودہ حکمران کے جد مہاراجہ گلاب سنگھ کے نام پچاس لاکھ کی حقیر رقم کے عوض منتقل کیا تھا۔ اب ریاست کے لوگوں نے ایک عارضی ری پبلکن حکومت قائم کی ہے جس کا صدر مقام مظفر آباد میں ہے اگر ۴۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی رات کے ایک بجے کے بعد ہری سنگھ (موجودہ حکمران) یا اس کے احکام کے ہدایات کے تحت کوئی اور شخص اس ریاست پر حکمرانی کا دعویٰ کرے گا تو اس کو عارضی حکومت کے قوانین کے مطابق سزا دی جائے گی اب سے تمام قوانین احکام اور ہدایات جو عارضی حکومت کی طرف سے صادر ہوں پر عمل کیا جائے گا اور لوگوں کو ان کی مطابقت کرنا ہوگی۔"

اس اعلان نامے کو اردو انگریزی میں ہینڈ بلوں کی صورت میں کپواڑہ، ہندواڑہ، بارہ مولہ، سوپور، اوڑی اور پونچھ میں ریڈیو پاکستان کے نشریہ کے بعد ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا گیا۔ اس اعلان کے بارے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ ۳/۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو راولپنڈی میں ریلوے روڈ پر واقع پیرس ہوٹل میں سید نذیر حسین شاہ، مولوی غلام حیدر جنڈالوی اور غلام نبی گلکار نے نواب [illegible] اور عبدالقیوم خان کے اشارے پر ایک خصوصی میٹنگ کی جس میں طے پایا کہ جونا گڑھ کی طرز پر ایک عارضی حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے اور اس کے لئے ایک فرضی نام کا صدر مقرر کیا جائے۔ کافی غور و خوض کے بعد یہ طے پایا۔ غلام نبی گلکار جو انور کاشمیری تخلص کرتے ہیں لیکن وہ غلام نبی گلکار کے نام سے ہی جانے جاتے تھے کہ اسی غیر معروف تخلص کو صدر کے نام کے لئے استعمال کیا جائے۔ میٹنگ کے اختتام پر پیرس ہوٹل سے نکلتے ہی انہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کے نام ایک برقیہ میں انور کاشمیری کی طرف سے جمہوری آزاد حکومت کے قیام اور ہری سنگھ کی معزولی کا پیغام بھیجا لیکن اب کچھ لوگ غلام نبی گلکار کے مرزائی عقیدے کی وجہ سے ہی ان کا پہلا اور جمہوری صدر ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ لارڈ برڈ وڈ نے اپنی کتاب ٹو نیشنز اینڈ کشمیر میں بھی غلام نبی گلکار کے صدر ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ بعض لوگ غلام نبی گلکار کے مذہبی عقیدے کی ضد میں خورشید انور کو انور کاشمیری سمجھنے لگے۔ حالانکہ نہ وہ ریاستی باشندہ تھا اور نہ مسلم کانفرنس کا ممبر۔ سری نگر میں تقریباً ایک برس تک جیل میں رہنے کے بعد غلام نبی گلکار کو بریگیڈیئر گھنسارا سنگھ گورنر گلگت کے تبادلے میں پاکستان بھیجا گیا جہاں آپ ۱۸ جولائی ۱۹۷۲ء کی صبح کو راولپنڈی میں انتقال کر گئے۔ ان کی کابینہ میں ڈاکٹر ضیاء الاسلام، شیخ افتخار اور کچھ دوسرے اصحاب شامل تھے۔

سری نگر میں انور کاشمیری کی گرفتاری کی خبر پہنچنے کے بعد حکومت پاکستان کے سامنے یہ مسئلہ کئی دنوں تک زیر غور رہا۔ کہ اب کس کو صدر بنایا جائے۔ پاکستانی حکومت کی یہ خواہش تھی کہ آزاد کشمیر کے صدر کے لئے ریاست جموں و کشمیر کا کوئی پڑھا لکھا معروف سیاستدان ہو چنانچہ انہوں نے اس ضمن میں تین نام منتخب کئے میر واعظ یوسف شاہ اور چودھری حمید اللہ نے اس پیشکش کو قبول کرنے سے اس وجہ سے معذرت کی کیونکہ ان کے کنبے کے افراد سری نگر اور جموں میں تھے۔ اس سے انہیں مصائب میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہے۔ بالآخر قرعہ فال سردار محمد ابراہیم خان پر پڑا۔ اور آخر ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریڈیو پاکستان نے رات کے خبروں کے بلیٹن میں بڑے طمطراق سے یہ خبر نشر کی کہ تراڑکھل میں مجاہدین آزادی کشمیر نے سردار محمد ابراہیم خان کی قیادت میں ایک آزاد اور

خود مختار حکومت "آزاد کشمیر" کے نام سے قائم کی ہے۔ ساتھ ہی صدرِ آزاد کشمیر کا یہ اعلان بھی نشر ہوا۔

"آج سے مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت ساری ریاست میں منسوخ ہوتی ہے اور نئی حکومت ریاست کا نظم و نسق سنبھال چکی ہے یہ حکومت اپنے عوام کے ساتھ فیاضانہ سلوک کرے گی۔ ہندوؤں، سکھوں اور دوسرے تمام غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کرے گی۔ آزاد کشمیر کی حکومت، حکومت ہند سے بھی اپیل کرتی ہے کہ وہ اس حکومت کو تسلیم کرے اور اس کی امداد کرے کیونکہ یہی عوام کی جائز اور صحیح حکومت ہے۔"

ساتھ ہی آزاد کشمیر ریڈیو کی نشریات بھی شروع ہو گئیں۔ سردار ابراہیم کی کابینہ کا اعلان ہوا۔ سردار ابراہیم صدر، سید علی شاہ ڈیفنس منسٹر، چودھری عبداللہ خان بھلی ریونیو منسٹر، شاہ اللہ شمیم، سول سپلائز کے وزیر، خواجہ غلام الدین وانی ہوم منسٹر، میرواعظ یوسف شاہ وزیر تعلیم، سید نذیر حسین شاہ وزیر خزانہ مقرر ہوئے۔

خفیہ جتھے

سری نگر میں اس خبر کو سنتے ہی جامع مسجد میں جلسہ ہوا جس میں کئی سرکردہ مسلم کانفرنسی لیڈروں نے اپنی تقاریر میں حکومتِ آزاد کشمیر[لہ] کے قیام کو خوش آمدید کہتے ہوئے قبائلی حملے کو ریاستی عوام کی جنگ آزادی سے تعبیر کیا۔ افواہوں کی

لہ: ذیل میں قارئین کی معلومات کے لئے آج تک آزاد کشمیر کے صدور کا دور صدارت اور نام درج کئے جا رہے ہیں۔

نام	دور صدارت	کل مدت
۱۔ انور کاشمیری	۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء تا ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء	۲۰ دن

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۸ پر)

گرم بازاری گردش کرنے لگی۔ ریڈیو پاکستان سے قبائلیوں کی برق رفتار پیش قدمی اور شجاعت کے فسانے خاص اہتمام سے نشر ہونے لگے جن میں اُن کے اگلے ۴۸ گھنٹوں میں سری نگر پہنچنے کی پیش گوئی کی جانے لگی۔ اس سے مسلم کانفرنسیوں کے حوصلے کافی بلند ہوئے۔ انہوں نے درپردہ قبائلیوں کے سری نگر میں وارد ہونے پر استقبال کی تیاریوں کا پروگرام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۷ سے آگے)

نام	دور صدارت	کل مدت
۲۔ سردار محمد ابراہیم خان	۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء تا ۳۰ مئی ۱۹۵۰ء	۲ سال ۷ ماہ ۷ دن
۳۔ کیپٹن جنرل سید علی احمد شاہ	یکم جون ۱۹۵۰ء تا یکم دسمبر ۱۹۵۱ء	ایک سال ۶ ماہ
۴۔ میرواعظ محمد یوسف شاہ	یکم دسمبر ۱۹۵۱ء تا ۲۱ جون ۱۹۵۲ء	۶ ماہ ۲۱ دن
۵۔ کرنل شیر احمد خان	۲۲ جون ۱۹۵۲ء تا ۳۱ مئی ۱۹۵۶ء	۳ سال ۱۱ ماہ ۹ دن
۶۔ میرواعظ یوسف شاہ	یکم جون ۱۹۵۶ء تا ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء	۳ ماہ ۶ دن
۷۔ سردار محمد عبدالقیوم خان	۸ ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۱۳ اپریل ۱۹۵۷ء	۷ ماہ ۷ دن
۸۔ سردار محمد ابراہیم خان	۱۴ اپریل ۱۹۵۷ء تا ۲۶ اپریل ۱۹۵۹ء	۲ سال ۱۲ دن
۹۔ کے ایچ۔ خورشید	۲۷ اپریل ۱۹۵۹ء تا ۵ اگست ۱۹۶۴ء	۵ سال ۳ ماہ ۸ دن
۱۰۔ خان عبدالحمید خان	۶ اگست ۱۹۶۴ء تا ۷ اکتوبر ۱۹۶۹ء	۵ سال ۲ ماہ ۳ دن
۱۱۔ بریگیڈیئر عبدالرحمان	۸ اکتوبر ۱۹۶۹ء تا ۱۲ نومبر ۱۹۷۰ء	ایک سال ۴ ماہ ایک دن
۱۲۔ سردار محمد عبدالقیوم خان	۱۳ نومبر ۱۹۷۰ء تا ۱۵ اپریل ۱۹۷۵ء	۴ سال ۵ ماہ ۳ دن
۱۳۔ شیخ منظر مسعود	۱۶ اپریل ۱۹۷۵ء تا ۵ جون ۱۹۷۵ء	ایک ماہ ۲۰ دن
۱۴۔ سردار محمد ابراہیم خان	۵ جون ۱۹۷۵ء تا ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۸ء	۳ سال ۳ ماہ ۲۶ دن
۱۵۔ بریگیڈیئر محمد حیات خان	۳۱ اکتوبر ۱۹۷۸ء تا یکم فروری ۱۹۸۳ء	۴ سال ۳ ماہ
۱۶۔ ریٹائرڈ جنرل عبدالرحمان	یکم فروری ۱۹۸۳ء	

مرتب کیا اور اُن کے خیر مقدم کے لئے کئی جتھے بھیجنے کی فوری ضرورت محسوس کی چنانچہ اُن سے براہِ راست رابطہ قائم کرنے کے لئے آٹھ آٹھ، دس دس افراد پر مشتمل کئی خفیہ جتھے سری نگر سے بھیجے گئے جو شدید گولہ باری کے باعث چھتہ بل سے آگے نہ جا سکے۔ اور اُن سے رابطہ قائم نہ کر سکے۔ ۲۵ اکتوبر کو مسلم کانفرنس نے سری نگر میں ایک جلوس نکالا جو ریاست کا پاکستان کے ساتھ الحاق اور قبائلیوں کی حمایت میں نعرے دیتے شہر کا گشت لگا کر جامع مسجد میں اختتام پذیر ہوا۔ ۳۰ اکتوبر کو جامع مسجد میں ایک جلسے کے بعد جب لوگ نکل رہے تھے پولیس نے ہجوم پر گولی چلائی جس سے دو افراد علی شاہ ساکنہ بازار نوہٹہ، محمد رجب اعلاکچی مسلم کانفرنس سونہ پری ہلاک ہوئے۔ اور یہ دونوں جامع مسجد کی مسلم پارک میں دفنائے گئے۔

۲۷ اکتوبر کی صبح کو قبائلیوں نے بارہ مولہ پر قبضہ کر لیا اور یہیں سے خورشید انور نے سردار محمد ابراہیم خان کو پیغام بھیجا کہ کشمیر فتح ہونے کے بعد میری کیا پوزیشن ہوگی اس

لہ : قبائلیوں کی پیش قدمی کو بارہ مولہ میں محمد مقبول شیروانی نے یہ خبر اڑا کر مدھم کیا کہ سری نگر میں لاتعداد ہندوستانی فوج پہنچی ہے جب انہیں اپنے ذرائع سے اس اطلاع کی تصدیق نہ ہوئی تو انہوں نے مسٹر شیروانی کی تلاش شروع کی جو سنبل کے راستے سری نگر کی طرف فرار ہو رہا تھا۔ سنبل میں ہی قبائلیوں نے اُسے گرفتار کیا اور بارہ مولہ پہنچایا جہاں سب سے پہلے اس کی ناک کاٹی گئی۔ اُس کی پیشانی پر کیل گاڑھ دی گئی اور لائٹ مشین گن سے اُس پر گولیاں چلائیں۔ بعد ازاں اُن کے نام پر بارہ مولہ میں ٹاؤن ہال اور چھوٹا سا چوک [illegible] گئی ہے۔ مسٹر مقبول شیروانی نیشنل کانفرنس کا جوشیلا ورکر تھا۔ ۱۹۴۷ء میں مسٹر جناح [illegible] بارہ مولہ گیا جہاں شہر میں [illegible] اُس کا [illegible] شیروانی ہی تھا جب قبائلیوں نے شیروانی کو ہلاک کیا اُن دنوں وہ سری نگر کی عدالت میں سائیکل چوری کے ایک مقدمہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ)

کے جواب میں وہ دو دن تک بارہ مولہ میں ہی انتظار کرتا رہا۔ اُسے یقین تھا کہ چند گھنٹوں کے اندر وہ سری نگر میں ہوگا۔ مگر ان دو دنوں کی تاخیر نے تاریخ کا رُخ ہی بدل دیا۔ ۲ نومبر کو قبائلیوں کے کئی گروپ سری نگر کی جانب پیش قدمی کرتے گلمرگ اور بڈگام تحصیل میں پھیل گئے جہاں سے وہ ہوائی اڈہ پر قابض ہونا چاہتے تھے۔ ۳ نومبر ۱۹۴۷ء کو ہندوستانی افواج کی پہلی کماؤں رجمنٹ کی ایک کمپنی میجر سومناتھ شرما کی قیادت میں ہوائی اڈے کو قبائلیوں کے قبضے سے بچانے کے لئے بڈگام پہنچی۔ اس وقت قبائلی مشکل سے ہوائی اڈے سے آدھ میل دور تھے۔ ان کی تعداد پانچ سے سات سو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۹ سے آگے) میں ماخوذ تھا جس کا عدالتی ریکارڈ کے مطابق خلاصہ یوں ہے: ۱۲ تاریخ ماہ بھادوں ۲۰۰۱ بکرمی کو غلام مصطفیٰ شہداد نے "ریلی" نام کے ایک سائیکل جس کا نمبر ۴۴۱۹۰۷ ہے کے چوری ہونے کی رپورٹ تھانہ شیرگڑھی میں درج کرایا۔ جس کو ۱۴ بھادوں ۲۰۰۱ بکرمی کو سب انسپکٹر پولیس راج ولی خان نے محمد مقبول شیروانی ولد عبداللہ جو شیروانی ساکن بارہ مولہ سے برآمد کیا۔ سائیکل کی شناخت مستغیث نے کی اور ملزم کو گرفتار کرکے زیر دفعہ ۳۷۹ رنبیر پینل کوڈ تحصیلدار مجسٹریٹ درجہ دوم سری نگر کی عدالت میں زیر پولیس چالان نمبر ۳۰۹ چالان دائر کیا۔ چالان بعد ازاں ملزم کی استدعا پر سپیشل مجسٹریٹ سری نگر کی عدالت میں منتقل کیا گیا اور پھر ۲۷ پھاگن ۲۰۰۳ بکرمی کو سٹی مجسٹریٹ سری نگر کی عدالت میں منتقل ہوا۔ ملزم کے خلاف مندرجہ ذیل دس افراد بطور گواہ پیش ہوئے۔ غلام مصطفیٰ شہداد، رام چند، لسہ خان، عبدالصمد نداف، عبدالعزیز مستری، دلیشناتھ، سودر کول، محمد عبداللہ، غلام قادر نجار اور سب انسپکٹر راج ولی خان ۲۳ مگھر ۲۰۰۴ کو مولوی عبدالرحیم سٹی مجسٹریٹ نے ملزم کے مرنے کی اطلاع کی تصدیق کے بعد مثل داخل دفتر کرائی۔ صوفی غلام احمد سابقہ ایم۔ ایل۔ اے حضرت بل نے مجھے ایک ملاقات کے دوران بتایا کہ قبائلی حملے سے صرف چند دن قبل جب بارہ مولہ سے [illegible]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۱ پر)

تک تھی۔ انہوں نے میجر شرما کی کمپنی پر ۳ انچ سے ۱۲ انچ دہانے کی توپوں سے حملہ کیا۔ اور یہ مقابلہ چار گھنٹے سے زیادہ عرصہ تک جاری رہا۔ بریگیڈیئر سین نے جب محسوس کیا کہ قبائلیوں کی نہ صرف تعداد زیادہ ہے بلکہ وہ پوری طرح مسلح بھی ہیں انہوں نے فوری کمک روانہ کی لیکن کمک پہنچنے سے قبل ہی دو انچ توپ کا ایک گولہ میجر شرما کے قریب گر کر پھٹا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ کمک پہنچنے کے بعد قبائلی پسپا ہوئے اس طرح ہوائی اڈے کو جو فوری خطرہ لاحق ہوا تھا۔ دور ہو گیا۔

ناظم اعلیٰ

۳۰ اکتوبر کو مہاراجہ ہری سنگھ نے ایک فرمان کے ذریعہ شیخ محمد عبداللہ کو ریاست کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا۔ قبائلی شالہ ٹینگ پہنچ چکے تھے اور سری نگر میں گولہ باری کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ عام لوگ مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر جنگ کی تباہ کاریاں اور بمباری کو دیکھ رہے تھے۔

اسی رات کو دو بجے کے قریب مولانا محمد سعید مسعودی اور غلام محی الدین قرہ نے میرواعظ منزل میں مولوی محمد امین سے ملاقات کی انہیں سمجھایا کہ ہندوستانی فوج کشمیر پہنچ چکی ہے۔ عقلمندی کا تقاضہ ہے کہ ہم اس نازک موقعہ پر آنے والے واقعات کا مقابلہ کرنے کے لئے متحد ہو جائیں۔ دراصل ان کا مقصد یہ تھا کہ جنگ کا پانسہ کس کے حق

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۱ سے آگے) ہو کر بھاگ رہے تھے۔ مقبول شیروانی نے اُن سے کہا تھا کہ کوئی سامان اور ایک لاکھ روپے کی رقم کمر سے باندھ کر جنگل سے فرار ہو رہا ہے چلو اُسے پکڑ لیں مگر مقبول شیروانی نے انکار کیا۔ یہ انقلاب زمانہ ہے کہ آج سری نگر کی شہ رگ یعنی شاہراہ بعد ازاں ریزیڈنسی روڈ، شہید مقبول شیروانی روڈ کہلاتا ہے۔

میں پلٹے گا اُس کی پیش گوئی کوئی نہیں کر سکتا ہے البتہ ہمارے درمیان ایسا مضبوط رابطہ قائم رہنا چاہیئے کہ اگر ہندوستانی افواج کے ہاتھ میدان رہا تو مخالف گروہ کی حفاظت کی ذمہ داری ہم لیتے ہیں اور اگر اس کے برعکس ہوا تو قوم پرستوں کو امان ملنی چاہیئے۔ ڈپلومیسی اور زمانے کے تیور سے ناآشنا سادہ لوح مولوی زادے نے قہوہ کی چسکی لی اور ان کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا۔ "کہاں کا ہندوستان اور کہاں کی ہندوستانی فوج۔ مجاہدین آزادی کا لشکر، فتح و نصرت کے ترانے بارود کی عقاب پر گاتے ہوئے سری نگر کی طرف بڑھ رہا ہے۔" مولانا مسعودی اور مسٹر قرہ قہوہ پی کر چلے آئے۔

اگلے دن نئی حکومت نے حفاظت خودی کے نام پر بہوری کدل اور اس کے ملحقہ محلوں میں بغیر کسی نوٹس کے چھ دن کا کرفیو نافذ کیا۔ جس کی زد میں زینہ کدل، کاؤں کدل، کاوڈارہ، وانٹہ پورہ اور کئی دوسرے محلے آئے۔ اسی طرح بہوری کدل، نایدکدل، خواجہ بازار، نوہٹہ پولیس چوکی، کاٹھی دروازہ وارڈ نمبر ۴ کے چند محلے وارڈ نمبر ۵ اور وارڈ نمبر ۸ سالم اندرونی قلعہ بارہ پتھر کے علاقوں کو شام چھ بجے سے صبح چھ بجے تک کرفیو کے دائرہ عمل میں لایا گیا۔ غلام نبی گلکار کے بارے یہ اندازہ لگایا گیا۔ کہ وہ ان علاقوں میں روپوش ہیں اور اس علاقے میں جو لیتھو شدہ پوسٹر پاکستان کے حق میں دیواروں پر چسپاں پائے جاتے ہیں وہ انہیں کے ایماء پر تیار کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ سخت کرفیو کے دوران بخشی عبدالرشید اور غلام احمد میر نے پولیس پارٹی کے ساتھ گھر گھر تلاشیاں لینی شروع کیں۔ غلام نبی گلکار تو نہیں ملے۔ البتہ پوسٹروں کا سلسلہ منقطع ہوا۔

رام باغ کا واقعہ

اسی دوران رام باغ سری نگر میں ایک انتہائی ناخوشگوار واقعہ رونما ہوا جس کا اوپر تذکرہ آچکا ہے کہ سرزمین کشمیر پر اتری ہوئی ہندوستانی فوج کی پہلی بٹالین سکھوں

درگیں نہیں دفنائی گئیں۔ مرنے والے گیارہ افراد میں سے پانچ کے نام یہ تھے۔ محمد رمضان خان، غلام قادر درانی، عبدالصمد قریشی، [illegible] عبدالرحمان، غلام احمد بیلو اور رشی [illegible] [illegible] محمد شفیع قریشی، ثناء اللہ اور محمد شفیع (الغرق بالا ذکر ہیں) اگلے دن [illegible] ناظم اعلیٰ کے جائے واردات کا معائنہ کیا۔ ان کے آنے پر کافی تعداد میں لوگ جمع ہوئے جنہوں نے ہند مخالف نعرے دینے شروع کئے [illegible] کے لئے کرفیو نافذ کیا گیا اور چالیس کے قریب افراد گرفتار کئے گئے ساتھ ہی [illegible] اور پنڈت جیالال [illegible] پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیشن [illegible] لیکن [illegible] کسی قسم کا کوئی واقعہ ہوئی [illegible] کی [illegible] نومبر کو پرتاپ پارک میں نیشنل گارڈ کے اہتمام سے ایک پبلک جلسہ

[illegible] کو عرف عام میں "پنڈت رجمنٹ" کے نام سے جانا جاتا [illegible] ترشہ چھن کے علاقے میں شہریوں کے ساتھ زیادتیاں کیں [illegible] غلام احمد بیگ عرف [illegible] بیگ کے دو ماموں عبدالعزیز خان انصاری اور [illegible] [illegible] گرفتار کیا اور کسی عدالتی کارروائی کے بغیر ان کی آنکھیں نکالیں [illegible] دفنا دیا گیا۔ عبدالعزیز خان غلام احمد بیگ کے [illegible] قوم پرست تھا اس کو [illegible] گرائے گئے ان اشتہارات [illegible] اقلیتوں کو تحفظ دینے کی اپیل کی گئی۔ ان دنوں [illegible] کرنے کی وجہ سے [illegible] بیگ کے نام سے مشہور ہوا اس واقعے [illegible] ۱۹۵۰ء [illegible] میں آئین ساز اسمبلی کا وجود عمل میں آنے لگا۔ تو اس نے عبدالرحیم وانی، غلام [illegible] اور کئی دوسرے نوجوانوں کے ساتھ حکمران جماعت کے خلاف پلیٹ فارم قائم کرنے کی کوشش کی جس میں ناکامی کے بعد پاکستان چلا گیا۔ اور تقریباً دس سال کے بعد واپس آیا

پر مشتمل تھی۔ اسی جالبین کے ایک دستے کو [illegible] ہوم اور فلڈ چینل کے اس پار ٹھہرایا گیا۔ [illegible] فیکٹری روڈ میں [illegible] بریگیڈ کے رضاکار معمول کا گشت لگا رہے تھے۔ انہیں ہدایت دی گئی کہ وہ رام باغ کی جانب نہ بڑھیں۔ ۵ نومبر کو اس [illegible] سے ایک [illegible] گولی چلنے کی وقتاً فوقتاً آوازیں سنائی دینے لگیں۔ گولیوں کی اس آواز کو علاقے کے لوگوں نے یہ تعبیر نکال کر درگزر کیا کہ فوجی جوان چیلوں کو مار رہے ہیں مگر اس آواز نے تشویش ناک صورت [illegible] وقت [illegible] جب [illegible] کی رہنمائی کے لئے بھیجے گئے کوئی نیشنل کانفرنس رضاکار واپس نہ آئے۔ اس سے علاقے میں زبردست تناؤ اور گڑبڑ شروع ہوئی جس کی وجہ سے سپاہیوں کو [illegible] منتقل کیا گیا ان کے چلے جانے کے بعد [illegible] کے باشندوں نے ان [illegible] کی تین شروع کی۔ جو فوجی [illegible] نے اپنے تحفظ کے لئے کھودی تھیں۔ [illegible] ان خندقوں سے گیارہ لاشیں برآمد ہوئیں۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح [illegible] کے اطراف و اکناف میں پھیل اور لوگ جوق در جوق رام باغ پہنچنا شروع ہوئے۔ [illegible] انہوں نے ان لاشوں کو اپنے درمیان میں رکھ کر ماتمی جلوس کی شکل [illegible] پارک [illegible] ٹھاٹھیں مارتا ہوا سیلاب جلوس کی صورت میں لال چوک [illegible] کے سامنے پہنچا۔ پیلیڈیم ٹاکیز کی دیوار پر نیشنل کانفرنس [illegible] قائد شیخ محمد عبداللہ کا [illegible] قد آدم تصویر [illegible] آویزاں [illegible] اور پتھر مار کر اسے نیچے گرایا اور پاؤں تلے روند کر پاش پاش کیا۔ [illegible] جلوس لاشوں کو [illegible] شہر کا گشت لگانا چاہتے تھے۔ مگر وہ ایسا کرنے [illegible] [illegible] اور [illegible] شہداء کے لاشیں [illegible]

منعقد کیا گیا۔ جس میں کرنل نائیڈو نے کشمیریوں کی بہادری کی تعریف کی اور رام باغ کے سانحہ پر اشاروں ہی اشاروں میں اعتراف کرتے کہا۔ "فوج کے متعلق جو شکایتیں ہمیں موصول ہوئی ہیں ان کی تحقیقات ہو رہی ہے"۔ جب گاؤ میں شیخ محمد عبداللہ نے اپنی تقریر میں حسب عادت تاریخی واقعات کے پس منظر میں قبائلیوں کو دھمکیاں دینے کے سوائے اور کوئی نئی بات نہیں کہی۔ لیفٹننٹ جنرل ایراِیس سین نے اس واقعہ کو سلینڈر واز دی تھریڈ SLENDER WAS THE THREAD میں یوں قلمبند کیا ہے:۔

"۵ نومبر ۱۹۴۷ء کی رات کو ایک نہایت افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ بڈگام کے علاقے میں گشت لگانے کے بعد نیشنل کانفرنس کے والنٹیرز کی ایک پارٹی سری نگر واپس آ رہی تھی۔ راستے میں ایک ایسے مقام سے گذری جہاں سکھ بٹالین کا پہرہ تھا۔ فوجی جوانوں نے ان کو پکارا۔ مگر والنٹیروں نے جواب دینے کے بجائے بھاگنا شروع کیا۔ جس پر فوجی جوانوں نے گولی چلائی۔ دوسری صبح کو دو* والنٹیروں کی لاشیں پائی گئیں۔ رات کے اندھیرے میں جب فوجی جوان دوست اور دشمن کی پہچان نہ کر سکتے تھے، گولی چلانا کوئی بڑی غلطی نہ تھی۔ مگر انہوں نے جو غلطی کی وہ یہ تھی کہ دونوں لاشیں خندقوں میں دبا دیں، اور بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز کو اس واقعہ کی اطلاع تک نہ دی۔ دوسری صبح کو یہ خبر شیخ عبداللہ تک پہنچ چکی تھی اُس نے مجھے طلب کیا۔ مجھے میجر کاک نے اس حادثے کا سبب بتا دیا تھا چنانچہ میں مکمل تفصیلات حاصل کرنے کے بعد شیخ صاحب سے ملنے

* نوٹ:۔ جنرل نے نہ جانے کیوں، گیارہ کے بجائے صرف دو کا شمار کیا۔

چلا گیا اور پہنچتے ہی میں نے اظہار افسوس کیا۔ شیخ بہت پریشان تھا اور کافی سمجھانے کے بعد ہی اُس نے میرے جواب کو قبول کیا۔"

جنرل سین نے اس واقعہ کو قلمبند کرنے میں غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ بخشی غلام محمد نے رام باغ کے واقعہ کی خبر سنتے ہی پائین شہر کی راہ لی تاکہ وہاں حالات کو قابو میں رکھا جا سکے اور وہ لال چوک کے واقعہ سے حالات کے اعتدال پر آنے تک بالکل بے خبر تھے۔ جنرل سین کا یہ کہنا بھی مبالغہ آمیزی ہے کہ شیخ صاحب کی کوٹھی کے سامنے سے جلوس گذرا اور وہ غمزدہ ہوئے۔ جلوس شیخ صاحب کی کوٹھی کے سامنے سے نہیں بلکہ لال چوک تک ہی محدود رہا اور وہیں منتشر ہوا۔

پریشاں ہے ہر اک شاخ سمن زنجیر سنبل ہے
چمن والو! چمن میں انقلاب ایسے بھی ہوتے ہیں

بارہ مولہ کا انخلاء

نومبر کی آٹھ تاریخ کو میجر جنرل کلونت سنگھ کی سرکردگی میں ہندوستانی افواج نے بارہ مولہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ خاک و خون میں ڈوبے ہوئے اس خوبصورت قصبے کی تباہ حالی اور عبرت انگیز داستان اس کے ذرے ذرے سے عیاں تھی۔ قبائلیوں نے مسلم اور غیر مسلموں دونوں کو اپنے قہر و جبر کا نشانہ بنایا اور انہیں اپنے نامعقول اور غیر شائستہ رویہ سے پامال کیا۔

بارہ مولہ ہندوستانی فوج کے کنٹرول میں آنے پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ قبائلیوں کے ظلم و ستم اور غارت گری کا سب سے زیادہ نشانہ سکھ بنے ہیں۔ وہ انہیں "بال والا کافر" کہہ کر چن چن کر قتل کرتے رہے۔ سکھوں کو بے دردی سے تہہ تیغ کرنے کے جذبہ میں قبائلیوں کی وہ پشتینی عداوت کارفرما تھی جو ۱۸۶۲ء میں لارڈ ایلن گو [illegible]

ہندے دور میں پہلی افغان جنگ سے [illegible]
جب اُس نے افغانستان اور قبائلی علاقہ کو زیر کرنے کے لئے ہندوستانیوں پر مشتمل فوج تیار کی جس میں ماسوائے سکھوں کے ہندوستانی اقوام میں کسی بھی قوم نے انگریزوں کا ساتھ نہ دیا تھا۔ اس حملے میں سولہ ہزار افراد پر مشتمل فوج میں کچھ سکھ اور صرف ایک انگریز ڈاکٹر برائیڈن زندہ بچ کر ہندوستان واپس لوٹ سکا تھا۔

۔۔ نومبر کو نیشنل کانفرنس لیڈروں اور رضا کاروں کا ایک قافلہ ۲۵ گاڑیوں پر مشتمل سری نگر سے بارہ مولہ کی جانب مولانا مسعودی، بخشی غلام محمد اور صوفی محمد اکبر کی قیادت میں چل پڑا۔ اس قافلے کے آگے پیچھے بکتر بند گاڑیاں اور مسلح فوج، کئی لاریوں پر سوار تھے۔ راستے میں جہاں کہیں کئی فوجی چوکیاں [illegible] قائم کی گئی تھیں، قافلہ وہاں ٹھہرتا اور کیفیت دریافت کرتا تھا۔ بارہ مولہ میں گورو دروازہ کے نزدیک انہوں نے جلسہ کیا جس میں میجر جنرل کلونت سنگھ، بریگیڈیر سین اور کرنل پریتم سنگھ جن کی فوجی صلاحیتوں اور حکمت عملی نے قبائلیوں کو بارہ مولہ چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ اہل جلسہ سے متعارف کرایا۔ بخشی غلام محمد نے اپنی تقریر میں حملے کا پس منظر بیان کرتے کئی مقامی آفیسروں اور لوگوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اس کے بعد یہ لوگ جامع مسجد گئے جس کے بیرونی احاطہ میں محمد مقبول شیروانی دفنایا گیا تھا۔ مولانا مسعودی نے فاتحہ پڑھی اور اُس کے مجاہدانہ کارناموں کا اعادہ کیا۔ ابھی مولانا اپنی تقریر جاری ہی رکھے ہوئے تھے کارکنان نیشنل کانفرنس نے وزیر وزارت چودھری فیض اللہ، عمرداد خان پولیس آفیسر جن پر یہ الزام عاید کیا گیا کہ وہ قبائلیوں کا انسپکٹر جنرل پولیس بنا تھا اور مرزا مہر علی کو گرفتار کر کے جلسہ گاہ میں پہنچایا جہاں سے انہیں سیدھا جیل بھیجا گیا۔

اس واقعہ پر تبادلہ خیال کرتے مولانا مسعودی نے مجھے بتایا کہ اس جلسے کے اگلے دن بریگیڈیر سین کے ساتھ بحیثیت چیف لیزان آفیسر کے میں اوڑی تک گیا۔ بارہ مولہ فتح

کرنے کے بعد اوڑی تک قبائلیوں کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ سڑک پر اُن کی قائم کردہ رکاوٹوں کو ہٹاتے ہوئے ہم اوڑی پہنچے۔ بریگیڈیر سین یہاں رک کے اوڑی سے سات میل پرے اسلام پور گاؤں میں، اُس نے آخری فوجی چوکی قائم کی۔ اگر اس وقت وہ چاہتے تو دو میل تک جا سکتے تھے۔ بعد ازاں اس پر بڑی لے دے ہوئی کہ فوج اس محاذ پر آگے کیوں نہیں بڑھی جس کا جواز یہ دیا گیا کہ ہند و پاک کے مشترکہ کمانڈر نے ہدایت دی تھی کہ ہندوستانی فوج اس محاذ پر اوڑی سے آگے نہ بڑھے۔ ہند افواج کے آگے نہ بڑھنے کے جواز میں یہ بھی کہا گیا۔ اسلام پور سے آگے ۱۹۴۷ء میں ہند فوج اس لئے نہیں گئی وہ اُن علاقوں کے جنگجو مسلمانوں کو اپنے قبضہ میں لینا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ ان کو اپنے قبضہ میں لینے کے بعد وہ انہیں اچھی طرح قابو میں نہیں [illegible] رکھ سکتے۔ [illegible] سے واپسی پر سری نگر میں مولانا مسعودی نے پچاس ایسے قوم پرست جوانوں کی خدمات حاصل کرنے کی اپیل کی جو اوڑی اور اس کے ملحقہ علاقوں میں پاکستانی جاسوسوں پر نظر گزر رکھنے کے علاوہ نیشنل کانفرنس کی تنظیم نو کے لئے کام کریں گے۔ مولانا کی اپیل پر صرف سات افراد مولانا عبدالسلام ہمدانی، کامریڈ غلام محمد بڈگامی، محمد اسماعیل بٹ، محمد جمال آخون، عبدالرحمان گنگکار، غلام محمد نجار اور محمد مقبول پیالہ اوڑی جانے کے لئے تیار ہوئے۔ مولانا عبدالسلام ہمدانی کچھ عرصہ بعد سری نگر واپس لوٹے۔ لیکن دوسرے افراد اس علاقے میں غلام قادر گاندربلی اور میر مقبول کو کافی عرصہ تک اطلاعات بہم پہنچاتے رہے۔

پاکستان کی نئی حکمت عملی

قبائلیوں کی بڑی تیزی سے واپس بھاگ جانے پر تبصرہ کرتے پاکستان کے سابق صدر جنرل سکندر مرزا اپنی خود نوشت داستان حیات میں جو روزنامہ جنگ لاہور میں قسط وار چھپتی رہی لکھا ہے :۔

قبائلی پوری تیز رفتاری سے بھاگ رہے تھے۔ میں نے فوری طور ایک کار میں چھلانگ لگائی اور پوری تیزی سے راولپنڈی پہنچا۔ رات کے دس بج چکے تھے سیدھا آزاد کشمیر دومیل کے مقام پر [illegible] سے ملا۔ ان میں ملا آف مانکی شریف اور بادشاہ گل [illegible] تھے۔ انہوں نے بلیک میل کرنے کی اپنی پرانی ترکیب استعمال کی اور واپس جم کر لڑنے کے لئے ۸۰ لاکھ روپے کا مطالبہ کیا۔ میں نے انہیں ایک طرف دھکیل کر قبائلیوں سے براہ راست بات کی۔

جنرل سکندر مرزا کی تحریر [illegible] بھی پاکستان کے حق میں کوئی خوشگوار تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ حکومت پاکستان نے حالات کی سنگینی کا اندازہ کر کے خورشید انور کو برطرف کیا اور پاکستانی افواج کی ایک خاصی تعداد کو بریگیڈیر شیر خان[۱] کے کمان میں ریاستی حدود میں داخل کیا۔ جس کا اعتراف پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان نے سلامتی کونسل کمیشن برائے ہند و پاک کے سامنے جولائی میں کیا۔ جنرل اکبر خان کو جنرل طارق[۲] کے نام سے ریاست میں موجود افواج کا چیف آف سٹاف مقرر کیا۔ جنرل طارق نے منتشر قبائلیوں اور بکھرے ہوئے سابق فوجیوں کو اکٹھا کر کے کئی نئے محاذ کھولے اور بے شمار پولیس کا مقابلہ [illegible] ان کی شخصیت

لہ :۔ بریگیڈیر شیر خان (بعد میں جنرل) صوبہ سرحد کوہاٹ کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۵۲ء میں ہوائی جہاز کے ایک حادثے میں جاں بحق ہوئے۔

ٹہ :۔ مارچ ۱۹۵۱ء میں جنرل ایوب کے دور حکومت میں اقتدار پر قبضہ کرنے کی سازش میں پکڑے گئے چونکہ بیگم شاہنواز کا داماد ہونے کے ناطے سخت سزا سے بچ گئے۔ چار سال قید ہوئی۔ مسٹر بھٹو نے انہیں برطانیہ میں پاکستان کا سفیر بنا کر بھیجا جہاں [illegible] میں انتقال کر گئے۔

ظاہر ہونے کے ذرائع سے بدستور پاکستانی افواج کی ریاست میں موجودگی کا شبہ یقین میں بدل گیا۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں انہیں جی۔ ایچ۔ کیو واپس بھیج دیا گیا۔ ان کی جگہ بریگیڈیر حبیب الرحمان کو چیف آف سٹاف بنا دیا گیا۔ جنرل محمد زمان کیانی[۱] جو اس تنظیم کے آرگنائزر و کمانڈر انچیف تھے کو وزیراعظم پاکستان نے ہدایت دی کہ تمام فوجوں کو متحد اور منظم کر کے آگے بڑھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے جموں، میرپور اور پونچھ کی جانب سے آئی۔ این۔ اے کے کمانڈر کرنل جمیل حسین، کرنل اشرف، کرنل راجہ ارشد، کرنل کمال، کرنل عنایت، برہان الدین، کیپٹن مظفر محمد، میجر اسلم، کیپٹن یوسف کی کمان میں کئی مختلف علاقوں میں کئی زوردار حملے کئے اور یہ سلسلہ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۸ء تک جاری رہا۔

لہ :۔ [illegible] جنرل موہن سنگھ کے بعد کمانڈر انچیف رہے ہیں۔ سبھاش چندر بوس کے [illegible] آزاد ہند فوج میں [illegible] دوسرے نمبر پر تھی۔ جاپان کے ہتھیار ڈالنے کے بعد آزاد ہند فوج [illegible] ان پر دہلی لال قلعہ میں مقدمہ بغاوت کی سماعت ہوئی جو کانگریس اور مسلم لیگ کے [illegible] مگر احتجاج اور شدید دباؤ نے انگریزوں کو انہیں دی گئی سزائیں منسوخ کرنے پر مجبور کر دیا۔ [illegible] آزاد ہند فوجی افسروں میں جنرل کیانی سرفہرست تھے۔ [illegible] اگست ۱۹۴۷ء میں جنرل کیانی پاکستان [illegible] ہم پہنچانے کی مہم چلا رہے تھے اسی دوران جموں سے بھی مہاجرین پاکستان پہنچنے شروع ہوئے۔ جنرل کیانی نے گورنر جنرل پاکستان کے سامنے تجویز رکھی کہ [illegible] آئی۔ این۔ اے کے تجربہ کار افسر اور جوان دستیاب [illegible] ستمبر ۱۹۴۷ء کو وزیراعظم پاکستان سے ملے۔ وزیر خزانہ غلام محمد اور چوہدری محمد علی کی موجودگی میں وزیراعظم پاکستان سے گورنر ہاؤس لاہور میں ملاقات کی اور انہیں اپنا منصوبہ پیش کیا۔

من تو شدم تو من شدی

شہری انتظامیہ کے نام پر میر مقبول گیلانی[1] کو اوڑی کا ایڈمنسٹریٹر مقرر کرکے مولانا مسعودی کے ماتحت کام کرنے کی ہدایت دی گئی۔ ۱۲ نومبر کو وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو، مسز اندرا گاندھی اور رفیع احمد قدوائی نے شیخ محمد عبداللہ کی معیت میں بارہ مولہ کا دورہ کیا۔ واپسی پر پنڈت جواہر لال نہرو نے لال چوک سری نگر میں ایک عوامی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے اس امر کا اعلان کیا۔ جونہی ریاست جموں و کشمیر میں حالات پُرامن ہوں گے اور حملہ آوروں کا مکمل انخلاء ہوگا۔ ریاست جموں و کشمیر کے لوگوں سے استصواب رائے کے ذریعہ الحاق کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔ اس عمل میں اگر ریاست کے باشندوں نے ہند کے خلاف اپنا فیصلہ صادر کیا اُس صورت میں بھی ہندوستان اُن کی خواہش کا احترام کرے گا۔ اس تاریخی جلسے میں پنڈت جواہر لال نہرو کی اس دلیرانہ اور حقیقت افروز تقریر سے متاثر ہوکر شیخ محمد عبداللہ نے پنڈت جی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر امیر خسرو کا یہ فارسی شعر پڑھا؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

---

[1] ایڈمنسٹریٹر بننے کے بعد میر مقبول گیلانی نے اپنی راہ میں جن لوگوں کو حائل کی صورت سد راہ پایا انہیں پاکستان کا ہمدرد اور قبائلیوں کا ساتھی کہہ کر گرفتار کرنے میں عجلت سے کام لیا۔ ان میں سلطان ... ف کھشانی کا دل محمد خان، عبدالعزیز خان، ساجد حسین خان ملا قدوس آف اوڑی، راجہ یوسف خان، منشی عبدالعزیز آف اوڑی۔ صمد بٹ ... قابل ذکر ہیں۔ ان گرفتاریوں اور تشدد کی کاروائیوں میں ایک ہیڈ کانسٹیبل نے جس کو حال ہی میں اسسٹنٹ سب انسپکٹر کے عہدے

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۱ پر)

یہ وہ دور تھا جب شیخ صاحب دہلی میں سیکولر گارڈ (دیوتا) کی نظر سے دیکھے جاتے تھے چنانچہ ۱۹۴۸ء میں کئی مرتبہ تین مورتی ہاؤس میں مرکزی حکومت کے کارندوں کی جماعت اور سیاسی دیوؤں نے اُن کی آرتی اتاری اور پرشاد تقسیم کیا۔ دہلی کے سیاست دانوں کے اس مسکہ کو کشمیر کے باشعور سیاسی حلقے خفیہ مجلسوں میں دبی زبان میں "انکورجمنٹ آف سیکولر گارڈ" کہا کرتے تھے۔ کشمیری پنڈت زمانہ قدیم سے بڑے موقع شناس واقع ہوئے ہیں۔ حالات کے تیور دیکھ کر اُن کے رہنماؤں نے شیتل ناتھ اور کئی دوسرے مقامات پر شیخ عبداللہ کو اوتار کہہ کر اُن کی تعریف و توصیف شروع کی مگر جب ۱۹۵۳ء میں انہیں وزارت عظمیٰ سے برطرف کر کے قید کیا گیا۔ انہیں راکھشس کہنے سے بھی نہیں چوکے۔ اس قسم کی پینترہ بازی میں شیو نارائن فوطیدار نے ابن الوقتی کے سابقہ تمام ریکارڈ مات کئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۰ سے آگے) پر ترقی دے کر پہلے گاندربل اور بعد میں اوڑی بھیجا گیا تھا نے مقبول گیلانی کا بھرپور ساتھ دیا۔ بعد ازاں جب شیخ محمد عبداللہ نے اپنے سیاسی حریفوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے سپیشل سٹاف کی ضرورت محسوس کی تو گیلانی کی سفارش پر اسی اسسٹنٹ سب انسپکٹر کو ترقی دے کر سپیشل سٹاف کا انچارج مقرر کیا۔ اور یہی شخص قادر گاندربلی کے نام سے کشمیر کا ہلاکو خان بن گیا۔ قادر گاندربلی کا ظالمانہ اور غنڈہ شاہی دور کم و بیش خواجہ غلام محمد صادق کے ابتدائی دور وزارت تک رہا۔ اس شخص نے بلا کسی امتیاز کے ہر اُس شہری کی تضحیک و تذلیل کی جس کے بارے میں اُس کے ذہن میں یہ شک اُبھرا۔ حق و انصاف کا تصور اُس کے ہاں مفقود تھا۔ یہ جسے چاہتا پاکستان کے نام پر اپنے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بناتا تھا۔ اس کے نرغے میں پھنسے ہوئے نا کردہ گناہوں پر ہزاروں لوگوں کو جو اذیتیں دی گئیں ان میں سپیشل سٹاف کے ٹیبل پر لٹا کر اُن کے سینوں پر گرم استریاں پھیرنا شامل تھا۔ اس طرز ستم کا شان نزول یہ بتایا جانے لگا۔ اس طرح سے اُن کے سینوں میں جذبۂ حب پاکستان کی شکن اور سلوٹیں سیدھی

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۲ پر)

امان اللہ خان

دسمبر ۱۹۴۷ء میں قبائلیوں سے خالی شدہ علاقوں میں ہندوستانی فوج اور مقامی لوگوں میں رابطہ پیدا ہو گئے۔ اطلاعات بہم پہنچانے اور لوگوں کو قبائلیوں کے خلاف منظم کرنے کے لئے بریگیڈیئر ہربخش سنگھ کے ساتھ درگا پرشاد در، نور محمد اور نذیر احمد مسعودی ایک شام ہندوارہ پہنچے۔ سوپور سے ان کے ساتھ ہندوستانی فوج کی کئی کمپنیاں بھی گئیں۔ یہ لوگ ہندوارہ میں غلام محمد صوفی کے ہاں اقامت پذیر ہوئے۔ جہاں ان سے خواجہ غلام نبی وانی جو زبردست قسم کے نیشنل کانفرنسی تھے ملنے آئے اور کہا کہ پورے علاقے میں امان اللہ خان کی آمد کے چرچے سنائی دے رہے ہیں۔

امان اللہ خان ذی ہامہ[ل] کے باسی تھے اور آزاد ہند فوج میں کپتان رہ چکے تھے۔ تقسیم ملک سے قبل ہی برطانوی قید سے رہا ہو کر وطن واپس لوٹے تھے۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو اوڑی کی جانب سے حملہ ہونے پر امان اللہ خان نے اپنے علاقے میں امن فورس قائم کرنے کی کوشش کی لیکن مقامی لوگوں کے ایک گروپ "پائیروں" نے علاقہ کپواڑہ میں پاکستان کے نام پر مقامی ہندوؤں کو مسلمان بنانا شروع کیا اور کئی مندر نذر آتش کئے۔ اسی گروپ نے کپواڑہ تھانے کو لوٹا اور سپاہیوں سے بندوقیں چھین لیں اس پر امان اللہ خان اور ان میں ان بن ہوئی۔ امان اللہ خان نے نہ صرف ان سے چھینی ہوئی بندوقیں حاصل کیں بلکہ ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے عمل۔ مندروں کو جلانے اور لوٹ مار میں کوئی دلچسپی نہیں دکھائی۔ جب اوڑی کے راستے قبائل واپس چلے گئے۔ ایمرجنسی حکومت قائم ہوئی۔ صوفی محمد اکبر ضلع بارہمولہ کے ایمرجنسی آفیسر مقرر ہوئے تو صوفی صاحب نے وزیر وزارت رگھوناتھ متو سے بے شمار سادہ وارنٹ فارموں پر اُن کے دستخط لے کر اپنے پاس محفوظ کئے اس طرح ہر وہ شخص جو صوفی صاحب کی نگاہ میں ناپسندیدہ تھا انہی دستخط شدہ وارنٹ فارموں[ل] پر گرفتار ہونے لگا۔ چنانچہ پاکستان کے قائل دیگر افراد امداد پائیرہ رحمان پاریہ مختار لون اور صادق بٹ کی گرفتاری

بقیہ حاشیہ صفحہ سے آگے: کرنی اس کے فرائض میں شامل تھا یہ بترتیب لگ، اُن کی بجائے پہ سے گم کر راہ فرار اختیار کرتے تھے اور یہ سب کچھ حکومت کی منشا خواہش اور علم و یقین کے تحت ہوا کرتا تھا۔ حیرت ہے کہ اس کے ان ذلیل کارناموں اور سفاکانہ طرز عمل پر نہ صرف اُسے آئی جی پولیس کے عہدے پر پہنچایا گیا بلکہ صدر جمہوریہ ہند کا پولیس میڈل دے کر اہل ریاست کے سامنے ہندوستان کی جمہوریت کو سیاہ چہرے میں پیش کیا گیا۔ اس شخص نے عوامی جمہوریت کے نام پر جس سفاکی اور بے دردی سے اہل کشمیر کو روندا وہ کشمیر کی تاریخ میں ہمیشہ شرمناک الفاظ میں مرقوم رہیگا اور کشمیر میں ہندوستان کے مفادات کو جس قدر اس ظالمانہ طرز عمل سے نقصان پہنچا ہے اُس کی تلافی صدیوں تک ہونی ممکن نہیں۔

لہ: ذی ہامہ۔ دراصل ایک پہاڑی نالے کا نام ہے جس جگہ کا نام منی گاہ ہے۔ لیکن لوگ اسے ذی ہامہ ہی کہنا پسند کرتے ہیں۔ امان اللہ خان ۱۹۸۸ء میں وادی نیلم آزاد کشمیر میں پہاڑی پگڈنڈی سے پھسل کر جان بحق ہوئے۔

لہ: صوفی محمد اکبر کے ان گرفتاریوں کی رفتار حیرت انگیز تھی ان دنوں صوفی صاحب کی گذرگاہ سے دائیں بائیں چلنے والے ہر راہگیر پر لازم تھا جھک کر سلام کرنا جان کی امان تصور کیا جاتا تھا۔ اور اس فرض سے غفلت برتنے والے کو اس کا فوری ثمر ملتا تھا۔ ان کے بارے میں یہ واقعہ کافی مشہور ہے کہ ایک بار آپ کسی سڑک سے گذر رہے تھے تو آپ کے کسی سیاسی رقیب (مخالف) نے جان بوجھ کر آداب بجا نہ لایا۔ صوفی صاحب کافی خفا ہوئے اور اس خفگی کا انتقام لینے کے لئے علاقے کے تھانیدار سے جو اُن کے ساتھ ہی رہا کرتا تھا کہا کہ وارنٹ گرفتاری پر رنبیر پینل کوڈ کا سب سے سنگین دفعہ لکھو۔ تھانیدار نے اُن کے تیور اور تاؤ کا اندازہ لگا کر دفعہ ۳۰۲ لکھا اور ملزم

(باقی حاشیہ ص۲۹۵ پر)

صوفی اکبر کے حکم سے عمل میں لائی گئی۔ انہیں کپواڑہ کے ایک بڑے جلسہ میں لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس جلسہ میں وہ ہندو بھی پیش کئے گئے جنہیں جبراً مسلمان بنایا گیا تھا۔ انہیں دوبارہ ہندو بنایا گیا۔ چونکہ امان اللہ خان، صوفی محمد اکبر کو خاطر میں نہیں لا رہا تھا اسلئے صوفی محمد اکبر نے انہیں زندہ یا مُردہ پکڑنے کے احکام صادر فرمائے جس کی وجہ سے وہ پاکستان چلے گئے۔

اس رات بھی امان اللہ خان آزاد کشمیر سے آزاد فوج کے کوئی چھ سات سو دستہ لے کر براستہ کیرن، فرکیان گلی، شلورہ، ترہ گام کی طرف سے آیا تھا۔ اس تمام علاقے میں برف جمی ہوئی تھی اور اس رات بھی ہلکی سی برف باری ہو رہی تھی۔ امان اللہ خان نے اس کا فائدہ اٹھاتے ہندوارہ کا دوبارہ گھیراؤ کیا جس سے سارے علاقے میں سراسیمگی اور کھلبلی مچی۔ تفنگوں کی آواز سے گونج اٹھی۔ مقامی ذرائع سے نور محمد، ڈی پی در اور نذیر احمد مسعودی کو معلوم ہوا کہ ہندوستانی فوج جن کے ساتھ [illegible] تھے پیچھے ہٹ کر دماہیر کی پہاڑی پر مورچہ سنبھال بیٹھی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۵ سے آگے) پر کر کے آگے بڑھایا۔ صوفی صاحب نے قادم کا بغور [illegible] کیا اور پوری قوت سے تھانیدار کے گال پر طمانچہ مارتے کہا او بے وقوف کیا تمہاری گنتی صرف ۳۰۳ تک ہی محدود ہے کوئی ہزار دس ہزار والا ڈنڈ کیوں مارتا۔ یاد رہے کہ رائفل ۳۰۳ تانگوں کے لئے مخصوص ہے اس دور میں صوفی صاحب اپنی شعلہ باری کی وجہ سے "شیر [illegible]" [illegible] کا [illegible] کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ غرض ان ہی لوگوں [illegible] کی جگہ کشمیریوں کے رتبہ اور تشخص کو اس قدر [illegible] پہنچایا [illegible] کا [illegible]۔
[illegible] امان اللہ خان کا مقامی لوگوں [illegible] [illegible]
[illegible]
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۶ پر)

ڈی پی در عُرف افضل خان

خطرے کے ان نازک ترین لمحات میں درگا پرشاد در اپنے آپ پر قابو نہ پا سکے یہ خبر سنتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے ان کے دونوں ساتھیوں نے انہیں بہت سمجھایا کہ صبر و تحمل سے کام لیجئے لیکن وہ نہ صرف انہیں بلکہ مالک مکان کو بھی تعصبانہ نظر سے دیکھنے لگے۔ حواس باختگی اور خوف و ہراس کے اس عالم میں ذرا سنبھل کر میجر حبیب نگو کی بخشی ہوئی شراب کی بوتل اکیلے ہی گھونٹ گھونٹ کر پی گئے۔ لیکن ان پر طاری خوف و دہشت میں کوئی فرق نہ آیا۔ اس پر طرہ یہ کہ تیز بخار نے ان کی حالت اور بگاڑ دی۔ مسٹر در کو شراب، بزدلی اور بخار کے ملے جلے عمل نے بڑبڑانے پر مجبور کیا۔ ان کی حالت ان کے ساتھیوں اور مالک مکان کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ انہوں نے جھڑک کر سرزنش کی۔ اس پر درگا پرشاد در نے اپنے دوستوں سے کہا ـــ "مجھے میرے مقدر پر چھوڑ دو کیونکہ میں اپنے انجام کو پہنچا ہوں۔" اور پھر اُن کے سامنے اپنی والدہ کے نام وصیت کی۔ کچھ دیر بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں کو اس خوف کا احساس دلایا کہیں مالک مکان ہی میرے لئے مصیبت کا باعث نہ بنیں۔ اس اندیشہ اور وسوسہ کو مٹانے کے لئے انہوں نے اپنی رابطیں وہیں چھوڑ دیں۔ ان کا نام بدل کر افضل خان رکھا۔ پیچھے سے انہیں اپنے کندھوں پر ایک زندہ لاش کی صورت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۴ سے آگے) شروع کیا۔ بجائے [illegible] پشت ماد [illegible] کے ۱۲ افراد [illegible] کو گولی کا نشانہ بنایا گیا جس کی بنا پر مقامی مسلمان آبادی [illegible] ہوئی اور اس بات پر احتجاج کیا کہ جب اس [illegible] ہم لوگوں نے پناہ دی تھی انہیں قتل کیوں کیا گیا۔ امان اللہ خان نے اس واقعہ کا سخت نوٹس لیا اور حکم دیا جہاں جہاں ہندو موجود ہیں وہاں امن کمیٹیاں ترتیب دے کر انہیں
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۶ پر)



جناب میر عبدالعزیز



جناب عبدالقیوم خان



جناب منشی معراج الدین



جناب میاں احمد یار خان



جناب منشی عبدالستار



جنرل زوراور سنگھ



شری درگا پرشاد دھر



شری بلدیو سنگھ پٹھانیہ

ہیں دوسے میں لپیٹ کر پاس کے ایک کھیت میں پناہ لی (یہ دوسہ اور ایک تمباکو
پینے کی پائپ بخشی غلام محمد نے انہیں بطورِ تحفہ ہندوارہ جاتے وقت ریحیبا ہوٹل میں
دیا تھا) گرد و نواح کا جائزہ لینے کے بعد انہوں نے ذیلدار باٹو کے دروازے پر
دستک دی اور اُن سے محفوظ راہ بتانے کی استدعا کی۔ اُن کے لڑکے نے انہیں درّس
پورہ جنگل کی جانب نکل جانے کو کہا۔ جہاں سے آگے ایک ٹیلے کو عبور کرکے یہ آہستہ
آہستہ مادر موضع مارٹ گام پہنچے۔ یہاں ایک اور مکان پر یہ کہہ کر دستک دی کہ ہمارا
ایک ساتھی افضل خان بیمار ہوا ہے ہمیں پناہ دی جائے۔ ہم سرکاری ملازم ہیں۔ حق
تو یہ ہے کہ ڈی پی در افضل خان کہلانے کا مستحق نہیں تھا۔ بہرکیف انہوں نے بیمار
پر رحم کھا کر آگ سلگائی۔ پناہ کے ساتھ ساتھ خاطر تواضع اور تیمارداری کے فرائض
بھی انجام دیے۔ نور محمد نے آگ کے سامنے بیٹھ کر اپنا جوتا کھولا۔ سردی سے اُن کے پاؤں
میں کورہ FROSTBITE لگا تھا ایک جھٹکے سے موزہ اتارنے کے باعث پاؤں کی چمڑی
بھی اُتر گئی۔ ابھی گھنٹہ بھر بھی یہ دم لینے نہ پائے تھے فائرنگ کی آواز سنائی دی انہیں
یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں پکڑے نہ جائیں۔ گھر والوں کو یہ کہہ کر دس روپے دے کہ
نور محمد کو اگلے دن وتری گام خواجہ ملا خضر کے مکان پر پہنچائیں۔ ڈی۔ پی۔ در کو نذیر
احمد سعودی نے سہارا دیتے ہوئے سوپور کی راہ لی۔ صبح سویرے یہ لوگ انزشاٹھ
ANZISH پہنچے۔ اس جگہ کے مدِ مقابل نالہ پہورہ کے بائیں کنارے پر ڈوائیں
کی پہاڑی ہے جس پر ہندوستانی فوج نے مورچہ قائم کیا تھا۔ یہاں بھی کسی بزرگ
نے جو مسجد کی طرف جا رہا تھا بیمار افضل خان پر ترس کھا کر گھر میں بیٹھنے کو جگہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۲ سے آگے ہم مکمل کھلا دیا جائے ان کے جان و مال کی پوری حفاظت کی جائے۔ اس
کے بعد وہاں کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں ہوا۔ امان اللہ خان نے اپنے والد سیف اللہ خان کو جو
علاقہ کا رئیس تھا شہر واڑہ کا تحصیلدار مقرر کیا۔

دی اور نمکین چائے پلائی۔ اس طرح کچھ دیر آرام کرنے کے بعد یہ لوگ کشتی کے ذریعہ
نالہ پار کرکے فوجی کیمپ میں پہنچے۔ جہاں سے انہیں بارہمولہ پہنچایا گیا۔ آغا مظفر جو
ان دنوں وہاں اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے کہ بیان رہے ان دونوں کے
پاؤں میں بھی کورہ FROSTBITE ہوگیا تھا۔ نور محمد کو دیہاتیوں نے خواجہ ملا خضر
کے مکان پر نہیں پہنچایا بلکہ رات کے پچھلے پہر بھاگ کر براستہ سوپور سری نگر آگئے۔
خیر سگالی کی اس تمام مہم اور رابطہ تعلقات عامہ کو تقویت دینے والے مشن کے سربراہ
درگا پرشاد در[1] نے اس ایڈونچر میں بزدلی کی وہ تمام روایتیں برقرار رکھیں اور
رسمیں پوری کیں جن کی اُن سے امید تھی۔

---

[1]: ڈی۔ پی۔ در کے بارے میں اُن کے معاصر سیاستدانوں کا کہنا ہے کہ وہ کوئٹ انڈیا تحریک
کے دنوں سے ہی سرکاری ہوم منسٹری کے انٹیلی جنس ونگ سے وابستہ تھے۔ چنانچہ جب ہندوستانی فوج
۱۹۴۷ء میں پہلی بار سرینگر پہنچی تو اُس کے سینئر آفیسر کشمیری پنڈت لیڈروں جانکی ناتھ زتشی، پنڈت شیام
لال صراف، کشپ بندھو، شیام لال کول المعروف واتھو اور دوسرے کشمیری پنڈت لیڈروں اومکار
ناتھ در، سومیشور کول، پران ناتھ جلالی، پیارے لال کول، آر سی رینہ، موتی لال مصری، منوہر
ناتھ کول اور شمبھو ناتھ رینہ پر ڈی پی در کو ترجیح دیتے تھے۔ ڈاکٹر کرن سنگھ نے اپنی تصنیف
دل و جنت میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ڈی پی در کو اطلاعات فراہم کرنے میں اُن کا ایک معتمد ملازم تھا۔ ملک
در صاحب کے دل میں اُن کے اعتقاد کو دخل تھا جو احکامات [illegible]
تھا شاید درگا پرشاد در کو بذاتِ خود یہ اندازہ نہیں تھا کہ اُن کے اس [illegible]
تھے کتنا نقصان پہنچے گا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ ریاست کے سیکولر نظم کو بکھیرنے میں اُن
کے اس عمل کو بہت زیادہ دخل تھا۔ بحیثیت مجموعی اُن کے اس عمل سے نہ صرف ریاست کو
بلکہ تمام ملک کو نقصان اٹھانا پڑا۔ جس کا تذکرہ انشاءاللہ اس کتاب کے چوتھے حصے میں آئے گا۔

بارہ مولہ میں انڈین آرمی کا ہیڈ کوارٹر قائم ہو چکا تھا۔ شلورہ کی جنگ میں پسپائی کے بعد امان اللہ خان کی لشکر نے پیچھے ہٹ کر دردگول، باگام، جندواڑہ، زجلدارہ اور واڈورہ میں مورچے قائم کئے۔ سیف اللہ خان اپنے بچوں کے ساتھ پاکستان چلا گیا۔ نولہامہ میں امان اللہ خان کا مکان نذر آتش کیا گیا۔ ان کی بیوی اور والدہ گرفتار ہو کر سوادر کے صوفی محمد اکبر کی زیر نگرانی و سپردگی میں رکھی گئیں، جہاں خلاف توقع اُن کے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہیں کیا گیا۔

انڈین آرمی کے ساتھ نذیر احمد مسعودی کے علاوہ خواجہ ثناء اللہ زلیدار، غلام قادر ساکن چوگل، عزیز خان ساکن ترچھو نے بھی کام کیا ہے۔ محمد سلطان تاخر ساکن نمبر سلی بطور گائیڈ، اور غلام حسن خان عرف تپ گجی سیدان چوگل ضلع کپواڑہ جو پشتو جانتا تھا، آزاد کشمیر کے نوجوانوں کے بیانات کے لئے ہندو فوج کے ساتھ کام کرتے تھے۔

باگام سیکٹر میں عزیز خان نے اطلاعات فراہم کرنے کے لئے اپنے بھائی اور ایک...

لہ: لشکر کے پیچھے ہٹنے کی پاداش میں صوفی محمد اکبر کی نگرانی میں فوج اور علاقے کے لوگوں کو شکر کے سوار علاقہ کو تہ تیغ کر دھمکا دیا جس سے پیر محمد مقبول ملنگامی، شفقت محمد کے علاوہ ایک درجن کے قریب افراد زخمی ہوئے جن کو علاج معالجے کے لئے سرینگر لایا گیا۔

لہ: ایک معزز شخص کا فرض کی روایت اور رغبت الوطنی کے ناطے فوج کے ساتھ کام کر رہے تھے انہیں کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا تھا۔ حالات معمول پر آنے کے بعد ان کی خدمات کو نہ صرف یکسر نظر انداز کیا گیا بلکہ انہیں بُرے دھکیلنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں رکھا گیا۔ اس عمل نے لوگوں کو اس نظریئے اور اعتقاد سے دور کیا جس کی بناء پر ۱۹۴۷ء میں یہ لوگ سینہ سپر ہو کر میدان عمل میں کود پڑے تھے۔ ان میں سے بیشتر اپنے سابقہ کارناموں پر فخر کرنے کے بجائے ندامت اور شرمندگی کا اظہار کرتے ہیں۔

سامنے کر دیا لشکر والوں نے ان دونوں کو گولی مار کر راستے میں پھینک دیا۔ یہ علاقہ لوگوں کو لاشیں اٹھانے اور دفنانے کی اجازت نہیں دی۔ ۲ جنوری ۱۹۴۸ء کو ہندوستانی فوج نے بریگیڈیر پریم بخش سنگھ کی قیادت میں دردگول پر قبضہ کیا جس کے باعث قبائلی اور امان اللہ کی لشکر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئی۔ انڈین آرمی کی جنرل پانڈے نے دونوں [illegible] اس طرح وہ سابقہ جنوبی حملے سے متاثر ہوتے گئے [illegible] دوبارہ بحال [illegible] قائم کرنے کے لئے [illegible]

بخشی غلام محمد نائب

سری نگر پر قریب قریب قبائلی حملے کا خطرہ ٹل چکا تھا۔ اس لئے حکومت نے صوبہ جموں کے بدترین بگڑتے ہوئے حالات پر جو تیزی سے تباہ ہو رہے تھے، اور دو وقت کا مظلوم رعایا کی خبر گیری اور تحفظ کے لئے عملی اقدام شروع کئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں نائب ناظم اعلیٰ بخشی غلام محمد کی سرکردگی میں ایس بریگیڈ کا ایک دستہ جموں پہنچ چکا تھا۔ جموں جب فرقہ وارانہ فسادات اور مذہبی تعصب کی بنا پر اپنے شباب پر تھا، پورے صوبے میں راجپوت ڈوگرہ فوج کی مدد سے کنٹرول اور انتظامیہ پر آ رہے تھے۔ ان کی دسترس نے حالات کو بگاڑنے میں اضافہ کیا۔ بخشی غلام محمد کی دوربین نگاہیں اس بنیادی تبدیلی کو بھانپ گئیں۔ انہوں نے ہمت اور جرأت سے نڈر قدم اٹھایا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ پورے صوبے میں ڈوگرہ فوجیوں کو ہٹا کر ہندوستانی مسلح افواج اور پولیس بریگیڈ کے رضاکاروں کو شہر کے اہم ناکوں پر تعینات کیا۔ اس سے بگڑتے ہوئے حالات کو سدھارنے میں کافی مدد ملی۔ اگرچہ ہوتے ہوئے بہت لوگوں کو دوبارہ لے جانے اغواء شدہ لڑکیوں اور خواتین کو برآمد کرنے کے لئے کئی ویلفیئر سینٹر قائم کئے گئے جنہوں نے بڑی خوش اسلوبی سے ایک مختصر عرصے میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان لڑکیاں برآمد کیں۔ جنہیں ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں تک اور پاکستان پہنچ چکے تھے، بھیجنے کے لئے خصوصی اور فوری

انتظامات کئے گئے۔ ان اغوا شدہ خواتین میں کئی ایک کو نیشنل کانفرنس رنگین مزاج رضاکاروں نے اپنے ساتھ بیاہ کرنے پر رضامند کر لیا۔

روشن مینار

صوبہ جموں کی روداد پر فسادات کو فرقہ پرستوں کے پاگل پن نے جنون کی حد تک خونی آتش زم بنا دیا تھا۔ مگر باوجود اس کے یہاں ایسے بھی غیر مسلم تھے جو اس تیرہ و تار فضا میں مینارِ روشنی کی طرح انسانی فرائض اور ہمدردیوں سے بے نیاز نہ رہے۔ اس ضمن میں رائے پور گاؤں کے گرز بخش کو روشن داس سنگھ کا نام ہمیشہ فخریہ سرِ فہرست لکھا جائے گا۔ جنہوں نے ایک سو مسلم خواتین کو جن میں بچیاں اور نوجوان لڑکیاں شامل تھیں اپنی حفاظت میں لے کر اُن کی عزت اور زندگی بچالی۔ اسی طرح ٹھاکر گوبند سنگھ ... سابق نائب وزیر اطلاعات کے والد نے اپنے گاؤں گھاؤ تحصیل ... میں اَن گنت بکروالوں کو تحفظ دیا بلکہ ہندو اور سکھ فرقہ پرستوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اور جونہی بخشی غلام محمد کی شب و روز محنت سے سول انتظامیہ بحال ہوا تو انہوں نے ان بے بسوں کو اُن کے حوالے کیا۔

بخشی غلام محمد نے جموں پہنچتے ہی گردھاری لال آنند کو جموں پولیس کا انچارج مقرر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ گردھاری لال آنند محکمہ پولیس میں حکومت کی نمائندگی کریں گے۔ ان کی سرگرمیاں حکومت کی پالیسی تصور کی جائے گی۔ اس حکم نامے سے بخوبی اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے کہ جموں میں ریاستی حکومت اور انتظامیہ کے سربراہوں کے درمیان کوئی رابطہ باقی نہ رہا تھا۔ بہرکیف مسٹر آنند نے جہاں محکمہ پولیس میں اعلیٰ حکام کو اُن کے فرائض کے لئے جھنجھوڑا وہاں صرف دو ہفتوں کے اندر اندر صرف تین سو اغوا شدہ مسلم خواتین کو غنڈوں سے آزاد کر کے ویلفیئر سنٹر

میں پہنچایا بلکہ سوا لاکھ روپے کی مالیت کا لوٹا ہوا مال بھی برآمد کر کے ... تھانہ جموں میں جمع کرایا۔

نیشنل سٹوڈنٹس یونین

اس کے ساتھ ہی پروفیسر ترلوکی ناتھ شرما کی قیادت میں نوجوانوں کا ایک محدود گروہ نیشنل سٹوڈنٹس یونین کے نام سے عالم وجود میں آیا اور بخشی غلام محمد کے ساتھ مل جل کر کام کرنے لگا۔ ان میں وید بھسین، امرناتھ بھاردواج، وید پال دیپ، نیلامبر دیو شرما، من موہن گھجوریہ، بلراج پوری قابلِ ذکر ہیں۔ ان لوگوں نے جہاں مصیبت زدہ مسلمانوں کو سہارا دیا وہاں تشدد پر اُترے ہوئے ہندوؤں کو یہ باور کرانے کی بھی کوشش کی کہ تمہاری اس حرکت سے ریاست میں مسلمانوں کا نام و نشان تو مٹ نہیں سکتا۔ البتہ اس سے تم ریاست کے ہندو اقلیتی علاقوں میں ہندوؤں کو قتل کرانے کی غیر ارادی طور پر سازش میں کلیدی رول ادا کرنے کے عمل میں شریک برداروں کا کام کر رہے ہو۔ حق تو یہ ہے کہ جموں کے اس پُر آشوب دور میں یہی وہ چند نوجوان ہیں جنہوں نے فرقہ پرستی سے بالاتر ہو کر قابلِ تحسین اور باوقار کردار کی عمل آوری شروع کی۔

شیڈول کاسٹ فیڈریشن

امرناتھ بھاردواج نے کالج کے ایام ہی میں شیڈول کاسٹ فیڈریشن قائم کی تھی۔ جس کے صدر ٹھاکر راج اتری اور سیکریٹری امرناتھ بھاردواج تھے۔ ان دونوں نے ہریجن منڈل جس کے سرکردہ رکن مہاشہ ناہر سنگھ، بھگت چھجو رام، بھگت رام آرین، چودھری رنگیلا رام تھے کے ساتھ مل کر اُجڑے ہوئے مسلمانوں



میر واعظ کشمیر مولانا محمد یوسف شاہ



جناب عبدالسلام دلال



بریگیڈیر حبیب الرحمان



چودھری حمید اللہ



شری من موہن کھجوریہ



شری امرناتھ بھاردواج



سانپ پر تحریر ہے 'پاکستانی جاسوس'



شری نیلامبر دیو شرما

کے ساتھ مل کر ایک نئی فضا قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان لوگوں نے بیس پچیس نوجوانوں کا ایک گروپ کلچرل فورم کے نام سے ترتیب دیا۔ جنہوں نے فساد زدہ علاقوں میں قومی گیت گائے اور قوم پرست ڈرامے دکھانے شروع کئے۔ ان لوگوں نے کٹھوعہ، ریاسی، اودھم پور، اکھنور، جسّا تو، رام نگر وغیرہ جگہوں پر قوم پرستی کے باب میں نمایاں فرائض انجام دیئے اور سرکردہ افراد سے میٹنگیں کر کے نئی ذمہ داریوں کے بارے میں تبادلہ خیالات کا ایک طویل رابطہ قائم رکھا جس سے وقتی طور پر خون ریزی بند ہوئی اور حالات پُرسکون ہو گئے۔ یہ اور بات ہے کہ بعد ازاں حالات کے بدلتے ہی صوبہ جموں میں ایسے لوگ بھی سامنے آئے جن کے گھروں میں شراب کی بھٹیاں قائم تھیں اور جو اخلاقی طور پر گرے ہوئے تھے جنہوں نے فرقہ پرستی کو آنچ دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں اٹھا رکھا تھا قوم پرستوں کی صف میں شامل ہو کر اقتدار کی دیوی کی طاقتوں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

شیخ محمد عبداللہ جموں میں

۱۰ نومبر کو شیخ محمد عبداللہ بھی جموں پہنچے اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد مجاہد منزل کے احاطہ میں ایک پبلک جلسے میں ہندو مسلم اتحاد کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ آپ نے اپنی طویل اور حقائق سے بھرپور تقریر میں ڈوگروں کو مخاطب ہو کر کہا۔ ہمارے ان جوانوں نے پاکستانی حملہ آوروں کا مقابلہ کر کے اپنی جانیں قربان کیں۔ مجھے "مہاراجہ بہادر کی جے" کے نعرے سے اختلاف نہیں ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس کی مہاراجگی جموں کے دو ضلعوں تک محدود ہو کر نہ رہے بلکہ وہ پوری ریاست کے بادشاہ کہلائیں۔ مگر آپ لوگوں نے اُسے محدود بنانے کے لئے مسلمانوں سے علاقے خالی کروائے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہاں کوئی مسلمان نہ رہے، کوئی

مسلمان باقی نہ چل سکے تو اس میں ہماری طرف سے آپ پر کوئی پابندی عائد نہیں ہے۔ جو ہندو یہ سمجھتے ہیں کہ جموں سے ہر گزرنے والے کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ دس بار جے راجہ جی کا کہے۔ اس کی چوٹی دیکھی جائے اور بطور امتحان رامائن کے اشلوک سنائے۔ میں اس ذہنیت کے کوتاہ اندیش لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ وہ ایک خطرناک کھیل کھیل رہے ہیں۔

شیخ محمد عبداللہ نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کے جبروت کے قتل عام اور راشٹریہ سیوک سنگھ کے کردار پر شدید نکتہ چینی کی۔ اس سلسلے میں اُن کی تقریر کا مندرجہ ذیل اقتباس قابل غور ہے۔

"پاکستان کے نام پر معصوم عوام کو لوٹنے والے لیڈر جو پہلے ہی آپ کے ہاتھوں سے نکل چکے تھے ان کے بجائے آپ نے شریف اور معصوم لوگوں، ماؤں کی گود سے بچے چھین لئے، گوجروں پر ہاتھ اٹھایا، ہزاروں کی تعداد میں انہیں بربریت کا نشانہ بنایا۔ کٹھوعہ اور اودھم پور سے صاف کیا۔ جنگلوں سے نکال کر مارا۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ بہت اچھا ہوا، مجھے کوئی گلہ نہیں۔ اب بھی اپنا کام جاری رکھیے۔ ہر بچے بچے مسلمانوں کی گردن کاٹیے۔ آپ کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں، شوق سے قتل کیجئے۔ لیکن یہ ان ہزاروں ہندوؤں کو بچانا کافی ہوگا جو ریاست کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ مہاراجہ بہادر کی جے پکارنے کا صحیح طریقہ نہیں ہے۔ میں ان مسلمانوں کو غدار اور دشمن سمجھتا ہوں۔ جو ریاست میں اسلامی راج کے خواہاں ہیں بالکل اسی طرح وہ ہندو والے ملک اور ریاست کا دشمن ہے جو کہتا ہے کہ یہاں ہندو راج ہوگا۔ اگر یہی ہوتا ہے تو آپ صاف گوئی سے کام لیں۔ میں یہاں کے بچے بچے مسلمانوں کو اپنے وطن لے جاؤں گا۔ آپ کو پورا حق ہے کہ اپنے وطن میں جس طرح چاہیں رہیں۔

اگر یہ مسلم نیشنل گارڈ کو ہندوستان کی آزادی، عزت و آبرو کیلئے خطرناک سمجھتے ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ [illegible] نہیں سکتی مگر راشٹریہ سیوک سنگھ بھی انتہائی خطرناک اور فاشسٹ جماعت ہے جب تک یہ جماعت یہاں ہے [illegible] فرقہ وارانہ جماعت کو ہندو ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹنے دوں گا۔"

کانوں سے بھی زیادہ [illegible]

شیخ محمد عبداللہ کی صاف گوئی اور [illegible] کا جواب ہے [illegible] سو بہ ہونگے [illegible] مگر [illegible] لیڈروں کی [illegible] مسلمانوں کو بھی [illegible] جس میں [illegible] کی [illegible] ہندوؤں کو [illegible] نیشنل کانفرنس کی [illegible] ہم [illegible] شیخ محمد عبداللہ [illegible] [illegible] کے [illegible] خیالات [illegible] ہمدردی کے [illegible] فرما رہے ہیں۔

لالہ گوپال داس [illegible] ہندو راج سبھا

جموں کے بیشتر مسلمانوں نے پاکستان کے ففتھ کالم کے طور پر کام کیا ہے۔ [illegible] سازش ہو رہی تھی جس کا وقت [illegible] گیا ورنہ [illegible] معلوم کیا ہوتا۔ اب ہمیں [illegible] سے [illegible] کا مقابلہ کرنا ہے [illegible] کا دل ہے جو کچھ یہاں ہوگا اس کا اثر تمام علاقے پر پڑے گا۔ تمام صوبے کی نظر جموں کی طرف ہے [illegible] کے بارے میں کیا پالیسی ہونی چاہئے اکثریت [illegible] ہے کہ مسلمان باہر نکالے جائیں۔ ریاستی [illegible] بھی یہی ہے۔ تو پھر ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ یہاں کے مسلمانوں کے ساتھ کیسے پیش آئیں۔

لالہ ہربنس لال بھگت ایڈووکیٹ

"اس وقت ایک دوسرے کے دل ٹوٹ چکے ہیں اور ہم ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے کے روادار نہیں ہیں۔"

پنڈت شنکر سنت رام بٹڑو

"شیخ محمد عبداللہ نے صاف بیانات سے کام لیا ہے اب صلح و صفائی کی باتیں ہونی چاہئیں۔ جو پالیسی کشمیر میں کارفرما ہے جہاں پر کشمیری مسلمانوں نے ہندوؤں کی حفاظت کو عملی طور پر کارگر ثابت کر دکھایا ہے اب جموں کے ہندوؤں کو بھی عمل کرنا چاہئے اور مسلمانوں کو جن پر سختی کی گئی ہے حفاظت کا یقین دلانا چاہئے جن مسلمانوں کو اس ملک کے ساتھ ہمدردی ہے ان کو بھی اپنا ہم خیال بنانا چاہئے۔"

پروفیسر ہنس راج

"اگر مسلمان پاکستانی خیالات دل سے نکال دیں تو ان کو یہاں رکھا جا سکتا ہے اور [illegible] کشمیر کے اندر بھی امن ہو جانا چاہئے صرف [illegible] کا نفرنس ہندوؤں کے لئے نہیں بلکہ دوسرے ہمدردوں کے لئے بھی۔"

سردار دھنپت رائے ایڈووکیٹ صدر [illegible]

"اس وقت پاکستانی حملہ آوروں کی وجہ سے جنگ کے حالات پیدا ہو گئے ہیں اس لئے ان کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے اندرونی امن نہایت ضروری ہے شیخ محمد عبداللہ کے ترقی پسند خیالات کو زیر غور لاتے ہوئے ریاست میں امن کے قیام کے لئے

انتہائی کوشش کرنی چاہیئے جو مسلمان ریاست اور مہاراجہ بہادر کے ساتھ اپنی وفاداری کا اظہار کریں، وہی ہمارے ساتھ بحیثیت شہری مساوی حیثیت سے رہ سکتے ہیں ورنہ ان کو صحیح و سلامت پاکستان بھیجا جائے۔"

راؤ بہادر ٹھاکر کرتار سنگھ

"جو ہونا تھا ہو چکا، آگے کے لئے وہ "مسلمان" ہمارے ہیں، اور ہم اُن کے۔ اب مسلمانوں کو جا کر صاف طور پر بتلایا جائے کہ یہ حالات تھے جن کی وجہ سے ایسا ہوا۔ اُن کو چاہیئے کہ وہ ناجائز اسلحہ واپس کریں۔"

سردار دھیان سنگھ سابقہ ممبر اسمبلی

"مسلمانوں کو موقعہ دیا جائے کہ وہ اپنے میں سے غیر پسندیدہ اور ناوفادار عنصر کو نکال دیں۔"

ٹھاکر حقیقت سنگھ جموں

"ٹھیک ہے کہ انہیں (مسلمانوں کو) [illegible] کا اطمینان دلایا جائے۔"

چودھری موہن لال موتیال

"اس وقت سوال وفاداری اور بے وفائی کا ہے۔ خوش قسمتی سے قدرت نے ہماری مدد کی جس سے نام شہر [illegible] گیا۔ اب وہ لوگوں کو یہاں سے نکال دینا چاہیئے۔"

لالہ جگن ناتھ میونسپل کمشنر

"اس کا حل ہمیں آئندہ سوچنا چاہیئے جب تک مسلمان ناجائز اسلحہ واپس

مذہب کرتے ان پر اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ یہاں صرف ہندو ہی رہ سکتے ہیں۔ [illegible] فرقوں کو [illegible] کا وفادار بن کر رہنا چاہیئے۔"

[illegible] چودھری غلام عباس کی رہائی

چودھری غلام عباس خان اور اللہ رکھا ساغر کو سری نگر سنٹرل جیل سے جموں جیل منتقل کیا گیا تھا۔ جموں جیل میں [illegible] شیخ محمد عبداللہ، بخشی غلام محمد [illegible] ڈائریکٹر [illegible] تھا اور مولانا محمد سعید مسعودی [illegible] ان کے ساتھ متعدد بار ملاقات [illegible] ۱۹۴۸ء [illegible] چودھری غلام عباس [illegible] پاکستان [illegible] خواجہ صاحب [illegible] کشمیر ۱۹۴۷ء [illegible]

"میری [illegible] شیخ صاحب [illegible] بیانات [illegible] بات چیت [illegible] بات چیت کے دوران ہم دونوں اس بات پر متفق ہو گئے کہ کشمیر کا جو کچھ ہو رہا ہے [illegible] اس طرح ختم کیا جائے [illegible] ان دونوں ریاستوں میں جنگ [illegible] کے درمیان [illegible] کشمیر میں ہندوستان اور پاکستان جنگ بند کر دیں اور [illegible] کشمیر کی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی پوزیشن بحال کر دی جائے۔ ریاست میں [illegible] کے لئے نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کی ایک مخلوط حکومت انتظام سنبھال لے

اور ریاست کو دونوں ملکوں کے ساتھ تجارتی تعلقات اور راستوں کی آمد و رفت بحال کر دی جائے۔ تین برس کے بعد اس مقصد کے لیے رائے شماری کروائی جائے کہ ریاست کے لوگ اس پوزیشن کو دائمی شکل دینا چاہتے ہیں یا ہندوستان اور پاکستان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں۔ ان تمام مسائل اور امور کو طے کرنے کے لیے ہندوستان اور پاکستان کے با اختیار لیڈروں، شیخ محمد عبداللہ، میرے اور ہم دونوں کے رفقاء کی ایک گول میز کانفرنس کی تجویز پر بھی اتفاق رائے ہو چکا تھا۔

چودھری غلام عباس نے مجھے بتایا کہ میں نے جب یہ سارا معاملہ قائد اعظم کے سامنے رکھا تو انہوں نے اس معاملے پر شبہات ظاہر کرتے ہوئے یہ فارمولا مسترد کر دیا اور کہا جموں کشمیر کا معاملہ ہندوستان اقوام متحدہ میں لے گیا ہے، اس لیے ہمیں عالمی ادارے کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے۔ شیخ صاحب نے چودھری عباس کے سامنے اتنی پیشکش بھی کی تھی کہ اس ملاقات میں [illegible] تھی کہ [illegible] پاکستان جا چکے ہیں ان کے افراد کنبہ کو واپس بلایا جائے گا اور دو ریاستی کابینہ میں شمولیت کریں، لیکن چودھری صاحب نے اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا۔

راجوری کا قتل عام

وادی کشمیر میں قبائلیوں کا دباؤ جب قدرے کم ہو گیا، صوبہ جموں کے سرحدی اضلاع میں اسی قدر زیادہ بڑھتا گیا۔ چناچہ پونچھ، بھمبر، میرپور، نوشہرہ، جھنگڑ، میں قبائلیوں نے ڈوگرہ فوج کو محاصرے میں لے کر جہلم میرپور سڑک اور گجرات بھمبر سڑک سے صوبہ جموں میں داخل ہو کر متذکرہ صدر علاقوں پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے۔

[illegible] مقابلے کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹ گئی۔ اور اپنے ریاستی مسلمانوں سے بدلہ لینے لگی۔ ۱۰ نومبر کے ۴ بجے ۱۳ قبائلیوں نے راجوری شہر کا محاصرہ کر کے پنڈت ہری لال تحصیلدار راجوری کو ایک دیہاتی ہندو کے ذریعہ بدیں موضوع خط بھیجا کہ شہر کی تمام آبادی کو مشرقی سمت کے میدان میں منتقل کر دو، ہمیں حملہ کرنا ہے۔ شام ہونے تک انہیں کوئی جواب نہیں دیا گیا اور نہ مقامی لوگوں کو اس واقعہ سے باخبر کیا گیا۔ برعکس اس کے شام ہوتے ہی تحصیلدار نے سرکاری خزانہ سے روپے نکال کر بارہ سپاہیوں کے ہمراہ جموں کی راہ لی۔

راجوری شہر میں مسلمانوں کی آبادی بہت کم تھی۔ جو پچھلے کئی مہینوں سے آر ایس ایس کے مورچہ بند رضاکاروں اور ریاستی فوج کی دست درازیوں سے تنگ آکر مسلم اکثریتی دیہی علاقوں میں پناہ گزین ہو گئے تھے اور ان دیہاتوں سے غیر مسلم راجوری شہر میں آ گئے تھے۔ جو تقریباً تمام کے تمام مسلح تھے۔ ٹھیک گیارہ بجے شب کو قبائلیوں نے فائرنگ شروع کی، جواب میں فوج اور راشٹریہ سیوک سنگھ کے رضاکاروں نے مورچے سنبھال کر کارروائی شروع کی۔ رات بھر دو طرفہ شدید فائرنگ ہوتی رہی۔ صبح ہوتے ہوتے شہری آبادی کا ایک تہائی حصہ [illegible] ہو چکی تھی۔ ریاستی فوج کے چند رہ سپاہی اس معرکہ میں کام آئے اور باقی ماندہ [illegible] ہوئے [illegible] بھی زندہ بچ نکلے لوگ راجوری تحصیل کے احاطہ میں جمع ہو گئے جہاں آر ایس ایس کے جوانوں نے انہیں یہ کہہ کر خودکشی پر آمادہ کیا کہ قبائلیوں کے ہاتھوں بے حرمتی کی زندگی سے بہتر ہے کہ عزت کی موت مر جائیں۔ انہوں نے ننگی تلواریں لے کر پہلے عورتوں اور بچوں کا قتل عام کیا۔ باقی ماندہ ہر جوان مرد و زن میں زہر تقسیم کیا گیا۔ جس کو انہوں نے مسکراتے ہوئے بڑے حوصلے سے چاٹا۔ اس طرح راجوری کے لوگوں نے عزت کی موت کے نام پر زندگی کی جو سرحد عبور کی تو گروہ کافی ٹھواری اور بھیانک

ہے لیکن انہوں نے اسے اپنالیا۔ حالانکہ اگر وہ صبر و ضبط سے کام لیتے شاید یہ نوبت نہ آتی کیونکہ خودکشی سے راہ فرار اختیار کرنے والے لوگوں کی ایک کثیر تعداد کو نوشہرہ سے انڈین آرمی کی حفاظت میں جموں پہنچایا گیا۔

قبائلی اسی دن شہر میں داخل ہوئے اور شہری انتظامیہ کو چلانے کیلئے مرزا محمد حسین ذیلدار بھروٹ کی سربراہی میں ایک انقلابی کونسل تشکیل دی جس میں مرزا لطف اللہ خان وزیر مالیات، چوہدری نعمت اللہ وزیر عدلیہ، مرزا محمد شفیع وزیر داخلہ، مرزا غلام غوث وزیر جنگلات اور چوہدری دیوان علی ڈنگلا راحمد صاحب اللہ ایم ایل سی کے والد وزیر صحت مقرر ہوئے۔ مرزا عبد اللطیف تحصیلدار نامزد کیا گیا۔

قبائلی چند روز یہاں قیام کرنے کے بعد نوشہرہ چلے گئے۔ ان کی نامزد حکومت تقریباً چھ ماہ تک قائم رہی۔ اس حکومت نے اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے رضاکاروں کی فوج ترتیب دی۔ جنہوں نے رہے سہے ہندوؤں کے قتل عام کے بعد مسلمانوں کو لوٹنا شروع کیا۔ اس پر چوہدری دیوان علی کی بیٹ جی بخشر اور عبد العزیز شال نے صدائے احتجاج بلند کئے تو موضع شیریاں اور سائیں گنجی خانقاہ شریف میں جلائے گئے۔ ان کی [illegible] کے حملے [illegible] گشت کو [illegible] کی فتح کو راجوری انڈین آرمی نے قبضہ کر لیا اور یہ لوگ پاکستان بھاگ گئے۔

گلگت پر کیا گزری

۱۹۴۷ء کے انقلاب میں گلگت پر پاکستان نے کیسے قبضہ کیا، لازم ہے کہ گلگت کے جغرافیائی، سیاسی اور انتظامی پس منظر کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا جائے۔

گلگت اور بلتستان کے علاقہ کو علاقہ جات شمالی کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

یہ علاقہ کم و بیش ستائیس ہزار مربع میل پر پھیلا ہوا ہے جو کشن گنگا وادی سے لے کر لداخ، دوسری جانب چترال، سوات سمت آگے افغانستان، چین اور روس کی سرحدوں سے ملتا ہے۔

۱۸۵۰ء سے ۱۸۹۰ء تک کا درمیانی عرصہ زار روس اور برطانوی حکومت کے درمیان زبردست کشمکش کا دور رہا ہے۔ چنانچہ اس زمانے کی ملک گیری میں زار روس نے وسط ایشیا پر قبضہ جمانے کے بعد بخارا، خیوا اور کرغیز کی ریاستوں پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت میں مدغم کیا۔ اس کے بعد زار روس نے ایک فوجی ماہر ایانوف ۱۸۹۱ء کو چند فوجی سپاہیوں کے ساتھ چترال کی سرحد تک [illegible] کے لئے بھیجا۔ دوسری جانب کپتان گروم چیفسکی کی سرکردگی میں [illegible] پامیر کی طرف سے ہنزہ کی وادی تک آئی۔

ان حالات کے پیش نظر انگریزوں نے سر فرانسس ینگ ہسبنڈ کو جو کہ نیم فوجی اور جغرافیائی ماہر تھا ہندوکش کی گزرگاہوں کو محفوظ رکھنے کے منصوبے پر سروے کرنے کے لئے شمالی علاقہ جات کے دورے پر روانہ کیا۔ ینگ ہسبنڈ نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ زار روس کی نظریں ریاست جموں و کشمیر کے شمالی علاقوں پر لگی ہوئی ہیں۔ اگر وہ ان علاقوں کو چھیننے میں کامیاب ہوا تو کشمیر اس کے لئے صرف اٹھارہ سو میل کے فاصلے پر ہوگا۔ ان دنوں میں گلگت، ہنزہ، نگر، پونیال، چترال وغیرہ علاقے اگرچہ حکومت جموں و کشمیر کی عملداری میں شامل تھے لیکن یہ ایک برائے نام بالادستی تھی۔ ان علاقوں کے امیر اور سردار عملاً خودمختار تھے۔ انہوں نے کسی بالادستی کو ہمیشہ سے [illegible] انگریزوں نے ان سرداروں پر الزام لگایا کہ وہ زار روس سے ملے ہوئے ہیں۔ چنانچہ نگر اور ہنزہ پر حملہ کر دیا۔ [illegible] کی دو حکومتیں گلگت ایجنسی کے کنٹرول میں [illegible] ہزار سپاہی [illegible] اور سخت مزاحمت کے بعد ان دونوں علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

۱۸۸۵ء میں سر ولیم لوک ہارٹ نے چترال پر قبضہ کیا۔ اس طرح ان ریاستوں پر دوبارہ کشمیر دربار کی سرداری برقرار رہی۔

ریزیڈنسی کے قیام کی خواہش

دراصل انگریز مہاراجہ گلاب سنگھ کے دور حکومت ہی سے ریاست میں ریزیڈنسی قائم کرنے کی خواہش ظاہر کر رہے تھے۔ اسی خواہش کے تحت لارڈ ہارڈنگ نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو ۱۸۴۸ء میں ایک مکتوب میں لکھا ہے: مہاراجہ گلاب سنگھ ... تو صحیح ہے مگر اس قسم کی چیزیں سے انگریز سرکار کے دل میں غلط فہمی پیدا ہو رہی ہے۔ لہذا ... کمپنی کو ریاست کے اندرونی نظام میں دخل دینے کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ ہماری خواہش ہے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے سری نگر میں ایک انگریز ریزیڈنٹ تعینات کیا جائے۔ لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ نے انگریزوں کے اس مطالبے کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ چونکہ ریاست جموں و کشمیر ایک خود مختار ریاست ہے اور معاہدہ امرتسر میں کہیں بھی ریاست میں ریزیڈنسی کے قیام کی شرط درج نہیں ہے۔

لیکن ۱۸۵۱ء میں پھر یہی سوال دہرایا گیا۔ اس بار ایک انگریز افسر کی سری نگر میں تقرری ... اس شرط پر ... کہ وہ صرف گرمیوں میں انگریز سیاحوں کی دیکھ بھال کے لئے وہ کام کرے۔

روسی خطرہ

۱۸۸۴ء میں کشمیر میں انگریزوں نے روسی خطرے کا بہانہ بنا کر مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دور اقتدار میں ریاست میں آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی کا عہدہ ختم کر کے ریزیڈنسی کی صورت پیدا کر لی۔ آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی کے ساتھ ہی ایک مشترکہ عدالت کا وجود عمل میں لایا گیا جس میں آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی اور ایک نمائندہ حکومت کشمیر کا اُن تمام مقدمات کا فیصلہ کرنے کا مجاز مقرر کیا گیا جو انگریز سیاحوں اور اُن کے ملازمین یا رعایا کشمیر کے مابین ہوتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی گلگت میں پولیٹیکل ایجنسی بھی قائم کی گئی۔ کچھ عرصہ بعد مہاراجہ نے انگریزوں کو گلگت ایجنسی بند کرنے کے ساتھ ساتھ سپیشل آفیسر ان ڈیوٹی کے عہدے کو ختم کرنے کو کہا۔ اگرچہ انگریزوں نے مہاراجہ کی ہدایت پر عمل کیا لیکن کچھ مدت بعد انگریزوں نے پھر ریزیڈنسی قائم کرنے کی اجازت چاہی جسے مہاراجہ نے تسلیم نہیں کیا اور نہ ایجنسی قائم کرنے کی اجازت دی۔

پرتاپ سنگھ کی معزولی

۱۲ ستمبر ۱۸۸۵ء کو مہاراجہ رنبیر سنگھ ۵۵ سال کی عمر میں ذیابیطس کے مرض میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ مہاراجہ کی موت کے فوراً بعد برطانوی حکومت کی طرف سے جو اعلان سامنے آیا ... پرتاپ سنگھ کو ... گیا اس میں کہا گیا کہ اب آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی کی جگہ باقاعدہ ایک ریزیڈنٹ مقرر ہوگا۔

۲۸ اپریل ۱۸۸۹ء کو ... مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو لارڈ لینس ڈاؤن کی چٹھی موصول ہوئی جس میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ پر الزام لگایا گیا تھا کہ وہ سلطنت کے کام کاج کو خوش اسلوبی سے انجام نہیں دے رہا ہے اور آپ نے کچھ ایسی چٹھیاں لکھی ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ آپ حکومت برطانیہ کے خلاف ایک بیرونی ملک کے ساتھ مل کر

سلہ۱ پرتاپ سنگھ نے تخت سنبھالتے ہی مچھلی پکڑنے پر پابندی عاید کی اور مچھیروں کو چوری چھپے مچھلیاں پکڑنے پر سخت جسمانی سزائیں دی گئیں۔ اس کی وجہ یہ بھی کہ ان پڑھ

(باقی اگلے صفحہ ۳۹۵ پر)

سازش کر رہے ہیں۔ غرض انگریزوں نے مختلف بہانے اور الزامات تراش کر ۱۸۸۹ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو معزول کر دیا اور ریاست کے نظم و نسق کو چلانے کے لئے ایک کونسل قائم کی گئی۔

پرتاپ سنگھ صدر کونسل

اس کونسل میں راجہ امر سنگھ پریزیڈنٹ اور وزیر اعظم، راجہ رام سنگھ کمانڈر انچیف، رائے بہادر پنڈت سورج کول فنانس اور رائے بہادر پنڈت بھاگ رام وزیر مال مقرر ہوئے۔ [illegible] میں برطانوی حکومت نے کونسل کو [illegible] ریاست کا نظم و نسق چلانے کے لئے آزاد تھے۔ آئندہ وہ تمام امور سے متعلق ریزیڈنٹ سے [illegible] رہیں گے۔ [illegible] میں [illegible] مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے [illegible] رضامندی ظاہر کی۔ ان کو کونسل کی صدارت سپرد کر دی گئی۔ [illegible] سے زیادہ اختیارات ریزیڈنٹ کے پاس رہتے تھے۔

تخت پر بیٹھنے کی اجازت

۲۳ دسمبر ۱۹۰۵ء کو برطانوی حکومت نے اپنے ریزیڈنٹ کی معرفت مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو پھر حکومت [illegible] بالشویک پروپیگنڈہ کی روک تھام کے لئے سخت [illegible] کا فیصلہ [illegible]۔ اس نے شمالی علاقوں میں سخت نگرانی کی غرض سے فوجی اور سیاسی اہمیت کے اقدامات اٹھائے [illegible] مکمل دسترس حاصل [illegible] [illegible] کو [illegible] [illegible] مہاراجہ [illegible] سنگھ نے [illegible] [illegible] قرار دے [illegible] تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ [illegible] انگریزوں نے [illegible] کے تحت [illegible] کا سخت نوٹس لیا اور [illegible] کے دوسرے علاقوں میں ان سرحدوں کو بڑی اہمیت دی۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ جو برطانوی حکومت کے عتاب کا ہدف بن کر گدی سے الگ کر دیا گیا تھا۔ آہستہ آہستہ اپنی اصلیت کو پہچاننے لگا اور ۱۹۲۲ء میں جب اس نے اقتدار اعلیٰ کا ہر حکم بلاچوں و چرا ماننے پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا۔ تو وائسرائے ہند لارڈ چیمسفورڈ نے اسے دوبارہ ریاستی گدی پر بیٹھنے کی اجازت دی۔ اس طرح ریزیڈنسی کے ساتھ ساتھ گلگت میں برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ کے لئے گنجائش کی راہیں صاف ہو گئیں۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۲۵ء کو سیالہ پرتاپ سنگھ سری نگر میں فوت ہوا۔

گلگت برطانوی تحویل میں

۱۹۳۱ء میں مہاراجہ ہری سنگھ کے دور حکومت میں جب ریاست میں پہلی بار ریاستی عوام نے جاگیردارانہ نظام کے خلاف ایجی ٹیشن شروع کی اور اس کی تائید و حمایت میں پورے ہندوستان میں مسلمانوں نے جلسے اور جلوس نکالے۔ پنجاب کے احراریوں نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی قیادت میں سوچیت گڑھ کی سرحد عبور کر کے ریاست میں جتھہ بندی شروع کی۔ مجبوراً مہاراجہ ہری سنگھ نے وائسرائے سے اس طوفان کو روکنے کی استدعا کی — برطانوی حکومت نے ۴ نومبر ۱۹۳۱ء کو کشمیر آرڈیننس نافذ کر کے مجلس احرار اور کشمیر کمیٹی کی سول نافرمانی کو خلاف قانون قرار دے کر مولانا مظہر علی اظہر اور دوسرے قائدین کو قید کیا۔ اس طرح برطانوی حکومت ہری سنگھ کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئی کہ چونکہ روس کی بالشویک تحریک اور حکومت نے تمام وسط ایشیا میں خطرہ پیدا کیا ہے اور عین ممکن ہے کہ خطۂ ارض کشمیر کے فاؤنڈرز لیڈر اور عوام بالشویک پروپیگنڈے کا شکار ہو کر نہ صرف آپ کی حکومت کی تباہی کا باعث بنے بلکہ برطانوی ہند کے لئے بھی خطرے کی گھنٹی ثابت ہو سکتے ہیں۔ ہمیں ملک گیری کی ہوس نہیں البتہ بحیثیت اقتدار اعلیٰ کے ناطے ہمارا یہ اولین فرض ہے کہ ہم تاج برطانیہ کے ماتحت تمام راجوں، مہاراجوں اور

نوابوں کے املاک، اقتدار اور جان و مال کا تحفظ دیں۔ اس لئے لازم ہے کہ اس سرحدی علاقے کے نظم و نسق کو ساٹھ سال کے لئے برطانوی ہند کی تحویل میں دیا جائے۔ چنانچہ اسی ضمن میں ایک معاہدہ ۲۹ مارچ ۱۹۳۵ء کو جموں میں طے پایا جس کے تحت گلگت وزارت یعنی دریائے سندھ کے پار کا سارا علاقہ ساٹھ سال کے لئے حکومت برطانیہ کو لیز پر دیا گیا۔ عہدنامے میں مہاراجہ کو یہ اطمینان دلایا گیا کہ تمہاری سرداری شمالی علاقے پر برقرار رہے گی۔ عہدنامہ[1] کا ترجمہ درج ذیل ہے :-

عہدنامہ گلگت

معاہدہ فیما بین سرکار والا برطانیہ و کرنل ہز ہائینس مہاراجہ ہری سنگھ، اندر مہندر بہادر جی۔ سی۔ ایس۔ آئی، جی۔ سی۔ آئی۔ ای، کے۔ سی۔ وی۔ او، اے۔ ڈی۔ سی، مہاراجہ جموں و کشمیر و وارثان و جانشینان مہاراجہ موصوف، جو ایک جانب لیفٹیننٹ کرنل لارنل ایڈورڈ لینگ صاحب بہادر سی۔ آئی۔ ای۔ ایم۔ سی نے بتقویت اُن اختیارات کامل کے موثق کیا جو صاحب بہادر موصوف کو ہز ایکسیلینسی رائٹ آنریبل فری مین طامس آرل آف ولنگڈن پی۔ سی۔ جی۔ ایم۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ سی۔ ایم۔ جی۔ ایم۔ آئی۔ ای۔ جی۔ سی۔ وی۔ او، نواب وائسرائے و گورنر جنرل بہادر کشور ہند نے عطا فرمائے اور دوسری جانب کرنل ہز ہائینس مہاراجہ ہری سنگھ بہادر ممدوح نے اصالتاً موثق کیا۔

بذریعہ ہذا حسب ذیل معاہدہ کیا جاتا ہے

[1] ماخوذ از تحریک حریت کشمیر جلد اول، صفحہ ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳

دفعہ اول :- نواب وائسرائے و گورنر جنرل بہادر کشور ہند کو اختیار ہے کہ اس معاہدہ کو استحکام دیئے جانے کے بعد کسی وقت وزارت صوبہ گلگت ریاست جموں و کشمیر کے اس حصہ کا ملکی اور فوجی انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیویں، جو دریائے سندھ کے پار اس کے داہنے کنارے پر واقع ہے جس کا حوالہ متعاقب "ملک متذکرہ بالا" کی اصطلاح سے دیا جائے گا، لیکن باوجود [illegible] ملک متذکرہ بالا ممالک محروسہ ہز ہائینس مہاراجہ بہادر جموں و کشمیر کی حدود کے اندر شامل رہے گا۔

دفعہ دوئم :- بہ ثبوت اس امر واقعہ کے کہ ملک متذکرہ بالا ممالک محروسہ ہز ہائینس مہاراجہ بہادر جموں و کشمیر کی حدود کے اندر شامل ہے، بموقع سالگرہ ہز ہائینس [illegible] و بتقریب بیساکھی و دسہرہ و بسنت پنچمی اور بموقع دیگر [illegible] نقارہ بجوں گے جن کے متعلق فیما بین ہز ہائینس [illegible] نواب وائسرائے و گورنر جنرل بہادر کشور ہند اتفاق رائے ہو جائے، [illegible] اتنظامی کا فرض ہوگا کہ ملک متذکرہ بالا میں ہز ہائینس کی سلامی سر کی جائے اور اعزازات مروجہ کی پوری تعمیل کی جائے۔ ہز ہائینس کا جھنڈا مرکزی صدر مقام ایجنسی پر ہمیشہ قائم رہے گا۔

دفعہ سوئم :- معمولی حالات میں سرکار برطانیہ کی کوئی افواج گروہ یا ہندوستانی اس علاقہ وزارت صوبہ گلگت کے اندر سے نہیں گذریں گی جو دریائے سندھ کے اس طرف اس کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔

دفعہ چہارم :- تمام حقوق متعلق معدنیات بشمول ہز ہائینس مہاراجہ بہادر جموں و کشمیر محفوظ ہیں، مگر تلاش معدنیات کی اجازت یا

اجرائے کام، معدنیات کا ٹھیکہ بہ زمانۂ اجرائے معاہدہ ہذا متذکرہ بالا دفعہ آیندہ نہیں دیا جائے گا۔

دفعہ پنجم:- معاہدہ ہذا تاریخ استحکام سے ساٹھ سال تک نافذ رہے گا اور بعد اقتضائے اس میعاد کے یہ پٹہ منسوخ ہو جائے گا

۱۹۳۵ء کے ماہ مارچ کی ۲۶ ویں تاریخ کو بمقام جموں اس معاہدہ پر دستخط کئے گئے اور اس کا تبادلہ عمل میں آیا۔

دستخط: ہری سنگھ مہاراجہ جموں و کشمیر

دستخط: ایل ای لینگ لیفٹننٹ کرنل
ریذیڈنٹ کشمیر

دستخط: ویلنگڈن

ہز ایکسی لینسی نواب وائسرائے و گورنر جنرل بہادر کشور ہند نے ۱۹۳۵ء کے ماہ اپریل کی تیسری تاریخ کو بمقام دہلی اس معاہدہ کو استحکام دیا۔

دستخط

ایم۔ اے۔ ایف۔ مٹکاف
سیکرٹری وزارت خارجہ حکومت ہند

اس معاہدے کے بعد گلگت اور اس سے منسلک چھوٹی چھوٹی ریاستیں جو مہاراجہ کی حکومت میں شامل یا زیر نگرانی تھیں۔ ۳۰ اپریل ۱۹۳۵ء کو براہ راست وائسرائے ہند کی نگرانی میں چلی گئیں۔

یہ معاہدہ طے ہونے کے بعد گلگت "بیگار" سے آزاد ہوئی جس کے تحت بیگار کے لئے پکڑے گئے شخص کی موت پر اس کے خاندان والوں کو نعش دینے کے بجائے حکومت کی طرف سے مرنے والے کے عوض دوسرے فرد کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔

گلگت معاہدے سے قبل

اس عہد نامے سے قبل شمالی علاقہ کا فوجی سیاسی اور انتظامی نقشہ یوں تھا:-

گلگت وزارت: تحصیل گلگت، تحصیل استور

لداخ وزارت: تحصیل اسکردو، تحصیل کرگل

اس کے علاوہ گلگت سب ڈویژن کی ایک ایجنسی بھی وجود میں لائی گئی تھی جس میں علاقہ جات نگر، ہونزا، پونیال، شکیومن، کوہ غذر اور یاسین کو چھوٹے چھوٹے راجواڑوں کی فیڈرل یونٹوں میں تقسیم کیا گیا تھا جن میں انگریز پولیٹیکل ایجنٹ ہوا کرتے تھے۔ چیلاس کی سب ایجنسی کو ایک اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ کے ماتحت رکھا گیا تھا جہاں جرگہ سسٹم کے تحت انتظامی معاملات طے ہوا کرتے تھے۔ گلگت وزارت کی ایک نیابت استور جو دریائے سندھ کے اندر کی جانب کشمیر کے علاقے میں تھی اس کو وزارت لداخ یا اسکردو میں شامل کرنے میں بڑی رکاوٹ لا انتہائی پہاڑی سلسلہ اور ڈوسوسیل کے قریب دشوار گذار درہ حائل تھا۔ اس الجھن کو سلجھانے کے لئے استور اور بونجی میں مہاراجہ کی ایک فوجی کمپنی تعینات کرکے اس کو تحصیل کا درجہ دے کر براہ راست وزارت سری نگر سے انتظامی معاملات میں وابستہ کیا گیا جس کی بناء پر کشمیر ہائی کورٹ اور کشمیر کی وزارت مالیات کا براہ راست تعلق اس تحصیل سے رہا۔

ریاست میں ریزیڈنسی قائم ہونے سے قبل ہی شمالی علاقہ جات یعنی ان راجواڑوں میں پولیٹیکل ایجنسیاں ایسٹ انڈیا کمپنی نے قائم کی تھیں۔ جو بعد میں ریذیڈنسی قائم ہوتے ہی ریذیڈنٹ کے ماتحت کام کرنے لگیں۔ ریزیڈنٹ گرمیوں میں سری نگر اور سردیوں میں سیالکوٹ میں اپنا دفتر منتقل کیا کرتا تھا۔

۱۹۳۵ء تک مہاراجہ کی فوجی چوکیاں مسگر (ہونزا) قلندر چی (مو ہنزہ)

گلگت خاص، گوپس قلعہ اور چلاس میں تھیں۔ گلگت ہیڈ کوارٹر میں ریاستی افواج کی ایک بٹالین انفنٹری اور ایک کمپنی آرٹیلری کی سرحدوں کی نگرانی کے لئے رہا کرتی تھی۔ جس کے اخراجات کا تین چوتھائی حصہ مہاراجہ کی حکومت اور ایک چوتھائی بطور امداد برطانوی ہند کی حکومت برداشت کرتی تھی۔ محکمہ ڈاک تار، مرکزی حکومت کے ماتحت تھا۔ اس طرح مہاراجہ کے زیر انتظام علاقوں اور انگریز علاقوں میں ایک نمایاں فرق یہ تھا۔ جہاں مہاراجہ کے ماتحت علاقوں میں گاؤکشی جرم سمجھا جاتا تھا۔ وہاں انگریزوں کے زیر نگرانی علاقوں میں گاؤکشی پر کوئی پابندی عاید نہیں تھی۔ البتہ دونوں علاقوں میں عوام کی بہبود اور فلاح کے بجائے ان کے جسم سے خون کی آخری بوند تک چوسنے کے لئے وہ تمام حربے دونوں حکومتیں یکساں طور پر استعمال کرتی تھیں جن میں ان کے مفادات کی آبیاری ہو سکتی تھی۔ رسل و رسائل کا کوئی معقول اور خاطر خواہ انتظام نہیں تھا۔ ہسپتالوں کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ انگریزی علاقہ جس کی آبادی دو لاکھ افراد پر مشتمل تھی ۱۹۴۷ء تک جب وہ گلگت چھوڑ رہے تھے کُل پانچ پرائمری سکول اور ایک مڈل سکول تھا۔ البتہ استور کے محل وقوع اور لوگوں کے باغیانہ جوش و خروش کو قابو میں رکھنے کے لئے مہاراجہ نے اس چھوٹی سی آبادی جو پچیس ۲۵ ہزار افراد پر مشتمل تھی، میں ۱۲ پرائمری سکول، ایک مڈل سکول قائم کیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ ان سکولوں میں تعلیمی انتظام انتہائی ناقص تھا۔ اکثر سکول چھ چھ ماہ تک اساتذہ سے خالی رہا کرتے تھے۔ مہاراجہ کی حکومت نے اس علاقے کے لئے ایک میڈیکل آفیسر جو سینئر کمپونڈر کے درجے کا ہوتا تھا، مقرر کیا تھا۔

گلگت کی منتقلی

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو انگریز ہمیشہ کے لئے ہندوستان کی سرزمین چھوڑ کر جا رہے تھے۔ انہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کو گلگت کا علاقہ واپس دینے کی خواہش ظاہر کی۔ اس کی منتقلی کے لئے یکم اگست ۱۹۴۷ء کی تاریخ مقرر ہوئی۔ ۳۰ جولائی کو بریگیڈیئر گھنسارا سنگھ بحیثیت گورنر اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گلگت کے میجر جنرل ایچ۔ ایل۔ سکاٹ چیف آف آرمی سٹاف جموں و کشمیر کے ہمراہ گلگت پہنچے۔ چنانچہ مقررہ تاریخ پر سرکاری طور پر اس علاقے میں دوبارہ نظم و نسق سنبھالنے کی خوشی میں ریاست میں عام تعطیل کا اعلان کیا گیا۔ جموں، سری نگر، گلگت اور لیہ میں سلامی کی توپیں داغ دی گئیں۔ گلگت، ہونزہ، چلاس، یاسین، کوہ پونیال، غذر، اشکومن، دارائیل، تانگیر، اور بونجی میں سرکاری طور پر بیس ہزار روپے بطور خیرات تقسیم کئے گئے۔ ساری ریاست میں سرکاری طور پر جشن اور رات بھر چراغاں کیا گیا۔

گلگت سکاؤٹ کی بغاوت

گلگت پہنچنے پر بریگیڈیئر گھنسارا سنگھ کو علم ہوا کہ برٹش گورنمنٹ کے تمام ملازمین نے پاکستان کی حکومت میں ملازمت کرنے کی پیشکش کی ہے۔ دراصل گلگت میں سول انتظامیہ کو چلانے والے تقریباً تمام ملازمین صوبہ سرحد کے رہنے والے تھے۔ گلگت سکاؤٹ کے تمام مقامی سپاہی جو دو برطانوی آفیسر میجر براؤن اور کیپٹن میتھیسن کے زیر کمانڈ تھے پاکستان کے حامی تھے۔

جموں و کشمیر انفنٹری کی ۶ بٹالین تین سو کے قریب مسلمان سپاہیوں اور سات سو کے لگ بھگ سکھ اور ڈوگرہ جوانوں پر مشتمل تھی۔ ان مسلمان سپاہیوں کو اطلاعات ملتی رہیں کہ ادھم پور، کٹھوعہ، ریاسی، راجوری اور جموں میں مسلمانوں کو بلا امتیاز مرد و زن تہہ تیغ کیا گیا ہے۔ اس مسلم یونٹ کا کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل عبدالمجید خان تھا جو بونجی [illegible] میں تعینات تھا مگر یہ گلگت کی بغاوت میں شامل نہیں ہوا۔

لیکن اس یونٹ کی وفاداری مشکوک دکھائی دینے لگی۔ مہاراجہ کی انفنٹری بٹالین کے کمانڈنگ آفیسر میجر حسن خان نے مسلم سپاہیوں کے ساتھ سازو بازکی اور گلگت اسکاؤٹس کے جنرل آفیسر کمانڈنگ کے زیر قیادت صوبیدار میجر بابر خان نے تمام پلاٹونوں سے حلف لیا کہ وہ مہاراجہ کے خلاف بغاوت میں حصہ لیں گے۔ اس طرح سے میجر حسن خان کمانڈر مسلم کشمیر انفنٹری اور صوبیدار میجر بابر خان کے بیچ یہ سمجھوتہ ہو گیا کہ یونٹ میں متعین ڈوگرہ یا مسلم سپاہی، اسکاؤٹوں کی مزاحمت نہیں کریں گے۔ بلکہ مسلم سپاہی ڈوگرہ فوج کی مدافعت کی صورت میں ان سے نپٹ لے گی۔ بغاوت کنندگان نے یہ بھی طے کر لیا۔ چونکہ قری برزل اور دیوسائی کے رستے جو سری نگر کا رابطہ [illegible] ہو اکتوبر کے وسط میں برف باری کی وجہ سے مسدود رہتے ہیں اور شمالی علاقہ کا تمام رابطہ باقی ریاست سے کٹ جاتا ہے۔ اس موقع پر مہاراجہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔ چنانچہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی درمیانی شب ایک منصوبہ بند فوجی اسکیم کے تحت جنرل گھنسارا سنگھ کی رہائش گاہ پر گلگت سکاؤٹس نے حملہ کیا۔ گورنر کا حفاظتی دستہ پہلے ہی باغیوں سے ملا ہوا تھا۔ سو جنرل گھنسارا سنگھ کی طرف سے مزاحمت نہ ہوئی۔ جنرل مسلح تھا۔ اس نے صبح ہونے تک ہتھیار نہیں ڈالے۔ صبح ہوتے ہی صوبیدار میجر بابر خان نے گورنر کو چند منٹ کی مہلت دے کر حراست میں لے لیا۔ اس کے بعد باقاعدہ میجر براؤن کی قیادت میں عارضی حکومت کے قیام کا اعلان کیا۔ اور گلگت کے گورنر ہاؤس پر پاکستان کا پرچم لہرایا۔ اس خونی بغاوت میں کیپٹن جلیل احسان علی، کیپٹن محمد خان، کیپٹن سعید خان، لیفٹیننٹ حیدر اور صوبیدار میجر بابر خان نے کلیدی رول ادا کیا۔

اس عمل کے ساتھ ہی بونجی اور دوسرے علاقوں سے مہاراجہ کے غیر مسلم فوجی بھاگ نکلے جن میں سے بیشتر مارے گئے تھوڑے بہت گرفتار کئے گئے۔

۴ نومبر ۱۹۴۷ء کو گلگت سکاؤٹس کے کمانڈنگ آفس پر میجر براؤن نے پورے اعزاز کے ساتھ پاکستانی جھنڈے کو لہرایا۔ نومبر کے تیسرے ہفتے میں حکومت پاکستان نے سردار محمد عالم (جو ضلع مردان کا رہنے والا تھا) کو پشاور سے گلگت اپنا پولیٹیکل ایجنٹ بنا کر بھیجا۔ بریگیڈیر محمد اسلم خان کو جو بعد میں کرنل پاشا کے نام سے مشہور ہوا نے فوج کی کمان سنبھالی۔ میجر براؤن اور اس کے دست راست کیپٹن میتھی سن کو پشاور تبدیل کر کے گلگت ایجنسی اور اسکاؤٹوں کی مکمل کمان اپنے ہاتھوں میں لے کر اس علاقے کو اپنی عملداری میں شامل کر لیا۔ گلگت کی اس عارضی حکومت کو شروعات میں آزاد کشمیر کی حکومت سے کوئی رابطہ یا تعلق نہیں تھا۔ بلکہ یہ اس طوائف الملوکی کا ثمر تھا جو ریاست میں جاگیردارانہ نظام کی بدترین حکمت عملی سے رونما ہوا تھا۔

۷۹-۱۹۸۰ء میں جنرل ضیاء الحق (صدر پاکستان) نے گلگت کو پاکستان کا غیر متنازعہ علاقہ قرار دے کر بیانات دینے شروع کئے۔ جس پر آزاد کشمیر کے تقریباً تمام لیڈروں نے صدائے احتجاج بلند کیا۔ بالآخر مجبور ہو کر جنرل ضیاء الحق نے اپنے ایک بیان میں اپنے سابق بیانوں کی تردید کر کے اُسے ریاست جموں و کشمیر کا علاقہ تسلیم کیا۔

گرفتار کمیٹی

نہیں رہی اب جنوں کی زنجیر پر وہ پہلی اجارہ داری
گرفت کرتے ہیں کرنے والے خرد پہ دیوانہ پن سے پہلے

دسمبر کے پہلے ہفتہ میں ہری سنگھ اور اس کی رانی نے ہندوستانی فوج کی آمد اور فتوحات سے یہ اطمینان کر لیا کہ اب وہ قبائلیوں کی گرفت اور شر سے محفوظ ہیں۔ چنانچہ ریڈیو اسٹیشن جموں کے افتتاح کے موقعہ پر انہوں نے بار بار "اپنی

"پیاری رعایا" کو آدیش دیتے ہوئے با برہمن رام رام با مسلمان اللہ اللہ کا راگ الاپنے شیخ محمد عبداللہ کا وصف قیادت کو رحمتِ خداوندی کے مترادف قرار دیا۔

وسط دسمبر تک نیشنل کانفرنس لیڈروں اور ورکروں نے بھی یہ اندازہ لگایا کہ اب قبائلیوں کے لئے کشمیر فتح کرنا ہنوز دلی دور است والا معاملہ بن گیا جس سے اُن کے دلوں سے پاکستانی قبضہ کا خوف جاتا رہا۔ اس اطمینان کے بعد انہوں نے اپنا دھیان ملکی بہبود کے نام پر اُن عناصر کے انخلاء کی جانب مبذول کیا جو بقول اُن کے بحیثیت پاکستانی ففتھ کالمسٹوں کے طور پر یہاں کام کرتے رہے ہیں۔

انہوں نے اپنی کوتاہ اندیش فہم کی اُفتاد کے تحت وادی کے تقریباً تمام مخالف جماعتوں "ماسوائے کشمیری پنڈت یوتھ سبھا" کے سرکردہ افراد کی گرفتاری پر اپنی تمام تر بساط کو مرکوز و مجتمع کیا۔ ان گرفتاریوں کو موثر بنانے کے لئے خواجہ غلام محمد صادق کی بیٹھک واقع لال چوک امیراکدل میں "گرفتار کمیٹی" نام کی آرگنائزیشن کا سائن بورڈ چڑھایا گیا۔ جس کا مہتمم اعلیٰ ملک غلام رسول آف کاؤڈی کدل اور سیکرٹری پیر محمد افضل مخدومی مقرر ہوئے۔ ہر گرفتار شدہ فرد کے لئے ان کی ہاں یا نا حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی تھی۔[لہ] گرفتار کمیٹی نے ان گنت بے گناہوں کو جیل کی کال کوٹھریوں میں ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنے پر مجبور کیا۔

نیشنل کانفرنسی ورکروں نے ملی کمانڈ کے اشارے پر وادی کے تقریباً اُن تمام گھرانوں اور کنبوں پر چھاپے مارے اور تلاشیاں شروع کیں جنہیں وہ ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس طرح پہلے سے دہشت زدہ شہری زندگی میں خوف و

لہ: اس قسم کی گرفتاریوں کو عملی شکل دینے میں مندرجہ ذیل کارکنوں نے نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ بخشی عبدالرشید، پیر محمد مقبول مخدومی، محمد یوسف پرزگر، بخشی غلام محمد

ہراس پھیلا کر جل تھل مچا دی۔ ان گرفتار ہونے والوں میں مولوی محمد امین (جنہیں دوبارہ گرفتار کرلیا گیا) غلام نبی گلکار، غلام نبی ریشمو، محمد امین کار، کسان کانفرنس کے صدر عبدالسلام یتو اور سینکڑوں دوسرے بارسوخ افراد شامل تھے۔ ان کے خلاف بلوہ، آتش زنی، تخریب کاری، حتیٰ کہ ڈکیتی تک کے فرضی الزامات لگائے گئے اور انہیں ہراساں کرنے کا آسان طریقہ ڈھونڈ نکالا گیا۔

مولوی نورالدین، عبدالغنی ریشمو، عبدالغفار گجری، عبدالعزیز مسگر، غلام محمد زرگر، غلام احمد آہن گر، مصطفیٰ علی کے خلاف فرضی جرم کیس کا مقدمہ دائر کیا گیا۔ انہیں نظربند رکھ کر سخت اذیتیں دی گئیں جب اس سے بھی جی نہ بھرا تو ان میں سے اکثروں کو جبراً پاکستان دھکیل دیا گیا۔

بچھڑے گھر سے کشمیری

اکثر شب کے ہم سفر فیض نہ جانے کیا ہوئے
رہ گئی کس جگہ صبا صبح کدھر نکل گئی

اسی دوران شہر سرینگر میں حکومت کی جانب سے منادی کرائی گئی کہ جو لوگ پاکستان جانا چاہتے ہیں وہ مقررہ تاریخ پولیس لائنز میں حاضر ہوجائیں ایسے لوگوں کے لئے حکومت نے مناسب انتظام کر رکھا ہے۔ ان دنوں صوبہ جموں سے آئے ہوئے مسلمان پناہ گزینوں کے علاوہ کوٹلی، بھمبر، راجوری، اوڑی، مظفرآباد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۵ سے آگے) ماسٹر عبدالغنی خان، بخشی غلام محی الدین، عبدالرحمان گجری، کاشی ناتھ عبدالغفار ڈار (شیر) نیلو اسلام آباد، سیف الجبار پنڈت، جانکی ناتھ گنکو و محمد اکبر بیگ اور ضلع بارہ مولہ میں مرزا محمد اکبر نے بہ نفس نفیس یہ خدمات انجام دیئے۔

اور راولپنڈی وغیرہ جگہوں سے آئے ہوئے مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد موجود تھی جو بغرض کاروبار یہاں آئے تھے۔ اور جنگ سے قبل پاکستان کی جانب سے رسل و رسائل کی ناکہ بندی کی وجہ سے رک کر پڑے تھے۔ ان لوگوں نے اس مژدہ جانفزا پر لبیک کہتے ہوئے پولیس لائن کی راہ لی۔

اس اعلان پر ان سینکڑوں کشمیری جوانوں نے بھی جو نیشنل کانفرنس عوامی حکومت کے خدوخال سے بیزار تھے، کشمیر چھوڑنے کا ارادہ ظاہر کیا جس سے اس قافلہ میں تقریباً سات سو غیر ریاستی اور پانچ سو کے قریب ریاستی باشندے نے شمولیت اختیار کی۔ حکومت نے فی الفور ہر ایک کو پاکستان جانے کا پرمٹ اجرا کر دیا۔ نائب وزیر اعظم بخشی غلام محمد اور وزیر داخلہ [illegible] قافلہ کا انتظام کرنے [illegible] پولیس لائن میں [illegible] چل کر قافلہ [illegible] میں [illegible] [illegible] کے [illegible] میں شامل تمام لوگوں کی خوشی [illegible] [illegible] [illegible] کہ وہ واپس [illegible] پاکستان جانے میں کامیاب [illegible] حکومت [illegible] سری نگر [illegible] رہنمائی کے فرائض انجام دیتا رہا۔

سری نگر پولیس لائن میں پاکستانی نظریہ کے حامی ایسے کشمیری لڑکوں کی ایک خاصی تعداد بھی شامل تھی جو لڑکپن کی سرحدیں عبور کر کے شباب کی وادی میں قدم رکھنے کے لئے پر تول رہے تھے۔ ان میں سے چند ایک کے والدین نے خود ہی انہیں اس ارادے سے باز رکھنے میں کامیابی حاصل کی۔ فی زمانہ جو کشمیری پاکستان یا آزاد کشمیر میں مقیم ہیں ان کی اکثریت انہیں کی عمر کے نوجوانوں پر مشتمل ہے جنہوں نے ہجرت

دے کر اس وقت کی حکومت اور اس کی حکمت عملی نے محض اس تصوراتی خوف کی بناء پر لاریوں میں لاد کر جلاوطن کیا تا کہ کہیں وہ عوامی راج میں مخل نہ ہوں۔ اس رنجیدہ عمل نے ریاستی حکومت کے غیر دانشمندانہ شعور کو آئندہ کے مورخین کے لئے کافی مواد مہیا کر رکھا ہے۔

جب ریاستی حکومت نے یہ سلسلہ بند کیا تو سینکڑوں لوگوں نے اپنی خواہش کے منشاء سے سرحد عبور کر کے چوری چھپے آزاد کشمیر جانے کا ایک نہ تھکنے والا سلسلہ شروع کیا۔ یہ لوگ اکثر کپواڑہ اور پونچھ کے راستے سرحد عبور کیا کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ واپس آنے والوں سے جب میں نے دریافت کیا کہ وہ کون سا جذبہ تھا جو تمہیں کشاں کشاں پاکستان یا آزاد کشمیر کھینچے لے گیا۔ ان میں سے اکثر والوں نے ایک ہی جواب دیا کہ ہمارا خیال تھا کہ ہمیں دو مہینے بعد ہم پاکستانی فوج کے ساتھ فاتحانہ حیثیت میں دوبارہ سری نگر میں داخل ہوں گے اور ان لوگوں سے بدلے لیں گے جنہوں نے ہمارا یہاں جینا دوبھر کر دیا تھا۔ اس انتقامی طرز فکر کے ساتھ چند ایک کے باتوں سے یہ بھی اندازہ ہوا وہ یہ سمجھتے تھے کہ آزاد کشمیر کی حکومت میں ان کے لئے نشستیں مخصوص ہیں صرف ان کے وہاں پہنچنے کی دیر ہے۔ غرض پاکستان جانے والوں کا سلسلہ کم و بیش ۱۹۷۱ء کی جنگ تک جاری رہا اس کے بعد یہ سلسلہ اس لئے رک گیا کہ سرحد کی دونوں طرف سے فوجیوں نے بارودی سرنگیں بھاری تعداد میں بچھا دیں تھیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بخشی غلام محمد کے دور حکومت میں جو لوگ سرحد عبور کرتے گرفتار کئے جاتے تھے انہیں عبرت ناک اذیتیں دی جاتی تھیں۔ جس کی وجہ سے سرحد عبور کرنے والے واپس آنے کے بجائے کشمیر کے پہاڑوں، دروں اور جنگلوں میں مرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ اور اس طرح وہ تمام لوگ جو واپس کشمیر آنا چاہتے تھے خوف و دہشت کی وجہ سے واپس نہ آسکے۔

شیخ صاحب کا اعلیٰ مسلم آفیسران سے بحث و تمحیص

کچھ عرصہ بعد وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ نے خواجہ علی شاہ نائب وزیر داخلہ کے مکان پر چند سرکردہ مسلم گزیٹڈ آفیسروں کی ایک میٹنگ بلوائی، کیونکہ انہیں احساس ہوا تھا کہ جہاں بھولے بھالے عوام ان کے الحاق کی حکمت عملی سے متفق ہیں، وہاں اعلیٰ مسلمان سرکاری ملازمین ان کے اس نظریے سے متفق نہیں ہیں۔ چنانچہ اس میٹنگ میں ان سرکاری ملازمین نے شیخ محمد عبداللہ سے کہا کہ آپ وزیر اعظم ہیں۔ اس ناطے ہم ملازم سرکار ہیں اور آپ کی ہر بات کے ساتھ اتفاق کرنا ہمارا فرض منصبی ہے۔ اس پر شیخ محمد عبداللہ نے انہیں مخاطب ہو کر کہا میں نے آپ لوگوں کو بحیثیت وزیر اعظم کے نہیں بلایا ہے بلکہ سرکردہ شہریوں کی حیثیت سے آپ کے ساتھ ایک قومی مسئلہ پر بات چیت کرنا اور کسی نتیجے پر پہنچنا میرا مقصد مد نظر ہے اور اگر ہمارے درمیان اتفاق رائے بھی نہ ہو تو اس کا خمیازہ کسی کو بھگتنا نہیں پڑے گا۔ آپ لوگ آزادی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کریں۔ اس پس منظر میں عظیم الدین متو نے شیخ محمد عبداللہ سے کہا۔ پاکستان کے ساتھ الحاق کئے بغیر ہم کیسے پاکستان کو برا بھلا کہنے میں حق بجانب ہیں۔ ہم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے میں ریاست کو نقصان ہی نقصان ہو گا جس پر گرما گرم اور بڑی طویل بحث ہوئی اس بحث و تمحیص میں بڑھ چڑھ کر خواجہ عظیم الدین متو، جج اور آغا ناصر علی [illegible] نے حصہ لیا۔ بحث کسی نتیجے پر پہنچے بنا ختم ہو گئی۔ [illegible] کے فوراً بعد آغا ناصر علی حراست میں لے لئے گئے۔ ان کی رہائی کے بعد آغا شوکت علی، مولوی عبدالرحیم، مولوی نور الدین، غلام نبی گلکار، سیاسی و فوجی قیدیوں کے تبادلہ میں پاکستان بھیج دیئے گئے۔ کرنل عدالت خان باضابطہ [illegible] کر ہمیشہ کے لئے پاکستان چلے گئے۔ اس طرح الحاق کے بارے میں مسلم سرکردہ شہریوں کی رائے جاننے کا باب ہمیشہ کے لئے بند ہوا۔

ڈاکٹر رام منوہر لوہیا

ڈاکٹر رام منوہر لوہیا پہلا شخص ہے جس نے عوامی سطح پر ہندوستان میں شیخ محمد عبداللہ کے بیانات کی روشنی میں کشمیر ہند مکمل الحاق کے بارے میں بیان دیا۔ شیخ محمد عبداللہ کا یہ نظریہ صحیح تھا انہوں نے نہ صرف ریاست کا ہندوستان کے ساتھ عارضی الحاق کر کے روشن مستقبل کی ضمانت اور اقتصادی ترقی کا ذریعہ کہا بلکہ ہندوستان و کشمیر [illegible] کہ پاکستان کی معاشیات پر [illegible] شروع کی تھی۔ شیخ محمد عبداللہ کے ان ہی خیالات سے متاثر ہو کر [illegible] رام منوہر لوہیا نے [illegible]

[illegible]

[illegible] کا سوال ہے [illegible] کے لئے بھی [illegible]

[illegible]

[illegible] میں ایک [illegible] کشمیر کی [illegible] مخالفت کی تھی۔

ڈاکٹر رام منوہر لوہیا [illegible] ہندوستانی سیاسی لیڈر ہیں جنہوں نے کشمیر کو ہندوستان [illegible] شیخ محمد عبداللہ [illegible] یونین کے سیاسی [illegible] کی وحدت [illegible] سیاسی اور [illegible] کوششوں کو کشمیر [illegible] ترقی [illegible] کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر لوہیا نے [illegible] غلام محمد نے مبہم الفاظ میں یہ کہہ کر تائید کی کہ [illegible] ہندوستان سے آگے

چل کر مکمل الحاق کی توثیق کریں گے۔

اس وقت تک حکومت ہند کا واضح نظریہ یہ تھا کہ ریاست سے قبائلیوں کے تخلیہ کے فوراً بعد غیر جانبدار طور پر ادارہ اقوام متحدہ کی زیر نگرانی رائے شماری کرائی جائے گی۔ چاہے اس کے نتائج کچھ بھی ہوں حکومت ہند انہیں تسلیم کرنے کا پابند ہوگا۔

داستان گوئی

شیخ محمد عبداللہ نے نہ تو ڈاکٹر رام منوہر لوہیا کے بیان کی تائید کی اور نہ تردید البتہ اُن کے بیانات اور تقاریر میں جو جدت اور شیاں نکھر آیا اُس سے یہ تاثر مترشح ہونے لگا کہ شیخ محمد عبداللہ پاکستان پر ہندوستان کو ترجیح دے رہے ہیں۔ عام لوگوں کے ذہنوں میں پاکستان کے خلاف جذبۂ نفرت پیدا کرنے کے لئے وہ اور اُن کے دست راست ساتھیوں نے نئے، جھوٹے لاکھوں افسانے اور حکایتیں، پبلک جلسوں اور نجی مجلسوں میں تراشنے شروع کئے۔ اس قصہ گوئی کی ابتداء ۱۲، نومبر ۱۹۴۷ء کو شیخ محمد عبداللہ نے کشمیر چیمبر آف کامرس کے سالانہ اجلاس کے موقع پر اپنی تقریر میں اوڑی کے کسی بے نام گوجر سے منسوب کہانی کو ڈرامائی انداز میں دہراتے ہوئے یوں کہا:

"آج وقعہ قبائلی ڈاکوؤں نے علاقہ بھر کی بھیڑ بکریاں، بھینس، بیل اور مرغیاں لوٹ لیں اور انہیں ذبح کر کے چٹ کر گئے۔ اس گوجر کے پاس صرف ایک بھینس رہ گئی۔ اس کا دودھ وہ ان قبائلیوں کو پلاتا رہا۔ جاتی دفعہ قبائلیوں نے اس سے مرغے کا مطالبہ کیا۔ مرغا اُس کے پاس تھا کہاں جو وہ انہیں پیش کرتا۔ انہوں نے غصے میں آکر اسی بھینس کو ہلاک کر ڈالا اور اس کی آخری پونجی سے بھی اسے محروم کیا۔"

یہ حقیقت شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ قبائلیوں نے ریاست میں داخل ہو کر

عبور کرتے ہی قتل و غارت گری اور لوٹ مار کا بازار گرم رکھا۔ مگر عوامی حکومت کے حفاظتی دستے بھی[1] ان قبائلیوں سے کچھ کم نہ تھے جنہوں نے امن و قانون کے نام پر عوام الناس کا جینا دوبھر کیا جس سے وادی میں دہشت گری کا دور دورہ شروع ہوا۔ اس اندرونی انتشار سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے "قومی رہنماؤں" نے قبائلیوں کے لوٹ مار[2] کے افسانوں کو مبالغہ آمیز حاشیوں کے ساتھ سنانا شروع کیا۔

قطع نظر دوسرے قائدین کی گوہر فشانی کے یہاں مشتے نمونے از خروارے مولانا مسعودی کی ایک تقریر کے اقتباس پر قناعت کی جاتی ہے۔

اپریل ۱۹۴۸ء میں مولانا مسعودی فوج اور شہری آبادی کے درمیان بحیثیت لیزان آفیسر کے کرناہ، ہندواڑہ کے علاقے میں خدمات انجام دے رہے تھے۔ ان دنوں دولہ پورہ (ہندواڑہ کے قریب ایک گاؤں) میں قبائلیوں اور ہند فوج کے درمیان گھمسان کا رن جاری تھا۔ مولانا، بریگیڈیر ہربخش سنگھ کی معیت میں اسی محاذ کے دورے پر گئے تھے جہاں مولانا کے کندھے پر گولی لگی۔ بریگیڈیر ہربخش سنگھ نے انہیں انتہائی چابکدستی سے اپنے کندھے پر اٹھایا اور فوری طبی امداد بہم پہنچائی، مولانا کئی مہینوں تک ہسپتال

---

[1] : حفاظتی دستوں کے علاوہ اعلیٰ سرکاری عہدیداروں نے بھی سرکاری املاک کو لوٹا۔ حالانکہ مفتی رشید الدین نے گلمرگ میں محکمہ تواضع کے قالین اور دوسرا سامان لوٹ کر گھر پہنچایا جسے بعد ازاں تلاشی کے دوران برآمد کیا گیا۔

[2] : ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء یوم شہداء کے موقع پر شیخ صاحب نے مزار شہداء پر تقریر کرتے کہا۔ قبائلیوں کے لوٹ مار اور قتل و غارت کے جتنے بھی واقعات ہم مانتے کہتے رہے اُن کی تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ غیر مصدقہ اور مبالغہ آمیز تھے۔

جاء الحق وزهق الباطل   ان الباطل كان زهوقا"

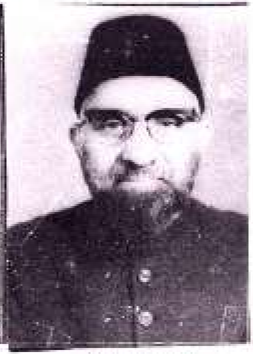
میں زیر علاج رہے۔ ابھی وہ پوری طرح صحت یاب بھی نہ ہونے پائے تھے کہ ماہ جون میں فوج نے یہ رائے ظاہر کی۔ چونکہ عام لوگ جنگ کی تباہ کاریوں سے خوف زدہ ہو کر جنگلوں میں چھپ گئے ہیں اور فوج کے لئے شہریوں اور قبائلیوں میں تمیز کرنا دشوار بن گیا ہے۔ اگر حکومت شہریوں کو واپس بلا سکتی تو بہتر ہوتا۔ اس علاقے میں مولانا مسعودی اور ان کے خاندان کا زبردست اثر و رسوخ تھا جو آج بھی قائم ہے اس لئے طے پایا کہ چاہے کچھ بھی ہو مولانا مسعودی کو یہ زحمت اٹھانے پر مجبور کیا جائے۔ چنانچہ جب مولانا مسعودی کندھے پر پٹی باندھے ہوئے "بنیار" پہنچے تو تمام گاؤں خالی پڑا تھا۔ ماسوائے ایک پن چکی کے جہاں فوجیوں کی نظر بچا کر جنگلوں سے نکل کر گوجر آٹا پسنے آتے تھے جب مولانا کی پارٹی پن چکی کے قریب پہنچی ایک گوجر جو وہاں کھڑا تھا کی نظر اس پارٹی پر پڑی تو وہ بے تحاشا بھاگا۔ پارٹی کے کئی افراد نے آواز دی۔ گھبراؤ نہیں۔ ہم تمہارے ہی پاس آئے ہیں اور ہمارے ساتھ مولانا بھی ہیں مگر گوجر چیختے چلاتے بھاگتا ہی گیا۔ اس چیخ و پکار میں کچھ دوسرے گوجر بھی جنگل سے نکل آئے اور جب انہوں نے مولانا کا نام سنا تو جواب دیا، یعنی وہ تو دو ہفتے پہلے گولی لگنے سے ہلاک ہوئے ہیں۔ مگر چند لمحوں میں ان کا وہم جاتا رہا اب کیا تھا وہ مولانا مسعودی کے گرد جمع ہوئے انہیں زندہ و جاوید دیکھ کر مسرور و شادماں ہوئے اور ایک ایک کر کے تمام لوگ جنگل سے نکل کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹے۔ یہ سارا کرشمہ مولانا مسعودی کے صرف چار گھنٹے کی محنت اور ذاتی توجہ سے ظہور پذیر ہوا۔ مولانا نے ان کی تسلی و تشفی کے لئے ایک مختصر تقریر بھی کی اس واقعہ کا خوب چرچا ہوا۔ دوسرے دن مولانا سری نگر لوٹ آئے۔ ۴ جون ۱۹۴۸ء کو انہوں نے امیرا کدل میں میجسٹک ہوٹل کے سامنے اس خوشگوار واقعہ کی تفصیلات پیش کر کے اپنے فاضلانہ انداز تکلم کے جوہر دکھاتے کہا:

"قبائلیوں نے اپنی مستقر شاہی کے دور میں کرناہ میں ایک تحصیلدار مقرر کیا۔ جو ہر درخواست کے ساتھ ایک روپیہ نقدی لیتا تھا اور قبائلی حملے کی دہشت سے بھاگے ہوئے لوگوں کی زمین تین روپے فی کنال کے حساب سے فروخت کرتا تھا۔ علاقہ وار پورے سے حملہ آوروں نے تقریباً دس ہزار بھیڑ بکریاں، تین ہزار گائے بیل اور ایک ہزار سے زائد گھوڑے خچر لوٹ لئے۔ جس گھر میں قبائلی گھستے تھے اس پر ان کی مہمان نوازی فرض بن جاتی تھی جس کے لئے گوشت کی حسب ذیل شرح مقرر تھی۔ ایک سے تین قبائلیوں کے لئے مرغا، چار سے سات تک کے لئے بھیڑ، آٹھ سے بیس تک کے لئے بیل، اتنا ہی نہیں بلکہ قبائلیوں نے اس علاقہ سے ستائیس ۲۷ ہزار درجن انڈے بھی لوٹ لئے۔"

ان حقائق کا اعادہ لازمی نہیں کہ قبائلیوں نے جو نقوش ریاست جموں و کشمیر کے دونوں حصوں میں چھوڑے وہ انتہائی گھناؤنے اور وحشیانہ ہیں۔ حالانکہ آزاد کشمیر کے سابق صدر سردار محمد ابراہیم خان نے بھی اپنی تصنیف کشمیر ساگا اور متاع زندگی میں دبی زبان میں ان کی ہلڑبازی اور دہشت گیری کا اعتراف کیا ہے۔ مگر راشن بندی کے جس طریقہ کار کا مولانا نے انہیں پابند بتایا ہے وہ ان کی ہجو میں نہیں بلکہ تعریف کے ضمن میں لکھا جائے گا۔ باوجود انہیں لٹیرے کہا جاتا ہے۔ کھانے پینے کے معاملے میں بقول مولانا محمد سعید مسعودی' وہ ایک خاص نظم و ضبط کے مالک تھے۔ یہاں موضوع بحث قبائلیوں کی لوٹ مار نہیں، بلکہ تدابیرِ کشمیری کی داستان گوئی ہے۔ اس سلسلے میں جب میں نے ۲۷ جون ۱۹۷۲ء کو مولانا سے مندرجہ صدر گوشوارہ کے بارے میں استفسار کیا۔ اگر کھانے پینے کی تمام تر تفصیل کو درست بھی تسلیم کیا جائے۔ تو بھی ۲۷ ہزار درجن انڈوں کو چار گھنٹے کے آشوب محشر حالات میں گننے اور ان کا حساب رکھنا عقل و فہم کے لئے ناقابل قبول ہے؟ مولانا حیرت زدہ ہو کر پہلے میری طرف دیکھنے



مسلم کانفرنس آرگنائزنگ بورڈ۔ ۱۹۴۵ء (دائیں سے بیٹھے)۔ نامعلوم۔ قریشی محمد یوسف ـــ
جناب ایم۔ اے۔ ساغر۔ (کھڑے) جناب محمد سلطان وانی۔ پیرزادہ طیب شاہ۔ جناب جلال الدین قریشی جناب غلام نبی زرز



میرواعظ مولوی نورالدین



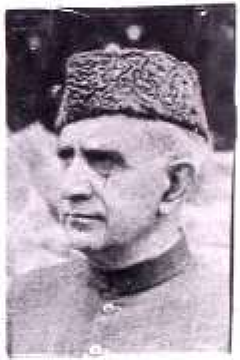
مرزا غلام محمد بیگ (نون بیگ)



خواجہ غلام محمد بٹ اور مولانا محمد سعید مسعودی



مولوی محمد امین صاحب



خواجہ غلام محی الدین قرہ



مولانا میرک شاہ اندرابی

لگے اور پھر کچھ تامل اور لجاہٹ کے ساتھ حقایق کا منہ نوچتے ہوئے کہنے لگے در اصل ان دنوں غلام رسول کار میرے ساتھ بحیثیت پریس اٹیچی کے منسلک تھا یہ اسی کے دماغ کی اختراع ہے۔

یہ حقیقت شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ قبائلیوں نے کشمیر کی سرحدوں کو عبور کرتے ہی غیر مسلموں کے قتل عام کے ساتھ ساتھ اکے دکے مسلمانوں کو بھی اپنے ظلم و تشدد اور لوٹ مار کا نشانہ بنایا۔ اور جب یہ لوگ واپس چلے گئے۔ تو پاکستان پنجاب میں بھی انہوں نے لوٹ مار کا سلسلہ جاری رکھا۔ جہاں ان کے خلاف عوامی حلقوں میں شدید رد عمل کا اظہار ہوا۔ عوامی حلقوں کی شدید ناراضگی کے پیش نظر حکومت پاکستان نے انہیں واپس اپنے علاقے میں دھکیل دیا۔ پاکستان میں اگر کسی شخص کو قبائلیوں کا بہی خواہ اور ہمدرد کہا جائے تو وہ سردار محمد ابراہیم خان ہیں، جو قبائلیوں کی امداد اور لشکر کشی کی آج بھی تعریفیں کرتے ہیں مگر باوجود اس کے پاکستانی پنجاب میں اُن کے لوٹ مار اور جبر و تشدد کا اعتراف کرتے ہوئے اُسے نظر انداز کرنے کی خواہش رکھتے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبائلیوں نے نہ صرف صوبہ کشمیر کو اپنی درندگی اور بربریت کا ہدف بنایا بلکہ اُن لوگوں سے بھی کوئی رعایت نہیں برتی جنہوں نے کشمیر پر حملہ کرنے کی انہیں دعوت دی۔ ۱۹۵۰ء میں جب قبائلی علاقہ کے باشعور افراد سے راولپنڈی میں اس وحشیانہ طریقہ کار کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا ـــ "آپ لوگوں کی مدد کے لئے ایرانی، افغانی اور ترک نہیں آئے۔ اگر ہم میں سے چند لوگ اس جرم کے مرتکب ہوئے تو کیا ہوا جنگ میں ایسا ہوتا ہی ہے ـــ لو آیندہ اب ہم نہیں آئیں گے" حکومت آزاد کشمیر نے ۱۹۴۹ء میں ایک حکم کے ذریعہ قبائلیوں کا آزاد کشمیر میں داخلہ ممنوع قرار دیا۔

(۱۴)

انٹیلیجنس آرڈینینس

۱۲ر جنوری ۱۹۴۸ء کو شیخ محمد عبداللہ نے سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر پر بحث کے لئے ہندوستانی وفد کے ایک رکن کی حیثیت میں شامل ہو کر نیو یارک روانہ ہونے سے قبل دہلی میں اخبار نویسوں کو بیان دیتے ہوئے کہا ـــ "کشمیری عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس ڈومنین کے ساتھ چاہیں شامل ہو سکتے ہیں اور ان کو اس حق سے کوئی بھی طاقت محروم نہیں کر سکتی۔ ہم ریفرنڈم کے حق میں ہیں۔ کشمیر کے عوام اس وقت پاکستانی حملہ آوروں کا بڑی بہادری اور جرات سے مقابلہ کر رہے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں۔ ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے سے کشمیر کو کافی فائدہ ہوگا۔ کیونکہ اقتصادی اور مالی طاقت کے لحاظ سے ہندوستان، پاکستان کی نسبت کافی مضبوط ہے۔" شیخ صاحب کے ہندوستانی وفد میں شامل ہونے کے اعلان کے ساتھ ہی آزاد کشمیر ریڈیو نے انہیں "لقشیکا" "ہری عبداللہ" کے نام سے پکارنا شروع کیا۔ شیخ صاحب کے ساتھ جانکی ناتھ زتشی بحیثیت سیکرٹری گئے۔ اس

وفد میں مسٹر ہاکسر اور مسٹر ٹی۔ این کول بھی شامل تھے۔

اس درمیانی عرصے کے لئے بخشی غلام محمد کو قائم مقام ناظم اعلیٰ کے اختیارات سونپ دیئے گئے۔ اس سے قبل نائب ناظم اعلیٰ اور صوبہ جموں کے لئے ناظم اعلیٰ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے جموں راج گڑھ میں جسٹس جانکی ناتھ وزیر کے سامنے اپنے نئے عہدے کا حلف اٹھایا۔ اس تقریب میں مہر چند مہاجن، کرنل بلدیو سنگھ پٹھانیہ، چیف ایمرجنسی آفیسر جموں اور نیشنل کانفرنس کے چیدہ کارکن موجود تھے۔ بخشی غلام محمد نے اپنے مختصر عرصہ قائم مقام ناظم اعلیٰ کے دوران ایمرجنسی آرڈی نینس نافذ کیا۔ جو اس طرح ہے۔ (الف) ریاست جموں و کشمیر کے تمام باشندے اور سرکاری ملازم جہاں کہیں بھی ہوں اور (ب) ریاستی باشندے جو ہندوستان یا پاکستان کے کسی حصے میں منتقل ہوئے ہوں اس آرڈی نینس کی رو سے دشمن کے جاسوسوں وغیرہ متعلقین کو سزائے موت دی جا سکتی ہے جنہوں نے عمداً یا قصداً دشمن کی امداد و اعانت کرنے کے لئے یا کسی دوسرے شخص کے ساتھ اس غرض کے لئے سازش کی ہو کہ دشمن کو فوجی یا ہوائی امداد مل سکتی ہو یا مل جانے کا اندیشہ ہو۔ ہندوستانی فوجوں، ریاستی فوجوں اور کسی ہندوستانی ریاست کی فوجوں کی فوجی کاموں میں خلل اندازی کا باعث بنا ہو یا جو کسی کی جان کے لئے باعث خطرہ ہو یا غنڈہ گردی کا مجرم ہو۔ اس قسم کے جرائم پر جو ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے

لہ:۔ اسی آرڈی نینس کی آڑ میں شیخ صاحب کے دورِ حکومت میں اُن تمام لوگوں کو روندا گیا جو ان سے نظریاتی اختلاف کے مجرم ٹھہرائے گئے اور اگست ۱۹۵۳ء کے بعد بخشی غلام محمد کی حکومت نے اسی آرڈی نینس کا جس قدر غلط اور حیوانی ڈھنگ سے استعمال کیا اُس کی مثال مہذب دنیا میں ملنا محال ہے۔ شیخ محمد عبداللہ کے حامیوں کے علاوہ اسی آرڈی نینس کے ذریعہ ایسے بے وسیلہ لوگوں کا بھی قافیہ تنگ کیا گیا جن کی ماں، بہن، بیٹی یا بہو قبول صورت تھی۔ صادق صاحب کے دورِ حکومت میں اسی آرڈی نینس نے کشمیری مسلمان طالب علموں کی زندگی اجیرن بنا دی تھی۔

بعد سرزد ہوئے ہوں [illegible] اس آرڈی نینس کے تحت کارروائی کی جا سکتی ہے"

سزائے موت والے آرڈی نینس کا مژدہ سنانے کے بعد بخشی غلام محمد سری نگر آئے لیکن اُن کے یہاں آنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد جموں میں دوبارہ فرقہ وارانہ فسادات اور گڑبڑ شروع ہوئی جس کو فرو کرنے کے لئے اُن کا جموں میں مستقل قیام لازمی ٹھہرا۔ اس طرح اس درمیانی عرصہ کے لئے خواجہ غلام محمد صادق صوبہ کشمیر کے لئے قائم مقام ناظم اعلیٰ مقرر کئے گئے۔

نئی وزارت

فروری ۱۹۴۸ء کے آخری ہفتے میں شیخ محمد عبداللہ نیویارک سے واپس آگئے۔ انہوں نے نئی دہلی میں اخباری نمائندوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا ——

"آئندہ نیویارک جانے کا کوئی ارادہ نہیں۔ میں کافی دیر تک ریاست سے باہر رہا۔ اب میں کشمیر جاؤں گا اور جو نوجوان وہاں ملک کے بچاؤ پر مامور ہیں انہیں ہدایات دیتا رہوں گا۔"

اقوام متحدہ میں پاکستانی نمائندے کے اعتراضات اور تمسخر انگیز فقروں نے جن میں شیخ محمد عبداللہ کی حیثیت" اور "نمائندگی" کو بار بار بالواسطہ یا بلاواسطہ چیلنج کیا جاتا رہا، کے پیش نظر حکومت ہند کے مشورے پر ریاستی وزراء کابینہ نے مہاراجہ کو اپنے استعفیٰ پیش کئے۔ ۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو مہاراجہ نے ایک فرمان کے تحت شیخ محمد عبداللہ کو ریاست کے وزیر اعظم کے عہدے کا حلف لینے کا حکم جاری کیا۔ جو مندرجہ ذیل ہے:

"آج ماہ مارچ ۱۹۴۸ء کے پانچویں دن اور ہماری حکومت کے تیسویں (۲۳) سال میں ہم نے خاندانی روایات کے مطابق وقتاً فوقتاً اپنی رعایا کو نظام حکومت میں زیادہ سے زیادہ شرکت کا موقع بخشا ہے جس کی غرض و غایت یہ تھی کہ جلد از جلد

اُن کو مکمل ذمہ دار نظامِ حکومت حاصل ہو۔ اسی خواہش کے تحت ہم نے جموں و کشمیر کانسٹی ٹیوشن ایکٹ سمت ۱۹۹۶ بکرمی کے ذریعہ ریاست میں ایک ایسی حکومت قائم کی ہے جو وزراء کی ایک کونسل، ایک مجلس قانون ساز جس میں منتخب ممبران کی کثرت ہے اور ایک آزاد عدلیہ پر مشتمل ہے۔

آج تک جو ترقی ہوئی ہے اُس پر ہمیں خوشی اور فخر ہے اور اس بات پر بھی کہ ہماری رعایا کی یہ جائز خواہش ہے کہ فوری طور پر ریاست میں ایک مکمل جمہوری آئین نافذ کیا جائے جس کے تحت ہر بالغ کو حقِ رائے دہندگی حاصل ہو۔ ریاستی انتظامیہ مجلس قانون ساز کے روبرو ذمہ دار ہو اور جس کا آئینی سربراہ ہمارے شاہی خاندان کا فرد ہو۔

ہم نے پہلے ہی اپنی رعایا کے ہر دلعزیز قائد شیخ محمد عبداللہ کو ایمرجنسی ایڈمنسٹریشن کا سربراہ مقرر کیا ہے۔ اب ہماری خواہش ہے کہ مکمل ذمہ دار آئین نافذ ہونے تک ایمرجنسی ایڈمنسٹریشن کی جگہ ایک جمہوری حکومت قائم کی جائے اور اس کے اختیارات و فرائض واضح کر دیئے جائیں۔ اس لئے ہم مندرجہ ذیل حکم صادر کرتے ہیں:۔

۱۔ ہماری کونسل آف منسٹرز پرائم منسٹر اور دیگر اُن وزراء پر مشتمل ہوگی جو وزیرِاعظم کے مشورے سے تعینات کئے جائیں۔ ہم نے ایک شاہی اعلان کے ذریعہ آج سے شیخ محمد عبداللہ کو وزیرِاعظم مقرر کیا ہے۔

۲۔ وزیرِاعظم اور دیگر وزراء ایک کابینہ اور مشترکہ ذمہ داری کے اصول پر کام کریں گے۔

۳۔ ہم اس موقعہ پر پھر سے یقین دلاتے ہیں کہ ہماری رعایا کے تمام فرقوں کو بلالحاظ مذہب و ملت سرکاری ملازمت (سول و ملٹری) میں صرف بلحاظ قابلیت برابر مواقع حاصل ہوں گے۔

۴۔ نارمل حالات قائم ہوتے ہی ہمارے وزراء کابینہ کی کونسل مناسب قدم اُٹھائے گی تاکہ بالغ رائے دہندگی کے اصولوں کے مطابق نیشنل اسمبلی قائم ہو اس اصول کو بھی مدِنظر رکھا جائے کہ ہر حلقہ رائے دہندگی کو اس کی آبادی کے مطابق ہی نمائندگی حاصل ہو۔

۵۔ قومی اسمبلی جو آئین مرتب کرے، اُس میں اقلیتوں کے حقوق کی پوری پابندی کی جائے۔ اور اس میں ایسی دفعات رکھی جائیں جن کے ذریعہ تحریر و تقریر اور انجمن کے قیام کی مکمل آزادی کی ضمانت دی جائے۔

۶۔ قومی اسمبلی نیا آئین مرتب کرنے کے بعد اسے بوساطت کونسل آف وزراء کابینہ ہماری منظوری کے لئے پیش کرے گی۔

۷۔ اخیر میں ہم اس اُمید کو دہراتے ہیں کہ عوامی حکومت کا قیام اور مستقبل میں مکمل ذمہ دار آئین کا نفاذ ہماری رعایا کی ہمہ جہتی خوشی اور ذہنی و مالی ترقی کا ضامن ہوگا۔

دستخط: ہری سنگھ مہاراجہ

جموں۔ ۵۔ مارچ ۱۹۴۸ء

اعلان کا شانِ نزول

مہاراجہ ہری سنگھ کے مجوزہ اعلان کا شانِ نزول کب، کہاں اور کس طرح ہوا۔ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کونسی منزلیں طے کرنی پڑیں۔ اس سلسلے میں مہر چند مہاجن اپنی تصنیف "لوکنگ بیک" میں انکشاف کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:۔

"غالباً فروری ۱۹۴۸ء کے آخری ہفتہ میں مجھے دہلی سے وزیرِاعظم کے سیکرٹری نے ٹیلی فون پر دہلی آنے کو کہا۔ میرے دہلی پہنچنے پر وزیرِاعظم

نہرو، مسٹر گرجا شنکر باجپائی اور سر گوپالا سوامی آئینگر نے میرے سامنے یہ تجویز رکھی کہ مہاراجہ ایک اعلان کے ذریعہ شیخ محمد عبداللہ کو اپنا وزیر اعظم مقرر کرے، اور وہ مجھے ایک متبادل مگر کھوکھلا عہدہ "دیوان" دینا چاہتے تھے۔ ان سے مراد یہ تھا کہ ایسا کرنے سے سیکورٹی کونسل میں ہندوستان کے ہاتھ مضبوط ہوں گے۔ جہاں کشمیر کے الحاق کا معاملہ زیر بحث تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے مشورے پر ہندوستان نے پاکستان کے خلاف سیکورٹی کونسل میں اس خیال سے شکایت دائر کی تھی۔ کہ سیکورٹی کونسل پاکستانی جارحیت کو روکنے کے اقدام کرے گی۔ اس بارے میں مہاراجہ کی رائے طلب کی گئی تھی۔ میں اس حق میں نہ تھا کہ معاملہ سیکورٹی کونسل میں پہنچایا جاتے۔ نیشنل کانفرنس کے لیڈر (شیخ محمد عبداللہ) اور مہاراجہ کی بھی یہی رائے تھی۔

پاکستان کے ہوش ٹھکانے آجاتے اگر ہندوستان اُسی وقت پاکستان پر حملہ کرتا۔ مگر اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ایک ڈومینین کو دوسرے کے خلاف جنگ لڑنی پڑتی اس لئے ایسا نہ ہوا۔

گو ہم سیکورٹی کونسل میں یہ معاملے جانے کو تیار نہ تھے۔ ہز ہائی نیس نے اس امر کے پیش نظر کہ ریاست کے امور خارجہ کو بروئے الحاق نامہ ہند کے حوالے کیا گیا ہے۔ اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

سیکورٹی کونسل کی دوسری میٹنگ مارچ یا اپریل ۱۹۴۹ء میں ہونا قرار پائی تھی۔ مہاراجہ کے (جس) مجوزہ اعلان کے مسودہ پر بات چیت کرنے کے لئے مجھے دہلی طلب کیا گیا تھا اور سلامتی کونسل کی صدر میٹنگ سے قبل جاری کرنا مطلوب تھا۔ اس کا مسودہ سر گوپالا سوامی آئینگر نے ترتیب دیا تھا جس کو وزیر اعظم (پنڈت نہرو) اور سردار پٹیل دونوں نے منظور کیا تھا۔ میں اس سے متفق نہ تھا اور میں نے کہا کہ غالباً مہاراجہ بھی اس سے متفق نہ ہوگا۔ سردار پٹیل نے میری بات سُن کر کہا۔ مہاراجہ کے اس سے متفق ہوئے بغیر اور کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ اس پر میں نے سردار پٹیل سے استدعا کی کہ مہاراجہ کے اس اعلان سے پہلے ہی مجھے (ریاستی ملازمت سے) سبکدوش کیا جائے۔ اُس نے مجھے چھٹی دی اور اپنے ذاتی سیکرٹری مسٹر شنکر کو میرے ہمراہ سری نگر بھیجا تاکہ وہ مہاراجہ کو ترغیب دے کہ وہ مجوزہ اعلان کی شرائط کو منظور کرے۔ کافی بحث مباحثہ کے بعد مہاراجہ نے اعلان کے شرائط کو تسلیم کیا لیکن وہ اس بات پر بضد رہا کہ ریاستی افواج کا کمانڈر انچیف بنا رہے۔ سردار پٹیل وقتی طور پر اس تبدیلی پر رضامند ہوگیا۔ مہاراجہ کے اعلان کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے ۵ یا ۶ مارچ کو وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا اور میں نے ریاست کی سروس چھوڑ دی۔

شیخ محمد عبداللہ نے ۵ مارچ دن کے ساڑھے تین بجے منڈی مبارک محل میں رازداری کا حلف لے کر وزارت عظمیٰ کا قلمدان سنبھالا۔ ۱۱ مارچ کو سلامتی کونسل میں گوپالا سوامی آئینگر نے کونسل کے ممبروں کے سامنے مہاراجہ کشمیر کا شاہی فرمان (جس میں شیخ محمد عبداللہ کو وزارت بنانے کی دعوت دی گئی تھی) پڑھ کر سنایا اور شیخ صاحب کے برقیہ کی کاپیاں ممبران میں تقسیم کی گئیں۔ جس میں انہوں نے یقین دہانی کرائی تھی کہ وہ "نئی حکومت" میں ریاست کے تمام فرقوں کو نمائندگی دینے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔"

ممبرانِ کابینہ

چنانچہ ۱۸ مارچ کو جموں میں جب انہوں نے اپنی کابینہ کے ممبران کے ناموں کا اعلان کیا تو کرنل پیر محمد خان جو مسلم کانفرنس کے رکن تھے بحیثیت شو بائے کے وزیرِ تعلیم کے عہدے پر تعینات کیے گئے۔ شیخ صاحب کی کابینہ کے سینئر ارکان مندرجہ ذیل ہیں۔ وزیرِ اعظم شیخ محمد عبداللہ۔ نائب وزیرِ اعظم و وزیرِ داخلہ بخشی غلام محمد۔ وزیرِ مالیات مرزا محمد افضل بیگ۔ وزیرِ صحت و بحالیات سردار بدھ سنگھ۔ وزیرِ ترقیات خواجہ غلام محمد صادق، وزیرِ خوراک پنڈت شیام لال صراف، وزیرِ خزانہ پنڈت گردھاری لال ڈوگرہ۔ وزیرِ تعلیم کرنل پیر محمد خان۔

نئی کابینہ نے حکومت پر نیشنل کانفرنس کے عمل دخل کو محکم و مستحکم بنانے کے لئے مندرجہ ذیل تقرریاں عمل میں لائیں۔ ڈاکٹر ایس ایس پشن ڈائریکٹر صحتِ عامہ، پنڈت کشپ بندھو ڈائریکٹر جنرل دیہات سدھار، میر مقبول گیلانی سپیشل آفیسر اوڑی، محمد امین سپیشل آفیسر بانہال۔ غلام قادر بٹ سپیشل آفیسر لداخ۔ اسی طرح سنٹرل سیکرٹریٹ میں بھی بعض اہم تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں۔ وزیرِ اعظم کے ماتحت محکموں اور آفس کے لئے مندرجہ ذیل اصحاب ان عہدوں پر تعینات کئے گئے۔ پرنسپل سیکرٹری پیرزادہ غلام احمد۔ سیکرٹری شیام لال در۔ قانونی و آئینی سیکرٹری سردار عبدالحلیم درانی۔ پبلسٹی سیکرٹری جانکی ناتھ زتشی۔ پرنسپل اسسٹنٹ لالہ رام لال ناگیال۔ انڈر سیکرٹری انفارمیشن و براڈ کاسٹنگ بلدیو پرشاد شرما ۱؎۔ وزارتِ داخلہ کے سیکرٹری درگا پرشاد در۔ سپیشل سیکرٹری محی الدین۔ پرنسپل اسسٹنٹ جیالعل

۱؎ : بلدیو پرشاد شرما کے بھائی ہری رام شرما نے ڈوگرہ ہونے کے باوجود کشمیر چھوڑ دو تحریک کے

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۲ پر)

کاشی ناتھ آیمہ۔ وزارتِ مالیات سیکرٹری کوتوال تیج رام۔ انڈر سیکرٹری آغا ناصر علی۔ غلام محی الدین شیخ نورالدین۔ پرنسپل اسسٹنٹ سید میر قاسم۔ وزارتِ بحالیات سیکرٹری حکیم علی۔ پرنسپل اسسٹنٹ پیر غیاث الدین۔ انڈر سیکرٹری منشی غلام محمد۔ محمد اکبر خان۔ وزارتِ خوراک سیکرٹری ترلوچن دت۔ پرنسپل اسسٹنٹ ہربنس سنگھ آزاد۔ انڈر سیکرٹری سردار تیجا سنگھ۔ گھنشام۔ وزارتِ خزانہ سیکرٹری عبدالعزیز فاضلی۔ وزارتِ تعلیم سیکرٹری غلام احمد مختار۔ انڈر سیکرٹری جسن شاہ۔ بعدازاں ڈپٹی منسٹروں کے صف میں مندرجہ ذیل اصحاب کو شامل کیا گیا۔ غلام محی الدین ہمدانی (زہرا)، درگا پرشاد در، خواجہ مبارک شاہ، کرنل بلدیو سنگھ سمبیال، کرنل غلام قادر اور خواجہ علی شاہ۔

جشنِ آزادی

فوج میں ایک عام اصول ہے کہ جب مدافعت کی کوئی راہ باقی نہ رہے تو عام ہلہ بول دیا جائے۔ بعینہٖ جب کسی ذہین سیاست دان کو ملک میں درپیش مسائل کے فوری حل کی راہیں مسدود نظر آتی ہیں تو وہ مختلف شوشوں کو کھڑا کر کے لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کراتا ہے۔ ان دنوں کشمیر دائمی غربت اور جنگ کی وجہ سے انتہائی اقتصادی بدحالی اور بحران کا شکار تھا۔ عام لوگ باوجود شدید دباؤ کے نئے انتظامیہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۱ سے آگے) دوران اس تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے بڑی جرأت مندی سے کام کیا۔ ہری رام شرما جو امیرا کدل میں دوکانداری کرتا تھا نے نہ صرف تحریک کو چلانے میں مالی امداد کی بلکہ شیخ صاحب کے خلاف دائر کئے گئے مقدمہ بغاوت میں پنڈت جیا لال کلم کو بطور وکیل کھڑا ہونے پر آمادہ کیا۔ رجعت پسند ڈوگروں کے سب ستم کا ہدف بنے لیکن پہاڑ کے مانند اپنے نظریہ پر قائم رہے۔ ۱۹۴۷ء کے لگ بھگ تارکِ دنیا کی راہ اختیار کی ان دنوں فقیرانہ (سادھو) زندگی بسر کر رہے ہیں۔

کے خلاف چہ میگوئیاں کرنے سے باز نہ آتے تھے۔ شیخ صاحب کی حکومت نے لوگوں کی توجہ اس سے ہٹانے کے لئے، مئی سے ۱۳ مئی ۱۹۴۸ء تک جشنِ آزادی کا ہفتہ منانے کا اعلان کیا۔ اس تقریب میں جنرل کری آیا۔ میجر جنرل تھمایا۔ پنڈت جواہر لال نہرو۔ مولانا آزاد۔ مہاراجہ ہری سنگھ۔ مہارانی تارا دیوی[1]۔ رفیع احمد قدوائی اور گوپالا سوامی آینگر نے شرکت کی۔ پولو گراؤنڈ میں ایک خصوصی جلسہ مولانا آزاد کی صدارت میں ہوا۔ مولانا محمد سعید مسعودی نے جو ہفتہ آزادی سیلیبریشن کمیٹی کے صدر تھے، مولانا آزاد کو سپاسنامہ پیش کیا۔ اس جلسہ میں پنڈت جواہر لال نہرو اور شیخ محمد عبداللہ نے اپنے خیالات اور ریاست کشمیر کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے اپنے موقف کو دہرایا۔

جاگیریں بحقِ سرکار ضبط

ہفتہ جشنِ آزادی کے فوراً بعد شیخ محمد عبداللہ کی حکومت نے ریاست میں اصلاحاتی مسائل کی جانب توجہ دینی شروع کی اور سب سے پہلی فوقیت

---

[1]: کشمیری خواتین کی جو ونگ نیشنل کانفرنس نے قائم کی تھی اس کا صدر دفتر ہری سنگھ زنانہ پارک (حال احاطہ نیو سیکریٹریٹ سری نگر) میں تھا۔ مہارانی کی آمد پر شیخ صاحب نے اس ونگ کی چیف بیگم زینب سے کہا کہ مہارانی میرے ساتھ آنے والی ہیں۔ ان کا پرتپاک استقبال کیا جائے۔ بیگم زینب یہ سنتے ہی آگ بگولہ ہوئیں اور شیخ صاحب سے کہا۔ ایسی عورت کا استقبال ہم کسی قیمت پر کرنے کیلئے تیار نہیں جس کے ہاتھوں سے آج بھی ہزاروں ریاستی باشندوں کا خون ٹپک رہا ہو۔ یہ جواب سنتے ہی شیخ صاحب سخت برہم ہوئے اور جاتے جاتے کہا "اگر تم صادق کی بہن نہ ہوتی میں تمہیں گرفتار کرتا۔" جشن کے بعد اس ونگ کی تمام سرگرمیاں ختم کی گئیں۔ شیخ صاحب نے بذاتِ خود اس کے آفس میں آویزاں تصویروں کو نوچ کر پیروں تلے روند ڈالا اور کاغذات پھاڑ ڈالے۔

زرعی اصلاحات کو دی گئی۔ جس کے تحت تمام چھوٹی بڑی جاگیریں بلا معاوضہ بحق سرکار ضبط کر کے کسانوں اور کاشتکاروں میں تقسیم کرنے کی تجویز رکھی گئی۔ ان دنوں مرکز میں امورِ کشمیر کا انچارج سر گوپالا سوامی آینگر تھا جو جاگیردارانہ نظام کا زبردست حامی اور مفادِ خصوصی کو کسی قیمت پر زک پہنچانا برداشت نہیں کرتا تھا۔ اس نے اس نوعیت کے اصلاحات میں زبردست اڑچنیں پیدا کرنا شروع کیں جس کی وجہ سے وزیر مال مرزا محمد افضل بیگ کو بار بار دہلی جا کر اس سے اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر تبادلۂ خیال کرنا پڑتا تھا۔ اس ضمن میں ان دونوں کے درمیان مندرجہ مکالمہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

آینگر:۔ اگر میرے اس کمرے میں دس کرسیوں میں سے چھ اٹھا کر آپ لے جائیں گے اور چار مجھے چھوڑ دیں گے تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ چار کرسیاں میرا معاوضہ ہے۔

بیگ:۔ نہیں! صورتِ حال یہ نہیں ہے اگر یہ ثابت کیا جائے کہ دس کرسیاں آپ کی تھی ہی نہیں آپ نے ان پر جبراً قبضہ کیا تھا تب تو آپ چار کرسیوں کے بھی مستحق نہیں ہیں۔ مثلاً راجہ چھنی کے نام بحیثیت مالک ۳۲ ہزار کنال اراضی ہیں وہ خود سیٹلمینٹ کمشنر تھا خود ہی ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج تھا جس طرح اس نے چاہا! غریب کسانوں کی اراضیات اپنی ملکیت میں درج کرائیں ان حالات میں اگر اسے ۱۰۲ کنال زمین دے دیا جائے تو کیا یہ اس ظلم و ستم کا کچھ کم معاوضہ ہے۔ غالباً آپ کو اندازہ نہیں کہ تحصیل بڈگام، علاقہ سونہ واری، تحصیل رنبیر سنگھ پورہ وغیرہ جگہوں کی بہترین اراضیات کے مالک ریاست کے بڑے بڑے آفیسر کیسے بنے ان کے ہاتھ میں قلم تھا جو چاہا اپنے نام درج کیا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے جب کشمیر کو انگریزوں سے خریدا اور زرِ عوض جس ساہوکار نے دیا اسے نسلاً بعد نسل وزارتِ عظمیٰ کے علاوہ لاکھوں کنال زمین بطور جاگیر دی گئی اس خاندان کی آخری

وارث شریمتی رودیا وتی تقریباً ڈیڑھ لاکھ کنال اراضی کی اس وقت مالکہ ہے۔ کیا زمین اُس کی تھی یا اُن غریب کسانوں کی جنہوں نے بندوبست سے پہلے بنجر زمینوں کو اپنا خون دے کر آباد کیا تھا۔ آئینگر صاحب یہ داستانِ ظلم بہت طویل ہے۔ آج کل کے مالک کبھی کے غائب ہو چکے ہیں، لیکن موروثی نسلی یا ذاتی نظر سے اس کو نہیں دیکھتے وہ نظام دفن ہو چکا ہے۔ ایک نئی صبح کی ضوپاشی ہو رہی ہے ہمیں انصاف کے تقاضے پورے کرنے ہیں۔

یہی وہ مقام ہے جب ہندوستان کے تقریباً تمام سرمایہ دار ہندو اور فرقہ پرست لیڈروں نے شیخ محمد عبداللہ کی ذات پر شک کرنا شروع کیا۔ اُن کے خلاف متحد ہو کر انہیں باوازِ بلند فرقہ پرست اور کمیونسٹ کہنے لگے۔ ان سبھوں کو کانگریس میں سردار ولبھ بھائی پٹیل (وزیرِ داخلہ حکومتِ ہند) اور دوسری فرقہ پرست جماعتوں کے لیڈروں کی حمایت و پشت پناہی حاصل تھی۔ دراصل جموں و کشمیر میں ہندو جاگیردار شیخ محمد عبداللہ کی حکومت کے اس بلا معاوضہ زمینی اصلاحات سے براہ راست متاثر ہوتے تھے۔ ہندوستان نیا نیا آزاد ہوا تھا۔ مسلمان پاکستان حاصل کر چکے تھے۔ ہندوستان کی غالب اکثریت فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے سوچ رہی تھی۔ ان کا خیال تھا شیخ محمد عبداللہ ریاست میں محض ہندوؤں کا قافیۂ حیات تنگ کرنے، انہیں بھگانے اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے اس قسم کے اقدام اٹھا رہا ہے۔ شیخ محمد عبداللہ کے خلاف ہندوستان میں نفرت و حقارت کی جو لہر اس دور میں موجزن ہوئی اور اس سے جو نئے مسائل پیدا ہوئے اُن کی تان ۹۔ اگست ۱۹۵۳ء کے دن اُس وقت ٹوٹی جب انہیں وزارت سے غیر آئینی طور پر برطرف کر کے کم و بیش بائیس [۲۲] برس تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔

شروع میں زرعی زمین کی منتقلی کسی قانون کے تحت نہیں ہوتی رہی، بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ منتقلی کے لئے جس کی لاٹھی اُس کی بھینس والا معاملہ تھا۔ اس پر حکومت کے کارندے مہرِ تصدیق ثبت کیا کرتے تھے۔ اس دور میں اکثر منتقلی کے کاغذات پر کئی تحصیلداروں نے تصدیقی فیصلہ میں لکھا ہے: "نیا کشمیر زندہ باد شیرِ کشمیر کا کیا ارشاد، ہندو مسلم سکھ اتحاد اور اسی جذبہ کے تحت مسمی ــــــ کا زمین بنام ــــــ تحصیل ــــــ موضع ــــــ کو منتقل کیا جاتا ہے۔" اس منتقلی کے بارے میں مہاراجہ ہری سنگھ نے اعلیٰ سرکار کے سامنے بارہا شکایت کی کیونکہ اس طرح اُن کی ملکیتی اراضی کا بہت سارا رقبہ اس زد میں آیا تھا۔ اس ضمن میں قانون بعد میں بنایا گیا۔

چنانچہ صوبہ جموں میں جہاں سے بڑی تعداد میں مسلمان پاکستان ہجرت کر گئے تھے اور اُن کی زمینیں زرعی اصلاحات کے تحت نہ آنے کے باوجود اُن پر عکس قبضہ کرنے کے لئے تحصیلداروں اور محکمۂ مال کے دوسرے ملازمین نے اختیارات اپنے ہاتھوں میں لئے۔ ان کے علاوہ کئی غیر سرکاری لوگوں نے بھی از خود کسانوں کو جمع کر کے فیس لے کر اُن کے نام زمین منتقل کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ سمپان سنگھ نام کے ایک ڈرائیور نے جو بعد ازاں تحصیلدار سنگھ کے نام سے مشہور ہوا، خود کو سپیشل تحصیلدار ظاہر کر کے جموں کے دیہی علاقوں میں ہزاروں کنال زمین حسب پسند لوگوں میں منتقل کر کے بندوبست کی کتابوں میں درج کرایا۔

الغرض بڑی مشکلوں اور کاوشوں کے بعد گوپالا سوامی آئینگر کو ریاست میں زرعی اصلاحات کی ضرورت کے اسباب سمجھ میں آئے۔ اس طرح قانون خاتمہ جاگیرداری بمطابق گورنمنٹ آرڈر زیر نمبر ا۔ ۷ سی مورخہ ۲۰ جون ۱۹۵۰ء جو گورنمنٹ گزٹ میں ۲۳ ہاڑ ۲۰۰۷ بکرمی مطابق ۷ جولائی ۱۹۵۰ء میں شائع ہونے کے بعد ریاست میں نافذ العمل ہوا۔

۲۔ دو نئی سیاسی جماعتیں

جیسا کہ آگے ذکر کیا گیا ہے کہ ریاست جموں و کشمیر میں دو بڑی سیاسی جماعتوں کے



جناب پیر غیاث الدین



خواجہ غلام رسول کار



موہن داس کرم چند گاندھی



من تو شُدی تُو مَن شُدی
پنڈت نہرو اور شیخ صاحب
لال چوک۔ ۱۹۴۷ء



نواب زادہ لیاقت علی خان



سردار ولبھ بھائی پٹیل



جناب مرزا محمد افضل بیگ۔ رشید تاثیر



لارڈ ماؤنٹ بیٹن

ساتھ ساتھ کئی چھوٹی چھوٹی سیاسی و نیم سیاسی جماعتیں وجود میں آئیں اور موسمی جراثیموں
کے مانند فنا ہو گئیں۔ البتہ جماعت اسلامی جو ۱۹۴۱ء میں صوبہ کشمیر میں اور پرجا پریشد ۱۹۴۷ء
میں صوبہ جموں میں معرض وجود میں آئیں۔ یہ جماعتیں ریاست کے سیاسی افق پر [illegible]
نتائج کی اہل قرار پائی ہیں جس کا تذکرہ اس کتاب کی اگلی جلد میں آئے گا۔ یہاں ان
کا مختصر تعارف کرنا مقصود ہے۔

جماعت اسلامی

یہ جماعت سید ابو الاعلیٰ مودودی کے افکار و نظریات کو سمجھنے، تبلیغ و اشاعت
کے لئے ۱۹۴۱ء میں دربھنگہ بہار میں ہندوستان کے پچھتر چیدہ چیدہ علماء دین نے تشکیل دی
اور اسی اجلاس میں مولانا مودودی امیر جماعت منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۸ء میں مولانا مودودی کی
مشہور و معروف کتاب "الجہاد فی الاسلام" شائع ہوئی جس سے علامہ اقبال جیسی شخصیت
بھی متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے۔ ترجمان القرآن نامی رسالہ جو اس سے قبل مولانا مودودی کی
زیر نگرانی حیدرآباد دکن سے شائع ہوتا تھا جس میں مولانا نے اسلامی نظام [illegible] کا تصور
اور دین بحیثیت تحریک پیش کرنے کے ضمن میں سلسلہ وار مضامین لکھے تھے ان سے متاثر ہو کر
چودھری نیاز علی خان نے پٹھانکوٹ کے قریب زمین کا ایک وسیع قطعہ دارالاسلام کے
نام سے جماعت اسلامی کے لئے وقف کیا اور یہیں مولانا مودودی نے ۱۹۴۵ء میں کل ہند
جماعت اسلامی کے پہلے اجتماع کا اہتمام کرایا اور اسی اجتماع میں سب سے پہلے علوم
کشمیر سے جناب سعد الدین اور قاری سیف الدین صاحب نے شرکت کی۔ جناب
سعد الدین ان دنوں چکار نام کے گاؤں جو آجکل آزاد کشمیر میں شامل ہے میں معلم تھے
ان ہی کی دعوت اور ترغیب پر قاری سیف الدین جو [illegible] نیشنل کانفرنسی تھے
اور گویا لاشعوری آئینگر کی وزارت کے خلاف ایجی ٹیشن میں [illegible] لیکن ۱۹۴۲ء

میں جب قائد اعظم محمد علی جناح سری نگر گئے انہوں نے اپنے آپ کو مسلم لیگی سیاست
سے دور رکھ لیا۔ دارالاسلام میں ہی ان کی ملاقات ایک اور کشمیری عالم مولانا غلام احمد
احرار سے ہوئی۔ ان کے علاوہ صوبہ جموں سے کئی علماء دین کے چودھری محمد شفیع، سید الودود
الف الدین نے بھی اس اجتماع میں شرکت کی۔

دارالاسلام سے واپسی پر انہوں نے قاری سیف الدین کے مکان واقع خانیار
سری نگر میں چند احباب کے ساتھ مل کر [illegible] جماعت کی اور ساتھ ہی جامع مسجد سری نگر
میں اکثر [illegible] نشستیں کرتے رہے جن میں درس قرآن اور درس حدیث کا دیا جانا بھی
شامل تھا۔

اگست ۱۹۴۶ء میں قاری سیف الدین کے مکان پر ایک خاصا اجتماع ہوا۔
جس میں لاہور کے مشہور عالم دین کیپٹن پروفیسر بشیر آفندی جو مولانا مودودی کے دوست تھے
نے [illegible] شرکت کی اور اپنے زریں خیالات کا اظہار کیا۔ اس طرح وادی
کشمیر میں [illegible] بڑھتا گیا۔ جن میں خاص طور پر محمد حسین چشتی اور سید محمد شفیع
نواب بازار قابل ذکر ہیں۔ سید محمد شفیع کی دعوت پر جماعت کے اجتماعات ان کے ہاں بھی
ہونے لگے۔ اس طرح جماعت کا دوسرا سالانہ اجتماع نواب بازار سری نگر میں مئی ۱۹۴۷ء میں
ہوا۔ جس میں اسلام بحیثیت نظام زندگی، قرآن بحیثیت ضابطہ حیات نصب العین ٹھہرا کر
اس کی باضابطہ [illegible] و تبلیغ کے لئے تین اصول قایم کئے گئے۔ ۱۔ خدا پرستی، ۲۔
انسان دوستی، ۳۔ آخرت پسندی۔

۱۹۴۹ء میں سعد الدین کی ادارت میں ہفت روزہ "اذان" سری نگر سے اجراء ہوا۔ اس
جماعت نے وادی کشمیر میں درسگاہوں کا جال بچھایا۔ جن میں اکثر مقامات پر مسلمان بچوں
کے [illegible] کے بچے بھی تعلیم حاصل کرتے دیکھے گئے۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ تھی
کہ ان درسگاہوں میں اسلامی تعلیم کے ساتھ ساتھ نہ صرف مروجہ تعلیم [illegible] دی جاتی تھی۔

بلکہ اخلاقیات کی خصوصی نگہداشت بھی کی جاتی تھی۔ یہ [illegible]
دور وزارت ۱۹۷۵ء میں بند کی گئیں۔ اس جماعت نے کشمیر کی سیاست میں [illegible] کے
پنچایتی انتخابات میں براہ راست حصہ لے کر اپنی عملی سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔ [illegible]
جماعت اسلامی کا دعویٰ ہے کہ اسے نہ جماعت اسلامی پاکستان اور نہ جماعت اسلامی ہند
سے کوئی وابستگی ہے۔ ریاستی جماعت اسلامی مسئلہ کشمیر کو [illegible]
کے نظریہ کی قائل ہے۔ اس جماعت نے ۱۹۷۲ء کے [illegible] انتخابات [illegible]
اور ۱۹۷۷ء کے اسمبلی انتخابات میں ریاستی اسمبلی کی پانچ [illegible]
انتخاب خانیار سے قاری سیف الدین نے جبکہ وہ [illegible]
کی ضمانتیں ضبط کرائیں۔ حلقہ انتخاب [illegible]
[illegible] سے علی محمد آزاد اور سوپور سے سید علی گیلانی [illegible]
سرکردہ قائدین میں سعد الدین، مولانا غلام احمد احرار، سیف الدین قاری [illegible]
غلام نبی شمار ہوتے ہیں۔ محمد فاروق رحمانی [illegible]
[illegible] اور محی الاسلام صدر جمعیت [illegible]

جماعت اسلامی کے ہفت روزہ اخبار اذان کے ایڈیٹر [illegible]
تحریک اسلامی جموں وکشمیر کے نام سے جو کتاب مرتب کی ہے [illegible]
کشمیر کے باب میں میری تصنیف "تحریک حریت کشمیر" جلد اول کے کئی [illegible]
کر کے اپنے ذہنی افلاس اور سفلہ پن کا مظاہرہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ریاستی جماعت
اسلامی میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو چوری کے سرمایہ سے جماعت اسلامی کی تاریخ [illegible]
رہے ہیں۔ اس طرح ان لوگوں کے قول و فعل میں تضاد پایا جاتا ہے۔ اور [illegible]
دوسروں کی محنت کو باپ دادا کی میراث سمجھ کر ہضم کرنے کے عادی [illegible]
پر لازم ہے کہ وہ اپنے اصولوں کی پاسداری، صداقت اور وقار کی [illegible]

[illegible] کر دیا۔

پرجا پریشد

جموں [illegible] میں مہاتما گاندھی کے خون ناحق پر پورے ملک میں راشٹریہ سیوم
سیوک سنگھ پر پابندی [illegible] اور اس جماعت کو غیر قانونی قرار دیا گیا۔ اس جماعت کے کچھ
سرکردہ ممبران [illegible] حکومت نے گرفتار کئے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ریاست
میں راشٹریہ سیوم سیوک سنگھ ۱۹۳۱ء میں قائم کی گئی جو ابتدا میں سٹیڈی سرکلوں کے
علاوہ [illegible] تک محدود رہی۔ ۱۹۴۷ء میں آر۔ ایس۔ ایس کے لیڈر گولوالکر مقامی
شاکھاؤں کو ذاتی طور پر ہدایت دینے کے لئے جموں آیا جہاں اسے گرو دکشنا کے نام پر
ایک معقول رقم [illegible] اس جماعت کا عقیدہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے
کوئی جگہ نہیں [illegible] تلوار کے زور سے نکال باہر کیا جائے۔ گاندھی جی کی موت پر
اس جماعت [illegible] نے اپنے ممبروں میں مٹھائیاں تقسیم کیں اور اس دن کو تہوار کے
طور پر منایا۔

[illegible] جموں وکشمیر ہندو راجیہ سبھا کی آئی جو آر۔ ایس۔ ایس
کی ریاستی شاخ [illegible] اس جماعت نے صوبہ جموں کے فرقہ وارانہ فسادات میں خاصہ
نام پیدا کیا [illegible] بچنے کے لئے اس تنظیم کے کئی ممبروں نے نیشنل کانفرنس
میں شامل ہو کر پناہ گاہ تلاش کی اور باقی ماندوں نے جموں میں نومبر ۱۹۴۷ء میں
بلراج مدھوک کے ساتھ مل کر پرجا پریشد کے نئے نام سے اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھنے
کی راہ نکالی۔ اس کی پہلی ایڈہاک کمیٹی کے صدر وزیر ہری رام اور بلراج مدھوک سیکرٹری
چنے گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب یہ جماعت منظم ہوئی تو لالہ روپ چند نندہ ایڈوکیٹ
اس کے صدر منتخب ہوئے۔ بلراج مدھوک بدستور اس کے جنرل سیکرٹری بنے رہے۔

لے:- بلراج مدھوک لداخ میں پیدا ہوئے ہیں۔ وزیر اعظم کشمیر کے آفس میں کلرک بھرتی
(باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۳ پر)

رشی کمار کوشل اس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبروں میں سرِ فہرست تھے۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں ریاستی حکومت نے بلراج مدھوک کی تشویشناک فرقہ وارانہ سرگرمیوں کے پیشِ نظر اُسے ریاست بدر کیا۔ اس کی جگہ سورج پرکاش پانڈہ سیکرٹری مقرر ہوئے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد مسٹر پانڈہ بسلسلہ ملازمت دہلی چلے گئے۔ اُن کے فرائض عارضی طور پر درگا پرشاد دریا جو سرکاری ملازم تھے کو تفویض ہوئے۔ انہوں نے پارٹی کی خاطر ملازمت سے استعفیٰ دیا۔

فروری ۱۹۴۸ء میں حکومت نے پرجا پریشد کے کئی سرکردہ لیڈروں جن میں سنت رام ٹنڈو، دھیان چند سرادری۔ دھنتر سنگھ سابق ممبر پرجا سبھا۔ لالہ شیو رام گپتا۔ لالہ شیو ناتھ پانڈہ، شیام لال شرما چیف آرگنائزر آر۔ ایس۔ ایس جے اینڈ کے سٹیٹ اور چتر درام ڈوگرہ کو گرفتار کیا۔ انہیں چھ چھ ماہ نظر بند رکھ کر رہا کیا گیا۔ اپریل ۱۹۴۹ء میں پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ جو راشٹریہ سیوک سنگھ کے سنگھ چالک تھے اور اُن کے کئی دوسرے ساتھی گرفتار کر لئے گئے۔ ان سے پہلے دیا کرشن گورش کیدار ناتھ ساہنی، آرگنائزر جموں، آر۔ ایس۔ ایس گرفتار کئے گئے تھے۔ مئی ۱۹۴۹ء میں جموں شہر اور مضافات میں پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ کی رہائی کے سلسلے میں ایجی ٹیشن شروع کی گئی۔ جو پندرہ دن تک جاری رہنے کے بعد مرکزی حکومت کی مداخلت پر ملتوی کی گئی۔ لیکن جب وعدہ پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ رہا نہیں کئے گئے۔ جون ۱۹۴۹ء میں ایجی ٹیشن پھر شروع کی گئی۔ جس میں بقول پرجا پریشد کے "جموں سے روا رکھی گئی ناانصافی" کو بھی شامل کیا گیا اور دبی زبان میں یہ مطالبہ بھی ہونے لگا کہ ریاست جموں و کشمیر کا ہندوستان سے الحاق مکمل اور ناقابلِ تنسیخ قرار دیا جائے۔ یہ ایجی ٹیشن تقریباً آٹھ ماہ تک جاری رہی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۲ سے) ہوئے اور سپرنٹنڈنٹ کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ لیڈری کی دوکان چمکانے سے قبل ڈی۔ اے۔ وی کالج میں پروفیسر تھے۔

تقریباً پانچ سو کے قریب ایجی ٹیٹر گرفتار ہوئے۔ لالہ روپ چند نندہ کے خلاف باضابطہ مقدمہ چلایا گیا اور سزا سنائی گئی۔ انہوں نے اس سے گھبرا کر معافی مانگی۔ جس سے اس تحریک کو کافی دھکا لگا۔ اس تحریک کے دوران ہی رشی کمار کوشل ایک کھرانٹ سیاستدان کی حیثیت میں ابھر آئے۔ انہوں نے ریاسی، ادھم پور، پونچھ، مظفرآباد، سری نگر اور جموں جیل میں آٹھ ماہ قید کاٹی۔ ان کی رہائی مجموعی حیثیت سے ہوئی۔ لالہ روپ چند کے بعد پنڈت لاجمنی سانگر قائمقام صدر مقرر ہوئے۔ ایجی ٹیشن کے اختتام پر پرجا پریشد کی جنرل کونسل کی پہلی میٹنگ میں پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ صدر منتخب ہوئے جو اس وقت تک پرجا پریشد کے چار آنے کے ممبر بھی نہ تھے اور درگا داس ورمہ سیکرٹری قرار پائے۔

۱۹۵۰ء میں سر اوون ڈکسن نمائندہ سلامتی کونسل کی آمد پر رائے شماری کا زبردست چرچا تھا۔ پرجا پریشد نے مطالبہ کیا کہ رائے شماری نہ ہونی چاہئے۔ جموں اور لداخ کا ہندوستان کے ساتھ مکمل الحاق تسلیم کیا جانا چاہئے۔ ۱۹۵۱ء کے انتخابات میں اس جماعت نے اسمبلی انتخابات سے اس بنا پر بائیکاٹ کیا۔ کیونکہ اس کے نامزد ۵۹ امیدواروں میں سے ۴۴ کے کاغذاتِ نامزدگی رد کئے گئے۔ بعد کے انتخابات میں اس جماعت کی ٹکٹ پر پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ، رشی کمار کوشل، شیخ عبدالرحمان، شیو چرن گپتا، اور رام ناتھ بلگوترا جیسے اسمبلی میں آئے۔

مارچ ۱۹۵۲ء میں جموں پرنس آف ویلز کالج (جو اب گورنمنٹ گاندھی میموریل کالج کہلاتا ہے) پر این۔ سی کا جھنڈا لہرانے پر سٹوڈنٹس نیشنل ایسوسی ایشن جو اب آل انڈیا ودیارتھی پریشد سے منسلک ہے کے لیڈروں نے اس کے خلاف احتجاج کیا جس کی رہنمائی رودھا کرشن شرما (سابق منیجر گورنمنٹ پریس سری نگر) کر رہے تھے۔ اس پر ایک خاصہ ہنگامہ برپا ہوا۔ کئی درجن طلباء موقع پر ہی گرفتار کئے گئے۔ جیل میں انہوں نے بھوک ہڑتال شروع کی جس سے اُن کی حالت بگڑ گئی۔ پرجا پریشد نے اُن کے حق میں مظاہرہ کیا۔ ہوائی

فائرنگ اور زبردست لاٹھی چارج سے ہجوم منتشر تو ضرور ہوا لیکن جموں شہر پر ۲۰ گھنٹے کا کرفیو نافذ کیا گیا۔ اس مظاہرے کے اگلے دن پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ اور دوسرے سرکردہ پریشد لیڈر گرفتار کر کے سری نگر سنٹرل جیل پہنچائے گئے۔ بیس طلباء نے ۳۵ دن تک بھوک ہڑتال کی جس سے نیشنل حکومت کے لئے ایک شدید مسئلہ پیدا کیا۔ کئی مقامات پر مظاہرین گولیوں کے ہدف بنے۔ بالآخر گوپالا سوامی آئینگر کی مداخلت، ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی کی موت جو تحریک طلب بند ہونے سے ہوئی، شیخ محمد عبداللہ کی حکومت سے برطرفی اور بخشی غلام محمد کے اس وعدے پر کہ پرجا پریشد کے تمام مطالبات آہستہ آہستہ پورے کئے جائیں گے یہ ایجی ٹیشن ختم کیا گیا۔

۱۹۶۳ء میں اکھنور میں پرجا پریشد کا ایک خصوصی اجلاس اس غرض سے منعقد کیا گیا کہ اس جماعت کو آل انڈیا جن سنگھ میں مدغم کیا جائے۔ چنانچہ اس نظریہ کو بار آور ثابت کرنے کے لئے بلراج مدھوک نے اس اجلاس میں شرکت کر کے ممبروں پر کافی دباؤ ڈالا۔ جن سنگھ پنچھی، ٹھاکر رلدو سنگھ اور شیخ عبدالرحمان کی مخالفت کے باوجود قرارداد پاس ہوئی اور یہ جماعت بھارتیہ جن سنگھ میں مدغم ہوئی۔

پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ کی وفات پر جن سنگھیوں نے شیخ عبدالرحمان کے سر پر پنڈت جی کی پگڑی رکھ کر ان کو اپنا پردھان اور قائد تسلیم کیا۔ لیکن انہوں نے زیادہ دیر تک ان کے سر پر پگڑی رہنے نہ دی۔ اور شیخ عبدالرحمان نے بھی بغیر کسی تامل کے اسے اپنے سر سے ۱۰ نومبر ۱۹۷۲ء کے جن سنگھ جنرل کونسل کی میٹنگ میں اتار دی۔ جب پارٹی کے ۹۲ ممبروں میں سے ۷۰ نے لوک دل میں شمولیت کے فیصلہ کی حمایت کی۔ پارٹی چھوڑنے کے ضمن میں شیخ عبدالرحمان نے مجھے ایک ملاقات کے دوران تفصیلات بتلاتے ہوئے کہا:

"جن سنگھ کے اندر غیر جمہوری اور غیر مساوی قسم کے رجحانات اور آر ایس ایس ونگ کی طرف سے بے جا مداخلت کے علاوہ جن میں متضاد

ہونے والے عنصر کا غلبہ شامل تھا، نے مجھے بحیثیت صدر کام کرنے میں پورے ڈیڑھ سال سیاسی تنظیم اور تجرباتی مشکلات میں ڈالا۔ کچھ تجربہ کار ساتھیوں کی حمایت سے[ل] میں نے ان کا دلیری سے مقابلہ کیا اور ہر بار میں نے بحران پر قابو پالیا۔ لیکن مرکزی جن سنگھ کے لیڈروں کی جانب سے پارٹی کے اندر مخالف گروپ کی غیر ضروری حمایت، ناجائز دباؤ اور مداخلت نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو کافی دل برداشتہ کیا۔ دوسری وجہ جموں و کشمیر ریاست کی سیاست جو فرقہ وارانہ رنگت اختیار کر چکی تھی۔ جس میں مسلم اکثریت کا طبقہ محاذ رائے شماری کے زیر اثر اور ہندو جن سنگھ کی حمایت پر کمربستہ تھے۔ اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے کانگریس من مانیاں کرتی رہی۔ اس لئے ریاست میں ایک سیکولر جماعت کی ضرورت محسوس کی گئی۔ جو ریاست کے ہر اضلاع میں صحیح اور صحت مند رول ادا کر سکے اور فرقہ وارانہ جذباتی نعروں سے آنے والی نسلوں کو محفوظ رہ سکے۔"

ل :- شیخ عبدالرحمان پرجا پریشد کے واحد مسلمان ممبر اور لیڈر تھے۔ ان کے بارے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ آپ نومبر ۱۹۵۱ء میں اس جماعت کے ابتدائی ممبر بنے۔ ضلع ڈوڈہ تحصیل بھدرواہ کے خانو گاؤں کے شیخ عبدالصمد کے بیٹے ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے ہندو مسلم فسادات میں ان کا تمام کنبہ شہید کیا گیا۔ ۲ مگھر ۲۰۰۴ بکرمی کو بھدرواہ میں فسادات پھوٹ پڑے اور اسی دن خانو گاؤں کے مسلمان جان بچانے کی خاطر جنگلوں میں چھپ گئے۔ لیکن علاقہ کے معزز ہندوؤں کے کہنے پر یہ لوگ جنگلوں سے نکل کر گاؤں واپس آئے جہاں انہیں غیر مسلح کیا گیا اور پھر ۱۲ مگھر ۲۰۰۴ بکرمی کو ان کا قتل عام کیا گیا۔ شیخ عبدالرحمان کے کنبے کے تیراں ۱۳

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۷ پر)

غرض اس جماعت کے قائدین مختلف اوقات پر اپنا نظریہ بدلنے کے دوش بدوش نیشن کے طور پر پارٹی کا نام بھی بدلتے رہے۔ ۱۹۷۷ء میں جب مرکز میں جنتا پارٹی برسر اقتدار آئی تو یہ جماعت اسی کی ہولی۔ ۱۹۸۰ء میں جب کانگریس دوبارہ برسر اقتدار آئی یہ جماعت جنتا پارٹی، بھارتیہ جنتا پارٹی اور لوک دل میں بکھر کر رہ گئی۔ پرجا پرشد میں پنڈت پریم ناتھ ڈوگرہ، رشی کمار کوشل، اور شیخ عبدالرحمان صف اول کے رہنما تسلیم کئے جاتے رہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۷ سے آگے) ۔ افراد شہید ہوئے۔ شیخ عبدالرحمان، اس کا چھوٹا بھائی غلام مصطفےٰ اور ان کا چچا شیخ عبدالعزیز لاشوں کے ڈھیر میں زخمی حالت میں پڑے رہے۔ تین روز بعد شیخ عبدالعزیز کا ایک دوست امرناتھ نے انہیں لاشوں سے چن کر بحفاظت قصبہ بھدرواہ پہنچایا۔ جہاں امن قائم ہو چکا تھا۔ قصبہ میں تقریباً تین ماہ رہنے کے بعد یہ اپنے گاؤں آئے جہاں مسلمانوں کے تقریباً تمام مکانات نذر آتش کئے گئے تھے اور مال و جایداد لوٹ لیا گیا تھا۔ انہوں نے دوبارہ اپنا مکان تعمیر کیا اور زمین کاشت کرنے لگے۔ شیخ عبدالرحمان ان دنوں میٹرک کے طالب علم تھے اور بھدرواہ مسلم سٹوڈنٹس یونین جو جموں مسلم کانفرنس کی ونگ تھی کے بھدرواہ یونٹ کے سیکریٹری تھے۔ سیف الدین شیخ، غلام محمد اکبر کچلو، غلام علی اس کے سرگرم رکن تھے۔ بقول ان کے انہوں نے پرجا پرشد میں یہ جان کر شمولیت کی کہ گو کہ یہ جماعت صرف ایک ہی فرقے کے لوگوں پر مشتمل ہے لیکن اس کے آئین میں ہر فرقے کیلئے گنجائش رکھی گئی ہے۔ ۱۹۵۱ء کے چناؤ میں بائیکاٹ کے بعد پرجا پرشد نے جو تحریک چلائی شیخ عبدالرحمان نے ضلع ڈوڈہ میں انڈر گراؤنڈ رہ کر اسے کامیابی سے چلایا۔ حتیٰ کہ ٹھاکور نتھو سنگھ، اشید کمار، کوتوال دیا کرشن، جگت رام آرین، کرپا رام، سلوا جی وکیل جیسے مقامی لیڈروں نے بھی اس ایجی ٹیشن میں ان کی قیادت میں کام کیا۔ اور ان کی قائدانہ صلاحیتوں کی داد دی۔

بزم اخوان الصفاء

کشمیر میں ثقافتی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں ۱۹۲۹ء کی طرف مڑ کر دیکھنا پڑتا ہے، جب سید مبارک شاہ فطرت کے ایماء پر ادبی سرگرمیوں کا باقاعدہ آغاز بزم اخوان الصفاء سے ہوا ہے۔ اس بزم کے روح رواں تھے پروفیسر علیم الدین سالک سرپرست ہیں۔ اس سے قبل ایس۔ پی۔ کالج سرینگر کی بزم ادب ہی وادی میں محدود ادبی سرگرمیوں کا واحد مرکز تھا۔

بزم اخوان الصفاء کے قیام کے بعد ہر سال سید مبارک شاہ فطرت کے دولت خانہ پر قریشی مشاعرے ہونے لگے جن میں اثر صہبائی، احسان دانش، فہیم شکوہ آبادی، روش صدیقی، حفیظ جالندھری جیسے پایہ کے شعراء اور عبدالمجید سالک، علم الدین سالک، محمد دین فوق جیسے سخن دان اور دانشور شامل ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ ادبی سرگرمیاں دیوان خانوں سے نکل کر عوامی اجتماع کے مقامات پر اپنا رنگ جمانے لگیں اور سیاسی گہما گہمی کے دوش بدوش ادبی سرگرمیاں بھی پروان چڑھنے لگیں۔

۱۹۳۵ء میں محمد دین فوق کی "تاریخ اقوام کشمیر" چھپ کر بازار میں آئی۔ اس کتاب کے صفحہ ۹۶ پر غلام احمد مہجور کے نمونہ کلام کے طور پر جلہ کاک در وزیر وزارت کشمیر کی بے جا تعریف میں مندرجہ ذیل فارسی اشعار درج ہیں:

ای سر سروران عالیجاہ	یادگار قبیلہ در جا
آمدی با ہزار جاہ و حشم	ما نگشتیم در ہبت سرہا
از وجود گروہ راہزنان	بود این سرزمین پُر از شرہا
آمدند این ہمہ گرفتہ بکف	تبر و تیغ و چوب و خنجرہا
سوی زندان بحکم تو رفتند	این ہمہ سارقان دلیدرہا

"اے سرِ سروران عالیجاہ"

"اے سرِ سروران عالیجاہ"	مدحِ مسلم بہ شانِ آذر !
تف بر ایں شاعرانِ ہرزہ سرا	عار بر ایں چنیں سخنور !
ہر کجا نانِ روغنی یابند	می نویسند لغو دفتر !
ما بہ میخانہ دیدہ ایم بسے	کاسہ لیسانِ جام و ساغر !
فطرت از بادۂ غنی شد مست	بست بر روی خویشتن در !

(ترجمہ) —

افسوس ہے ان تہی مایہ شاعروں کے حال پر کہ فخریہ دستاروں پر فضیلت کے پھول سجاتے ہیں لیکن (خودداری کے فقدان کے باعث) اُن کے کندھے سروں کے بغیر ہیں۔ یہ لوگ خود تو دولتِ دل سے محروم ہیں۔ اسی لئے لوگوں کی زنجیرِ در کھٹکھٹاتے پھرتے ہیں ـــــ "سرِ سروران عالیجاہ" تو مسلم حقیقی کی مدح ہے۔ اسے بت تراش آذر کی تعریف میں استعمال کرنے کی جسارت۔

"تف ہو ایسے بیہودہ گو شاعروں پر۔ ایسے نام نہاد سخن وروں پر تھُو ہے۔ جہاں کہیں بھی انہیں مُرغن نوالہ ملتا ہے۔ یہ جھوٹی تعریفوں کے پُل باندھ دیتے ہیں۔ ہم نے میخانۂ شعر و سخن میں ایسے بے شمار لوگوں کو جام و ساغر کا جھوٹا چاٹتے دیکھا ہے ـــ فطرت، غنی (کاشمیری) کے بادۂ خودی سے سرشار ہے اس لئے اُن کی پیروی میں اپنے دروازے بند کئے ہیں۔

ویسے غلام احمد مہجور شاعرِ انقلاب بعد میں بنے پہلے تو وہ اپنی سرکاری ملازمت کی سلامتی کے لئے جاگیردارانہ نظام کے پیشواؤں کی قصیدہ گوئی میں ہی اپنی عافیت سمجھتے تھے۔ اس مقام پر مہجور صاحب کا وہ قصیدہ جو انہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کی سالگرہ پر بعنوان "خطاب بہ مہاراجہ بہادر" لکھا ہے اور ہفت روزہ "رہبر" سرینگر ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا نقل کیا جاتا ہے:

وقتِ تو خوش، کہ وقتِ ما خوش	کردی ای دشمنِ ستمگر !
گفت در بابِ جستنِ روزی	سعدی آگاہ از تقدیر !
رزق ہر چند بے گماں برسد	شرطِ عقل است جستن از در !

(ترجمہ):-

اے سروروں کے عالیجاہ سردار	اور در خاندان کی یادگار
تو جاہ و حشمت کے ساتھ آیا	ہم نے تیری راہ میں اپنے سر بچھا دیئے
یہ سرزمین اُچکّوں کے وجود سے	فتنہ و فساد سے پُر تھی
یہ سب ہاتھوں میں کلہاڑیاں	تلواریں، لاٹھیاں اور خنجر لئے نکل آئے
تیرے حکم سے یہ سب چور اور لیڈر	قید خانوں میں ٹھونس دیئے گئے
ستمگروں کے دشمن تیرا بھلا ہو	کہ (ایسا کر کے) تم نے ہمارا بھلا کیا
سعدی نے جو کہ مقدر سے آگاہ تھا	رزق ڈھونڈنے کے سلسلے میں پہلے کہا تھا
اگرچہ ہر فرد کو روزی یقیناً ملتی ہے	لیکن عقل کا تقاضا ہے کہ اُسے "در"[2] کے ہاں ڈھونڈا جائے۔

ان اشعار پر غلام احمد مہجور کے خلاف عوامی اور ادبی حلقوں میں زبردست غم و غصہ کا اظہار کیا گیا اور سید مبارک شاہ فطرت نے بحیثیت صدر بزمِ اخوان الصفا کے اسی بحر اور ردیف میں اس کا جواب دیا:-

آہ! از ایں شاعرانِ بے زر !	گُل بہ دستار و لیک بے سر !
بے خودند از غنائے خود زاں رو	می نوازند حلقۂ در !

لہ: نارڈوپلٹن ۱۹۳۱ء کے مظاہرے کی طرف اشارہ

گہ: سعدی کے شعر میں "در" یعنی دروازے کو مہجور صاحب نے "در" خاندان سے منسوب کیا ہے۔

بلبلِ شیریں بیاں لائی پیامِ نو بہار — صد مبارک آگیا فصلِ بہارِ خوشگوار
چھیڑ کر کس نے جگایا آج خوابِ ناز سے — نونہالانِ چمن کو کس طرح اترا خمار!
آج کس تقریب پر ہے اہتمام و دھوم دھام — ساکنانِ باغ ہیں مستِ مئے شوق فگار
یکّہ تازِ جاہ و چیں راجہ کیواں حشم — معدنِ عدل و شجاعت بانیِ تجدید کار
صاف کہہ دیں گلبنِ گلاب کی ٹہنی ہری — جس سے خارستانِ کشمیر بن گیا لالہ زار!
اے ہما یہ مجھ کو ہے اپنی بڑھائی کی قسم — آج تک دیکھا ہے تو نے کوئی ایسا شہریار
تیری سنسان وادیوں میں اب بہار آنے کو ہے — چپہ چپہ تیرا بن جائے گا رشکِ شالامار
ساکنانِ کاشمر اے خسروِ گیتی پناہ — حالِ دل اپنا سناتے ہیں بعجز و انکسار
دورِ جدّ و جہد کے اس عہدِ پُر آشوب میں — کس طرح دن کاٹتے ہیں کیا ہے ان کا کاروبار
خالی دامانِ ناتواں اور بے زباں ہیں دست و پا — تیرے ظلِ رحم میں مانندِ طفلِ شیرخوار
ہم اگر نادار ہیں بیکار ہیں لاچار ہیں — تو بنا سکتا ہے ہم کو صاحبِ عز و وقار
ہم اگر جاہل ہیں بے تمیز ہیں بے علم ہیں — دل پہ ہے تیری وفاداری کا نقشِ پائدار
لب پہ حرفِ مدعا طرزِ تکلم ناپدید — تو سمجھ سکتا ہے سب کچھ اے شہِ ذی اقتدار
تحفہ کیا لائیں ترے دربار میں ہم بے نوا — تحفۂ دعائے نیک جو ہے بے بہا پھولوں کا ہار
یا الٰہی جب تلک دورِ مہ و انجم رہے — جب تلک باقی رہے گا گردشِ لیل و نہار
سر پہ سایہ مہاراجہ بہادر تا ابد پائندہ باد — زندہ و پائندہ و تابندہ و تا روزِ شمار
ختم کر مہجور مدحِ خسروِ فیروز بخت — کر دعا پھولے پھلے یہ نونہالِ سایہ دار

۱۹۴۴ء میں نیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے اختتام پر جو عدیم النظیر مشاعرہ زیرِ صدارت سر شیخ عبدالقادر منعقد ہوا جس میں حفیظ جالندھری نے اپنی معرکۃ الآرا نظم "ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا" پڑھی اس وقت تک بزمِ اخوان الصفاء کی صدائیں

صاف سنائی دیتی تھیں۔ لیکن اس کے بعد یہ ادبی جماعت اپنی سرگرمیوں کو وسعت نہ دے سکی اور خراماں خراماں لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اس کے سرگرم اراکین میں مولانا شمس الدین حیرت کاملی، پیر عبدالقادر آشمر، محمد اسماعیل ناکی، پیر حسین شاہ، الفت کاملی، پیرزادہ نجم الدین عشرت، غلام رسول نازکی، نور الدین، محمد امین مجھو، قاضی غلام الدین، قاضی سیف الدین اور عبدالحق برق خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

کلچرل سرگرمیاں اور سیاست

۴۲-۱۹۴۱ء میں پروگریسو رائٹرز لیگ ادب کی ترقی پسند تحریک کی بنیاد پریم ناتھ پردیسی، راما نند ساگر، دینا ناتھ در اور سوم ناتھ زتشی نے مل کر ڈالی۔ یہ جماعت آل انڈیا ترقی پسند مصنفین کی تحریک سے متاثر ہو کر قائم کی گئی تھی۔ اس کا کوئی باضابطہ آفس نہ تھا بلکہ رائٹروں کے گھروں میں اس کی میٹنگیں ہوا کرتی تھیں۔ اس میں شامل اکثر افراد اردو کے لکھنے والے تھے بعد میں ان میٹنگوں میں غلام احمد مہجور، قیصر قلندر، شام لال ولی، تیرتھ کاشمیری، نند لال طالب، غلام حسن بیگ عارف، پریم ناتھ بزاز، نند لال واتل اور پرتھوی ناتھ کول نے بھی شمولیت کرنی شروع کی۔

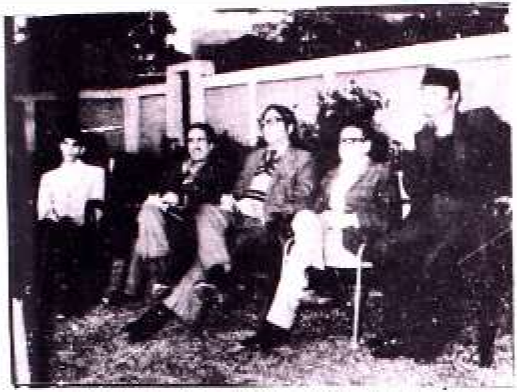
۱۹۴۵ء میں اس کا نام بدل کر حلقۂ اربابِ ذوق رکھا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اردو کے اکثر لکھنے والے صوبۂ جموں کے مسلمان تھے ان کا خیال تھا کہ وہ اس جماعت کو اردو نام دیئے بغیر اس میں شامل نہیں ہوں گے۔ ۴۴-۱۹۴۳ء میں اس کے دو سالانہ اجلاس ہوئے۔ ایک کی صدارت خواجہ غلام السیدین ناظم تعلیمات جموں و کشمیر اور دوسرے کی پنڈت جیا لال کلم نے کی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حلقۂ اربابِ ذوق میں تقریباً تمام ادیب و شاعر شامل ہوئے جن میں پران کشور، علی محمد لون، کنول نین پرواز، چترنجن جیوٹوا، موہن سندر ریشہ، پروفیسر محمود ہاشمی، پروفیسر محمود احمد طور، صلاح الدین احمد قابلِ ذکر ہیں۔

اب اس کی بلاناغہ ہفت روزہ نشستیں ایس پی کالج کے سٹاف روم میں ہونے لگیں۔ اس کی کئی محفلوں میں ریاست سے باہر کے ادیبوں نے بھی شرکت کی۔ جن میں ملراج ساہنی، خواجہ احمد عباس، دیوندر ستیارتھی سر فہرست ہیں۔ ۱۹۴۶ء میں ہندوستان پر انجمن ترقی پسند مصنفین بڑی سرعت سے چھا گئی۔ صاحب دیاد کو برداشت کرتے ہوئے ارباب ذوق کا نام بدل کر انجمن ترقی پسند مصنفین رکھا گیا۔ انجمن کی نشستوں میں تنقید کا معیار کافی بلند ہوا۔ اس زمانے میں کئی چھوٹے چھوٹے ڈراما کلب بھی وجود میں آگئے اور کالجوں میں بھی کچھ ڈراما کلب بنے جو اپنی جگہ پر کام کرتے تھے۔ ان کے کئی چھوٹے چھوٹے ڈرامے اسٹیج بھی ہوئے۔ چونکہ ڈرامیٹک کلب کے کئی سرگرم کارکن انجمن ترقی پسند مصنفین کے رکن بھی تھے اور وہ بھی کالجوں میں تربیت پا رہے تھے ان کے اسٹیج کئے ہوئے کئی ڈرامے خواجہ احمد عباس صدر انڈین پیپلز تھیٹرز ایسوسی ایشن نے دیکھے۔ ان کے مشورے پر راجستوری شیرو کے مکان واقع مولانا آزاد روڈ پر ایک میٹنگ ہوئی جس میں آئی۔پی۔ٹی۔اے۔ کی شاخ یہاں کھولنے کا منصوبہ باندھا گیا۔ کچھ عرصہ بعد آئی۔پی۔ٹی۔اے۔ کے سیکرٹری ملراج ساہنی سری نگر آئے اور باضابطہ شاخ کا افتتاح کیا۔

ان دنوں کوئٹ کشمیر تحریک زوروں پر جاری تھی جس کا براہ راست اثر طلباء پر بھی تھا۔ چنانچہ سیاسی نوعیت کا پہلا ڈراما "بھتہ ہر" کے نام سے پریم ناتھ پردیسی نے لکھا۔ لیکن سنسر کی زبردست پابندیوں کی وجہ سے اس ڈرامے کے مسودے کو گورنر کشمیر مہاراج کرشن ڈھر سے منظور کرانا لازمی تھا۔ سنسر نے مسودے کو مسترد کیا۔ اس طرح تمام تیاریوں کے باوجود ڈراما اسٹیج نہ ہو سکا بلکہ ڈرامے کا مسودہ بھی تلف ہوا۔ گویا اس سے وقتی طور پر پیپلز تھیٹر تحریک کو شدید جھٹکا لگا لیکن فنا نہیں ہوئی۔

۱۹۴۷ء کے سیاسی انقلاب نے یہاں کے نوجوان ادیبوں کے ایک گروپ کو کلچرل فرنٹ کے نام پر منظم کیا۔ جنہوں نے کارپوریشن ہوٹل اور ہوٹل لال چوک میں پلیڈیم سینما کے بغل میں تھا کے ایک کمرے میں اپنا دفتر قائم کیا۔ کلچرل فرنٹ کا ابتدائی کام پوسٹروں اور پمفلٹوں کے ذریعے رائے عامہ اور سیاسی انقلاب کے درمیان تال میل پیدا کرنا ٹھہرا۔ کلچرل فرنٹ کے ساتھ ہی ایک اور جماعت رائے عامہ کمیٹی کے نام سے وجود میں آئی۔ اس کمیٹی کے بنیادی ممبروں میں پیر عبدالاحد شاہ، غلام رسول رینزو قابل ذکر ہیں۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد یہ دونوں جماعتیں آپس میں مدغم ہو کر نیشنل کلچرل فرنٹ کے نام سے کام کرنے لگیں جس کے صدر پیر عبدالاحد شاہ، آرگنائزنگ سیکرٹری شوران سنگھ چوہان اور غلام رسول رینزو مقرر ہوئے۔ فرنٹ میں جن نوجوانوں نے اپنی سرگرمیوں کو نقطۂ عروج پر پہنچایا ان میں پروفیسر محمود ہاشمی، قیصر قلندر، پران کشور، صلاح الدین احمد، بیجر گردھاری لال در، سوم ناتھ زتشی۔ پریم ناتھ پردیسی کے بارے میں ان دنوں افواہ گرم تھی کہ وہ در پردہ پریم ناتھ بزاز کے ساتھ مل کر تحریک کے خلاف مہم جوئی میں مصروف ہیں جس کی صفائی پیش کرنے میں انہیں کافی مدت لگی۔ بعد میں وہ بھی نیشنل کلچرل فرنٹ میں شامل ہوئے۔ نیشنل کلچرل فرنٹ کی تنظیم نو کے بعد خواجہ غلام محمد صادق صدر منتخب ہوئے۔ نیشنل کلچرل فرنٹ نے پروفیسر محمود ہاشمی کا لکھا ہوا پہلا ڈراما "کشمیر یہ ہے" اسٹیج کیا۔ جس میں نمایاں کردار ادا کرنے والوں میں موہن لال آئمہ، اوشا کشپ، سردار ودگا سنگھ، پشکر بھان، بی۔ این۔ کاچرو، سوم ناتھ کھور، ستر اکھواڑ، سنتوش کھلوار، خورشید جہاں الدین (جو اب مسز بخشی غلام محمد کہلاتی ہیں) شامل تھے۔ یہ ڈراما کافی سے زیادہ پسند کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی نیشنل کلچرل فرنٹ کو زیادہ موثر اور کارآمد بنانے کے لئے اسے تین شعبوں میں منقسم کیا گیا۔ ۱۔ ترقی پسند مصنفین۔ ۲۔ شعبہ ڈراما ۳۔ شعبہ مصورین۔ اور اس کا دفتر نمائش گراؤنڈ میں منتقل کیا گیا۔

خواجہ غلام محمد صادق، ڈاکٹر ایل۔ این۔ رینہ، ڈاکٹر ایوب سوم ناتھ اور سوم ناتھ بیرا کا عندیہ تھا کہ طلباء کو منظم کر کے نیشنل ملیشیا اور نیشنل کلچرل فرنٹ



(دائیں سے) جناب غلام محمد بٹ۔ رشید تاثیر، جناب غلام نبی خیال
جناب غلام محی الدین صوفی، جناب عبدالعزیز کاشمیری



جناب بخشی غلام محمد، جناب مفتی ضیاء الدین پونچھی
جناب شیخ محمد عبداللہ۔ خواجہ غلام نبی گلکار



شری گوپال سوامی آئینگر



شری گردھاری لال ڈوگرہ



شری پریم ناتھ ڈوگرہ



ٹھاکور کرتار سنگھ



خواجہ غلام قادر بٹ

دو محاذوں کے لئے تیار کیا جائے۔ فرنٹ سے وابستہ جوانوں کو غلام محمد صادق نے اپنے اشتراکی سیاسی نظریہ اور رہبری سے بھی نوازنا شروع کیا۔ اس خیال کو تقویت دینے کے لئے نمائش گراؤنڈ میں ہی نیشنل ملیشیا کا ہیڈ کوارٹر بھی قائم کیا گیا۔ کافی دیر تک نیشنل کلچرل فرنٹ سے وابستہ جوان سلامتی فوج کے نام پر اندرونی امن و امان برقرار رکھنے کے لئے کام کرتے رہے اور ان میں تنومند افراد نیشنل ملیشیا میں شامل ہو کر محاذ جنگ پر لڑنے چلے گئے۔ اسی چکر میں پروفیسر محمود ہاشمی محاذ جنگ پر رائفل سمیت پار چلے گئے۔ یہ آجکل لندن سے ہفت روزہ مشرق شائع کر رہے ہیں۔ شعبہ مصوری سے وابستہ فن کار اپنی فنی صلاحیتوں کی نمائشوں [illegible] کی دیواروں پر سیاسی مصوری کے نمونے آویزاں کرتے رہتے تھے۔

اسی دوران ملک کے باقی حصوں سے [illegible] فنکاروں کی ایک جماعت خواجہ احمد عباس کی سربراہی میں سرینگر آگئی۔ ان میں [illegible] شیلا بھاٹیہ، رام چند شاستری [illegible] اور اچلا سچدیو [illegible] بلراج ساہنی، شیلا بھاٹیہ اور اچلا سچدیو اس تحریک سے بہت متاثر ہوئیں [illegible] فرنٹ کی باقاعدہ ممبرشپ حاصل کی اور بڑی دیر تک یہاں رہیں۔ اس تحریک سے متاثر ہونے والے مقامی ادیبوں اور شعراء میں دینا ناتھ نادم، نور محمد روشن، رحمان راہی، [illegible] غلام حسن بیگ عارف، عبدالحق برق، [illegible] امین کامل، سردار ہربنس سنگھ آزاد، غلام احمد مہجور، [illegible] اور بنسی نردوش ہیں جنہوں نے مختلف مراحل میں اس انجمن کی [illegible] حاصل کی۔ ان کے علاوہ لوک کلاکار بھی اس انجمن سے وابستہ رہے [illegible] عبدالاحد نغمہ، حبیب اللہ رباب نواز، شمشاد اللہ رباب نواز، لاہور کے مشہور [illegible] طفیل علی خاں حسین شامل ہیں۔

نیشنل کلچرل فرنٹ نے جو پہلا کشمیری ڈراما سیاسی پس منظر میں اسٹیج کیا وہ "شہید شیروانی" تھا۔ اس کے گانے غلام احمد مہجور نے لکھے۔ اس کے بعد کئی ڈرامے ایسے لکھے گئے جن کی بنیاد لوک الفاظ پر رکھی گئی تھی۔ یہ ڈرامے کلچرل فرنٹ کے اداکار گاؤں گاؤں جاکر اسٹیج کرنے لگے۔ بالکل اسی طرح جیسے ہمارے لوک کلاکار "بانڈ" کھلے میدانوں میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایک شارٹ پلے (چھایا ناٹک) بھی اسٹیج کیا گیا جس کا موضوع یہاں کی سیاسی تحریک تھی۔ نیشنل کلچرل فرنٹ کو کچھ دیر کے لئے حکومت سے مالی امداد بھی ملتی رہی۔ تمام ترقی پسند گروپ جس پر کمیونسٹ لیبل لگی تھی یقیناً ایک با اثر جماعت تھی۔ اس وجہ سے کئی سیاسی لیڈر جن میں غلام محی الدین قرہ خصوصی طور اس پر اجارہ داری حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ یہ پودا غلام محمد صادق کا لگایا ہوا تھا اس لئے یہ تنظیم ان ہی کے گرد گھومتی رہی۔ مولانا مسعودی کی نظروں میں یہ تنظیم ہمیشہ کھٹکتی رہی۔

اوائل ۱۹۵۰ء میں نیشنل کلچرل فرنٹ نے ایک ڈرامہ ۴۷ء ہیرپورہ جس کو کبھی چھوٹا پاکستان کہا جاتا تھا۔ وہاں کے ذیلدار حبیب اللہ لالہ پوردھا تھے۔ اس ڈرامے کو دیکھ کر کاشتکاروں نے ذیلدار کے جمع شدہ دھان کے گوداموں پر یلغار کی۔ جس پر ذیلدار نے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ سے شکایت کی اور کہا کہ یہ کمیونسٹ نظریہ ہے۔ شیخ صاحب نے ناراض ہو کر ان کے دفتر کو بند کرنے کا حکم دیا اور مالی امداد بھی بند کی۔

اس واقعہ کے بعد خواجہ غلام محی الدین قرہ نے فرنٹ کے سرکردہ اراکین کو یہ کہہ کر اپنے ساتھ اننت ناگ لے لیا تاکہ وہاں چندہ جمع کیا جائے۔ چندہ جمع تو نہیں ہوا البتہ فرنٹ کے اراکان یہ محسوس کرنے لگے کہ کلچرل سرگرمیوں کے ساتھ اب کھلے بندوں سیاست کو ملایا جا رہا ہے اور سیاست دان فرنٹ کے کندھے پر بندوق رکھ کر اپنے مقاصد کی آبیاری چاہتے ہیں۔ انہوں نے واپس آکر سارا واقعہ غلام محمد صادق کو سنایا۔ انہیں فرنٹ کے حسابات چیک کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ فرنٹ کی تمام جمع شدہ رقم سیکرٹری

نے اپنی تحویل میں لے لی ہے۔ انہوں نے پولیس منگوا کر فرنٹ کے آفس پر تالا چڑھا لیا۔ اس طرح کلچرل فرنٹ کی سرگرمیاں یکایک ختم ہو گئیں۔

یہاں یہ بیان کرنا بعید از معلومات نہ ہوگا کہ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ ریڈیو کشمیر کے قائم ہوتے ہی ریاست کے ادیبوں، مصنفوں، شاعروں، مصوروں اور دیگر فنکاروں نے اس کے ذریعہ اپنے فن اور علمی قابلیت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ جس کی بنا پر یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ریڈیو کشمیر ریاستی دانشوروں اور مفکرین کے لئے معاون مددگار ادارہ ثابت ہوا ہے خاص طور پر فن موسیقی سے وابستہ کشمیری اساتذہ کو اپنے فنی جوہر دکھلانے کے مواقع فراہم ہوتے رہے جن میں محمد عبداللہ تبت بقال، غلام محمد قالین باف، غلام قادر لنگو، ثناء اللہ رباب نواز، عبدالغنی نت بلی، عبدالاحد نجف، راج بیگم، نسیم اختر قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح ریاستی کلچرل اکادمی نے نیلامبر دیو شرما اور محمد یوسف ٹینگ کی قیادت میں علم و ادب کی لازوال خدمت انجام دی ہے جس کا تذکرہ ان شاء اللہ اس کتاب کے اگلے حصے میں تفصیل سے آئے گا۔

(۱۷)

مسئلہ کشمیر سلامتی کونسل میں

ہندوستانی افواج کے ریاست میں داخل ہونے کے ساتھ ہی قبائلی حملے کی پسپائی کے روشن امکانات صاف دکھائی دینے لگے۔ قبائلیوں کو سری نگر کے دروازے شالہ ٹینگ سے پرے دھکیل دیا گیا تھا۔ دریں حالات فیلڈ مارشل آکنلک کے ذریعہ پاکستان کے گورنر جنرل مسٹر محمد علی جناح نے ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کو کشمیر کے سوال پر غور اور گفت و شنید کرنے کے لئے لاہور آنے کی دعوت دی۔ بقول مسٹر وی۔ پی۔ مینن "حکومت ہند کے لئے اس قسم کی میٹنگوں میں شرکت کرنا مسٹر جناح کے جارحانہ اقدامات کے سامنے سر خم کرنے کے مترادف تھا۔ اس لئے مسٹر جناح کے پیغام کے جواب میں دہلی میں یہ فیصلہ لیا گیا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اکیلا ہی لاہور جائے گا۔

ابھی ان کے جانے کی تیاریاں مکمل ہی ہو رہی تھیں کہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو حکومت پاکستان نے ایک بیان جاری کیا۔ جس میں ہند کشمیر الحاق کو فریب اور جارحانہ کہہ کر اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا اور ریاستی حکومت پر الزام عائد کیا کہ ریاستی ڈوگرہ افواج نے

سب سے پہلے پاکستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ رہنے والے ریاستی مسلمان دیہاتوں پر حملے کرکے انہیں تہہ تیغ کیا جس نے قبائلیوں کو کشمیر پر حملہ کرنے پر اکسایا۔

قطع نظر اس تلخ نوائی، لیکن حق گوئی کے باوجود غیر مصلح جو بیان کے یکم نومبر کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور لارڈ اسمے (جو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے سیکرٹری کے طور پر کام کرتے تھے) لاہور مسٹر جناح سے ملنے گئے۔ جہاں مسٹر جناح نے کشمیر کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں:۔

۱۔ فوری جنگ بندی کی جائے۔

۲۔ دونوں فریق بیک وقت اپنی اپنی فوجیں جموں و کشمیر سے واپس بلالیں۔

۳۔ دونوں گورنر جنرلوں کو یہ اختیار ہونا چاہیئے کہ انہیں ریاست میں امن بحال کرنے کے لئے ریاستی انتظامیہ پر مکمل دسترس حاصل ہو، تاکہ ریاست میں بغیر کسی تاخیر کے مشترکہ دیکھ بھال اور کنٹرول میں رائے شماری کرائی جائے۔

جب ان تجاویز کی لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اُن سے وضاحت طلب کی تو انہوں نے کہا۔ آزاد کشمیر کی عارضی حکومت پر پاکستان کا کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ البتہ اس صورت میں ہم انہیں اڑتالیس ۴۸ گھنٹوں کے اندر جنگ بندی کا حکم اس انتباہ کے ساتھ دیں گے۔ اگر اس حکم پر عملدرآمد نہ ہوا تو دونوں ڈومینین کی فوجیں اُن پر بیک وقت مل کر حملہ کریں گی۔ ریاست کے انتظامیہ پر مکمل کنٹرول کی وضاحت میں مسٹر جناح نے کہا کہ ریاست میں ہندوستانی افواج کی موجودگی اور شیخ محمد عبداللہ کے برسر اقتدار رہنے سے لوگوں کو پاکستان سے الحاق کے ضمن میں رائے ظاہر کرنے پر خوف زدہ کیا جانے کا شدید احتمال و اندیشہ ہے۔

اس پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تجویز پیش کی کہ رائے شماری اقوام متحدہ کی زیر نگرانی کرائی جائے لیکن قائد اعظم نے اصرار کیا کہ رائے شماری ہند و پاک کے گورنر جنرلوں کی مشترکہ قیادت اور سرکردگی میں ہونی چاہیئے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور لارڈ اسمے نے مسٹر جناح کو اپنی معذوری ظاہر کرتے ہوئے اس حقیقت سے باخبر کرنے کی حتی الامکان کوشش کی کہ وہ مسلم لیگ کے صدر بھی ہیں جس سے انہیں خصوصی حیثیت حاصل ہے جو کہ انہیں (لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو) ہندوستان میں حاصل نہیں ہے۔ انہوں نے معذرت ظاہر کرتے کہا کہ وہ ہندوستان کا صرف آئینی گورنر جنرل ہیں ان دو متضاد نظریوں اور طرز فکر سے بات چیت میں تعطل کا پیدا ہونا لازمی تھا اس لئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن واپس دہلی آ گئے۔

پنڈت نہرو کی نشری تقریر

دو دن کی خاموشی کے بعد ۲ نومبر کو پنڈت جواہر لال نہرو نے بحیثیت وزیر اعظم ہند

ف۔ ۱ لاہور کی اس میٹنگ میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے نواب زادہ لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان سے بھی طویل ملاقات کی جو اُن دنوں بیمار تھے۔ گورنر جنرل ہند نے حکومت پاکستان کے نمائندے سردار عبدالرب نشتر سے ۲۶ چھوٹے مسائل میں ۲۴ طے کئے۔ لیاقت علی خان سے کشمیر اور جوناگڑھ کے مسئلے پر خاص طور پر بات چیت کی۔ جس میں لیاقت علی خان نے مہاراجہ کشمیر کی شکایت کرتے کہا کہ اُس نے حالات خود خراب کئے۔ ایک طرف پاکستان کے ساتھ گفت و شنید کرنے سے انکار کیا دوسری طرف اس نے ہندوؤں کے علاوہ اپنی فوجوں کو پونچھ، میر پور، راجوری کی سرحد سے پرے مسلمانوں کے قتل عام کے لئے کھلا چھوڑا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مسٹر جناح سے اپنی ملاقات میں کشمیر اور جوناگڑھ کو ایک جیسا ثابت کرنے کی کوشش کی اور چاہا جب حالات سازگار ہوں تو انجمن اقوام متحدہ کی نگرانی میں رائے شماری ہونی چاہیئے۔ اُس نے ایک فارمولا مسٹر جناح کے سامنے رکھا جس کو بقول ماؤنٹ بیٹن اُس نے ہوائی جہاز میں مرتب کیا تھا۔ اور اُمید ظاہر کی کہ جب حکومت ہند اس پر غور کرے گی تو وہ اسے تسلیم کرلے گی۔ یہ فارمولا

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۴۱ پر)

کے ہندوستانی نقطہ نظر کی عوامی سطح پر وضاحت کرنے کی غرض سے ریڈیو پر رات کے ساڑھے آٹھ بجے ایک تاریخی تقریر کی جس میں انہوں نے پاکستان کی جانب سے کشمیر پر حملہ آوروں کی پشت پناہی کی روشنی میں تفصیل سے تذکرہ کیا۔ پنڈت جی کی تقریر کا ایک ایک لفظ اپنے اندر بے پناہ وکیلانہ انداز بیان رکھتا تھا۔ لازم ہے کہ اس تاریخی تقریر کو ذیل میں اختصار کے ساتھ پیش کیا جائے۔

"تقریباً ایک ہفتہ گذرا۔ لیکن آپ نے سنا ہوگا کہ کشمیر میں انڈیا کی فوجیں بھیجی گئیں۔ اس طرح سے افواج کا بھیجا جانا ایک عجیب بات تھی۔ آپ نے اس وقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۰ سے آگے) اس اصول پر مبنی تھا کہ جس ریاست کے حکمران کا مذہب اس ریاست کی اکثریتی فرقہ کے مذہب سے مختلف ہو اس کے الحاق کا مسئلہ رائے شماری کے ذریعے طے کر دیا جائے۔ اس فارمولا پر بقول ماؤنٹ بیٹن مسٹر جناح کا پہلا رد عمل یہ تھا کہ جوناگڑھ میں یہ اصول پاکستان کے مفاد کے خلاف ہوگا اور اگر اس فارمولا کے دائرے میں حیدرآباد آئے تو بھی میرے لئے یہ زیادہ ہی ناقابل قبول بن جائے گا۔ اس پر ماؤنٹ بیٹن نے مصالحت کے لئے کچھ اور باتیں پیش کیں۔ جن پر مسٹر جناح نے سنجیدگی سے غور کرنے کا وعدہ کیا۔ مسٹر جناح نے بھی چند اور تجاویز گورنر جنرل ہند کو پیش کیں۔ لیاقت علی خان سے اپنی ایک نشست کی میٹنگ میں مصالحت کے لئے ماؤنٹ بیٹن نے یہ تجاویز پیش کیں۔

۱۔ یہ بات بہت ہی اہم ہے کہ کشمیر میں فوری طور پر لڑائی بند ہونی چاہیے۔ کیونکہ اس میں کشمیر کے علاوہ ہند اور پاکستان کا بھی فائدہ ہے بلکہ امن عالم کے مفاد میں ہے۔

۲۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے فوری طور پر دونوں مملکتوں کے سرکردہ نمائندوں کی بات چیت ہونی چاہیے۔

۳۔ ہندوستان کو اپنی فوجیں کشمیر میں مستقل طور رکھنے کا کوئی ارادہ نہیں جب اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۲ پر)

تھا ہو کہ کوئی بڑا خطرہ درپیش ہے۔ جس کے لئے تیزی کے ساتھ انتظامات ہو رہے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ایک بڑا خطرہ درپیش آگیا ہے نہ صرف کشمیر کے لئے بلکہ تمام ہندوستان کے لئے اور ہمیں نہایت ہی اہم اور پیچیدہ فیصلے تیزی سے کرنے پڑے ہیں جس کا مختصر حال آپ کو سناتا ہوں۔

ہمارے کچھ بھائی جو پاکستان میں رہتے ہیں انہوں نے ہم پر یعنی حکومت ہند پر یہ الزام لگایا ہے کہ ہماری حکومت نے تشدد سے کام لیا ہے اور دھوکہ دیا ہے۔ پاکستان کی حکومت نے یہ الزام لگاتے ہوئے جو زبان استعمال کی ہے۔ وہ کسی ذمہ دار کی زبان نہیں ہو سکتی۔ اور میرے لئے ضروری نہیں کہ میں اسی زبان میں اس کا جواب دوں۔ کیونکہ میں ایک ذمہ دار حکومت اور عوام کی جانب سے بول رہا ہوں۔ کہا گیا کہ دھوکہ ہوا اور تشدد کیا گیا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ دونوں باتیں ہوئیں لیکن کس کی طرف سے ہوئیں؟ اور اس کا ذمہ دار کون ہے۔ کشمیر میں یکایک فوجیں بھیجی گئیں۔ لوگوں کا قتل و غارت ہوا۔ لوٹ مار کیا گیا۔ کئی دیہات اور قصبات جلا کر تباہ و برباد کئے گئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۱ سے آگے) بات کا یقین ہو کر حملہ آور کشمیر سے باہر چلے گئے تو ہندوستان اپنی فوجیں اس ریاست سے نکال لے گا۔

۴۔ حکومت ہند کی یہ مخلصانہ خواہش ہے کہ کشمیر میں رائے شماری جلد از جلد ہونی چاہیے۔ اور انجمن اقوام متحدہ سے مبصر بھیجنے کی استدعا کی جائے۔

۵۔ ہم اس بات کے لئے تیار ہیں کہ رائے شماری بالکل آزاد ماحول میں ہو ہم چاہتے ہیں کہ دونوں حکومتیں ان ریاستوں کے الحاق کے مسئلے کا طریقہ طے کرنے کے طور طریقے کے بارے میں مشترکہ اعلان کریں جن کا مستقبل ابھی متنازعہ ہے۔

۶۔ ہماری تجویز ہے کہ یہ تمام مسئلے ہند اور پاکستان کے نمائندوں کی گفت و شنید کے ایجنڈے میں شامل کئے جائیں۔

پہلے یہ سلسلہ جموں کی طرف سے جاری رہا۔ اس کے بعد یہ پھیلایا گیا اور پھر مانسہرہ کے راستے سے قبائلیوں کو مظفر آباد بھیجا گیا اور وہاں تباہی و بربادی پھیلا دی گئی۔ میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ ان حالات میں ہم نے جو بھی اقدام کئے وہ کافی سوچ سمجھ کر کئے۔ نتائج پر غور کر کے کئے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ہم نے صحیح فیصلے کئے اور اگر ہم ذرا بھر تاخیر سے کام لیتے تو اتحاد اور بھروسے کی سرحدوں کو دغا دینے کا الزام ہم پر عائد ہوتا اور بزدلی کے ساتھ تلوار، لوٹ مار، عصمت دری، قتل و غارت کے سامنے سر جھکانے کے مترادف ہوتا جس کی ذمہ داری نہ صرف کشمیر کی جانب سے بلکہ سارے ملک کی طرف سے ہم پر عاید ہوتی۔

کچھ ہفتوں سے ہم یہ خبریں سن رہے تھے کہ کچھ ہتھیار بند لوگ مغربی پنجاب کی طرف سے صوبہ جموں میں چلے آئے ہیں۔ جنہوں نے وہاں سخت لوٹ مار مچا رکھی ہے۔ یہ لوگ کون تھے ہم نہیں کہہ سکتے۔ لیکن یہ بات تو یقینی ہے کہ وہ اسی سرزمین سے چلے آئے تھے جو پاکستان میں شامل ہے ہم نے یہ خبر بھی سنی کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ میں کشمیر کے غریب لوگوں کو جمع کر کے مسلح کیا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان خبروں سے ہمیں فکر لاحق ہوئی اور ہم یہ سوچنے لگے کہ اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے ہماری یہ فکر حق بجانب تھی۔ کیونکہ کشمیر سے ہمارا اور باقی ممالک کا بھی قدرتی الحاق ہے۔ وہاں جو کچھ ہوتا ہے اس کا اثر ہم پر بھی پڑنا لازمی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم نے کوئی دخل نہیں دیا۔ حتیٰ کہ یہ لوگ جموں کی حدود میں پھیل گئے۔ صوبہ جموں کے علاقے میں مسلمانوں پر ظلم و تشدد ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بات صحیح ہو اور اگر ایسا ہوا تو یہ انتہائی قابلِ مذمت اور بری بات ہے۔ ہمارے نزدیک جو شخص بھی ظلم کرے خواہ وہ ہندو ہو یا سکھ ہم اس کی مذمت کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہم ظلم کو برا ہی سمجھتے آئے ہیں اور جس شخص نے ظلم کیا اس نے بہت برا کیا۔ ہمارے سامنے ان واقعات کی ایک فہرست موجود ہے کہ صوبہ جموں میں ہتھیار بندوں

... پونچھ اور میرپور کا کافی حصہ ان کے قبضے میں آ چکا ہے جسے کھنڈر خاکستر بنا دیا گیا ہے۔ کیا اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ ان علاقوں کے اپنے لوگوں نے ان پر قبضہ کر لیا۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے۔ سچ یہی ہے کہ یہ سب پاکستان کی طرف سے آنے والوں نے کیا۔

کچھ دنوں سے کشمیر گورنمنٹ ہم سے ہتھیار اور فوجی امداد کا مطالبہ کر رہی تھی ہم نے اس پر کافی سوچا۔ ۲۴ر اکتوبر کو معلوم ہوا کہ ۲۲ر اکتوبر کو مانسہرہ کی سڑک سے ہتھیار بند لوگ کشمیر کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں اور انہوں نے مظفر آباد کو لوٹ لیا ہے اور لوگوں کو مار ڈالا۔ کشمیر کی فوج تھوڑی تھی اس لئے بچے کھچے لوگ بھاگ گئے۔ اسی دن رات کو معلوم ہوا کہ مہاراجہ کشمیر انڈین یونین سے الحاق کے خواہش مند ہیں۔ ۲۵ر اکتوبر کو ہم نے اس پر غور کیا مگر آخری فیصلہ نہ ہوا۔ ۲۶ر اکتوبر کو دوبارہ اس سوال پر غور کیا گیا۔ اسی اثنا میں صورتِ حال بہت خراب ہو چکی تھی۔ حملہ آور بارہ مولہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ مہورہ کے عظیم الشان پاور ہاؤس جو تمام کشمیر کو روشنی بہم پہنچاتا ہے جلا دیا گیا تھا۔ اور ہمارے پاس اب نہ صرف مہاراجہ کشمیر بلکہ کشمیر کے عوامی نمائندہ جماعت نیشنل کانفرنس اور اس کے عظیم الشان لیڈر شیخ محمد عبداللہ کی جانب سے بھی مطالبہ ہوا کہ کشمیر میں فوجی امداد بھیجی جائے۔ جسے ہم نے منظور کر لیا۔ لیکن اس کے ساتھ یہ طے پایا کہ الحاق کا فیصلہ آخری نہیں ہونا چاہئے۔ آخری فیصلہ وہی ہو سکتا ہے جو ریاست میں امن و امان قائم ہونے کے بعد وہاں کے لوگ آزادانہ رائے سے کریں گے۔

ہم نے یہ اصول تسلیم کر لیا ہے کہ جہاں کسی ریاست کے الحاق پر کوئی تنازعہ ہو وہاں اس مسئلے کو رائے عامہ پر چھوڑ دیا جائے اور جہاں تک کشمیر کا تعلق ہے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ امن و امان جوں ہی قائم ہو جائے گا کشمیر کی نسبت مسئلہ الحاق کو ایک بین الاقوامی ادارے کی نگرانی میں رائے عامہ سے طے کیا جائے گا اور اسی نگرانی

ہیں یہاں کے باشندوں سے پوچھا جائے گا کہ وہ دو میں سے کس ایک ڈومینین میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ لوگوں کا جو فیصلہ ہوگا وہ ہم کو منظور ہوگا۔ ہم نے ۲۶ اکتوبر کو یہ فیصلہ کیا کہ ۲۷ اکتوبر کو کشمیر میں حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لئے فوجیں بھیج دیں ان فوجوں نے آج تک کافی بہادری اور بہت سے کام کیا ہے میں ان کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ نیشنل کانفرنس کے رضاکاروں نے ان دنوں جو کام کیا ہے وہ حیرت افزاء اور عجیب و غریب ہے۔ حملے کے بعد سری نگر کا سارا نظام حکومت معطل اور کاروبار بند ہو چکا تھا۔ لیکن ان نہتے رضاکاروں اور لوگوں نے امن کو بحال رکھا۔ سری نگر کا بچایا جانا ایک معجزہ سے کم نہیں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان میں حب الوطنی کا جذبہ کس قدر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ میں اس موقعہ پر مہاراجہ کشمیر کو مبارک بادی کا مستحق سمجھتا ہوں جنہوں نے نظام حکومت کی باگ ڈور عوامی زعماء اور رائے عامہ کے ترجمان شیخ محمد عبداللہ کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ میں دوسری ریاستوں کو اس کی تقلید کی دعوت دیتا ہوں، حق تو یہ ہے کہ کشمیر میں انڈین یونین کی فوجیں تو لڑ رہی ہیں لیکن تبھی جب انہیں لوگوں کا پورا پورا تعاون حاصل ہے اور لوگ اندرونی محاذ پر پورے ربط و ضبط اور مذہبی امتیاز کے بغیر کام کر رہے ہیں۔ لہٰذا یہ لوگوں کی لڑائی ہے اور ہم لوگوں کی امداد کر رہے ہیں۔ گو موجودہ خطرہ بہت بڑا خطرہ ہے لیکن ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔ یہ ایک غور طلب سوال ہے آیا یہ حملہ آور پاکستان کی اجازت سے کشمیر کے اندر داخل ہو رہے ہیں یا بغیر اجازت کے——— حکومت ہند کو پاکستان سے یہ پوچھنے کا حق حاصل ہے کہ ان حملہ آوروں کو اندر آنے کی اجازت کیسے دی گئی۔ انہیں کس نے مسلح کیا اور انہیں کہاں سے امداد ملتی ہے اگر یہ لوگ حکومت پاکستان کی اجازت کے بغیر وہاں گئے ہیں تو کیا ہم مان لیں کہ پاکستان اتنا کمزور ہے کہ وہ ان حملہ آوروں کو اپنی سرزمین سے گزرنے سے نہیں روک سکتا۔

اور اگر اجازت دی ہے تو کیا یہ بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ ہم نے پاکستان والوں سے کہدیا ہے کہ وہ ان حملہ آوروں کو اپنے علاقوں سے باہر نکالیں اور کشمیر سے واپس بلاویں۔ انڈین یونین اپنی فوجیں کشمیر میں مقیم نہیں رکھنا چاہتا۔ امن قائم ہوتے ہی وہ واپس بلائی جائیں گی۔ لیکن جب تک حملہ آوری کا سلسلہ جاری ہے کہ تب تک ہم نے کشمیر کی حفاظت کے لئے حکومت کشمیر کے ساتھ معاہدہ کیا ہے ان کے ساتھ امداد کا اقرار کیا ہے اس اقرار اور وعدہ پر ہم پوری پابندی کے ساتھ قائم رہیں گے اور کشمیر کو ہر ممکن صورت میں ظلم و تشدد اور تباہی سے بچائیں گے۔"

لیاقت علی خان کی نشری تقریر

وزیر اعظم ہند کی نشری تقریر کے جواب میں وزیر اعظم پاکستان نے ۴ نومبر کو اپنی تقریر میں پاکستان کے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے کہا:

"کشمیر سے مسلمانوں کو نکال باہر کرنے کی جو کوشش کی جا رہی ہے۔ کشمیر کی موجودہ بغاوت اسی کی اہم کڑی ہے۔ کشمیری باشندوں کی اس جد و جہد میں صوبہ سرحد اور قبائلی علاقوں میں رہنے والے ان کے عزیز و اقرباء اپنے بےکس بے بس بھائیوں کی مدد کے لئے دوڑ پڑے ہیں۔ کشمیر کے غلام باشندوں کی اس بغاوت کو بیرونی حملے کا نام دینا، ناانصافی اور حقائق سے آنکھیں موند لینے کے مترادف ہے۔ ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق ایک دھوکہ ہے جو پاکستان کے لئے حفاظتی خطرہ ہے۔ پاکستان اسے تسلیم نہیں کریگا۔ ہمارے دل ان لوگوں کی جد و جہد کے ساتھ ہیں ان کی یہ خواہش ہے کہ وہ آزادی کے لئے زندہ رہ جائیں یا مر جائیں اور اگر ان کے دشمنوں کے منصوبے کامیاب ہو گئے تو وہاں کے مسلمان بھی اسی طرح ملیامیٹ ہو جائیں گے جس طرح ہندوستان کے دیگر صوبوں میں ہو رہے ہیں۔" نوابزادہ لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان نے اپنی تقریر

ہیں اس ساری تباہی کا ذمہ دار ہندوستان کو ٹھہرایا۔

۷ نومبر کو حکومت پاکستان نے ایک برقیہ کے ذریعہ ہندوستان کے الزامات کو لغو کہہ کر نواب زادہ لیاقت علی خان کے ۴ نومبر کی نشری تقریر کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو مسٹر جناح کی پیش کردہ تجاویز دہرائیں اور سرحدی جھڑپوں پر اظہار خیال کرتے کہا کہ یہ جھڑپیں سٹیٹ پولیس اور ملیشیا کے درمیان ہو رہی ہیں اور ان میں کسی تیسری پارٹی کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ برقیہ میں حکومت پاکستان کے موقف کو دہراتے ہوئے جموں، پونچھ اور پٹیالہ، فرید کوٹ اور کپورتھلہ میں مسلمانوں کے قتل عام کو ہندوستان کی سازش قرار دیا۔ اور کشمیر کے مسئلے پر مفصل روشنی ڈالتے ہوئے کہا گیا کہ کشمیر پر ہندوستان کی گرفت ناجائز اور غیر اخلاقی ہے۔ ریاست کے الحاق کو بھی معاہدہ امرتسر کا نام دے کر کہا گیا کہ یہ تاریخ کی ستم ظریفی اور بددیانتی ہے کہ کشمیر کے غلام عوام نے جب حکومت سے بغاوت کی تو انہیں دنیا کے سامنے قبائلیوں کا حوالہ دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ یہ حملہ بیرونی حملہ ہے تاکہ دنیا کی ہمدردیاں ہندوستان کی جانب ہوں۔

جوائنٹ ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ

۸ نومبر کو دہلی میں جوائنٹ ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ ہو رہی تھی جس میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مسٹر جناح اور نواب زادہ لیاقت علی خان کی شمولیت پر کافی زور دیا مگر وہ نہ آئے۔ البتہ پاکستان کی طرف سے سردار عبدالرب نشتر اور سیکرٹری جنرل پاکستان چوہدری محمد علی نے اس میٹنگ میں شرکت کی۔ میٹنگ میں پنڈت جواہر لال نہرو بھی موجود تھے انہوں نے سردار عبدالرب نشتر سے مسئلہ کشمیر پر گفت و شنید کی لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ۸ نومبر کو ہی بارہ مولا پر ہندوستانی افواج نے قبضہ کر لیا اور وزارت دفاع حکومت ہند نے یہ فیصلہ بھی لیا کہ کشمیر میں ڈویژنل ہیڈ کوارٹر قائم کیا جائے۔

جوابُ الجواب

ان دنوں دونوں حکومتیں ہر بات کا جواب ترکی بہ ترکی دیا کرتے تھے چنانچہ انہی جذبات سے مغلوب ہو کر ہندوستان کے ڈپٹی پرائم منسٹر سردار ولبھ بھائی پٹیل نے ۹ نومبر کو اپنے ایک بیان میں نواب زادہ لیاقت علی خان کے ہند پر عائد کردہ الزامات کی تردید کی اور کہا وزیراعظم پاکستان تاریخ اور واقعات کو دانستہ طور پر اپنے مفاد کے پیش نظر غلط رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ قاتلوں اور لٹیروں کو بہادر، آزادی دلانے والے نجات دہندے ظاہر کیا جا رہا ہے ریاست کی خوبصورت وادی میں سادہ لوح، بے سروسامان اور امن پسند دیہاتیوں اور لوگوں پر وحشیانہ مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔ اُن کو غیر اہم اور معمولی ظاہر کیا جاتا ہے ہمسایہ ملک کی طرف سے اس باقاعدہ اور مکمل تیاری کے ساتھ جنگ کو اس طرح پیش کیا جا رہا ہے گویا ریاستی باشندوں نے حکمران خاندان کے بے جا مظالم اور ناجائز دباؤ کے خلاف ریاست کی حدود میں علم بغاوت بلند کیا ہے۔

سردار پٹیل نے اپنے بیان میں حکومت پاکستان کو کشمیر پر حملہ آوروں کی حوصلہ افزائی اور خفیہ طور پر امداد دینے کا ذمہ دار ٹھہراتے اس امر پر تعجب کا اظہار کیا کہ فرقہ وارانہ فسادات کو کیوں ملک اور مشرقی و مغربی پنجاب کے حالیہ واقعات سے الگ تصور کیا جاتا ہے۔

ہندوستانی تجاویز

اسی تاریخ کو حکومت ہند نے پاکستان کی پیش کردہ تجاویز کو مسترد کرتے وزیراعظم پاکستان کے ۴ نومبر والے نشریے کے لب و لہجہ پر اظہار ناراضگی کی اور اپنی جانب سے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں:

۱۔ حکومت پاکستان عوامی سطح پر قبائلیوں کو مجبور کریں کہ وہ کشمیر سے واپس نکل جائیں۔

۲۔ حکومت ہند کشمیر سے اسی صورت میں اپنی افواج کو واپس بلائے گی جب قبائلی واپس چلے جائیں گے اور حالات معمول پر آ جائیں گے۔

۳۔ حکومت ہند اور حکومت پاکستان مشترکہ طور پر اقوام متحدہ سے استدعا کریں گی کہ وہ کشمیر میں فوری طور رائے شماری کا اہتمام کرے کیونکہ ہندوستان کی یہ خواہش ہے کہ کشمیر کے لوگوں سے اس مسئلے میں رائے دریافت کی جائے۔

لفظی جنگ

پاکستان کی جانب سے ابھی ان تجاویز کے بارے میں کوئی رد عمل ظاہر نہیں ہوا تھا کہ سردار پٹیل نے ۱۲ نومبر کو ریاست راجکوٹ میں ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کشمیر کے بارے میں پاکستان کے طرز عمل اور رویہ کی مذمت کی۔

۱۶ نومبر کو لیاقت علی خان نے ایک بیان میں کشمیر پر ہندوستان کے قبضہ و تسلط [illegible] بند سکیم کہہ کر اس سے آئینی و اخلاقی نا انصافی پر مبنی سامراجی نظریہ قرار دیا۔ لیاقت علی خان نے شیخ محمد عبداللہ پر نامعقول اور رکیک حملے کرتے ہوئے انہیں ہندوستان کا آلہ کار اور زرخرید غلام کے نام سے پکارا۔ انہوں نے اپنے بیان میں مزید کہا۔ اگر ہندوستان کی ملک ہوس گیری کا یہی عالم رہا۔ تو اس کے نتائج نہ صرف ایشیا بلکہ دنیا میں خطرناک صورت اختیار کریں گے۔ حکومت ہند پر لازم ہے کہ وہ کوئی ایسی حرکت [illegible] جس سے دنیا کے اس خطے میں جنگ و جدل اور بد امنی کا دور دورہ شروع ہو۔ لیاقت علی خان نے اپنے بیان میں اقوام متحدہ سے رجوع کرنے کی پیشکش کی۔ کشمیر [illegible] کرتے ہوئے خواہش ظاہر کی کہ اقوام متحدہ کی فوج کی نگرانی میں رائے شماری کرائی جائے تاکہ لوگ بغیر کسی دباؤ کے [illegible]

[illegible] کشمیر کے ساتھ جوناگڑھ کو بھی شامل فرمائے گی انہوں نے تجویز رکھی۔

لیاقت علی خان کے بیان کا جواب دینا حکومت ہند پر بھی لازمی تھا۔ مگر اب شیخ صاحب بھی [illegible] میں آ گئے انہوں نے حضرت بل میں تقریر کرتے نواب زادہ لیاقت علی خان کو مخاطب کرتے کہا ۔۔۔ "کشمیر نواب زادہ لیاقت علی خان کے باپ دادا کی جاگیر نہیں ہے۔ [illegible] آستین چڑھا کر بڑی بے حیائی اور ڈھٹائی سے بڑھ چڑھ کر باتیں [illegible] کشمیر کشمیریوں کا ہے اور وہی اس کے حقیقی مالک ہیں۔"

حکومت ہند کا جواب

ابھی شیخ عبداللہ کی تقریر کا ارتعاش باقی تھا کہ ۲۱ نومبر کو پنڈت جواہر لال نہرو نے حکومت پاکستان کو بذریعہ تار مندرجہ ذیل جواب دیا۔

۱۔ چونکہ [illegible] ہندوستان کے پاس کوئی فاضل فوج نہیں ہے اس لئے وہ ہماری اس فوج کی جگہ [illegible] جو اس وقت قبائلیوں سے ریاست کو صاف کر رہی ہے۔

۲۔ کشمیر کی حکومت کوئی جائیداد نہیں بلکہ وہ صحیح معنوں میں عوامی حکومت ہے اس لئے اقوام متحدہ کے لئے عبوری حکومت بنانے کی تجویز کی کوئی جوازیت نہیں ہے۔

۳۔ ہم نے کشمیر کے لوگوں کو وعدہ دیا ہے کہ وہ بے آسرا انہیں چھوڑ کے نہیں جائیں گے اور جب تک کشمیر کی سرحدوں سے حملہ آوروں کو دھکیل نہ دیا جائے گا لوگوں کی رائے دریافت نہیں کی جا سکتی ہے۔ اگر پاکستان کو قبائلیوں پر دسترس حاصل نہیں ہے اور ہم بھی اگر انہیں نہ روک کر باہر نکال سکیں تو وہاں حکومت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں اس طرح لٹیروں اور قبائلیوں کا جو راج ہو گا ہماری حکومت اس پوزیشن کو زیادہ دیر برداشت نہیں کرے گی۔

پاکستان کا جواب الجواب

حکومت پاکستان نے ۲۵ نومبر کو ہندوستانی برقیے کے جواب میں [illegible]

ہندوستان کا ناکامیوں اور تردیدی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر حقائق سے چشم پوشی کر رہا ہے۔ وزیر اعظم
ہند، شیخ محمد عبداللہ کی پشت پناہی کر رہا ہے جبکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ وہ ایک آلہ کار
اور ہندو ایجنٹ ہے جو مسلمانوں کے حقوق کے بخیے ادھیڑ رہا ہے۔

ایک اور کوشش

اگلے دن پنڈت جواہر لال نہرو نے پارلیمنٹ میں ایک بیان دیا۔ جس میں پچھلے
چار ہفتوں کے دوران تیزی سے بدلتے حالات کا تفصیل سے اعادہ کرتے کشمیر کے لوگوں
سے رائے شماری کے وعدے کو دہرایا۔

یکم دسمبر کو دہلی میں دونوں وزراء اعظم کے مابین براہ راست گفت و شنید ہوئی
مگر اختلافات میں سر مو فرق نہ آیا۔ ۸ دسمبر کو وزیر اعظم ہند پنڈت نہرو لارڈ ماؤنٹ
بیٹن کے ساتھ جوائنٹ ڈیفنس کونسل کی میٹنگ میں شمولیت کے لئے لاہور پہنچے۔ کیونکہ
اس سے پہلے وزیر اعظم پاکستان نے وزیر اعظم ہند کو ایک تار کے ذریعہ مسئلہ کشمیر پر فیصلہ کن
گفت و شنید کرنے کے لئے تجویز پیش کی تھی۔ اس طرح دونوں وزراء اعظم نے لاہور میں لارڈ
ماؤنٹ بیٹن کی موجودگی میں تین بجے سے لگاتار نصف شب تک مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر
کسی خاطر خواہ نتیجے پر پہنچنے کے لئے سر توڑ کوششیں کیں۔ پنڈت نہرو نے وزیر اعظم پاکستان کے
سامنے یہ تجویز رکھی کہ پاکستان اس امر کا اعلان کرے کہ وہ اپنا تمام اثر و رسوخ وادی کشمیر سے
قبائلیوں کو پیچھے ہٹانے میں استعمال کرے گا اور ایسے اقدام کئے جائیں گے جن سے قبائلیوں
کا ریاست میں دوبارہ داخلہ ناممکن بن جائے (قطع نظر اس کے کہ حکومت پاکستان نے انہیں
اپنی سرزمین سے گذرنے دیا ہے اور ان کی سرگرمیوں کا مرکز پاکستان ہی بنا رہا ہے) پنڈت
نہرو نے اپنی تجویز میں یہ بھی کہا کہ ایک پُرامن ماحول بنانے کے لئے لازمی ہے کہ غلط اور جذباتی
قسم کے پروپیگنڈے کو روکا جائے۔ حالانکہ پاکستانی اخبارات ہندوستانی افواج کو دشمن

قرار دے رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کشمیر میں رائے شماری کرانے سے قبل لڑائی بند کرنا
اور قبائلیوں کو پیچھے ہٹانا لازمی ہے۔

نوابزادہ لیاقت علی خان نے پنڈت نہرو کی اس تجویز کے جواب میں کہا۔ میرے
لئے یہ بات آسان ہے کہ میں قبائلیوں کو پیچھے ہٹنے کی اپیل کروں۔ البتہ اگر انہوں نے
اس اپیل کو خاطر میں نہ لایا تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ دونوں ڈومینیوں کے درمیان تعلقات
مزید بگڑ جائیں گے اور اس قسم کی اپیل سے پاکستان کی موجودہ حکومت کو شدید مشکلات کا
سامنا کرنا پڑے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ پاکستان کی حکومت اتنی مضبوط نہیں۔ پاکستان کے
اردو اخبارات حکومت کی ہر بات پر بُری طرح نکتہ چینی کر رہے ہیں کہ وہ آزاد کشمیر کو امداد
دینے میں ناکام رہا ہے اور اس تنقید میں اگر پاکستان کی موجودہ حکومت گر گئی تو آپ بخوبی
اندازہ کر سکتے ہیں۔ یقیناً اس کی جگہ ایک انتہا پسند حکومت لے لیگی۔ لیاقت علی خان نے
وضاحتاً کہا کہ اگر قبائلیوں کو سختی سے روکا گیا تو یہ لڑائی مول لینے کے مترادف ہوگا۔ بہتر
یہ ہے کہ ہندوستان اپنی تمام فوجیں کشمیر سے ہٹالے اور رائے شماری کرانے سے پہلے ایک
غیر جانبدار حکومت قائم کی جائے جو شیخ محمد عبداللہ کی جگہ ریاستی انتظامیہ کو سنبھال لے گی۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ہندوستان کی حکومت
ریاست جموں و کشمیر سے تمام فوجوں کو نہیں نکال سکتی ہے اور بالفرض اگر ایسا کیا بھی جائے
تو ریاست پونچھ اور دوسرے مقامات بالکل فوجیوں کے رحم و کرم پر ہوں گے جس کے نتیجے
میں افراتفری پھیل جائے گی۔ جہاں تک شیخ محمد عبداللہ کو تبدیل کر کے کسی نئے انتظامیہ کا تعلق
ہے یہ ایک ایسی تجویز ہے جس پر اگر آپ بھی ذرا دھیان دیں تو خود بخود ناقابل عمل نظر آئے
گی۔ ریاست جموں و کشمیر میں ایڈمنسٹریشن قائم کرنا ہمارا کام نہیں بلکہ وہاں کے باشندوں
کا کام ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ہم شیخ محمد عبداللہ کی جگہ کسی اور کو ایڈمنسٹریٹر مقرر کریں۔
پچھلے پندرہ برسوں سے شیخ محمد عبداللہ ذمہ دار نظام حکومت کے لئے جدوجہد کرتا آیا ہے۔

جس کو حاصل کرنے کے لئے وہ اور اس کے ساتھی بے مثال قربانیاں دے چکے ہیں۔ کشمیر میں نیشنل کانفرنس کو وہی حیثیت حاصل ہے جو ہندوستان میں کانگریس کو اور پاکستان میں مسلم لیگ کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیشنل کانفرنس کی حکومت ریاست میں اپنی ذمہ دار حکومت کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وہ جماعت ہے جس نے مہاراجہ سے اختیارات سنبھالے ہیں اور فی زمانہ لوگوں کو غیر فرقہ وارانہ مالا میں پرونے میں مصروف عمل ہے۔

اس طویل گفت و شنید سے کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ البتہ بات چیت کے اختتام پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تجویز رکھی "اب جبکہ ہم باہمی طور پر کسی کھلے نتیجے پر نہیں پہنچے ہیں کیوں نہ اقوام متحدہ کو مصالحت کنندہ کے طور پر تیسری پارٹی کی حیثیت میں بلایا جائے۔" تاکہ وہ کشمیر کے معاملے میں ہند پاک کے درمیان مصالحت کرا سکے اور یہ تجویز زیر غور رکھی گئی۔

اس واقعہ کو ایلن کیمبل جانسن نے "مشن ود ماؤنٹ بیٹن" (MISSION WITH MOUNTBATTEN) صفحہ ۵۲-۲۵۱ مطبوعہ ۱۹۴۷ء میں تفصیل سے لکھا ہے۔

"ماؤنٹ بیٹن کو اس بات کا یقین ہوا کہ سیاسی تعطل اس قدر شدید ہے کہ سخت بیرونی اور اندرونی سیاسی دباؤ کے پیش نظر اس کو ایک ایسی تیسری پارٹی کے بغیر جس کو دونوں تسلیم کرتے ہوں اور جس کا بین الاقوامی اثر ہو ختم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس سے پیشتر ماؤنٹ بیٹن نے ان کے اختلافات کو ختم کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی تھی۔ چنانچہ اس مرحلہ پر ماؤنٹ بیٹن نے یہ تجویز پیش کی کہ مجلس اقوام متحدہ کو تیسری پارٹی کا رول ادا کرنے کے لئے تیار کیا جائے۔"

اس آخری مرحلے پر گورنر جنرل ہند نے برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹیلی کو بذریعہ تار ہند آنے کی دعوت دی تاکہ وہ اس تشویش ناک مسئلے پر ثالثی کے فرائض انجام دے کر ایک تاریخ ساز رول ادا کرے مگر مسٹر اٹیلی نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے

مشورہ دیا کہ اقوام متحدہ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کا صحیح اور مناسب مقام ہے۔

اقوام متحدہ میں جانے کی تیاریاں

اس طرح یہ مسئلہ سلجھنے کے بجائے الجھتا ہی گیا۔ آخر کار بات یہاں آکر ٹھہری کہ اس نازک اور پیچیدہ مسئلے کو فوری طور اقوام متحدہ میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ اقوام متحدہ میں کوئی شکایات پیش کرنے سے قبل یہ لازمی ہے کہ متعلقہ پارٹیوں کے درمیان شکایات کا آفیشل تبادلہ ہو۔ اس رسم کو پورا کرنے کی غرض سے جب ۲۲ دسمبر کو نواب زادہ لیاقت علی خان جوائنٹ ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ میں شرکت کرنے کے لئے دوبارہ دہلی آئے، پنڈت جواہر لال نہرو نے ذاتی طور پر انہیں ایک خط دیا جس میں شکایت کی گئی کہ قبائلیوں کو پاکستان کی حکومت گولہ بارود اور پاکستان کی سرزمین سے گذرنے کی اجازت دے کر ریاست جموں و کشمیر پر جو اب ہندوستان کا حصہ بن چکا ہے، حملہ کرنے کی نہ صرف ترغیب دی بلکہ پاکستان ہی ان کو ریاست پر حملہ کرنے کے لئے اکسا رہا ہے اور یہ پاکستان کو اپنی کمین گاہ بنا کر کشمیر پر یلغار کر رہے ہیں۔

قبائلیوں کے پاس جو جدید ہتھیار (مارٹرز، آٹلیری اور مارک وی مائنز) ہیں۔ یہ انہیں پاکستان ہی سپلائی کر رہا ہے۔ یہ چیزیں قبائلیوں کے پاس نہیں ہو سکتی تھیں۔ موٹر ٹرانسپورٹ، موٹر گاڑیاں، پٹرول اور کھانے پینے کی چیزیں بھی قبائلیوں کو پاکستان کی حکومت ہی مہیا کرتی ہے۔ ہمارے پاس مصدقہ اطلاعات ہیں کہ قبائلیوں کی راشن پاکستان کے فوجی ڈپوؤں سے سپلائی ہوتا ہے اس کے علاوہ ہماری اطلاعات یہ بھی ہیں کہ قبائلیوں کو بھاری تعداد میں پاکستانی فوجی آفیسر عسکری تربیت دے رہے ہیں۔

حکومت ہند نے وقتاً فوقتاً حکومت پاکستان سے استدعا کی کہ وہ قبائلیوں کو مندرجہ ذیل امداد بہم پہنچانے سے پرہیز کرے۔

... حکومت پاکستان نے ہندوستان کے خلاف اُن الزامات کو بھی دہرایا۔ جنہیں بعد ازاں حکومت پاکستان نے اقوام متحدہ میں اپنے کیس کی بنیاد قرار دیا۔

حکومت ہند کا میمورنڈم

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے مشورے کے مطابق حکومت ہند کی جانب سے اقوام متحدہ میں ہند کے مستقل نمائندے مسٹر پی۔ پی۔ پلے نے مسئلہ کشمیر کے بارے میں جو یاد داشت لیک سیکس میں ۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء کو اقوام متحدہ میں سلامتی[1] کونسل کے صدر کو اقوام متحدہ کے منشور ۳۵ کے چارٹر کے تحت پیش کی۔ وہ مندرجہ ذیل ہے:۔

۱۔ متحدہ اقوام کے منشور کی دفعہ ۳۵ کے ماتحت کوئی ممبر حفاظتی کونسل کو اس صورت حال کی طرف متوجہ کرا سکتا ہے جس کا باقی رہنا اندرونی امن و امان اور تحفظ کے لئے خطرہ کا باعث بن سکتا ہے۔ چنانچہ حملہ آوروں کو جو پاکستانیوں نیز پاکستان سے متصل شمال مغربی علاقے کے قبائلیوں پر مشتمل ہیں، جموں و کشمیر کی ایک ایسی ریاست کے خلاف، جو ہندوستان سے الحاق کر چکی ہے اور اب اس کا جزو ہے، اپنی کارروائیوں کے لئے پاکستان سے جو مدد مل رہی ہے اس نے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان اس وقت ایسی ہی صورت حال پیدا کر دی ہے۔ الحاق کے اسباب، حملہ آوروں کی سرگرمیاں جن کی وجہ سے حکومت ہند کو ان کے خلاف فوجی کارروائی کرنی پڑی۔ اور وہ امداد جو حملہ آوروں کو پاکستان سے ملی اور اب بھی مل رہی ہے ان سب کی وضاحت اس یاد داشت میں آگے چل کر کی گئی ہے حکومت ہند حفاظتی کونسل سے درخواست کرتی ہے کہ وہ پاکستان سے مطالبہ کرے کہ وہ

---

[1] اس وقت سلامتی کونسل مندرجہ ذیل ممالک کے ممبران پر مشتمل تھی۔ چین۔ فرانس، برطانیہ، امریکہ، یوکرین، شام، کولمبیا، ارجنٹینا، بلجیم اور کینیڈا۔

۱۔ پاکستانی سرزمین کے استعمال سے گریز۔
۲۔ تمام فوجی اور دوسری سپلائی کی بندش۔
۳۔ تمام قسم کی امداد جو زیادہ عرصے کے لئے انہیں کشیدگی قائم رکھنے میں مددگار ثابت ہو۔

مراسلے کے آخیر پر یہ انتباہ کیا گیا کہ اگر اس مراسلے کا جواب نہ ملا تو حکومت ہند مجبور ہوگی کہ وہ کوئی بھی حرکت جو کہ اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق ہو کرنے کی مجاز ہوگی۔

نواب زادہ لیاقت علی خان نے حکومت ہند کا مکتوب لیتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو سے وعدہ کیا کہ اس کا جواب دیا جائے گا۔ مگر ۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء تک کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ اور اسی دن حکومت ہند نے رسمی طور پر اقوام متحدہ میں اپنی یاد داشت پیش کی۔ اور اسی دن حکومت پاکستان کی جانب سے حکومت ہند کو اس وقت جواب موصول ہوا جب کہ حکومت ہند نے اقوام متحدہ میں میمورنڈم بھجوا دیا تھا۔

حکومت پاکستان نے اپنے مکتوب میں ہندوستان کے خلاف جوابی الزامات عائد کئے۔ خط میں ہند کشمیر الحاق کو کشمیری مسلمانوں کی خواہشات کے خلاف کہہ کر اس کی بنیاد دھوکہ اور تشدد پر مبنی قرار دیا۔ جو اخلاقی، آئینی، جغرافیائی، مذہبی، ثقافتی اور اقتصادی لحاظ سے ناپائیدار اور جانبدار ہے حالانکہ مہاراجہ کشمیر کی طرف سے یہ کوشش جو کی گئی کہ مسلمانوں کو کشمیر سے نکال باہر کیا جائے جس کا کشمیری عوام نے مقابلہ کیا اور اس بغاوت میں سرحدی قبائلیوں نے ان کی مدد کی۔ کشمیر کی گڑبڑ کو ٹالا جا سکتا تھا اگر ہندوستان کی حکومت نے اپنی افواج کو وہاں بھیجنے سے پہلے مشورہ کیا ہوتا۔ باوجود اس کے کہ پاکستان نے لڑائی کو محدود دائرے میں رکھنے کی غرض سے قبائلیوں کی کثرت کو روکنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ فی الواقع اگر پاکستان کے باشندے لڑائی میں شریک ہو رہے ہیں تو وہ بھی رضاکاروں کی حیثیت میں ہوں گے اس میں حیرانگی کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر کچھ ایسے سپاہی جو پاکستانی فوج سے رخصت لے کر اپنے عزیز و اقربا کی امداد کر رہے ہوں۔

ایسی امداد دینا فوراً بند کرے جو ہندوستان کے خلاف ایک جارحانہ اقدام ہے اگر پاکستان ایسا نہیں کرتا۔ تو پھر اس صورت میں حکومت ہند مجبور ہوگی کہ وہ حفاظت خود اختیاری میں حملہ آوروں کے خلاف فوجی کاروائی کرنے کے لئے پاکستانی علاقے میں داخل ہو۔ اس لئے یہ مسئلہ انتہائی اہم ہے اور اس بات کا متقاضی ہے کہ بین الاقوامی امن کو برقرار رکھنے کے لئے حفاظتی کونسل فوری کاروائی کرے۔

۲۔ ستمبر ۱۹۴۷ء کے وسط سے حکومت ہند کو ریاست جموں و کشمیر کے صوبہ جموں کے مغربی حصوں میں مسلح حملہ آوروں کے داخل ہونے کی اطلاعات موصول ہونے لگیں۔ جموں مغربی پنجاب سے جو پاکستان ڈومینین کا ایک حصہ ہے ملحق ہے۔ ان حملہ آوروں نے اس علاقہ میں بہت زیادہ نقصانات پہنچائے تھے اور ریاستی علاقے کے ایک حصہ پر قابض ہو گئے تھے۔ ۲۴ اکتوبر کو پاکستان ڈومینین کے سرحدی صوبے سے وادی کشمیر میں ایک بڑے حملے کی اطلاع حکومت ہند کو ملی۔ تقریباً ۲۰۰۰ یا اس سے زیادہ حملہ آور جو پوری طرح مسلح اور لیس تھے موٹر لاریوں میں سرحد پار کر کے ریاست جموں و کشمیر کے علاقے میں داخل ہوئے انہوں نے بہت سے قتل کر کے قصبہ مظفر آباد پر قبضہ کیا اور وادی جہلم سڑک پر ریاست جموں و کشمیر کے موسم گرما کے مستقر سری نگر کی طرف بڑھے، درمیان میں جو شہر اور دیہات پڑے وہ جلا کر تباہ و برباد کر دیئے گئے اور بہت سے لوگ مار ڈالے گئے۔ ان حملہ آوروں کو کشمیر کی ریاستی فوجوں نے سری نگر سے ۵۰ میل کے فاصلہ پر قصبہ اوڑی کے قریب کچھ عرصہ تک روکے رکھا لیکن حملہ آور ان سے بچ نکلے اور مہورہ کے بجلی گھر کو جس سے سارے کشمیر کو بجلی ملتی ہے جلا ڈالا۔

۴۔ ۲۶ اکتوبر کی صبح کو صورت حال یہ تھی کہ کشمیر کی ریاستی فوجوں اور عوام میں سے کچھ لوگوں نے جنہیں مسلح کر دیا گیا تھا ان حملہ آوروں کو قصبہ بارہ مولہ میں روک رکھا تھا، اس بات کا فوری خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ حملہ آور سری نگر پہنچ جائیں گے۔ دارالخلافہ کو تباہ و برباد کر دیں گے۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو بڑی تعداد میں قتل کر ڈالیں گے، ریاستی فوجیں ساری ریاست میں پھیلا دی گئیں تھیں اور ان میں سے بیشتر صوبہ جموں کی مغربی سرحد پر متعین کر دی گئیں تھیں، ریاستی فوجیں علیحدہ علیحدہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں۔ اور وہ اس قابل نہیں تھیں کہ حملہ آوروں کا منظم طور پر مقابلہ کر سکیں۔ بیشتر سرکاری ملازموں نے اس خطرے کے علاقے کو چھوڑ دیا تھا اور سارا نظم و نسق معطل ہو گیا تھا اب سری نگر کو ان تباہیوں سے بچانے کے لئے جو حملہ آور اپنے راستہ میں تمام مقامات پر ڈھاتے آئے تھے صرف باشندگان سری نگر کا جذبہ جس میں تمام فرقے کے لوگ شامل تھے صرف یہ عزم رہ گیا تھا کہ وہ خالی ہاتھوں بھی مقابلہ کریں گے۔ اس وقت سری نگر میں ہندو اور سکھ پناہ گزینوں کی کافی تعداد موجود تھی جو فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ سے مغربی پنجاب سے بھاگ کر یہاں آئے تھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر حملہ آور سری نگر پہنچ گئے تو ان پناہ گزینوں کا قتل عام ہو جائے گا۔

۳۔ ریاست جموں و کشمیر میں حملوں کی ابتداء کے فوراً ہی بعد حکومت ہند سے غیر رسمی طور پر خواہش کی گئی کہ وہ ہند ڈومینین سے ریاست کا الحاق منظور کرے (جملہ معترضہ کے طور پر اس بات کی وضاحت کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ جموں و کشمیر ایک ایسی ریاست ہے جس کے حکمران اور تاج برطانیہ کے درمیان ہندوستان اور پاکستان ڈومینینوں کو اختیارات کی منتقلی سے پہلے صلح نامہ کے تعلقات تھے جس کی رو سے ریاست کے امور خارجہ برطانیہ کے ہاتھ میں تھے اور وہ اس کے دفاع کا ذمہ دار تھا، گذشتہ ۱۵ اگست کو اختیارات کی منتقلی کے بعد اس صلح نامہ کے تعلقات بھی ختم ہو گئے اور دوسری ریاستوں کی طرح جموں و کشمیر کو بھی یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ ان میں سے کسی ڈومینین سے الحاق کرے)۔

۵۔ واقعات بڑی تیزی سے رونما ہونے لگے اور وادی کشمیر کے لئے خطرہ بہت زیادہ بڑھ گیا۔ ۲۶ اکتوبر کو ریاست کے حکمران ہز ہائی نس مہاراجہ سر ہری سنگھ نے حکومت ہند

سے فوجی امداد کی فوری اپیل کی، انہوں نے یہ درخواست بھی کی کہ ہند ڈومینین سے ریاست جموں و کشمیر کے الحاق کی اجازت دی جائے ساتھ ہی ساتھ امداد کے لئے کشمیر کے سب سے بڑے ادارے نیشنل کانفرنس کی اپیل بھی تھی جس کی قیادت شیخ محمد عبداللہ کر رہے ہیں، حکومت ہند کو موصول ہوئی۔ اس کے علاوہ کانفرنس نے ہند ڈومینین سے ریاست کے الحاق کی درخواست کی بھی پرزور حمایت کی۔ اس طرح حکومت ہند سے فوجی نیز ہندوستان سے ریاست کے الحاق کی خواہش نہ صرف سرکاری طور پر ریاستی حکام بلکہ کشمیر کے عوام کی جانب سے بھی کی گئی۔

۶۔ وادی کشمیر کے سادہ لوح باشندوں کے جان و مال کو جو زبردست خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور وادی کشمیر پر حملہ کی وجہ سے ریاست جموں و کشمیر کا تحفظ جس خطرہ میں پڑ گیا ہے۔ اس کا تقاضہ تھا کہ حکومت ہند ان دونوں درخواستوں پر فوری فیصلہ کرے۔ اس ہنگامی صورت حال کی وجہ سے یہ لازمی تھا کہ ریاست جموں و کشمیر کے دفاع کی ذمہ داری ایک ایسی حکومت سنبھال لے جو اس سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت رکھتی ہو۔ لیکن اس طرح کی ہر ممکن قیاس آرائی سے بچنے کے لئے کہ ہندوستان نے اپنے سیاسی مفاد کی خاطر ریاست کے فوری خطرے سے فائدہ اٹھایا تھا۔ ڈومینین حکومت نے یہ واضح کر دیا کہ ریاست کی سرزمین سے حملہ آوروں کے اخراج اور حالات کے اعتدال پر آ جانے کے بعد وہاں کے باشندوں کو اس بات کی پوری آزادی ہوگی کہ وہ رائے عامہ یا عام رائے طلبی کے مسلمہ جمہوری اصول پر اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کریں۔ نیز یہ کہ مکمل غیر جانبداری کے ساتھ رائے عامہ حاصل کرنے کی غرض سے یہ رائے طلبی بین الاقوامی نگرانی میں کی جا سکتی ہے۔

۷۔ حکومت ہند نے اپنا فرض سمجھا کہ مسلح معاونت کے لئے اس سے جو اپیل کی گئی ہے اس پر لبیک کہے اس لئے کہ

۱۔ وہ اس بات کے لئے تیار نہیں تھی کہ ایک پڑوسی ریاست کو جس سے

ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ طاقت کے بل پر اپنے اندرونی معاملات یا بیرونی تعلقات کے بارے میں فیصلہ کرنے پر مجبور کیا جائے۔

۲۔ ہند ڈومینین سے ریاست جموں و کشمیر کے الحاق نے ہندوستان کو قانونی طور پر ریاست کی دفاع کا ذمہ دار بنا دیا۔

۸۔ حکومت ہند کی مداخلت نے سری نگر کو بچا لیا۔ حملہ آور بارہ مولہ سے اوڑی تک بھگا دیئے گئے۔ جہاں ہندوستانی فوجوں نے انہیں روک رکھا ہے۔ اس علاقہ میں تقریباً ۱۹۰۰۰ حملہ آوروں کا مقابلہ ڈومینین فوجوں سے ہوا۔ وادی کشمیر میں حربی کارروائیوں کی ابتداء کے بعد سے ریاست جموں و کشمیر کی مغربی اور جنوب مغربی سرحد پر حملہ آوروں کا دباؤ بڑھ گیا ہے۔ صحیح اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں لیکن خیال ہے کہ ریاست کے اس حصہ میں تقریباً ۱۵۰۰۰ حملہ آوروں کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ ریاستی فوجیں بعض علاقوں میں محصور ہیں۔ ریاست کے علاقہ میں حملہ آوروں کے دھاوے جاری ہیں اور قتل، آتش زنی، لوٹ مار اور عورتوں کا اغوا برابر ہو رہا ہے۔ لوٹ کا مال قبائلی علاقوں میں لے جایا جاتا ہے اور اس سے حملہ آوروں کی صف میں مزید بھرتی کے لیے ترغیب دلانے کا کام لیا جاتا ہے ان حملوں میں جو لوگ عملی حصہ لے رہے ہیں اُن کے علاوہ تخمیناً ..... قبائلیوں اور غیر قبائلیوں کو ریاست جموں و کشمیر کی سرحد پر واقع مغربی پنجاب کے اضلاع کے مختلف حصوں میں اکٹھا کیا گیا ہے اور ان میں سے اکثر کو پاکستانیوں کی نگرانی میں جن میں پاکستانی فوج کے افسران بھی شامل ہیں، ٹریننگ دی جا رہی ہے۔ پاکستان کے علاقے میں ان کی دیکھ بھال کی جا رہی ہے، کھانا اور کپڑا دیا جاتا ہے۔ انہیں اسلحہ اور دوسرے ساز و سامان سے لیس کیا جاتا ہے اور پاکستان کے فوجی اور غیر فوجی ملازموں کی بالواسطہ یا بلاواسطہ مدد سے ریاست جموں و کشمیر کے علاقے میں بھیجا جاتا ہے۔

۹۔ جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے اکتوبر میں جو حملہ آور وادی کشمیر میں

داخل ہوئے وہ پاکستان کے شمال مغربی قبائلی علاقوں کے رہنے والے تھے۔ اور کشمیر پہنچنے کی غرض سے وہ پاکستانی علاقے سے ہو کر گذرے۔ کشمیر کی وادی پر حملے سے قبل ریاست کی جنوب مغربی سرحد کے برابر جو حملے ہوئے وہ در اصل پاکستان کے علاقہ کو مستقر بنا کر کئے گئے تھے اور ان میں پاکستانیوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ پاکستانی علاقے سے ہو کر سرحد پار کرنے اور ریاست جموں و کشمیر کے خلاف کارروائیوں کے لئے اس علاقہ کو بطور مستقر استعمال کرنے کا عمل جاری ہے حالانکہ ریاست کی مغربی اور جنوب مغربی سرحدوں پر فوجی کارروائیاں بڑھا دی گئی ہیں اور حملہ آوروں میں پاکستانی باشندے بھی قبائلیوں کے ساتھ شامل ہیں یہ حملہ آور جدید اسلحوں سے جن میں ہلکی توپیں اور متوسط مشین گنیں شامل ہیں مسلح ہیں۔ باضابطہ سپاہیوں کی جنگی وردیاں پہنتے ہیں اور حال میں جو تجربے ہوئے ہیں ان میں وہ باقاعدہ صف آرا ہو کر لڑتے ہیں اور جدید جنگی چالوں سے کام لیتے ہیں۔ ایسے وائرلیس سیٹ مستقل طور سے استعمال کئے جا رہے ہیں جنہیں لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ وی "V" نشان کی سڑکیں بھی استعمال کی گئی ہیں۔ حملہ آور نقل و حمل کے لئے برابر موٹر لاریاں استعمال کر رہے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پاکستانی فوج کے باضابطہ افسران ان کو ٹریننگ دے رہے ہیں اور ایک حد تک ان کی رہنمائی بھی کرتے ہیں ان کے راشن اور ضروریات کے دوسرے سامان پاکستانی علاقہ سے حاصل کئے جاتے ہیں۔

۱۰۔ ان واقعات سے لازمی طور پر حسب ذیل نتیجے برآمد ہوتے ہیں:۔

(الف) حملہ آوروں کو پاکستان کے علاقہ سے ہو کر گذرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

(ب) انہیں اپنی کارروائیوں کے لئے پاکستان کے علاقے کو بطور مستقر استعمال کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

(ج) ان میں پاکستان کے باشندے شامل ہیں۔

(د) وہ اپنے بیشتر فوجی سامان، سواری اور باربرداری اور رسد (جس میں پٹرول شامل ہے)، پاکستان سے حاصل کرتے ہیں اور

(ہ) پاکستانی افسران انہیں ٹریننگ دے رہے ہیں ان کی رہنمائی کر رہے ہیں اور دوسرے طریقوں سے ان کو عملی مدد دے رہے ہیں۔

پاکستان کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ ایسا نہیں ہے جس سے وہ اتنی بڑی مقدار میں جدید فوجی سامان، ٹریننگ اور رہنمائی حاصل کر سکیں۔ ایک نہیں متعدد بار حکومت ہند نے حکومت پاکستان سے درخواست کی کہ حملہ آوروں کو وہ سہولتیں نہ دی جائیں جو ہندوستان پر حملہ آور اس کے خلاف دشمنی کے مترادف ہیں لیکن پاکستان نے کوئی توجہ نہیں کی۔ آخری بار یہ استدعا ۲۲ دسمبر کو کی گئی جب وزیر اعظم ہندوستان نے بذات خود پاکستان کے وزیر اعظم کو ایک خط حوالہ کیا۔ جس میں اس سامنے غیر آئینی امداد کو مختصر طور بیان کیا گیا تھا جو مختلف شکلوں میں حملہ آوروں کو پاکستان سے مل رہی تھیں اور حکومت پاکستان سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ فوراً اور بغیر کسی شرط کے اس طرح کی امداد دینا بند کر دے لیکن ۲۹ دسمبر کو بذریعہ تار یاد دہانی کے باوجود اب تک اس کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا ہے۔

۱۱۔ مذکورہ بالا حالات سے واضح ہو گیا ہوگا کہ حملہ آوروں کو پاکستانی علاقہ اور پاکستانی باشندوں سے جن میں حکومت پاکستان کے فوجی اور غیر فوجی ملازمین شامل ہیں، سامان اور آدمیوں کی جو مدد مل رہی ہے اُسے حکومت پاکستان روکنے پر تیار نہیں۔ یہ رویہ نہ صرف یہ کہ غیر جانبدارانہ نہیں ہے بلکہ ہندوستان پر ریاست جموں و کشمیر جس کا ایک حصہ ہے عملاً حملے کے مترادف ہے۔

۱۲۔ حکومت ہند نے پاکستان کے رویہ میں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے افہام و تفہیم سے بھی کام لیا اور صبر و تحمل سے بھی لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ چنانچہ اب وہ ایسی صورت حال سے دوچار ہے جس میں ریاست جموں و کشمیر کے دفاع میں رخنہ پڑتا ہے اور

ریاست نے علاقے سے حملہ آوروں کو نکالنے کے لئے جو اقدامات وہ کر رہی ہے اس میں اس مدد کی وجہ سے جو حملہ آوروں کو پاکستان سے مل رہی ہے زبردست رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ حملہ آور اب بھی جموں اور کشمیر کی سرزمین پر موجود ہیں اور ریاست کے باشندے ان تمام مظالم کا شکار ہیں جو ایک وحشی اور بے رحم دشمن روا رکھ سکتا ہے۔ پاکستان کے ان حصوں میں جو ریاست جموں و کشمیر کے علاوہ ہندوستانی علاقہ کے حصوں سے ملحق ہیں بڑی تعداد میں حملہ آوروں کی موجودگی بقیہ ہندوستان کے لئے خطرہ کا باعث ہے چنانچہ حکومت ہند کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ ریاست جموں و کشمیر کو حملہ آوروں سے صاف کرنے کی غرض سے زیادہ مؤثر فوجی کاروائیاں کرے۔ موجودہ کاروائیوں کو غیر معینہ مدت تک جاری رہنے کی وجہ سے باشندگانِ جموں و کشمیر کے مصائب طول پکڑتے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے وسائل پر بوجھ پڑ رہا ہے اور ہندوستان و پاکستان کے پُرامن تعلقات کے لئے مستقل خطرہ ہے۔

۱۳۔ حملہ آوروں کو ہندوستان کے علاقے سے باہر نکالنے اور راستے سے نئے حملے کرنے سے باز رکھنے کے مقصد کے فوری حصول کے لئے ہندوستانی فوجوں کو پاکستانی علاقہ میں داخل ہونا پڑے گا۔ اس لئے کہ حملہ آوروں کو پاکستان میں ان کے مستقروں کے استعمال سے باز رکھنے اور ان کے رسد رسانی اور کمک کے سلسلوں کو منقطع کرنے کی صرف یہی صورت ہے۔ چونکہ حملہ آوروں کو پاکستان سے جو مدد مل رہی ہے وہ ہندوستان کے خلاف ایک جارحانہ اقدام ہے اس لئے بین الاقوامی قانون کی رو سے حکومت ہند کو اس بات کا استحقاق ہے کہ وہ حملہ آوروں کے خلاف مؤثر کاروائی کرنے کے لئے اپنی مسلح فوجیں پاکستان میں بھیجے۔ لیکن اس طرح کے اقدام میں چونکہ پاکستان سے مسلح تصادم کا امکان ہے اس لئے حکومت ہند جو ہمیشہ متحدہ اقوام کے منشور کی روح کے مطابق عمل کرنے کی خواہاں رہتی ہے، منشور کی دفعہ ۳۵ کے مطابق حفاظتی کونسل کو صورتِ حال سے مطلع کرنا چاہتی ہے اور کونسل سے یہ استدعا کرنے میں خود کو حق بجانب سمجھتی ہے کہ وہ حکومت پاکستان سے کہے کہ وہ:

۱۔ حکومت پاکستان کے فوجی اور غیر فوجی ملازموں کو ریاست جموں و کشمیر کے حملہ میں حصہ لینے یا مدد دینے سے باز رکھے۔

۲۔ پاکستانی باشندوں کو ہدایت کرے کہ وہ ریاست جموں و کشمیر کی جنگ میں کوئی حصہ نہ لیں۔

۳۔ حملہ آوروں کو

(ا) کشمیر کے خلاف کاروائیوں کیلئے اپنے علاقے سے آنے اور اسے استعمال کرنے کی اجازت نہ دے۔

(ب) فوجی اور دوسرے سامان اور رسد مہیا نہ کرے۔

(ج) تمام دوسری طرح کی امداد نہ دے جس سے موجودہ جنگ کے طول پکڑنے کا امکان ہو۔

۱۴۔ حکومت ہند اس بات پر خاص طور سے زور دے گی کہ حفاظتی کونسل اس کی درخواست پر فوری کاروائی کرے۔ ساتھ ہی وہ اتنا اضافہ اور کرنا چاہتی ہے کہ جس علاقہ پر حملہ ہوا ہے اس میں گزشتہ چند دنوں سے فوجی کاروائیوں میں اتنی سرعت کے ساتھ اضافہ ہوا ہے کہ حکومت ہند کو حفاظت خود اختیاری میں اس بات کا پورا حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی وقت بھی ایسی فوجی کاروائیاں کرے جن کے بارے میں وہ یہ سمجھے کہ ایک ایسی صورت حال پیدا ہوگئی ہے کہ وہ کاروائیاں ضروری ہیں۔

۱۵۔ حکومت ہند کو نہایت افسوس ہے کہ اس کے اور پاکستان کے تعلقات میں ایک زبردست پیچیدگی پیدا ہوگئی ہے صرف یہی نہیں کہ پاکستان پڑوسی ہے بلکہ علیحدگی کے باوجود ہندوستان اور پاکستان کے بہت سے مشترکہ رشتے اور بہت سے مشترکہ مفاد

بھی ہیں۔ ہندوستان کی اس سے بڑھ کر اور کوئی دلی خواہش نہیں ہے کہ پڑوسی ریاست کے ساتھ اُس کے تعلقات گہرے اور پائیدار رہیں۔ امن و امان دونوں ریاستوں کے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ساری دنیا کے مفاد میں ہے حکومت ہند نے اس مخلصانہ اُمید کے ساتھ حفاظتی کونسل سے رجوع کیا ہے کہ کونسل کے بروقت اقدام سے امن و امان کو برقرار رکھا جا سکتا ہے۔"

کونسل کی کاروائی

۱۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو سلامتی کونسل کے ایجنڈے پر مسئلہ کشمیر کو رکھا گیا اور جب کونسل ہندوستانی شکایت پر بحث کے لئے بیٹھی تو کونسل کے صدر نے کہا کہ وزیر اعظم پاکستان نے ایک خط بھیج کر مہلت طلب کی ہے جس میں کاروائی اُس وقت تک ملتوی رکھنے کو کہا ہے جب تک پاکستانی وفد سر ظفر اللہ کی قیادت میں لیک سیکس نہیں پہنچ جاتا۔ جو آجکل رنگون میں برما کی جشن آزادی میں پاکستان کی طرف سے حصہ لے رہے ہیں۔ اور اعتراض پیش کیا ہے کہ ہندوستان کی جانب سے شکایات کی کاپی تو بھیج دی گئی ہے تاحال نہیں ملی۔ اس پر کونسل کی اگلی میٹنگ ۱۲ جنوری تک ملتوی کر دی گئی۔ ۸ جنوری کو ہی سیکرٹری جنرل مو سیو ٹرگ ولی نے صدر کی جانب سے ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں کو تاریں بھیجیں جن میں دونوں ممالک سے فوری اپیل کی گئی کہ وہ ایسی کسی کاروائی سے اجتناب کریں جن سے سلامتی کونسل کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔

۸ جنوری کو پاکستان نے اس تار کا خوش آمدید کرتے جواب دیا کہ اس مسئلے کو اقوام متحدہ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ اُن تمام چیزوں سے اجتناب کیا جائے گا جو اقوام متحدہ کے چارٹر کے خلاف ہوں گے اور جن سے حالات سنگین ہونے کا احتمال ہو۔ ۱۰ جنوری کو ہندوستان کی طرف سے اس تار کا سیکرٹری جنرل کو جواب موصول ہوا جس میں کہا گیا کہ ہندوستان نے امن کی خاطر جس صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا ہے اور حملہ آوروں کو ضرب برداشت کیا ہے اس کے لئے سلامتی کونسل کو حکومت ہند کی طرف سے یقین دہانی کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۰ جنوری کو ہی ہندوستان کی طرف سے سر گوپالا سوامی آئینگر کی قیادت میں ایک وفد نیویارک سلامتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کرنے روانہ ہوا۔ اس وفد میں مسٹر ایم۔ سی۔ سیتلواد، کرنل بی کے کول، مسٹر ٹی اینجی اور مسٹر پی۔ این۔ ہکسر قابل ذکر ہیں۔ ۱۲ جنوری کو اس وفد میں شیخ محمد عبداللہ نے بحیثیت ممبر شمولیت کی اور اُن کے ذاتی اسسٹنٹوں کے زمرہ میں جناب نانک چند زتشی کے علاوہ پنڈت دوارکا ناتھ کاچرو، پنڈت ترلوکی ناتھ اور شام لال شامل کیے گئے۔

پاکستانی وفد اور شیخ صاحب

مسز بلقیس تاثیر (بیگم محمد دین تاثیر) سے میری ملاقات ۲۵ اگست ۱۹۸۲ء کو سری نگر میں شیخ صاحب کے دولت خانہ پر ہوئی جہاں وہ قیام پذیر تھیں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے مجھے ٹائپ شدہ کاغذ پر شیخ صاحب کے اُس انٹرویو کی کاپی جو انہوں نے ۱۴ اگست ۱۹۸۰ء کو شیخ صاحب کا ٹیپ ریکارڈر پر محفوظ کیا تھا فراہم کی جس میں انہوں نے جنوری ۱۹۴۸ء کے اُس ملاقات کا تذکرہ کیا ہے جو حکومت پاکستان کے سیکرٹری جنرل چودھری محمد علی اور محمد دین تاثیر کے درمیان نیویارک (امریکہ) کے کسی ہوٹل میں ہوئی تھی۔ اس بات چیت سے کئی گمشدہ کڑیوں کا سراغ ملتا ہے اور اس حقیقت کا انکشاف

لہ: اس مکتوب کے ساتھ ہی حکومت پاکستان نے امریکہ میں پاکستانی سفیر مسٹر ایم۔ اے۔ ایچ۔ اصفہانی کو سلامتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کرنے کی ہدایت دی۔

بھی ہوتا ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کبھی خود مختار جموں و کشمیر کے قائل تھے۔ اس ضمن میں انٹرویو کا مندرجہ ذیل حصہ قابلِ غور ہے۔

"جنوری ۱۹۴۸ء میں یہ مسئلہ سلامتی کونسل میں پیش ہوا۔ لیک سکس میں اقوامِ متحدہ کے اجلاسوں میں تاثیر پاکستانی وفد کے مشیر اور آزاد کشمیر کے پہلے صدر سردار محمد ابراہیم خان کے سیکرٹری کی حیثیت میں شامل تھے۔ چودھری محمد علی جو کوئی بیس سال قبل لاہور میں میرے ہم جماعت رہ چکے تھے اور اس وقت حکومت پاکستان کے سیکرٹری جنرل تھے اور پاکستانی وفد کے ایک رُکن تھے۔ چودھری محمد علی، تاثیر اور میں نیو یارک کے ایک ہوٹل میں نجی طور ملے۔ چودھری محمد علی اور تاثیر دونوں نے مجھ سے پوچھا کہ مسئلہ کشمیر کا کیا حل ہو سکتا ہے۔ میں نے اُن سے کہا کہ یہ مسئلہ اب بے حد پیچیدہ ہو گیا ہے اور اگر آپ کا خیال ہے کہ برطانیہ اور امریکہ آپ کو کشمیر دلا دیں گے۔ تو آپ کا یہ خیال غلط ہے۔ میں نے انہیں یاد دلایا کہ ہندوستان ایک بہت بڑا ملک ہے۔ جس کے ساتھ برطانیہ اور امریکہ دونوں کو تجارتی تعلقات کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی ساتھ پاکستان کے پاس ایسی فوجی طاقت نہیں ہے کہ وہ کوئی سخت مُوقف اختیار کر سکے۔ میں نے اُن سے یہ بھی کہا کہ اس مسئلے کا میری دانست میں واحد حل یہ ہے کہ پاکستان اور ہندوستان مل بیٹھ کر گفت و شنید کے ذریعے اس کا ایسا حل نکالیں جو دونوں کو قابلِ قبول ہو۔ ان پر ان دونوں نے مجھ سے پوچھا کہ ایسا قابلِ قبول حل کیا ہو سکتا ہے میں نے جواب میں کہا کہ میری دانست میں اس کا فقط ایک حل ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ کشمیر ہندوستان اور پاکستان دونوں کے تسلط سے آزاد خودمختار مملکت ہو۔ یہ حل پاکستان

اور ہندوستان دونوں کے درمیان ایک باعزت سمجھوتے کے طور پر قابلِ قبول ہوگا۔ جب کشمیر ایک آزاد مملکت کے طور پر اُبھرے گا۔ تو قدرتی طور پر وہ پاکستان کے زیادہ قریب ہوگا۔ کیونکہ ایک تو دونوں ممالک کے عوام کی اکثریت کا مذہب ایک ہے اور دوسرا اس لئے کہ دہلی کے مقابلے میں لاہور کشمیر کے زیادہ قریب ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حل پاکستان کے مفادات کے خلاف نہ ہوگا۔

چودھری محمد علی نے جواب میں کہا کہ یہ حل پاکستان کو قبول نہیں ہو سکتا کیونکہ ہندوستان ایک مضبوط اور طاقتور ملک ہے اور وہ ہمارے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتا رہے گا۔ میں نے اُن سے یہ بات زور دے کر کہی کہ آپ کو کشمیریوں پر کچھ تو بھروسہ کرنا چاہیئے۔ وہ نہ تو کسی کے ہاتھ بک سکتے ہیں اور نہ ہی پاکستان کے خلاف سازشوں میں شریک ہوں گے

ڈاکٹر تاثیر نے کہا کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اُس میں کافی حد تک معقولیت ہے لیکن چودھری محمد علی اس بات پر اڑے رہے کہ پاکستان یہ حل منظور نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد دونوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا ہندوستان اس حل پر راضی ہو جائے گا۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ اپنا فیصلہ کر لیجئے۔ ہندوستان کے ماننے نہ ماننے کا معاملہ ہندوستان پر چھوڑ دیجئے۔

تاثیر نے اس موقعہ پر کہا۔ کہ اس مجوزہ حل میں کئی اچھے نکتے ہیں۔ میں نے ان دونوں حضرات سے کہا کہ ایک وقت آئے گا جب آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ کشمیر آزاد ہے لیکن اس وقت ایسا ممکن نہیں ہو سکے گا۔ اگر آپ اس مسئلے کو لٹکاتے رہیں تو اس سے آپ ہی خسارے میں رہیں گے۔"

[illegible]

کا تذکرہ تو کیا ہے۔ لیکن تفصیلات قلمبند نہیں کئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنی رپورٹ میں حکومت پاکستان کو تفصیلات سے آگاہ کیا ہوگا۔

بُنیادی کمزوری

یہی وہ مقام ہے جہاں کشمیر کا سیدھا سادہ اور آسان مسئلہ بین الاقوامی سیاسی اکھاڑے میں پہنچ کر دنیا کے بڑے سیاسی اور اقتصادی ٹھیکیداروں کیلئے شطرنج کے کھیل کا کام دینے لگا۔ انہوں نے آگے چل کر اس مسئلے کے پس منظر میں اپنے مفادات کی آبیاری کے لئے دونوں ممالک میں اپنی جڑیں مضبوط بنیادوں پر استوار کرلیں۔ تعجب تو اس بات پر ہے کہ ہندو پاک کی حکومتوں نے جو ایک دوسرے کو کشمیر میں جارحیت کا زوردار الزام دیتے ہیں اور دے رہے ہیں۔ جارحانہ اقدام کا مرتکب قرار دلا سکتے تھے۔ بشرطیکہ وہ اقوام متحدہ کے منشور ۳۴ دفعہ ۷ کے تحت اپنی شکایات درج کرانے سے گریز نہ کرتے اس دفعہ کے تحت سلامتی کونسل کسی بھی جارحانہ اقدام کے خلاف ایکشن لے سکتی ہے دونوں ملکوں نے سلامتی کونسل کی درمیانہ داری تک ہی اپنے تئیں محدود رکھتے ہوئے سلامتی کونسل میں اپنی شکایات اقوام متحدہ کے منشور ۳۵ دفعہ ۶ کے تحت درج کرائیں۔ جس کا عنوان ہے "ملکوں کے درمیان متنازعہ مسائل کا حل" اس دفعہ کے تحت اقوام متحدہ کا کوئی بھی ممبر یا غیر ممبر ملک شکایت درج کرا سکتا ہے یا کسی بھی قسم کے حالات جن کا تفصیل کے ساتھ اقوام متحدہ کے منشور ۳۴ میں تذکرہ درج ہے۔ سلامتی کونسل یا جنرل اسمبلی کے سامنے لا سکتا ہے۔ آرٹیکل ۳۴ کے مطابق سلامتی کونسل کسی بھی متنازعہ مسئلے کے بارے میں تحقیق کرسکتا ہے۔ یا کسی بھی ایسی صورتِ حالات کا جائزہ لے سکتی ہے جو بین الاقوامی کشیدگی کی صورت اختیار

کرسکتی ہو یا کسی جھگڑے کا موقع فراہم کرنے کا موجب ہو سکتا ہو یا ایسے حالات پیدا ہوگئے جن سے بین الاقوامی امن و تحفظ کو خطرہ لاحق ہو۔ اقوام متحدہ کے منشور کے مذکورہ دفعہ کے تحت سلامتی کونسل ایسے معاملات میں درمیانہ داری کے فرائض انجام دے سکتی ہے مگر اس کے تحت کوئی ایسا فیصلہ کسی پارٹی پر ٹھونس نہیں سکتی جو اس سے اختلاف رائے رکھتا ہو اور نہ کوئی ایکشن اپنے فیصلوں کی خلاف ورزی کی صورت میں کسی پارٹی کے خلاف لے سکتی ہے۔

پاکستانی وفد سلامتی کونسل میں

۱۵ جنوری کو پاکستان کے وزیر امور خارجہ سر ظفر اللہ خان پاکستان کی طرف سے سلامتی کونسل میں اپنے ملک کی نمائندگی کرنے کے لئے ایک وفد کے ساتھ نیویارک پہنچے۔ وفد میں سر ظفر اللہ خان، چودھری محمد علی سیکرٹری جنرل حکومت پاکستان، سردار محمد ابراہیم خان صدر آزاد کشمیر اور ان کے سیکرٹری کی حیثیت سے ڈاکٹر محمد دین تاثیر قابل ذکر ہیں۔ وفد نے اقوام متحدہ کے منشور ۳۵ کے تحت، دفعہ ۶ کے تحت پاکستان کی جانب سے سلامتی کونسل کے سامنے تین دستاویزوں کی صورت میں اپنا کیس اس استدعا کے ساتھ پیش کیا۔ کہ اس پر فوری طور غور کیا جائے۔ سلامتی کونسل نے ان شکایات کو دستاویز ۱ میں درج کیں، پہلا دستاویز جس میں ہندوستان کی شکایات کی تردید کی گئی تھی۔ دوسرا پاکستان کے جوابی الزامات پر مشتمل تھا۔ تیسرا جو کافی طویل تھا اس میں پاکستان کے نقطہ نظر کی وضاحت کی گئی تھی۔

دستاویز نمبر ۱

جس میں کہا گیا۔ پاکستان جنگ کو بڑھاوا دینے کے لئے قبائلیوں کی نقل و حرکت

کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا ہے نہ پاکستانی سرزمین قبائلیوں کو مستقروں کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے یہ بھی غلط ہے کہ پاکستان کی حکومت، اسلحہ، عسکری ساز و سامان، ٹرانسپورٹ قبائلیوں کو بہم پہنچا کے بھیجا، نہیں دیتا ہے۔ اور نہ پاکستان کے فوجی افسران کی تربیت، ہدایت یا کوئی اور مدد دیتے ہیں۔

دستاویز نمبر ۲

اس دستاویز کو حکومت پاکستان نے "پاکستان کی شکایات ہند کے خلاف" کے عنوان سے پیش کیا جو حسب ذیل ہے:

۱۔ ہندوستان نے کبھی بھی صدق دل سے تقسیم ہند قبول نہیں کیا اور جون ۱۹۴۷ء سے ہی اس تقسیم کو ملیا میٹ کرنے کی کوشش جاری رکھیں۔

۲۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہندوستان نے قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ جو اس وقت بھی کئی علاقوں میں جو اب ہندوستان کے حصہ بن گئے ہیں مسلمانوں کے خلاف جاری ہے، خاص کر ایسٹ پنجاب، دہلی، اجمیر، کپورتھلہ، فرید کوٹ، جیند، نابہ، پٹیالہ، بھرت پور، الور اور گوالیار وغیرہ کی ریاستیں، جنہوں نے ہند کے ساتھ الحاق کیا ہے۔ یہ قتل و غارت غیر مسلم حکمرانوں، پولیس، عام لوگوں، افسروں اور ریاستی انڈین فورسز نے کیا۔ اس علاقے کے امن کو صرف مسئلہ کشمیر سے ہی خطرہ نہیں بلکہ ہندوستان اور پاکستان کئی دوسرے سنگین مسائل پر کسی بھی وقت لڑ سکتے ہیں۔

۳۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی آزادی، ثقافت، مذہب، بہبود و حفاظت اور زبان خطرے میں ہے۔

۴۔ جوناگڑھ، مناور اور کاٹھیاوار کی دیگر ریاستوں، جنہوں نے قانونی طور پر پاکستان کے ساتھ الحاق کیا تھا اور پاکستان کا حصہ بن گئے تھے کو ہندوستان نے زبردستی غیر قانونی طریقہ سے اپنے ساتھ ملالیا اور وہاں کے رہنے والے مسلمانوں کی زندگی اور اُن کے جائیداد کو فوجی آفیسروں اور ہندوستان کے غیر مسلم باشندوں نے کافی نقصان پہنچایا۔

۵۔ ہندوستان نے ریاست جموں و کشمیر کا الحاق تشدد اور دھوکے سے کیا اور وہاں کے مسلمانوں کا قتل و غارت اور لوٹ مار کیا۔ وہاں کے مہاراجہ، ہندوستانی حکومت اور ریاست کے غیر مسلم باشندوں نے اس میں ہاتھ رنگے۔

۶۔ پاکستانی علاقہ کے خلاف رائل انڈین ایئر فورس اور دیگر فوجیوں نے ہندوستانی علاقے اور جموں و کشمیر کی ریاست سے حملے کئے۔

۷۔ ہند نے اُس معاہدے پر عملدرآمد نہیں کیا جس کی رُو سے پاکستان کو نقدی اور ملٹری سٹور کا حصہ ملنا مطلوب تھا۔

۸۔ ریزرو بنک آف انڈیا پر حکومت ہند نے باواسطہ یا بلاواسطہ دباؤ ڈالا ہے۔

لہ: نواب جوناگڑھ نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا تھا لیکن جوناگڑھ کے لوگوں نے نواب کے محل کو گھیر لیا۔ اور تشدد پر اتر آئے۔ نواب صاحب خوفزدہ ہو کر پاکستان فرار ہوئے۔ اس طرح جوناگڑھ ہندوستان میں شامل ہوا۔ جنرل سکندر مرزا اپنی سوانح حیات میں جو قسط وار روزنامہ "جنگ" میں شائع ہوتی رہی۔ جوناگڑھ کے حوالے سے سردار ولبھ بھائی پٹیل کے اُس پیغام کا تذکرہ کیا ہے جس میں انہوں نے پاکستان کی حیدر آباد سے دستبرداری پر پاکستان کو کشمیر حوالے کرنے کی پیشکش کی تھی۔ لیکن پاکستان نے اسے منظور نہیں کیا۔ چنانچہ سکندر مرزا اس واقعہ پر یوں تبصرہ کرتے ہیں ـــ " جوناگڑھ میں پاکستان کی ناکامی کے بعد سردار پٹیل کا، جو اُس وقت ہندوستانی حکومت میں مرد آہن کا درجہ رکھتے تھے اور ریاستوں کے ادغام کے انچارج تھے، ایک پیغامبر کراچی آیا۔ پٹیل نے اپنے پیغام میں کہا تھا کہ اگر ہم حیدر آباد سے دستبردار ہو جائیں تو ہم کشمیر لے سکتے ہیں لیکن حکومت نے اسے قبول نہ کیا۔ حالانکہ یہ ایک بڑی منصفانہ پیشکش تھی۔"

جس کے تحت یہ بنک بحیثیت بنکر اور پاکستانی کرنسی اٹھانے کے لیے ان فرائض کو پورا نہیں کر رہا ہے اس طرح پاکستان کی اقتصادیات میں تعطل پیدا کیا جا رہا ہے تاکہ پاکستانی کرنسی اور مالیات کا نظام تباہ ہو جائے۔

۹۔ ہندوستان، پاکستان کو براہِ راست فوجی حملے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔

۱۰۔ ہندوستان کے جارحانہ حملوں کا واحد مقصد پاکستان کو تباہ کرنا ہے۔

دستاویز نمبر ۳

اس دستاویز میں ہندوستانی مسلمانوں کے احساسات اور جدوجہد خود ارادیت کی مکمل تاریخ درج ہے جس میں کہا گیا کہ جب سے ہندوستانی مسلمانوں نے حق خود ارادیت کی جدوجہد شروع کی۔ ہندو اور سکھوں کی دشمنی بڑھ گئی اور جب تقسیم لابُدی نظر آنے لگا، تو قتل و غارت کا سہارا لیا گیا۔ جو اس وقت بھی جاری ہے۔ اب اس کا مقصد پاکستان کو تباہ کرنا ہے۔ جوناگڑھ اور مناور ریاستیں اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ اور اسی طرح ریاست جموں و کشمیر کی اکثریت کو نظر انداز کر کے تشدد اور دباؤ کے تحت اس کا الحاق اپنے ساتھ کیا ہے۔ پاکستان ان مسائل کا پُرامن حل چاہتا ہے مگر ہندوستان، پاکستان کی حفاظت کو خطرے میں ڈالنے کی دھمکیاں دیتا ہے۔

آئینگر کی تقریر

سر گوپالا سوامی آئینگر نے سلامتی کونسل میں پیش کئے ہوئے میمورنڈم کی وضاحت میں عام اور نرم لہجہ میں ڈیڑھ گھنٹے کی اپنی تقریر میں اُن تمام واقعات کا تذکرہ کیا۔ جن کے نازک صورت اختیار کرنے سے ہندوستان کو بالآخر سلامتی کونسل کی طرف رُخ کرنے پر مجبور کیا۔

آئینگر نے اپنے بیان میں ریاست کے الحاق اور حملے کا خاص کر ذکر کرتے کہا — "ہندوستان نے یو۔ این کے سامنے یہ مسئلہ بادل ناخواستہ پیش کیا ہے حالانکہ ہندوستان چاہتا تھا کہ یہ مسئلہ باہمی رضامندی سے طے پا جائے۔ دراصل ہندوستان نے اس مسئلے میں حتی المقدور امکان بھر کوشش کیں اور ہر مرحلے پر مسئلے کا حل کافی نزدیک دکھائی دیتا تھا۔ لیکن پاکستان کے انکار نے ایسا ہونے نہ دیا۔ ہندوستان کا رویہ اور اپروچ اس مسئلے کی نسبت کافی دیانتدارانہ، خلوص اور نیک خواہشات پر مبنی ہے اور یہ مسئلہ حل ہو سکتا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے پاکستان کی حکومت میں یہ ہمت اور جرأت میسر نہیں تھا کہ وہ اپنے عوام کو مطمئن کر سکے، جس کا وقت وقت پر پاکستان نے عامیانہ مظاہرہ کیا۔ اگر ہندوستان کشمیر میں فوجی طاقت کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کرے گا۔ تو بھی اُسے افسوس نہ ہوگا کیونکہ وہ اقوام متحدہ کا ایک وفادار ممبر ہونے کے ناطے امن کے تمام ذرائع کو آزمانا چاہتا ہے۔ ہندوستان سلامتی کونسل کے سامنے اس لئے آیا ہے کہ وہ کشمیر کو پاکستان کی جارحیت سے آزاد کرائے تاکہ وہاں کے لوگ اقتصادی اور سیاسی طور پر اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کر سکیں اس سمت میں سلامتی کونسل کو جلد از جلد اقدامات کرنے چاہئیں، ورنہ ہندو پاک کے درمیان جنگ چھڑ جانے کا خطرہ ہے۔ آئینگر نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے کہا، سلامتی کونسل کے سامنے ایک سیدھا سادہ مسئلہ ہے نہ کہ کسی علاقہ کو ہڑپ کرنے کا مسئلہ ہے اور ایک نقطہ کہ کشمیر کی جنگ مزید علاقوں میں پھیلنے کا خطرہ ہے اس لئے یہ مسئلہ اولین فوقیت میں قبائلیوں کے ریاست سے تخلیہ کا مستحق ہے۔ آئینگر نے اپنی تقریر کے آخری حصہ میں گاندھی جی کے برصغیر ہندوپاک میں امن کی خاطر مرن برت کی تفصیل سے تذکرہ کرتے کہا۔ ہندوستان سلامتی کونسل کے ذریعہ ایک یادداشت پاکستان کو بھیجنے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ وہ جارحیت کو روکے تاکہ دونوں ممالک پُرامن فیصلہ کرنے کے اہل بن جائیں۔

سر گرپالا اسوامی آئینگر کی تقریر سے جو دو باتیں سامنے آئیں اُن میں قبائلیوں اور حملہ آوروں کی فوری واپسی اور فوری جنگ بندی کا سوال تھا۔ کونسل کے دوسرے ممبروں نے بھی دوسرے نقطوں کو اُبھارا وہ کشمیر کے مستقبل کا درجہ اپنے ہمسایہ اور دنیا کے دیگر ممالک کے ساتھ کیسا ہوگا اور کیا کشمیر ہندوستان کے ساتھ کئے ہوئے الحاق کو واپس لے گا۔ پاکستان کے ساتھ الحاق کرے گا یا آزاد رہے گا اُسے کون سے حقوق حاصل ہو سکتے ہیں۔ جن کے تحت وہ اقوام متحدہ کا ممبر بن جائے گا وغیرہ

ظفر اللہ کی تقریر

سلامتی کونسل کے اجلاس میں سر ظفر اللہ خان نے سوا پانچ گھنٹے تک اپنی طویل تقریر میں پاکستانی دستاویزات کی تشریح و وضاحت کرتے کئی نئے نقطے اُبھارے۔ سر ظفر اللہ نے اپنی تقریر کے پہلے حصے میں مسئلہ کشمیر کے پس منظر کو سمجھانے پر وقت صرف کرتے کہا۔ یہ مسئلہ اتنا سیدھا سادہ محسوس نہیں ہوتا جتنا کہ ہندوستانی نمائندے نے پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس مسئلے کے ساتھ کئی پیچیدہ مسائل وابستہ ہیں جن کا پس منظر جاننا اس مسئلے کو سمجھنے کے لئے لازمی ہے اس کے انسانی پہلو کو جو قانونی آئینی اور سیاسی مصلحتوں سے کہیں زیادہ اہم ہے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

پاکستان کے اس قابل تجربہ کار وکیل اور سیاست دان نے پاکستان کے کیس کو بڑے خوبصورت لہجہ اور اثر انگیز انداز بیان میں پیش کیا اور اپنے ملک کے مفاد کی خوب ترجمانی کرتے ہندوستان میں قتل و غارت، تقسیم ہند اور برصغیر ہند میں فرقہ وارانہ جھگڑوں کے رجحانات کا پس منظر بتاتے کہا۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ سننے والوں کو بہت کم معلومات حاصل ہیں کہ ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے۔ حالات سے ناواقفیت بہت سے ڈیلی گیٹوں کے لئے کوئی تعجب خیز بات نہیں البتہ برطانیہ کا نمائندہ جو سلامتی کونسل

[illegible] ہے۔ اُن کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا وہ بھی بے خبر ہیں۔

ظفر اللہ خان نے اپنی تقریر میں مہاراجہ کشمیر کا تذکرہ کرتے کہا کہ مہاراجہ کشمیر نے خیال کیا ہوگا کہ وہاں کچھ ہزار مسلمانوں کے قتل عام اور لیڈروں کو جیل خانوں میں بند کرنے اور لاکھوں کے قریب لوگوں کو وہاں سے بھگا دینے سے مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ یہی وہ سکیم تھی جو اُس نے سوچی تھی اور اسی سکیم کے تحت پونچھ سے لے کر تمام ریاست قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ کا شکار بنائی گئی جموں کے مسلمان مارے گئے۔ دیہات جلائے گئے اور ساری ریاست میں آفیسران اس تشدد کی حوصلہ افزائی کے لئے مقرر کئے گئے ابھی یہ حالات جاری ہی تھے کہ کشمیر کی حکومت نے پاکستان کے خلاف شکایات کی جنگ شروع کی اور پاکستان کے نمائندوں اور غیر جانبدارانہ تحقیقات سے بھی انکار کیا۔ پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت الحاق کو ۲۶ اکتوبر کے روز روبہ عمل لایا گیا۔ ۲۷ اکتوبر کو ہندوستان کے افواج کشمیر میں داخل ہوئے۔ حکومت ہند نے پاکستان کی حکومت سے اس بارے میں کوئی مشورہ نہیں کیا۔ ۲۸ اکتوبر کو پہلی بار پاکستان کو تار بھیجا گیا۔ پاکستان نے مشورہ دیا کہ سہ پارٹی کانفرنس فوری طور بلائی چاہیئے جسے ہند نے تسلیم کیا مگر وزیر اعظم ہند کی ناسازیٔ صحت کی بناء پر میٹنگ نہ ہو سکی۔ لاہور میں یکم نومبر کے روز گورنر جنرلوں کی میٹنگ میں پاکستان نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے تجویز رکھی جس کو ہندوستانی گورنر جنرل کو اپنی حکومت کے سامنے پیش کرنا تھا۔ اُس کا کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ البتہ ۲ نومبر کو پنڈت نہرو نے ایک اشتعال انگیز ریڈیائی تقریر پاکستان کے خلاف کی جس میں پاکستان کے خلاف جوابی الزامات عاید کئے جس کو پاکستان محسوس کرتا ہے کہ وہ امن قائم کرنے کے لئے درست قدم نہ تھا۔ پاکستان نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے سات بار کوششیں کیں لیکن ہر بار ہند نے انہیں مسترد کیا۔

پاکستانی وزیر امور خارجہ نے ہندوستانی الزامات کو یکے بعد دیگرے رد کرتے

[illegible] سپلائی میں کبھی رکاوٹ نہیں ڈالی گئی تھی۔ حالانکہ پنجاب کے کشیدہ حالات، ریلوے کی ریلوں کی کمی اور کشمیر میں فرقہ وارانہ حالات نے اس میں رکاوٹ کھڑی کی اس حملے میں پاکستان کی حکومت کا کسی بھی قسم کا ہاتھ نہ تھا۔

ظفر اللہ نے اپنی تقریر کے اختتام پر سلامتی کونسل سے مخاطب ہو کر کہا۔ حالات کو معمول پر لانے کے لئے جو بھی ذرائع آپ مناسب تصور کریں فوری طور استعمال کیجئے ان میں چاہئے مشترکہ انتظامیہ زیر قیادت دو گورنر جنرلوں کے ہو یا مشترکہ قبضہ مسلمانوں علاقوں کے لئے پاکستان کے مسلم افواج کے تحت اور غیر مسلم علاقوں کے لئے ہندوستانی افواج کا قبضہ رکھا جائے یا کامن ویلتھ افواج کے زیر نگران رکھا جائے ہندوستانی افواج کا مکمل تخلیہ ہو یا اقوام متحدہ کے ذریعہ کشمیر کو خالی کیا جائے۔ بہر صورت وہاں کے لوگوں پر کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالا جائے۔

تقاریر کا خلاصہ

دونوں حکومتوں کے نمائندوں کے بیانات سننے کے بعد ایسا محسوس ہونے لگا کہ دونوں شکایت کنندگان ہیں اور دونوں اپنے تئیں مظلوم ظاہر کر رہے ہیں۔ ہندوستان کا کہنا ہے کہ پاکستان نے حملہ کیا ہے اور علاقہ میں تخریب کاری کا مرتکب ہے پاکستان یہ باور دلانے کی سعی کر رہا کہ ہندوستان کا رویہ ہمیشہ سے اس کے تئیں دشمنانہ رہا ہے جو پاکستان کے وجود کو مٹانے کے مترادف ہے۔

ہندوستان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ حالات معمول پر لانے کے لئے اور رائے شماری کرانے کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ حملے کو ختم کیا جائے کونسل پاکستان کو اس بات پر تنبیہ کرے کہ وہ اپنی سرکاری افواج کو کشمیر پر حملہ کرنے سے باز رکھے اور قبائلیوں کو اپنی مستقروں کو حملہ کرنے کے لئے نہ دیں۔ اس تمام فوجی سپلائی کو روکا جائے جو پاکستان قبائلیوں کو فراہم کر رہا ہے۔

پاکستان کی رائے یہ تھی کہ کشمیر میں الحاق سے پہلے کے حالات بحال ہوں۔ اور اقوام متحدہ یا کامن ویلتھ یا کسی اور بین الاقوامی ادارے کو وہاں رائے شماری کے لئے تعین کیا جائے۔ ایک کمیشن کی تقرری کا قیام عمل میں لایا جائے جو قتل و غارت کی تحقیقات کرے۔ اور جو جوناگڑھ اور مناوَدر کو ہندوستانی قبضہ سے آزاد کرائے۔ کشمیر میں جنگ کو ختم کیا جائے اور اس کے بعد رائے شماری کے ذریعہ لوگوں کی رائے لی جائے آیا وہ ہندو یا پاک میں کس ڈومین سے الحاق چاہتے ہیں۔

سلامتی کونسل کی قرارداد

۱۷ جنوری کو سلامتی کونسل نے ایک قرارداد پاس کی جس میں دونوں حکومتوں کے نمائندوں کے بیانات سننے کے بعد دونوں حکومتوں پر زور ڈالا گیا کہ وہ فوری طور ایسے اقدامات کریں جن سے حالات میں بہتری پیدا ہو اور ایسے حالات پر عمل کرنے یا اس کی حوصلہ افزائی کرنے سے باز رہیں جن سے حالات سنگین نوعیت اختیار کریں۔ دونوں حکومتوں سے استدعا کی گئی کہ وہ کونسل کو حالات میں بہتری کے متعلق آگاہ کریں۔ قرارداد من و عن درج ذیل ہے:-

"حفاظتی کونسل کشمیر کی صورت حال پر ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں کے نمائندوں کے بیانات سننے کے بعد اور صورت حال کی فوری اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے نیز اس تار کو جو اس کے صدر نے ۶ جنوری کو دونوں فریق کو بھیجا تھا اور ان کے جوابات کو جس میں دونوں نے اپنا اس ارادے کا اعادہ کیا ہے کہ وہ منشور کی پابندی کریں گے پیش نظر رکھتے ہوئے حکومت ہند اور حکومت پاکستان دونوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ فوراً ایسے

لیکن اقدامات کریں جن میں دونوں مملکتوں کے باشندوں سے عام اپیل شامل ہے جن سے صورتِ حال بہتر ہو سکے۔ اور ایسے بیانات دینے اور ایسی کارروائی کرنے، ایسی کسی کارروائی کا باعث بننے یا ایسی کارروائی کی اجازت دینے سے احتراز کریں جس سے صورتِ حال کے خراب ہونے کا امکان ہو اور دونوں حکومتوں سے یہ بھی درخواست کرتی ہے کہ اس دوران میں جب کہ یہ مسئلہ کونسل کے زیرِ غور ہے اگر صورتِ حال میں کوئی اہم تبدیلی ہوتی ہو یا دونوں میں سے کسی کو محسوس ہوتا ہے کہ ایسی تبدیلی رونما ہونے والی ہے تو وہ اس سے کونسل کو فوراً مطلع کریں اور اس پر کونسل سے مشورہ لیں۔

اس قرارداد پر بحث کے دوران کولمبیا کا نمائندہ یہ چاہتا تھا کہ دونوں ممالک چارٹر کے اصولوں کے تحت یقین دہانی کرائیں لیکن روسی نمائندے نے صدر کی اپیل تک ہی دونوں ممالک کو محدود رہنے کی خواہش کا اظہار کرتے کہا کہ اتنا ہی کافی ہے۔ کولمبیا کے اٹھائے ہوئے اس نقطے پر ووٹنگ کے دوران روس اور یوکرین نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ برطانیہ اور ارجنٹائن کے نمائندوں نے اپنی تقاریر میں اس مسئلے کے بنیادی حقائق پر قابو پانے کی ضرورت پر زور دیا۔ برطانیہ نے امریکہ کی حمایت سے یہ تجویز پیش کی کہ دونوں وفود کے سربراہ کونسل کے صدر کی قیادت میں اکٹھے بیٹھیں اور ان کی نگرانی و ہدایت میں مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک مشترکہ ڈھانچہ تیار کریں۔ ہندوستان اور پاکستان کے نمائندوں نے اس تجویز کو قبول کیا اور پانچ مشترکہ میٹنگوں کے بعد دونوں نمائندے اپنی اپنی حکومتوں سے مشورہ لینے گئے۔

کمیشن کا تقرر

جب کونسل کا ۲۰ جنوری کو دوبارہ اجلاس ہوا، تو صدر نے اطلاع دی کہ ان کی کوششیں ابتدائی مراحل میں ثمر آور ہوئی ہیں اور دونوں فریق نے یہ تسلیم کیا کہ وہ اس مسئلے کے اہم ترین پہلوؤں کو جاننے، جانچنے اور حل تلاش کرنے کے لئے کسی وقت بھی باہمی طور مل سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں سلامتی کونسل نے قرارداد کے ذریعہ ایک کمیشن کی تقرری کا قیام عمل میں لانے کی سفارش کی جو اقوام متحدہ کے تین ممبروں پر مشتمل ہوگا۔ جن میں ایک ایک کو ہندوستان اور پاکستان نامزد کرے گا اور تیسرے ممبر کو دونوں منتخب نمائندے مشترکہ طور پر چن لیں گے یا وہ نامزد ہوگا۔ اس طرح یہ کمیشن کونسل کے حکم کے تحت جائے وقوع پر جائے گا اور ہدایات کے مطابق عمل کرے گا۔ اس سلسلے میں سلامتی کونسل نے مندرجہ ذیل قرارداد پاس کی۔

(الف) اس قرارداد کی رو سے حفاظتی کونسل کا ایک کمیشن مقرر کیا جاتا ہے۔ جو اقوام متحدہ کے تین ممبران کے نمائندوں پر مشتمل ہوگا۔ جن میں ایک ہندوستان منتخب کرے گا ایک پاکستان منتخب کرے گا اور تیسرے کا تقرر یہ دونوں منتخب نمائندے کریں گے۔

(ب) کمیشن جس قدر جلد ممکن ہو موقع پر پہنچے گا۔ یہ حفاظتی کونسل کے اقتدار کے ماتحت اور اس کی ہدایت کے مطابق جو اسے کونسل سے حاصل ہوں گے کام کرے گا۔ یہ کونسل کو اپنی سرگرمیوں نیز تازہ ترین صورتِ حال سے برابر باخبر رکھے گا۔ یہ کونسل کو برابر رپورٹ دے گا اور اس کے سامنے وہ نتائج جو کمیشن اخذ کرے نیز اپنی تجاویز پیش کرے گا۔

(ج) کمیشن کو دوہرے فرائض تفویض ہوں گے ایک یہ کہ منشور کی دفعہ ۳۴

لہ: سلامتی کونسل کی ۲۱ جنوری کی قرارداد میں کمیشن کی رکنیت پانچ تک بڑھا دی گئی اور ان دو ممبروں کا انتخاب صدرِ کونسل کے حدِ اختیار میں دیا گیا۔

کے بموجب امور کی تحقیقات کرے گا۔ دوسرا یہ کہ حفاظتی کونسل کے کام میں خلل انداز ہوئے بغیر ایسے مصالحانہ اثرات سے کام لے گا جن سے ان ہدایات پر جو اسے حفاظتی کونسل سے ملیں، عملدرآمد میں دشواریاں کو دور کرنے میں مدد ملے اور یہ رپورٹ دے گا کہ حفاظتی کونسل کے مشورے اور ہدایات پر کس حد تک عملدرآمد کیا گیا ہے۔

(د) کمیشن فقرہ (ج) میں مذکورہ فرائض انجام دے گا اولاً ریاست جموں و کشمیر کی اس صورت حال کے بارے میں جو حفاظتی کونسل کے صدر کے نام ہندوستانی نمائندے کے خط مورخہ یکم جنوری ۱۹۴۸ء میں اور سیکرٹری جنرل کے نام پاکستان کے وزیر امور خارجہ کے خط مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۴۸ء میں بیان کی گئی ہے اور ثانیاً حفاظتی کونسل کی ہدایت پر ان دوسرے حالات کے بارے میں جو سیکرٹری جنرل کے نام پاکستان کے وزیر امور خارجہ کے خط مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۴۸ء میں تحریر کئے گئے ہیں۔

(ہ) کمیشن کثرت رائے سے فیصلہ کرے گا کہ وہ اپنا طریق کار خود متعین کرے گا۔ کمیشن اپنے ممبروں، متبادل ممبروں، ان کے معاونین اور اپنے عملہ کو ایسے فرائض تفویض کر سکتا ہے جن پر عملدرآمد کرنا اسے اس کے مشن کی تکمیل ہو اور نتائج تک پہنچنے میں امداد ملے۔

(و) کمیشن، اس کے ممبران، متبادل ممبران، ان کے معاونین اور اس کے اراکین علیحدہ علیحدہ ایک ساتھ ان مقامات کا سفر کرنے کے مجاز ہوں گے جہاں انہیں اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے میں جانا ضروری ہو اور خاص کر ایسے علاقوں میں سفر کرنے کے مجاز ہوں گے

جہاں وہ واقعات رونما ہو رہے ہیں جو حفاظتی کونسل کے زیر غور ہیں۔

(ز) متحدہ اقوام کے سیکرٹری جنرل کمیشن کو ایسے اراکین مہیا کریں گے جو اسے مدد دیں گے جو ان کے خیال میں ضروری ہوں۔"

بحث و تکرار

غرض دونوں فریق نے اپنے نقطۂ نظر کو سلامتی کونسل میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ دونوں بحث و تمحیص سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اقوام متحدہ میں پاکستان کے حق میں بعض دشوار مسئلوں کے بارے میں رائے پائی گئی۔ بالغرض جنگ بندی سے اس مسئلے کو حل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ایک غیر جانبدارانہ انتظامیہ کا قیام عمل میں لانا ضروری ہے اور سلامتی کونسل کو بحیثیت مشاہدے دیکھ بھال نہیں کرنا ہے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ریاست جموں و کشمیر میں رائے شماری کرائی ہے۔

فرانس اور بحث میں حصہ لیتے ہوئے چین اور کولمبیا کے ممبروں نے ہندوستان کے نقطۂ نظر کی تعریف کرتے خیال ظاہر کیا۔ یہ ضروری نہیں کہ آزادانہ رائے شماری کے لئے کشمیر میں نئے انتظامیہ کا قیام عمل میں لایا جائے۔ انہوں نے کہا کہ سلامتی کونسل نے پاکستان کو جنگ بندی کے لئے جو ہدایت دی ہے وہ بالکل واضح ہونی چاہیئے کولمبیا کے نمائندے کی رائے یہ تھی کہ رقیبانہ عزائم ختم کرنے کے لئے سلامتی کونسل کو اپنی پالیسی واضح کرنی چاہیئے۔ یہ درست ہے کہ دونوں ممالک نے تسلیم کیا ہے کہ رائے شماری کے ذریعہ وہاں کے لوگوں کی رائے جاننے کا حق ہونا چاہیئے۔ پاکستان سے کہا جانا چاہیئے کہ وہ قبائلیوں کو واپس بلائے۔ اپنا تمام تر اثر و رسوخ استعمال کرے لیکن اس کے باوجود کمیشن کو یہ حق ہو گا کہ وہ دونوں ملکوں کی فوجوں کی مدد سے جنگ بندی کرائے گا اور انتظامیہ کو احسن طریقے پر چلانے کے لئے مسلم د

غیر مسلم دونوں اشتراکِ عمل کریں جو بھی جنگ بندی ہوئی۔ سلامتی کونسل کے تحت وہاں رائے شماری کی جائے۔

اس مرحلے پر شیخ محمد عبداللہ نے بحث میں مداخلت کرتے کشمیر کی جانب سے کہا کہ کشمیر میں انتظامیہ کو بدلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے کشمیر کا کوئی بھی انتظامیہ غیر جانبدار نہیں ہوسکتا۔ کیا یہ امر کشمیر کے لوگوں کو انتظامیہ چلانے سے محروم کرنے کے مترادف نہیں ہے کہ کشمیر میں ہندوستانی افواج افراتفری پر قابو پانے کے لئے آئی ہے۔ پاکستان اس مسئلے میں فریق نہیں ہے۔

دوسرے دن آئینگر نے اپنے پیش کئے ہوئے نقطۂ نظر کو دوبارہ پیش کرتے کہا کہ الحاق عارضی نہیں مکمل ہے البتہ ہندوستان نے وعدہ کیا ہے کہ اگر رائے شماری کے ذریعہ کشمیر کے لوگ ہندوستان کے حق میں ووٹ نہیں دیں گے تو اس صورت میں کشمیر کو الحاق کے رشتہ سے آزاد کیا جائے گا۔ دوسرا یہ کہ کشمیر کو اندرونی اور بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رکھنے کے لئے ہندوستانی افواج کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دفاعی انتظام کو اپنے ہاتھ میں رکھے۔ جب تک رائے شماری کے نتائج ہند کے خلاف نہ نکلیں گے۔ تیسرا کشمیر میں انتظامیہ کو چلانے کا مسئلہ وہاں کے لوگوں کا اندرونی مسئلہ ہے اور ملی جلی حکومت کے قیام کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ وہاں کے لوگوں پر کوئی حکومت ٹھونسی جائے۔ جہاں تک کونسل کو ریاست جموں کشمیر میں انتظامیہ کا قیام عمل میں لانے کی تجویز ہے اس سلسلے میں ہندوستان اس قرارداد کے ساتھ متفق نہیں ہوسکتا اور انتظامیہ میں جہاں تک فرقہ وارانہ نمائندگی دینے کا سوال ہے ہندوستان اس کو تسلیم نہیں کرتا (ہندوستان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ کشمیر میں رائے شماری کرانے کیلئے کمیشن کو یہ حق نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ انتظامیہ قائم رکھے)

سلہ:۔ ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو گاندھی جی قتل ہوئے اس دن سلامتی کونسل میں صرف ان پر تقاریر کی گئیں۔

مہاراجہ کا خط پٹیل کے نام

سلامتی کونسل میں جہاں کشمیر میں رائے شماری کرانے کے لئے کئی تبادلہ تجاویز پر بحث و تمحیص جاری تھی، مہاراجہ ہری سنگھ کے لئے یہ صورتِ حال بڑا ہی جانگداز اور حوصلہ شکن تھا۔ چنانچہ کونسل میں ہونے والی ان سیاسی سرگرمیوں سے خوفزدہ ہوکر انہوں نے سردار ولبھ بھائی پٹیل کو ایک مکتوب میں اپنی دلی کیفیت کا حال بیان کرتے ہوئے تنسیخ الحاق کی رائے ظاہر کی۔ اس سلسلے میں جو خط مہاراجہ ہری سنگھ نے لکھا ہے مندرجہ ذیل ہے:

راج محل۔ جموں

۳۱ جنوری ۱۹۴۸ء

مائی ڈیئر سردار پٹیل

آپ کے جموں سے روانہ ہونے کے بعد میں ریاست کے اندر اور ریاست سے باہر کے حالات کا مشاہدہ غور سے کرتا رہا ہوں۔

نیویارک سے آمدہ اطلاعات جو میں نے پڑھی ہیں میرے دل میں بہت سی الجھنیں پیدا ہو رہی ہیں اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے دل کی کیفیت آپ کے سامنے کھول کر رکھ دوں۔ اور آپ کا دوستانہ مشورہ حاصل کروں، کیونکہ آپ کے مشورے کے بغیر میں کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا ہوں۔

ہندوستانی افواج نے ریاست میں داخل ہوتے ہی وادی کشمیر میں ابتدائی جیت کے بعد فوج نے کوئی نمایاں کام نہیں کیا۔ ان حالات میں میری پوزیشن بطور حکمران کے نہایت عجیب تھا اور بے بسی رہی ہے ریاست کے لوگ مجھے تاریک سمجھتے رہتے ہیں اور مجھ سے امداد کی توقع رکھتے ہیں۔ ریاست کا سول نظام اب پٹیل کا غرض کے

علاقہ میں اور فوجی انتظام ہندیونین کے ہاتھوں میں ہے میری تو نہ ان معاملات میں کوئی آواز ہے اور نہ کوئی طاقت۔ میری ریاست کی بہو بیٹیوں کا اغوا اور میری رعایا کا قتل یہ سب کچھ ہو رہا ہے میں بے بس و مجبور ان کو کسی قسم کی امداد دینے سے معذور ہوں۔

آپ اس بات کو محسوس کریں گے کہ میری پوزیشن دن بدن خراب ہوتی چلی جا رہی ہے جب تک کہ فوجی حالات ناموافق ہیں ہر روز پناہ گزین جموں شہر میں داخل ہو رہے ہیں اور ہر روز پاکستانی [illegible] ریاست پر بھاری جانب سے انہیں مؤثر جواب نہیں دیا جا رہا ہے۔ فوجی حالات کے علاوہ دوسری بات جس نے نہ صرف میرے دل میں بلکہ ہندوؤں، سکھوں حتی کہ نیشنل کانفرنس لیڈروں کے دلوں میں بھی غیر یقینی حالات کی صورت پیدا کر دی ہے۔ ریاست جموں و کشمیر سے متعلق یو۔ این۔ او میں جو بحث و مباحثہ چل رہا ہے یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ سیکورٹی کونسل مخالف فیصلہ دے گی اور آخرکار ریاست کا الحاق پاکستان سے ہی ہوگا۔ اس لئے ہندوؤں اور سکھوں نے ہجرت کرنی شروع کی ہے۔ نیشنل کانفرنس کے لیڈر بھی محسوس کرتے ہیں کہ یو۔ این۔ او کا ایسا فیصلہ قبول کرنے کی صورت میں ان کی پوزیشن اور بھی خراب ہو گی۔ اس معاملہ میں میری اپنی پوزیشن نہایت ہی نازک ہے آپ کو معلوم ہے کہ میں نے ہندیونین سے الحاق اسی خیال سے کیا تھا کہ ہندیونین مجھے نیچا نہیں دکھائے گی اور میری ریاست کا الحاق ہند کے ساتھ بنا رہے گا میری اپنی اور میرے خاندان کے افراد کی پوزیشن ہمیشہ محفوظ رہے گی۔

یہی وجہ تھی کہ میں نے اپنی ریاست کے اندرونی نظام کے متعلق حکومت ہند کا مشورہ قبول کر لیا تھا اگر ہمیں بالآخر پاکستان کے ساتھ ہی الحاق کرنا ہے تو ہند کے ساتھ الحاق کرنا یا حکومت ہند کی مرضی کے مطابق ریاست کے اندرونی نظم ونسق کو ڈھالنا کیا ضروری تھا۔ میرا خیال ہے کہ ریاست کا اندرونی نظم ونسق اور مسئلہ الحاق سیکورٹی کونسل کے دائرہ اختیار سے باہر ہے حکومت ہند نے تو سیکورٹی کونسل کے پاس نہایت محدود عرضداشت بھیجی تھی لیکن ایک ڈومینین کے دوسری ڈومینین پر جارحانہ حملے تک اپنی بحث کو محدود رکھنے کی بجائے سلامتی کونسل نے اندرونی نظم ونسق اور الحاق کے متعلق بھی بحث شروع کر دی ہے۔ پہلے محدود عرضداشت بھیجنے کے بعد ایجنڈا کی توسیع کو منظور کرنا میرے خیال میں ایک بھاری غلطی تھی۔ جونہی سلامتی کونسل نے ایجنڈے کو وسعت دینے کا عمل شروع کیا تھا ہندیونین کو اپنا کیس واپس لے کر معاملہ وہیں ختم کر دینا چاہئے تھا۔

ان حالات میں میرے دل میں بہت سے خیالات ابھر رہے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ اپنا دل کھول کر رکھ دوں۔ کسی وقت میں محسوس کرتا ہوں کہ ہند کے ساتھ کیا گیا الحاق کو محض عارضی طور PROVISIONALLY منظور کیا تھا اور اگر ہندیونین میرے وہ علاقہ جات جن پر پاکستان قابض ہے واپس نہیں لے سکا اور آخرکار سیکورٹی کونسل کے فیصلہ کو منظور کرے گا۔ تو اس صورت میں میرے لئے الحاق کے فیصلہ پر بدستور قائم رہنا نہایت بے معنی بن جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے سے وقتی طور پر اچھے شرائط طے ہو سکیں مگر آخرکار اس کا نتیجہ میرے خاندان کا خاتمہ ہی نہیں بلکہ اس ریاست کے ہندوؤں اور سکھوں کا بھی خاتمہ ہوگا۔ اگر میں ہند سے تنسیخ الحاق کروں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ یو۔ این۔ او میں ہند کی درخواست ختم اور بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ اس طرح حکومت ہند کو اس مسئلہ پر بحث کرنے کا کوئی حق نہیں رہے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ریاست کی پوزیشن پھر ویسی ہی ہو جائے گی جیسے قبل از الحاق تھی۔ ہندوستانی افواج ریاست میں صرف والنٹیروں کی شکل میں ہی رہ سکے گی۔ میں ریاستی افواج کی کمان اپنے ہاتھ میں لینے کو تیار ہوں اور اس کے ساتھ ہی ہندوستان

کی افواج ریاست میں بطرف و النشیروں کی شکل میں میری کمان میں رہیں گی۔ اپنی
افواج کی بذات خود رہنمائی کروں گا اگر حکومت ہند اس حل کو تسلیم کرے گی تو اس کی
افواج بھی میری زیر قیادت رہے گی۔ اس سے میری رعایا اور افواج دونوں کے حوصلے
بلکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو گی۔ میں اپنی ریاست کے کونے کونے کو جنگ میں دیکھ چکا
ہوں۔ اتنا آپ کے جرنیل آئندہ کئی مہینوں بلکہ برسوں میں بھی نہ جان پائیں گے۔ میں
اس مہم کو نہایت جرأت مندی سے سر کرنا چاہتا ہوں۔ میرے لیے کار تکلیف [illegible] آپ
فائدہ۔ یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ ہندوستان میری اس تجویز کو دونوں صورتوں میں
یعنی تنسیخ الحاق کی صورت میں یا الحاق جاری رکھنے پر منظور کرنے کو تیار رہتا ہے یا نہیں۔

میں اپنی موجودہ زندگی سے تنگ آ چکا ہوں اور محسوس کرتا ہوں کہ میرے
لئے میدان جنگ ہی بہتر ہے۔ اس کے قریب بے بس کھڑا اپنی رعایا کی دروشن کی شکست
دیکھتا رہوں اور ان کی کوئی امداد نہ کر سکوں جان دینا بہتر ہے جہاں تک اندرون ریاست
حالات کا تعلق اور انتقامانہ ہے میں نے یہ معاملہ آپ کی ذات پر چھوڑا ہے۔

آپ کا خیر اندیش
ہری سنگھ

اس خط سے مہاراجہ ہری سنگھ کے متعصبانہ ذہن کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔
وہ اپنے خاندان کے ساتھ ہندوؤں اور سکھوں کے تحفظ کے لئے رونا روتا نظر آتا ہے مگر
ان سینکڑوں قوم پرست مسلمانوں کا کہیں تذکرہ نہیں کرتا جو اس جنگ میں ڈوگرہ فوج
کا مقابلہ ہراول دستے کے طور پر ریاست میں کر رہے تھے اور نہ کہیں جموں کے ان لاکھوں
تباہ حال مسلمانوں کے اجڑنے اور ان کے قتل عام کا تذکرہ کرتا ہے جنہیں اگر وہ چاہتا
فنا ہونے سے بچا سکتا تھا۔ بہرکیف ہری سنگھ کا متذکرہ صدر خط اُن کا اے۔ ڈی۔ سی
۸۔ فروری ۱۹۴۸ء کو نئی دہلی میں دستی سردار پٹیل کو پہنچاتا ہے۔ سردار اس مکتوب
کی نقل وزیر اعظم جواہر لال نہرو کو اس نوٹ کے ساتھ بھیجتا ہے کہ "مہاراجہ کے خط کا
مضمون اس سرگذشت سے مختلف ہے جو بخشی غلام محمد نے آپ کو سنائی تھی۔" سردار
پٹیل نے مہاراجہ ہری سنگھ کو جواب میں مندرجہ ذیل خط بھیجا:۔

نئی دہلی
۹ فروری ۱۹۴۸ء

پیارے مہاراجہ صاحب!

آپ کے خط محررہ ۳۱ جنوری کے لئے شکریہ۔ یہ خط مجھے ۸۔ فروری کی صبح
دس بجے آپ کے اے۔ ڈی۔ سی نے دستی پہنچایا۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ کے لیل و نہار فکر و اضطراب میں گذر رہے ہیں۔
میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کشمیر کے حالات اور یو۔ این۔ او کی کاروائی پر میں خود بھی
بہت فکرمند ہوں مگر موجودہ حالات کچھ بھی ہوں۔ ناامید ہونے کی قطعی ضرورت نہیں
ہے۔ میں کچھ عرصے کے لئے دورے پر جا رہا ہوں اور نہایت افسوسناک المیہ (مہاتما
گاندھی کا قتل) کی وجہ سے موجودہ فوجی پوزیشن اور یو۔ این۔ او کی کاروائی سے باخبر
نہیں رہ سکا۔ میں کچھ عرصہ بعد آپ کو پھر لکھوں گا۔

مجھے امید ہے کہ امریکہ سے آپ کو یوراج (کرن سنگھ) کے متعلق اچھی خبر مل چکی
ہو گی۔

آپ کا صادق
ولبھ بھائی پٹیل

پنڈت جواہر لال نہرو نے اسی دن سردار پٹیل کو جواب میں خط بھیجا جو درج ذیل ہے

نئی دہلی۔ ۹ فروری ۱۹۴۸ء

پیارے پٹیل

آپ کا خط مورخہ ۹ فروری موصول ہوا۔ مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے مہاراجہ کشمیر کے

خط کی نقل بھیجدی ہے۔

میرا خیال ہے کہ اس کے لئے بہترین پالیسی یہ ہوگی کہ وہ اس موقع پر کوئی قدم نہ اُٹھائے۔ یقیناً الحاق کو تنسیخ کرنے کا اس کا خیال صریحاً غلط ہے۔ یہ اس کے لئے اور ہمارے لئے بھی مشکلات پیدا کر دے گا۔

کچھ عرصہ کے لئے مہاراجہ صاحب کا کشمیر سے باہر رہنا شاید فایدہ مند ہو سکے۔ مگر میرا خیال ہے کہ فی الحال اسے وہیں رہنا چاہئیے آپ نے دیکھا ہوگا کہ سیکورٹی کونسل میں بار بار مہاراجہ صاحب کی مطلق العنان حکومت کا ذکر آتا ہے۔ بیرونی ممالک ہندوستانی ریاستوں میں رائج طرز حکومت کو پسند نہیں کرتے اور سر ظفر اللہ خان نے اس بات کو زیادہ سے زیادہ اُچھالنے کی کوشش کی ہے۔

مہاراجہ صاحب کے اس مشورہ کے متعلق کہ حکومت ہند گرم جوشی سے جنگ نہیں لڑ رہی ہے میں اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ ہم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ لڑائی میں نرم روی اختیار کی جائے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے بہترین کمانڈروں کو ہدایت دی ہے اگر ہمارے راستے میں کوئی رکاوٹ آتی ہے تو اس میں ہمارا قصور نہیں بحال ابھی ہمیں نوشہرہ کے علاقے میں کامیابی حاصل ہوئی ہے اور اس کا اثر اس علاقے میں نہایت اچھا ہوگا۔

آپ کا مخلص

جواہر لال

متذکرہ صدر خط کے جواب میں سردار ولبھ بھائی پٹیل نے پنڈت جواہر لال نہرو کو ایک اور مکتوب بھیجا۔ ملاحظہ فرمائیے:

نئی دہلی۔ ۱۰ فروری ۱۹۴۸ء

پیارے جواہر لال

آپ کا خط مورخہ ۸ فروری ۱۹۴۸ء موصول ہوا۔ شکریہ۔ میں نے مہاراجہ کشمیر کو مطلع کر دیا ہے کہ نا اُمید ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ مجھے آپ کے ساتھ اتفاق ہے کہ الحاق کی تنسیخ اس کے لئے بد تر مشکلات پیدا کرے گی اور اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ جہاں ہے وہیں ٹکا رہے۔

حالیہ فوجی کاروائی نہایت حوصلہ افزا ہے اور میرا خیال ہے کہ اس سے جموں کے لوگوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔

آپ کا اپنا

ولبھ بھائی پٹیل

شیخ محمد عبداللہ کی تقریر

۱۱ فروری ۱۹۴۸ء کو شیخ محمد عبداللہ نے لیک سکیس میں سلامتی کونسل کے اجلاس میں اپنی پچھیس منٹ کی تقریر کے دوران پاکستانی نمائندے کے بیان کی تردید کرتے ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے مکمل الحاق پر دلائل پیش کئے۔ رائے شماری کے لئے ریاست میں ایک غیر جانبدار حکومت قائم ہونے کے اہم نقطے کی مخالفت کرتے اپنے پیش رو ریاست جموں و کشمیر کا مستقل قائد ظاہر کیا حتیٰ کہ ہندوستانی نمائندہ سر گوپالا سوامی آئینگر نے اس نکتے پر اظہار خیال کرتے ریاست میں ملی جُلی حکومت کے قیام کو خارج از امکان قرار نہیں دیا۔ شیخ محمد عبداللہ نے اس عندیہ پر اپنی تقریر میں مکمل خاموشی اختیار کی۔ بہرکیف ان کی تقریر کا متن ان وعن درج ذیل ہے:

"آج میں کوئی لمبی تقریر کرنا نہیں چاہتا۔ میں صرف اپنی ریاست کے موجودہ حالات کے متعلق چند حقائق بیان کرنا چاہتا ہوں۔

میں نے نہایت غور سے پاکستانی نمائندے اور سیکورٹی کونسل کے دیگر ممبروں کے بیانات سُنے اور اس کے ساتھ ہی اپنے ڈیلی گیشن کے ممبروں کے بیانات بھی سُن لئے۔ سیکورٹی کونسل یہ تو تسلیم کرے گی کہ موجودہ جھگڑے کے متعلق جو شخص

سب سے زیادہ تعلق رکھتا ہے وہ میں ہی ہوں۔ کیونکہ میں اس خطے سے آیا ہوں جو اس وقت ہند اور پاکستان کے درمیان جنگ کا موجب بنا ہوا ہے۔

دونوں اطراف نے میرے بیانات کا کئی بار حوالہ دیا اور یہ درست بھی ہے کہ خوش قسمتی سے یا بدقسمتی سے میں اپنی ریاست کے لوگوں کو ۱۹۳۱ء سے آزادی کے راستہ پر چلا رہا ہوں اور اس عرصہ میں ایک یا دو بار نہیں بلکہ سات بار قید خانے میں ڈالا جا چکا ہوں۔ آخری بار تو مجھے نو سال قید کی سزا دی گئی تھی۔ کشمیر میں بہت سی مشکلات ہیں۔ میں نے سیکورٹی کونسل کی بحث مباحثہ کو غور سے سنا ہے اور میں اپنے آپ کو ایک الجھن میں پاتا ہوں۔ آخر جھگڑا کس بات پر ہے؟ جھگڑا ہمارا اپنے حق میں شہنشاہیت پر نہیں ہے۔ مجھے معاہدہ امرتسر کی منسوخی کی بات کہنے پر نو سال قید کی سزا دی گئی تھی جو بات کل پاکستان کے نمائندے نے سیکورٹی کونسل میں کہی۔ مجھے خوشی ہے کہ یہ بات اس نے سیکورٹی کونسل میں کہی جہاں وہ کسی سزا سے مستثنیٰ ہیں۔

سلامتی کونسل کے روبرو مہاراجہ کی حکومت کے وقت کی بدنظمی کے متعلق بھی بحث نہیں ہو رہی ہے۔ یہ بدنظمی دور کرنے کے لئے بھی میں ہی وہ شخص ہوں جس نے بہت دکھ اٹھائے ہیں اور آج جب میں نے پہلی بار پاکستان کے نمائندے کے منہ سے اپنے کیس کی حمایت میں سنا تو مجھے ازحد خوشی ہوئی۔

آخر ہند اور پاکستان کے درمیان جھگڑا کیا ہے؟ میرے اپنے ڈیلی گیشن نے سیکورٹی کونسل میں جو کیس پیش کیا ہے اس کے مطابق جھگڑے کی بنیاد یہ ہے کہ کشمیر نے قانونی اور آئینی طریقے سے ہندوستان کے ساتھ الحاق کیا ہے۔ سرحد پار کے علاقے سے قبائلی میری ریاست میں گھس آئے ہیں۔ پاکستانی گورنمنٹ ان کی مدد کر رہی ہے۔ رد عمل کے طور پر پاکستان اور ہندوستان کے مابین لڑائی بڑھتی جا رہی ہے۔ ہندوستان نے سیکورٹی کونسل سے مدد چاہی کہ پاکستان کو کہا جائے کہ وہ ان قبائلیوں کو امداد نہ دے اور نہ ہی ریاست کے اندر گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کرے۔۔۔

میں پاکستان کی پوزیشن کو سمجھ سکتا تھا کہ اگر پاکستان کا نمائندہ ہمت اور صاف گوئی سے کام لیتے سلامتی کونسل کو بتا دیتا کہ "ہاں ہم قبائلیوں کی مدد کر رہے ہیں اور ہم ریاست کے اندر باغیوں کو امداد دے رہے ہیں کیونکہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ کشمیر کا ہند کے ساتھ الحاق جعلسازی سے کیا گیا ہے۔" اس صورت میں ہم الحاق کی جوازیت پر بحث کر سکتے تھے۔ لیکن پاکستان کے نمائندے نے یہ پوزیشن اختیار نہیں کی اس نے صریحاً انکار کیا اور کہا پاکستان نہ تو قبائلیوں کو اور نہ ریاست کے اندر باغیوں کو کوئی امداد دے رہا ہے۔ میں کس طرح سیکورٹی کونسل کو یقین دلاؤں کہ یہ انکار بالکل غلط ہے۔ میں اپنی ریاست سے ہزاروں میل دور سیکورٹی کونسل میں بیٹھا ہوں لیکن ریاست کی سرحد پر اپنے آدمیوں کے ہمراہ بہت سی لڑائیاں لڑی ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ حکومت پاکستان کس طرح قبائلیوں کو اسلحہ مہیا کرنے کے علاوہ ان کو جنگ کے سلسلے میں ہدایات دیتی ہے۔ میں نے پاکستانی افواج کو اپنی ریاست کے اندر دیکھا ہے۔

پاکستان کی طرف سے انکار ایسے غیر مبہم الفاظ میں کیا گیا کہ میرے لئے اس کو یہاں جھوٹ ثابت کرنا مشکل ہے جب تک کہ سلامتی کونسل اپنا ایک کمیشن موقع پر حالات کا جائزہ لینے کے لئے نہ بھیج دے اور وہ کمیشن خود دیکھے کہ پاکستان یہ امداد دے رہا ہے یا نہیں اور اگر ہماری یہ بات غلط ثابت ہو تو ہمارا دعویٰ ہی رد ہو جاتا ہے دوسری صورت میں اگر ہماری بات صحیح ثابت ہو جائے تو سیکورٹی کونسل کو مناسب اقدام اٹھانے چاہئیں اور پاکستان کو ایسا کرنے سے منع کرنا چاہیئے لیکن ایک سادہ سا معاملہ خواہ مخواہ الجھا دیا گیا ہے ایک طرف تو پاکستان کی حکومت یہ کہتی ہے کہ ـــــ "ہم ریاست کے اندر کسی گڑبڑ کے ذمہ دار نہیں ہیں اور اس گڑبڑ کی وجہ یہ ہے کہ مقامی لوگ جموں و کشمیر گورنمنٹ کی بد انتظامی کے خلاف لڑ رہے ہیں۔" حقیقتاً ہم لڑ رہے ہیں اور ہماری لڑائی ۱۹۳۱ء میں شروع ہوئی تھی جب ہم نے عوامی طرز حکومت

کا مطالبہ کیا تھا۔ مگر کیا وجہ ہے کہ آج پاکستان ہماری جنگِ آزادی کا چیمپئن —— CHAMPION بن گیا ہے؟ مجھے یاد ہے ۱۹۴۶ء میں جب میں نے "کشمیر چھوڑ دو" کا نعرہ لگایا تھا تو مسٹر جناح نے جو اس وقت پاکستان گورنمنٹ کے گورنر جنرل ہیں میری تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا۔ یہ تحریک چند غرض مند لوگوں کی چلائی ہوئی ہے اور مسلمانوں کو بحیثیت ایک قوم کے اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مسلم کانفرنس جس کا بار بار ذکر آیا ہے نے میری اس تحریک کی مخالفت کی اور مہاراجہ کی طرفداری کی تھی مگر آج پاکستان کا نمائندہ اس ایوان میں مجھے یہ طعن دے رہا ہے کہ شیخ عبداللہ جو ایک وقت "کشمیر چھوڑ دو" تحریک کا بانی تھا۔ آج مہاراجہ کا دوست بن بیٹھا ہے یہ بھی کہا گیا کہ میں نے مہاراجہ کے متعلق کہا ہے کہ میں اُس کو صرف جموں کا نہیں بلکہ ساری ریاست جموں و کشمیر کا مہاراجہ دیکھنے کا متمنی ہوں۔ میری اس تقریر کو توڑ مروڑ کے پیش کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے یہ تقریر جموں میں کی تھی جو صوبہ جموں میں کچھ قتل و غارت کی وارداتیں ہوئی تھیں۔ جب صوبہ کشمیر پر قبائلیوں نے حملہ کیا اور ہزاروں ہندو اور سکھ گھر بار چھوڑ کر جموں کی طرف بھاگے اُس کے بعد وہاں بھی فضا مخدوش ہوگئی [illegible] جا سکا تھا مگر جونہی موقعہ ملا میں جموں گیا اور [illegible] بسنے والے تقریباً [illegible] کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ صوبہ جموں میں [illegible] وہ نہایت افسوسناک ہے کہ دو یا تین ضلعوں میں جہاں [illegible] کی اکثریت [illegible] آبادی کا خاتمہ بھی کر سکتے ہیں مگر یاد رکھنا چاہئے کہ ساری ریاست میں مسلمانوں کی اکثریت ہے [illegible] ان کی آبادی [illegible] ساری [illegible] آبادی کو ختم کرنا ناممکن ہے [illegible] کہ جو لوگ مہاراجہ کی خدمت یا [illegible] کرنا چاہتے ہیں [illegible] نقصان ہوگا کیونکہ اس طرح سے وہ صرف دو یا تین ضلعوں کا مہاراجہ ہو کر رہ جائے گا میں نے انہیں سمجھایا اگر وہ آج ساری

ریاست جموں و کشمیر کا مہاراجہ دیکھنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے رویہ میں تبدیلی لانی ہوگی۔

یہ تھی وہ تقریر جو میں نے کی تھی اور یہ تھا اس کا پس منظر۔ خیر میں نے پہلے ہی بتا دیا ہے کہ فسادات کیسے شروع ہوئے۔ پاکستان کا نمائندہ یہ تو تسلیم کرے گا کہ جب ہندوستان کے دو حصے ہوئے ہیں، میں اور میرے ساتھی جیلوں میں تھے۔ بٹوارے کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں طرف مار کاٹ شروع ہوئی۔ مغربی پنجاب میں جہاں مسلمان اکثریت میں تھے ہندوؤں اور سکھوں کو قتل کیا گیا اور اس کی جوابی کارروائی مشرقی پنجاب میں ہوئی۔ ہماری سرحدوں پر روز مرہ ایک جانب ہندوؤں اور سکھوں کا قتل ہو رہا تھا اور دوسری طرف مسلمانوں کا۔ مگر ریاست جموں و کشمیر اور اس کے لوگ بالکل پُرامن رہے نتیجہ کے طور پر ہزاروں پناہ گزین جن میں ہندو اور مسلمان بھی تھے۔ ہماری ریاست میں داخل ہوئے اور ہم سے جہاں تک ممکن ہو سکا اُن کی امداد کی۔ یہ کیسے ممکن ہوا۔؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اور میری جماعت کبھی بھی دو قومی نظریئے کی قائل نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی ہم لوگوں میں فرقہ وارانہ منافرت کا جذبہ موجود تھا۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ سیاسیات میں مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ ہم نے جب "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک شروع کی تو اس میں نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ ہندوؤں اور سکھوں نے بھی شرکت کی اس طرح باہمی اتفاق کی ایک مضبوط کڑی بن گئی۔ جب ہماری سرحدوں پر مار کاٹ شروع ہوئی ریاست کے ہندو، سکھ اور مسلمان امن و آشتی سے رہے۔

حالات دن بدن خراب ہو رہے تھے اور ہماری ریاست میں بسنے والے اقلیتی فرقے خوف زدہ تھے۔ ریاستی حکومت پر زبردست دباؤ ڈالا گیا کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو رہا کر دیا جائے چنانچہ تمام گرفتار شدہ نیشنل کانفرنس کارکنوں کو رہا کر دیا گیا۔

رہائی کے فوراً بعد ہمارے سامنے یہ مسئلہ آیا کہ ہم [illegible] سے الحاق کریں یا پاکستان سے یا آزاد رہیں، کیونکہ تقسیم ہند کی سکیم [illegible] تھے تمام ہندوستانی

ریاستوں کے لئے کھلے تھے۔ میں نے عوام کو مشورہ دیا کہ یہ مسئلہ نہایت اہم ہے مگر ہمارے لئے اس سے بھی زیادہ اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہم کس طرح شخصی نظام سے آزادی حاصل کریں۔ جس کے لئے ہم گذشتہ سترہ برسوں سے لڑ رہے ہیں ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ پہلے آزادی حاصل کریں گے اور اس کے بعد آزاد قوم کی حیثیت میں ہم فیصلہ کر سکیں گے۔ کہ ہمارے مفادات کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

قدرتی طور پر جیسا کہ میں نے بیان کیا ہم اس معاملہ کا فیصلہ آزادی حاصل کئے بغیر نہیں کر سکتے تھے اس لئے ہمارا نعرہ تھا "الحاق سے پہلے آزادی" سری نگر میں کچھ پاکستانی دوست مجھے ملے میں نے اُن کے ساتھ کھل کر باتیں کیں اور اُن پر اپنا نقطۂ نظر واضح کیا۔ میں نے اُن کو صاف لفظوں میں کہا ہماری تحریک آزادی کے دوران ہمارے تئیں پاکستان کا جو بھی رویہ رہا ہو اُس کا ہمارے فیصلے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اسی طرح جواہر لال کے ساتھ ہماری دوستی یا کانگریس کی ہماری تحریک آزادی کی حمایت بھی ہمارے فیصلوں پر اثر انداز نہیں ہوگی۔ بشرطیکہ ہم یہ محسوس کریں کہ لاکھوں کشمیریوں کا مفاد پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے میں محفوظ رہے گا۔

میں نے اُن سے درخواست کی کہ وہ اس معاملہ میں جلد بازی نہ کریں۔ بلکہ ہمیں مہلت دیں اور آزادی حاصل کرنے میں ہماری مدد کریں۔ میں نے یہ بھی کہا جونہی ہم آزاد ہو جائیں گے تو ہمیں اور مہلت دی جائے تاکہ ہم اس اہم معاملہ پر مزید غور کر سکیں۔ میں نے کہا کہ ہندستان نے ہمارے نقطۂ نگاہ کو مان لیا ہے اور وہ ہمیں فیصلہ کرنے پر مجبور نہیں کر رہا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ ہمارا جموں کا توں رہنے کا ...STILL معاہدہ بھی تھا لیکن اس سلسلے میں پاکستان نے جو کچھ ہمارے ساتھ کیا اُس کا حال سلامتی کونسل کے سامنے ہندوستانی ڈیلیگیشن کے لیڈر نے بتا دیا ہے۔

میں پاکستان کے دوستوں کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا اسی دوران میں نے اپنے ایک رفیق خواجہ غلام محمد صادق سابق وزیر اعلیٰ جموں و کشمیر کو لاہور بھیجا۔ جہاں وہ وزیر اعظم پاکستان مسٹر لیاقت علی خان اور مغربی پنجاب کی سرکردہ اراکین سے ملا۔ اُس نے بھی اُن کے سامنے یہی نقطۂ نگاہ رکھا اور درخواست کی ہمیں اس اہم فیصلہ پر پہنچنے سے پہلے وقت دیا جائے اور آزادی حاصل کرنے میں ہاتھ بٹایا جائے یہ گفت و شنید ابھی جاری ہی تھی کہ ایک دن مجھے اطلاع ملی کہ حملہ آوروں نے مظفر آباد پر ایک بھرپور حملہ کیا۔ مظفر آباد صوبہ کشمیر میں ایک سرحدی قصبہ ہے۔

پاکستان کے نمائندے نے کہا کہ جیل سے آزاد ہوتے ہی میں کشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ کرنے کے لئے دلی چلا گیا۔ یہ صحیح نہیں ہے وہ غالباً نہیں جانتے کہ میں جیل میں ہی تھا جب مجھے آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کا پریذیڈنٹ مقرر کیا گیا تھا۔ آزاد ہوتے ہی مجھے اس کا چارج سنبھالنا تھا۔ میں نے کانفرنس کی ایگزیکٹو کمیٹی کی میٹنگ دلی میں بُلائی تھی اور اس کی اطلاع پاکستان کے وزیر اعظم کو بھی دی تھی۔ وزیر اعظم پاکستان کو یہ بھی بتایا تھا کہ دلی سے واپسی پر اُن سے بھی ملوں گا اور اپنا نقطۂ نظر ذاتی طور پر اُن پر واضح کروں گا۔ میں کشمیر کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے دلی نہیں گیا تھا۔ میں اگرچہ جیل سے رہا ہو گیا تھا مگر مجھے بدستور باغی کہا جا رہا تھا۔

میں پاکستان کے نمائندے کو مطلع کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ میں بلا شک کشمیر سٹیٹ کا ناظم اعلیٰ ہوں لیکن وزیر اعظم نہیں ہوں۔ میں ایک ہنگامی انتظامیہ کا سربراہ ہوں۔ اور وہ بھی اس لئے نہیں کہ مہاراجہ ایسا چاہتا ہے۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ اسے یہ تقرری پسند بھی ہے یا نہیں۔ میں ہنگامی انتظامیہ کا سربراہ اس لئے ہوا ہوں کہ کشمیر کے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ میں اُن کی نمائندگی کروں۔

حملہ آوروں نے کشمیر میں داخل ہو کر ہزاروں لوگوں خاص کر ہندوؤں اور سکھوں

کا قتل عام کیا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کو بخشا۔ ہزاروں ہندو سکھ اور مسلمان لڑکیوں کو اغوا کیا۔ ہماری جائیدادوں کو لوٹا اور کشمیر کے گرمائی دارالخلافہ سری نگر کے دروازہ کو کھٹکھٹایا جس کے نتیجے میں ریاست کا سیول، پولیس اور فوجی انتظامیہ درہم برہم ہوگیا۔ مہاراجہ رات کے اندھیرے میں اپنے درباریوں کو ساتھ لے کر فرار ہوا۔ ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔ ریاست کا انتظامیہ سنبھالنے کے لئے کوئی تیار نہ تھا۔ اس بحرانی دور میں نیشنل کانفرنس اپنے دس ہزار رضاکاروں کے ساتھ سامنے آئی۔ انہوں نے ملک کے انتظامیہ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ بنکوں، دفتروں اور لوگوں کے املاک کی حفاظت شروع کی۔ اس طریقہ کار سے انتظامیہ ایک ہاتھ سے نکل کر دوسرے ہاتھ میں آگیا۔ عملی طور پر ہم انتظامیہ کے انچارج تھے۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مہاراجہ نے اسے قانونی شکل دے دی۔

کہا جاتا ہے کہ شیخ عبداللہ جواہر لال نہرو کا دوست ہے مجھے اس کا اعتراف ہے اتنا بڑا آدمی جب مجھے اپنا دوست کہتا ہے میں اسے اپنی عزت افزائی سمجھتا ہوں وہ میرا ہم وطن ہے۔ وہ بھی ایک کشمیری ہے اور 'اپنا' اپنا ہوتا ہے اور 'پرایا' پرایا ہی رہتا ہے۔ اگر جواہر لال نے مجھے عزت بخشی ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کی دوستی کی وجہ سے میں اپنے لاکھوں عوام کو جو گذشتہ برسوں سے مصیبتیں جھیلتے رہے اور قربانیاں دیتے رہے نظر انداز کردوں۔ میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔

میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ جھگڑا کیسے شروع ہوا۔ کس طرح پاکستان ہمیں غلام بنانا چاہتا تھا۔ پاکستان کو ہماری آزادی کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ورنہ وہ ہماری تحریک آزادی کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ پاکستان نے ہماری حمایت کی ہوتی جب ہمارے ہزاروں آدمی جیلوں میں بند تھے۔ اور سینکڑوں گولیوں کے ہدف بنائے جا رہے تھے اس کے برعکس پاکستان کے رہنما اور اخبارات کشمیر میں مصیبتیں برداشت کرنے والوں کی دشنام طرازی کرتے ہے۔

اب اچانک پاکستان دنیا کی عدالت کے سامنے کشمیر کی آزادی کا علمبردار بن کر نمودار ہوا ہے دنیا شاید اس پر یقین کرے لیکن میرے لئے ایسا کرنا مشکل ہے۔ جب ہم پاکستان کے ڈرانے دھمکانے میں نہ آئے تو پاکستان نے قبائلیوں کی مدد کی اور ہم پر ایک بھرپور حملہ کرایا۔ قبائلیوں کے لئے پاکستان کی حمایت اور حوصلہ افزائی کے بغیر ہمارے سرحدوں میں داخل ہونا ناممکن ہے کیونکہ انہیں ہم تک رسائی حاصل کرنے کے لئے پاکستان کے حدود سے گذرنا ہے۔ سینکڑوں ٹرک، پٹرول کے ہزاروں گیلن، ہزاروں رائفلیں اور سامان جنگ اور ہر وہ امداد جو ایک فوجی کو ملنی چاہیئے انہیں مہیا کی گئی۔ ہمیں اس کا علم ہے کیونکہ ہم اس ملک کے رہنے والے ہیں۔ پاکستان جو مقصد اقتصادی ناکہ بندی سے حاصل نہ کرسکا وہ ایک بھرپور حملے کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

میرا عندیہ یہ تھا کہ دنیا کو ہٹلروں HITLERS اور گوبلزوں GOEBBLES سے نجات ملی ہے لیکن جو کچھ میرے ملک میں ہو رہا ہے اس سے ظاہر ہے کہ ان کی روحیں پاکستان میں حلول کر گئی ہیں۔

ہم کیا چاہتے ہیں؟ ہماری التجا صرف یہ ہے کہ سیکورٹی کونسل اپنے چند ممبران کو موقعہ پر بھیج دے تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ فی الواقعی وہاں کیا ہو رہا ہے۔

اگر پاکستان کھل کر یہ کہہ دے کہ "ہم الحاق کو قانونی طور پر غلط تصور کرتے ہیں" تو میں یہ بحث کرنے کو تیار ہوں کہ ہند کے ساتھ الحاق جائز طور پر ہوا ہے یا نہیں لیکن اب پاکستان کہتا ہے کہ ہم ریاست میں رائے شماری کروانے کے خواہش مند

ہیں جس کے ذریعے کشمیری عوام کی آزادانہ رائے معلوم ہو اور یہ کہ اُن پر کوئی دباؤ نہ ڈالا جائے۔

دراصل یہ پیش کش کشمیر کے لوگوں نے ہی پاکستان کو کافی عرصہ پہلے کی تھی۔ اور یہ وہی پیشکش ہے جو وزیراعظم ہند نے ایک ایسے وقت پر کی جب کشمیر پر قبائیل مصیبت بن کر نازل ہوئے اور ہم اس پیش کش کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ہم نے یہ محسوس کیا کہ پاکستان تو ہمیں سوچنے کا موقعہ بھی نہیں دے رہا اور ان حالات میں یا تو ہمیں بھی مظفرآباد، بارہ مولا، اور دیگر قصبوں اور گاؤں کے اپنے بھائیوں کی طرح مصیبتوں اور لوٹ کھسوٹ کا شکار ہونے کے لئے تیار رہنا چاہیئے یا کسی بیرونی طاقت سے امداد طلب کرنی چاہیئے۔

اس پس منظر میں مہاراجہ اور کشمیر کے لوگوں نے مل کر گورنمنٹ آف انڈیا سے استدعا کی کہ وہ الحاق کو منظور کرلیں۔ حکومت ہند کے لئے یہ نہایت آسان تھا کہ وہ یہ کہہ دیتی ـــ "اچھا ہم الحاق منظور کرتے ہیں اور آپ کو امداد بھیجدیتے ہیں۔" پرائم منسٹر ہند کے لئے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ الحاق منظور کرتے وقت یہ یقین دہانی کرائے۔ "ہندوستان آپ کی مصیبت سے ناجائز فایدہ اُٹھانا نہیں چاہتا ہے۔ ہم الحاق تو منظور کرتے ہیں، کیونکہ اس کو منظور کئے بغیر ہم کشمیر کو فوجی امداد نہیں دے سکتے۔ لیکن جونہی ریاست جموں وکشمیر سے قبائیل اور دیگر حملہ آور باہر نکل جائیں تو اس الحاق کی توثیق عوام کو کرنی ہوگی۔" یہ تھی وہ پیش کش جو وزیر اعظم نے ہمیں کی۔

اپنی چالبازیوں میں ناکام ہونے کے بعد پاکستان اب دنیا کی عدالت کے سامنے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ "ہم باسواء اس کے کچھ نہیں چاہتے ہمارا مطالبہ صرف یہ ہے کہ ریاستی لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق الحاق کا موقعہ دیا جائے اور اس کے لئے لازم ہے کہ ریاست میں رائے شماری ہو۔"؟ اس مطالبہ کے متعلق تو کوئی متنازعہ بات نہیں ہے آخر یہ پیش کش تو وزیر اعظم ہند اور کشمیری عوام نے ہی کی ہے۔ اس کے بعد پاکستان کہتا ہے "ریاست میں رائے شماری تب تک آزادانہ طور سے نہیں ہوسکتی جب تک وہاں ایک غیر جانبدار NEUTRAL حکومت قائم نہ کی جائے۔ میں یہ نہیں سمجھ پاتا کہ پاکستان کی اس "غیر جانبدار سرکار" سے کیا مُراد ہے۔"

پاکستان کے نمائیندے نے کہا ہے چونکہ شیخ عبداللہ اور پنڈت جواہر لال نہرو میں گہری دوستی ہے۔ شیخ عبداللہ کی ہمدردیاں انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ ہیں اور شیخ عبداللہ نے ہند کے ساتھ الحاق کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ شیخ عبداللہ ریاست کی ایمرجنسی گورنمنٹ کا ہیڈ ہے اس لئے وہ غیر جانبدار نہیں رہ سکتا اُسے ریاستی حکومت سے علیحدہ کردینا لازمی ہے۔

فرض کریں کہ شیخ عبداللہ اس عہدے کو خالی کرتا ہے اُس کی جگہ کون سنبھال لے گا؟ قدرتی طور پر ریاست کے چالیس لاکھ بسنے والوں میں سے ہی کوئی فرد ہوسکتا ہے۔ لیکن ان چالیس لاکھ انسانوں میں کوئی ایسا شخص ہوگا جسے غیر جانبدار کہا جاسکتا ہے؟ آخر کار ہم نہ تو لکڑی کے شہتیر ہیں اور نہ کھیلنے کی گڑیاں۔ ایک نہ ایک طرف تو ہماری ہمدردیاں ہوں گی ہی۔ کشمیر کے لوگ پاکستان کے حق میں ہوں گے یا ہندوستان کے اس لئے پاکستان کی پوزیشن کا انحصار یوں ہے کہ ریاست کے ۴۰ لاکھ انسانوں میں سے کسی ایک کو بھی ریاست کا نظم ونسق نہیں سونپا جانا چاہیئے اس کے لئے کسی بیرونی شخص کو نامزد کیا جانا چاہیئے کیا یہ انصاف پر مبنی ہے؟ کیا سلامتی کونسل کے ممبران کا یہ منشاء ہوسکتا ہے کہ وہ ریاست کشمیر کے عوام کو اپنی ریاست کا نظم ونسق چلانے سے محروم کردیں۔

بحث کے لئے یہ بھی مان لیا جائے کہ سیکورٹی کونسل کے ممبران ایک غیر جانبدار شخص کو کہاں سے لائیں گے۔ ہندوستان سے؟ نہیں۔ پاکستان سے؟ نہیں دنیا کی کسی جگہ سے؟ نہیں۔ سچ تو یہ ہے اگر سلامتی کونسل خدا کو بھی اس عرصہ کے لئے ریاست کا نظم و نسق سپرد کرے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ بھی غیر جانبدار نہ رہ سکے گا۔ آخر ہر شخص کی ہمدردیاں ایک نہ ایک طرف ہوں گی۔

اگر انگلینڈ میں لیبر گورنمنٹ کی موجودگی میں چناؤ ہوں تو کیا کوئی شخص مسٹر اٹلی (پرائم منسٹر) کو یہ کہے گا چونکہ آپ کی ہمدردیاں لیبر پارٹی کے ساتھ ہیں اس لئے آپ حکومت سے علیحدہ ہو جائیں تاکہ الیکشن ختم ہونے تک ہم کسی غیر جانبدار شخص کو نظم و نسق سپرد کر سکیں؟ لیکن مجھے کہا جاتا ہے کیونکہ میں ہندوستان کے حق میں اپنی رائے کا اظہار کر چکا ہوں اس لئے مجھے نظم و نسق سے علیحدہ ہو جانا چاہئے۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں ریاست کا نظم و نسق ریاست کے لوگوں کی خواہش کے مطابق سنبھالے ہوا ہوں جب تک ریاستی عوام مجھے اپنا لیڈر مانتے ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے علیحدہ نہیں کر سکتی جب تک مجھے عوام کی پشت پناہی حاصل ہے میں اس پوزیشن میں رہوں گا۔ جونہی ریاستی عوام کا اعتماد اُٹھ جائے گا میں اس پوزیشن میں نہیں رہوں گا۔

ہم نے بارہا اعلان کیا ہے کہ ریاست کے عوام کو اپنی رائے کا اظہار کرنے کی مکمل آزادی ہوگی۔ ہمیں بالکل اعتراض نہ ہوگا اگر سیکورٹی کونسل اپنا ایک کمیشن ریاست میں بھیجے جو ریاست میں رائے شماری کا نظم و نسق قائم کرنے میں ہماری مدد کرے اور مشورے دے تاکہ ہم غیر جانبدار طریقہ سے رائے شماری کروا سکیں۔ میری حکومت اس امر کا یقین دلاتی ہے کہ رائے شماری بالکل غیر جانبدارانہ ہوگی۔ غیر جانبدار رائے شماری علیحدہ چیز ہے اور ایڈمنسٹریشن میں دخل اندازی علیحدہ بات ہے۔ آخر ہمارا مقصد کیا ہے؟ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ ووٹروں پر کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالا جائے اور وہ اپنی مرضی کے مطابق جس طرف چاہیں ووٹ ڈال سکیں۔ ہم یہ منظور کرتے ہیں۔

پھر یہ کہا جاتا ہے کہ جب تک ہندوستانی فوج جموں و کشمیر میں موجود ہے آزادانہ رائے شماری نہیں ہو سکتی۔ میرے لئے یہ نہایت دشوار ہے کہ ہمارے ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی مکمل تصویر پیش کر سکوں۔ ملک کے کچھ حصوں میں افراتفری پھیلی ہوئی ہے۔ لڑائی جاری ہے اور ہزاروں قبائلی وہاں موجود ہیں جو ہر ایسے موقع کا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ جہاں کہیں انہیں کوئی کمزوری نظر آئے۔ ان حملہ آوروں کو روکنے اور ریاست کو بچانے کے لئے ہندوستانی فوج ہی تو ہے اگر اس کو بھی ہٹایا جائے تو افراتفری میں مزید اضافہ ہوگا۔ میں یہ کہنا چاہتا کہ میں گذشتہ سترہ سال سے ریاست کو آزاد کرانے کی جدوجہد کرتا رہا میں کس طرح یہ برداشت کر سکتا ہوں کہ کوئی بیرونی فوج آکر ہماری ریاست پر قابض ہو۔

موجودہ حالات کا تقاضہ ہے اگر ہم ہندوستانی فوج کو باہر نکال دیں تو ریاست کے لوگوں کو لوٹ، آتشزنی، قتل، اور اغواء سے بچانے والا کون ہوگا؟ ریاست کے لوگ کئی مہینوں سے ان مصایب کے شکار ہیں۔ ہندوستان کے وزیر اعظم نے عرصہ ہوا یہ اعلان کیا تھا "ہمارا ارادہ ریاست کشمیر میں اپنی فوج مستقل طور پر رکھنے کا نہیں ہے ہماری فوج صرف اُس وقت تک رہے گی جب تک شور شرابہ ہے جونہی امن عامہ قائم ہوتا ہے اور ریاست کی سرزمین حملہ آوروں اور قبائلیوں سے صاف ہوتی ہے ہم اپنی افواج کو واپس بُلا لیں گے اس وعدے پر وہ اب بھی قائم ہیں۔

اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہاں ہندوستانی فوج کی موجودگی میں آزادانہ ووٹ ڈالنے کے عمل میں کوئی مداخلت ہوگی۔ کیا سلامتی کونسل اس کی

نگرانی کے لئے نہیں ہوگا؟ ہندوستانی فوج کو گاؤں گاؤں تو نہیں جانا ہے اسے خاص خاص مقامات پر تعینات کیا جائے گا۔ تاکہ اگر سرحد سے کوئی خطرہ پیدا ہوگا تو وہ اس کی حفاظت کرسکیں۔ یہ فوج وہاں محض اسی وجہ سے ہے اور کسی غرض سے نہیں۔

کہا جاتا ہے کیا وہاں ایک مشترکہ کنٹرول JOINT CONTROL نہیں رکھا جا سکتا؟ کیا ریاست میں حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہندوستان اور پاکستان کی فوجیں نہیں رکھی جا سکتیں؟ یہ ایک غیر معمولی تجویز ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان جو مقصد سیدھی طرح سے حاصل نہ کرسکا وہ اس کو چور دروازے سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی فوجوں کو ریاست میں داخل کرنے کا ایک بہانہ تلاش کر رہا ہے۔ یہ تجویز قابل عمل نہیں۔

ہم کشمیر میں صورت حالات کا جائزہ لیتے رہے ہیں۔ میں یہ کہوں گا کہ ہم کشمیر میں پرنس آف ڈنمارک کا ڈرامہ ہیملٹ کے بغیر کھیل رہے ہیں اس سارے معاملے میں کشمیر کے عوام بنیادی طور پر فریق ہیں اور اس مسئلے میں کشمیر کے چالیس لاکھ عوام بڑی شدت سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ میری ہمدردیاں پونچھ اور میرپور کے عوام کے ساتھ ہیں۔ پاکستان کا نمائندہ غالباً تسلیم کرے گا کہ میں نے پونچھ اور میرپور کے لوگوں کے لئے بڑی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ میری پارٹی اور پونچھ کے عوام میں ریاست کے اندرونی جمہوریت اور انتظامیہ کے متعلق کوئی اختلاف رائے نہیں۔ ہم ایک ہیں ہم آزادی چاہتے ہیں اور ہم مطلق العنان حکومت برداشت نہیں کرسکتے۔ ہماری خواہش ہے کہ چالیس لاکھ ہندو سکھ مسلمان اپنی تقدیر بنانے کا حق حاصل کرسکیں۔ اپنے ملک پر کنٹرول قائم کریں اور اس کا انتظامیہ جیسے چاہیں چلائیں اس مسئلے پر کوئی اختلاف رائے نہیں یہ بہرحال اندرونی آزادی کا معاملہ ہے سلامتی کونسل کو مسئلہ الجھانا نہیں چاہئے۔ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ مہاراجہ نے اس ریاست کو کیسے حاصل کیا؟ کیا وہ اقتدار اعلیٰ کہلانے کا مستحق ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ سلامتی کونسل کے سامنے نہیں ہے آیا کشمیر نے ہندوستان کے ساتھ قانونی طور پر الحاق کیا ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ شکایت پاکستان کر چکا ہے۔ یہ واقعات بحث طلب نہیں ہیں۔ اگر یہ بحث طلب ہوتا تو ہم ثابت کر دیتے کہ کشمیر نے قانونی اور آئینی طور پر ہندوستان کے ساتھ الحاق کیا ہے اور پاکستان کو اس الحاق پر اعتراض کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ مگر سلامتی کونسل کے سامنے یہ مسئلہ سرے سے ہی نہیں ہے۔

ہندوستانی اور کشمیری فوجیں قبائلیوں کے ساتھ لڑ رہی ہیں تاکہ وہاں ایک جمہوری نظام حکومت قائم ہوجائے یہ سارا کام ہم خود کریں گے ہم اس معاملے میں یا "اندرونی بغاوت کو فرو کرنے کے معاملے میں اور قبائلیوں کو نکالنے کے معاملے میں پاکستان سے کوئی مدد نہیں چاہئے۔ چونکہ پاکستان ہمارا ہمسایہ ہے ہم اس کے ساتھ دوستوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ پاکستان کو بالواسطہ یا بلاواسطہ کشمیر کے معاملات میں کوئی دخل نہیں ہونا چاہئے۔ پاکستان نے کہا کہ ہمارا اس معاملے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب سلامتی کونسل کا کام صرف یہ ہے کہ وہ حالات کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیشن کو کشمیر بھیجے تاکہ وہ یہ دیکھے کہ آیا اس میں پاکستان کا کوئی ہاتھ ہے یا نہیں۔ اگر یہ ثابت ہو کہ اس میں پاکستان کا ہاتھ ہے تو ان کو ایسا کرنے سے روک دے اور اگر اُن کا کوئی ہاتھ نہیں تو وہ بھی دیکھا جائے گا۔ اس سیدھے سادھے مسئلے کو اور بہت سے معاملوں کے ساتھ ملوث کیا گیا ہے۔ میں نے غیر رسمی طور پر کہا ہے کہ یہ مسئلہ دو نقطوں پر یقین ہے پہلا یہ کہ ایک غیر جانبدار انتظامیہ کیسے بنے اور دوسرا یہ کہ کیا ہندوستانی افواج کو وہاں رہنا چاہیئے۔

اس معاملے پر کوئی جھگڑا نہیں کہ رائے شماری ہونی چاہیئے اور الحاق کی توثیق

لوگوں کو بغیر کسی دباؤ اور آزادی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرنے سے ہونی چاہیئے۔ یہ بات مُسلّمہ ہے اس پر کوئی اختلافِ رائے نہیں۔ جھگڑا اس بات پر ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ آزادانہ ووٹ حاصل کرنے کے لئے انتظامیہ کو بدلا جائے اس تجویز کو ہم رد کرتے ہیں۔

میں نہیں جانتا کہ آگے کیا ہوگا۔ لیکن میں سیکورٹی کونسل کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اگر انتظامیہ میرے ہاتھ میں رہا تو وہ قطعاً غیر جانبدار رہے گا۔ میرا فرض ہوگا کہ میں اپنے بھائیوں سے جو اس وقت دوسرے کیمپ میں ہیں اُن کی حمایت طلب کروں۔ ہم نے اکٹھے مصیبتیں برداشت کی ہیں اُن کے ساتھ ہمارا کوئی جھگڑا نہیں، میں اُن سے کہوں گا یہ میرا ملک ہے تمہارا ملک ہے۔ مجھے انتظامیہ چلانے کو کہا گیا ہے۔ کیا تم مجھے اپنی حمایت دینے پر تیار ہو۔ میرا کام انتظامیہ کو کامیاب بنانا ہے۔ اس کو آزاد اور غیر جانبدار رکھنا میرا فرض ہوگا۔ پاکستان کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ وہاں ایک غیر جانبدار انتظامیہ ہونا چاہیئے۔ میں جموں وکشیر کے معاملات میں پاکستان کو بطور ایک فریق کے تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں۔ میں اس سے قطعی انکار کرتا ہوں کہ پاکستان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ہم سے کہے ایسا کرو اور ایسا نہ کرو۔ ہم نے پاکستان کو بہت اچھی طرح سے دیکھا ہے۔ مظفر آباد، بارہ مولہ اور جموں وکشیر کے دیہاتوں میں رہنے والے سینکڑوں افراد پاکستان کی کہانی سناتے ہیں اور ہم اس قسم کی مزید کہانیاں سُننا نہیں چاہتے ہیں۔

آخر پر میں پھر درخواست کروں گا کہ کشیر کا مسئلہ حل کیا جائے سلامتی کونسل کو معاملہ اُلجھانا نہیں چاہیئے اور غیر ضروری معاملات کو اس مسئلے کے ساتھ منسلک نہیں کرنا چاہیئے۔ پاکستان کے نمائندے نے جموں وکشیر سٹیٹ کی کہانی بتائی ہے انہوں نے وائسرائے کے کچھ خطوط ہمارے سامنے پڑھے جن میں مہاراجہ سے رعایا کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ ہم یہ نہیں بھول سکتے کہ یہ ریاستیں ہندوستان میں برطانوی سامراج کی پیداوار ہیں۔ ڈیڑھ سو سال تک ان ریاستوں کی بدنظمی کو کس نے سہارا دیا ہے؟ پاکستانی نمائندے کے خطوط نہ تو مجھے اور نہ دنیا والوں کو مطمئن کر سکتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ والیانِ ریاست کیا کرتے رہے ہیں۔ ریاستوں کا وجود کیسے عمل میں آیا اور کس طرح ان کو سہارا دیا گیا۔ یہ انگریز سامراج کی پالیسی تھی اب اس ورثہ سے ہمیں نپٹنا ہے ہمیں یہاں یہ فیصلہ نہیں کرنا ہے کہ کیا مہاراجہ قانونی طور پر مہاراجہ بنا تھا۔ کیا ریاست میں اخلاقی انتظامیہ تھا؟ کیا مہاراجہ اقتدار اعلیٰ کا مالک ہے۔ کیا کشیر قانونی طور پر ہندوستان کے ساتھ الحاق کر چکا ہے؟ ایک ہی مسئلہ سلامتی کونسل کے سامنے ہے کہ وہ پاکستان سے بین الاقوامی فرائض انجام دینے کو کہے اور وہ حملہ آوروں کو مدد دینے سے باز آئے۔

پاکستان پر لازم ہے کہ وہ ریاست کے اندر گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے اور نہ ایسے لوگوں کی امداد کرے۔

پاکستان اور ہندوستان کی حکومتوں نے جو بیان سیکورٹی کونسل میں دیئے ہیں اُن کی صحت کی تصدیق کرانے کے لئے کونسل پر لازم ہے کہ وہ اپنا ایک کمیشن موقعہ پر بھیج دے اگر ہند کی شکایت درست ثابت ہو تو سیکورٹی کونسل کو چاہیئے کہ وہ پاکستان کو منع کرے ورنہ ہندوستان کو اجازت دی جائے کہ وہ سیکورٹی کونسل کے فیصلہ پر عمل کروانے کے لئے پاکستان کے خلاف کارروائی کرے۔

شیخ صاحب کی تقریر کے دوران یونائیٹڈ کنگڈم کے نمائندے مسٹر نویل بیکر MR. NOEL BAKER نے مداخلت کرتے شیخ صاحب سے پوچھنا چاہا۔ "میں ہندوستان کے نمائندے سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جو لڑائی اس وقت جاری ہے اُس کو بند کروانے کے لئے اس کی کیا تجاویز ہیں۔ اگر میں نے درست سمجھا ہے تو کیا اُس کا یہ منشاء ہے کہ وہ بغیر کسی کی مدد کے ہی اندرونی گڑبڑ پر قابو پا سکتا ہے اور ریاست سے قبائلیوں

کو باہر دھکیل سکتی ہے؟"

پریذیڈنٹ :۔ پیشتر اس کے کہ ہند کا نمائندہ جواب دے میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں وہ اس سوال کا جواب دینے کے لئے مجبور نہیں ہے۔

شیخ محمد عبداللہ : میں اس سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں جہاں تک میں ہندوستان کے خیالات کی ترجمانی کرسکتا ہوں میں کہہ سکتا ہوں کہ اسے پاکستانی فوجوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہندوستان، پاکستان سے صرف اتنا چاہتا ہے کہ پاکستان ریاست کی سرحدوں کے ساتھ ساتھ اپنے علاقے میں حملہ آوروں کو کوئی مدد نہ دے۔ پاکستان کے علاقے میں ہماری سرحدوں کے ساتھ قبائیلیوں کے بڑے بڑے مراکز ہیں۔ وہ پاکستان کے شہری ہیں ہم پاکستان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ انہیں اپنے علاقے سے ہم پر حملہ کرنے کی اجازت نہ دے۔

پاکستان کو چاہیئے کہ وہ اسلحہ، سامانِ حرب اور ہدایات کی سہولیات بہم پہنچانے سے باز رہے۔ ہمارے علاقے پر حملہ کرنے کے لئے انہیں اپنے علاقے میں سے گذرنے کی ممانعت کرے اور ان لوگوں کو بھی جو ریاست کے اندر لڑ رہے ہیں پاکستان کو سامان فراہم نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے۔

ہم پاکستان سے کوئی مسلح امداد نہیں چاہتے اگر پاکستان ہماری درخواست مان لے تو ہندوستانی فوج قبائیلیوں کو ریاست سے نکال دے گی اگر پاکستان ہمارے معاملات میں دخل دینا چھوڑ دے تو ہم مہاراجہ کے ساتھ اپنے اندرونی معاملات نپٹ لیں گے لیکن جب تک یہ جنگ جاری ہے ہمارے لئے کچھ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔

لیکن ہوتا یوں ہے ہماری سرحدوں کے ساتھ ساتھ قبائیلی جمع ہیں وہ ہماری ریاست میں بہت بڑی تعداد میں چار چار اور پانچ پانچ ہزار کی ٹولیوں میں اگر ہماری دیہی بستیوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ ان کو جلا ڈالتے ہیں۔ عورتوں کو اغوا کرکے لے جاتے ہیں اور جائیداد لوٹ لیتے ہیں جب ہماری فوج ان کو پکڑنے کی کوشش کرتی ہے تو وہ سرحد کے اُس پار بھاگ جاتے ہیں ہماری فوج وہاں نہیں جاسکتی اور نہ سرحد کے اُس پار اُن پر گولی چلائی جاسکتی ہے اگر ہماری فوج ایسا کرے گی۔ تو یہ ایک بہت بڑی جنگ کی صورت اختیار کرے گی۔ اس لئے ہم مجبور ہیں۔ ہم نے اس صورتِ حال کو پیدا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے سلامتی کونسل کو صورتِ حال سے مطلع کیا۔ ہندوستان کی افواج آسانی سے سرحد پار کرکے حملہ آوروں کے کمین گاہوں کی بنیادوں کو تہس نہس کرسکتی ہے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا ہم نے مناسب یہی سمجھا کہ سلامتی کونسل کو باخبر رکھا جائے۔ مجھے اس بات کا ذرا بھی گمان نہ تھا کہ پاکستان کا نمائندہ کونسل کے سامنے ڈھٹائی سے انکار کرے گا کہ وہ اس معاملے میں ملوث ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ پاکستان ان قبائیلیوں کو اور ریاست کے اندر لڑنے والوں کو امداد فراہم کر رہا ہے مگر باوجود اس کے یہاں اس عمل سے منکر رہا ہے۔

آپ ہی بتائیے[ل] مجھے کیا کرنا چاہیئے میرے پاس کوئی جادو کا چراغ نہیں کہ میں ساری ریاست جموں وکشمیر کو اٹھا کر سلامتی کونسل کے ممبروں کے سامنے رکھ سکوں تاکہ

ل : ۲۶ جنوری کو شیخ محمد عبداللہ کے اعزاز میں امریکہ میں انڈیا لیگ نے ایک عصرانہ دیا جہاں آپ نے اپنی تقریر میں کم و بیش ان ہی خیالات کا اعادہ کیا۔ ۱۰ فروری کو امریکہ سے واپسی پر دہلی میں آپ نے ایک پبلک جلسہ میں کہا سلامتی کونسل کے موجودہ طرزِ عمل اور دھڑے بازی سے صاف دکھائی دیتا ہے کہ یہ غلطیوں اور نقائص سے پُر ہے کونسل کے ممبر ہر ایک معاملہ کو اپنے مفاد اور پالیسی کی عینک سے دیکھتے ہیں جس کی وجہ سے کونسل اصلی معاملہ و واقعات کو دیکھنے اور اُن پر منصفانہ فیصلہ دینے سے قاصر دکھائی دیتی ہے۔ پاکستانی وفد اپنی کمزوریوں غلطیوں اور مجرمانہ حیثیت کو چھپانے کے لئے کشمیر کے مسئلے کے سوا دوسرے مسائل کو اچھالتا ہے۔

وہ یہ دیکھ لیں کہ کون لڑ رہا ہے کون نہیں لڑ رہا ہے اس لئے انہیں تو موقعہ پر جا کر بچشم خود دیکھنا چاہیئے اُس وقت ہم ثابت کر سکیں گے کہ سلامتی کونسل کے سامنے ہم نے جو الزامات پیش کئے ہیں وہ حرف بحرف صحیح ہیں ہم آپ سے صرف اتنی مدد چاہتے ہیں اور کچھ نہیں۔

سردار محمد ابراہیم خان

سلامتی کونسل کے اس اجلاس میں پاکستان کی طرف سے چودھری محمد علی سیکرٹری جنرل پاکستان سردار محمد ابراہیم خان صدر آزاد کشمیر، اُن کا سیکرٹری بن کر محمد دین تاثیر اور کئی دوسرے افراد وفد میں شامل تھے۔ شیخ محمد عبداللہ کی تقریر سننے کے بعد پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان نے اپنا یہ ارادہ تبدیل کیا کہ کونسل کے ممبروں کے سامنے سردار محمد ابراہیم خان بحیثیت نمائندہ ریاست جموں و کشمیر تقریر کریں گے۔ انہوں نے ان کے لئے ایک پریس کانفرنس کا اہتمام کیا جس میں سردار محمد ابراہیم خان نے کشمیر کی تاریخ دہراتے ہوئے کشمیر کی موجودہ جنگ کو ایک جابر حکمران کے خلاف عوامی بغاوت کا نام دیا۔ پریس کانفرنس میں کئی اخباری نمائندوں نے سردار محمد ابراہیم کو اشارتاً پاکستانی ایجنٹ اور زرخرید کہا یہ سن کر اُن میں کوئی بوکھلاہٹ نہ آئی بلکہ صبر و ضبط سے ان کے سوالات کا جواب دیتے گئے اگلے دن ہیرلڈ ٹریبون میں سردار ابراہیم کے بجائے محمد دین تاثیر کی تصویر چھپی لیکن تصویر کے نیچے سردار ابراہیم کا نام لکھا ہوا تھا۔

وزیر خارجہ پاکستان

شیخ صاحب کی تقریر کے بعد پاکستان کے امور خارجہ کے وزیر نے اپنی تقریر میں شیخ محمد عبداللہ کے بیان کی طرف اشارہ کرتے کہا۔ اس تقریر کو سننے کے بعد یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ اس کی زیر قیادت حکومت کس حد تک غیر جانبدار ہوگی۔ ظفر اللہ خان نے اپنی دلیلوں کو دہراتے کہا۔ کشمیر کی موجودہ حکومت کے زیر اہتمام رائے شماری کو کسی صورت میں صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ انہوں نے کہا سوال یہ نہیں ہے کہ دشمنی ختم ہو بلکہ وہاں کے لوگوں کو یقین دلانا چاہیئے کہ اُن کی عزت، ناموس اور حق خود ارادیت محفوظ ہے اور پاکستان کو یہ اطمینان ہونا چاہیئے کہ رائے شماری آزاد اور غیر جانبدارانہ ماحول میں ہوگی جب یہ سب کیا جائے گا تب پاکستان اُس صورت میں قبائلیوں کو سمجھائے گا اور اگر ضرورت پڑی تو ان کو نکالنے میں طاقت کا استعمال کرے گا۔

قرارداد ۲۱ اپریل ۱۹۴۸ء

طویل بحث و تمحیص اور اُکتا دینے والی فروعی، غیر ضروری مسائل اور مباحث کے بعد سلامتی کونسل نے ۲۱ اپریل ۱۹۴۸ء کو مندرجہ ذیل قرارداد پاس کی۔

"حفاظتی کونسل نے ریاست جموں و کشمیر کے تنازعے سے متعلق حکومت ہند کی عرضداشت پر غور کیا، نیز اس کی حمایت میں ہندوستان کے نمائندے کی تقریر سن لی اور اس کے مقابلے میں پاکستان کے نمائندے کا جواب اور جوابی دعویٰ بھی سنا۔ چونکہ حفاظتی کونسل کا خیال ہے کہ جموں اور کشمیر میں امن و امان کا جلد از جلد قیام از حد ضروری ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ ہند اور پاکستان کو یہ نبرد آزمائیاں ختم کرنے کی انتہائی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس لئے وہ اس امر پر اطمینان ظاہر کرتی ہے کہ ریاست جموں اور کشمیر کا ہند یا پاکستان کے ساتھ الحاق کو ہند اور پاکستان دونوں ایک آزاد غیر جانبدارانہ استصواب رائے کے جمہوری طریقے سے طے کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس تنازعے کا جاری رہنا بین الاقوامی امن اور سلامتی کے لئے

خطرناک ہوسکتا ہے اور وہ کونسل کی قرارداد مورخہ ۲۰ جنوری کی توثیق کرتی ہے اور یہ تجویز کرتی ہے کہ جو کمیشن کونسل کی قرارداد مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۴۸ء کی رُو سے مقرر ہوا ہے اس کی رکنیت پانچ تک بڑھا دی جائے اور اس میں ان نمائندوں کے علاوہ جو اس قرارداد میں مذکور ہیں دو اور نمائندے شامل ہوں اور یہ کہ اگر اس کمیشن کی رکنیت اس قرارداد کی منظوری کے بعد دس دن کے اندر مکمل نہ ہوئی تو صدر کونسل کو اختیار ہوگا کہ وہ پانچ کی رکنیت کو پورا کرنے کے لئے متحدہ اقوام کے دوسرے ممبروں کو متعین کرے۔

حفاظتی کونسل کمیشن کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ برصغیر ہند و پاک فوراً روانہ ہو اور وہاں اپنی خدمات نیز ثالثی کوششیں ہند اور پاکستان کی حکومتوں کو پیش کرے جس کا مقصد دونوں حکومتوں کو امن و امان کی بحالی کی تدبیروں نیز اس استصواب رائے کے انتظام میں سہولتیں پہنچانا ہے جو فریقین اور ملتین کے تعاون سے کیا جائے گا۔ حفاظتی کونسل کمیشن کو مزید ہدایت کرتی ہے کہ وہ کونسل کو ان اقدامات سے مطلع کرتی رہے جو اس مقصد کے لئے اور اس قرارداد کے ماتحت کئے جائیں۔

حفاظتی کونسل ہند اور پاکستان کی حکومتوں سے حسب ذیل اقدامات کے بارے میں سفارش کرتی ہے اس لئے کہ کونسل کے خیال میں یہ اقدامات سلسلہ جنگ کو روکنے اور معقول حالات پیدا کرنے کے لئے مناسب ہیں جن میں ایک آزاد اور غیر جانبدار استصواب رائے یہ طے کرنے کے لئے کیا جائے کہ ریاست جموں و کشمیر ہندوستان سے الحاق کرے یا پاکستان سے۔

(الف) امن و امان کی بحالی، اولاً حکومت پاکستان کو اپنی تمام تر

کوششیں حسب ذیل مقاصد کے لئے صرف کرنا چاہیئے۔

۱۔ ریاست جموں و کشمیر سے ایسے قبائلیوں اور پاکستانیوں کی واپسی جو وہاں کے عام باشندے نہیں ہیں اور صرف لڑنے کی غرض سے ریاست میں داخل ہوئے ہیں اور اس بات کا انسداد کرنا کہ ایسے عناصر ریاست میں داخل ہوں اور نہ اُن کو جو ریاست میں جنگ کر رہے ہیں کوئی مادی اعانت ملے۔

(ب) تمام متعلقہ لوگوں کو اس بات سے آگاہ کرنا کہ ان اقدامات کی رُو سے جو اس پیراگراف اور بعد کے پیراگرافوں میں مذکور ہیں ریاست کی تمام رعایا کو بلا امتیاز اس کے کہ وہ کس عقیدے، ذات یا جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اپنے خیالات کے اظہار اور الحاق ریاست کے مسئلہ پر ووٹ دینے کی مکمل آزادی ہوگی اور اس لئے ان کو امن و امان کے قیام میں اشتراک کرنا چاہیئے۔

ثانیاً جب کمیشن کی نظر میں، جو کونسل کی قرارداد مورخہ ۲۰ جنوری کے مطابق قائم ہوا ہے یہ بات خاطر خواہ مسلمہ ہو جائے کہ قبائلی واپس جا رہے ہیں اور یہ کہ جنگ بند کرنے کے انتظامات پر عمل ہو رہا ہے تو حکومت ہند کو چاہیئے کہ (الف) وہ کمیشن کے مشورے سے اپنی فوجوں کو جموں و کشمیر سے واپس بلائے اور اُن کی تعداد کو بتدریج اس حد تک گھٹانے کے پلان پر عمل کرے جس حد تک کہ وہ امن و امان کے قیام میں غیر فوجی طاقت کی مدد دینے کے لئے ضروری ہیں۔

۲۔ جب ہندوستانی فوجیں اس حد تک گھٹائی جا چکیں جس حد تک کہ (الف) میں مذکور ہے تو بقیہ فوجوں کو کمیشن کے مشورے سے حسب ذیل

اصولوں کے مطابق تعینات کرنے کا انتظام کرے۔

(۱) یہ کہ فوجوں کی موجودگی سے ریاست کے باشندوں کے لئے کسی قسم کا خطرہ یا خطرہ کا امکان پیدا نہ ہو۔

(۲) یہ کہ اگلے علاقوں میں ان کی کم سے کم تعداد باقی رکھی جائے۔

(۳) یہ کہ ریزرو فوجی جو مجموعی تعداد میں شامل سمجھے جا سکتے ہیں۔ وہ اپنے موجودہ مستقر کے علاقے میں رکھے جائیں۔

۳۔ حکومت ہند کو یہ ماننا چاہیئے کہ جب تک ناظم استصواب رائے جس کا ذکر آگے آئے گا ریاست کی اس فوج اور پولیس کی نگرانی اور ہدایت جو پیرا ۲ میں مذکور ہے اپنے ہاتھ میں لے لینا ضروری نہیں سمجھتا اس وقت تک یہ فوج اور پولیس انہی علاقوں میں رہے گی جو ناظم استصواب رائے سے طے پائیں گے۔

۴۔ جب پیرا ۱ (الف) میں مذکورہ معاہدہ پر عملدرآمد شروع ہو جائے تو جہاں تک ممکن ہو وہ تمام لوگ جو مقامی طور پر ہر ضلع میں بھرتی کئے گئے تھے اقلیت کے مناسب تحفظ کو پیش نظر رکھتے ہوئے بحالی امن و قانون اور استقرار نظم و ضبط کے لئے استعمال کئے جائیں اور یہ کہ مزید برآں ناظم استصواب رائے کی جس کا ذکر پیرا ۸ میں کیا گیا ہے، تابع ہوگی۔

۵۔ اگر یہ مقامی طاقتیں ناکام ثابت ہوں یا کمیشن کو ہند اور پاکستان کی ہر دو حکومت کی منظوری کے ساتھ [illegible] کی اتنی طاقت کے استعمال کا انتظام کرنا چاہئے [illegible] کے مقصد کے لئے [illegible] سمجھی جائے۔

۶۔ حکومت ہند کو یہ ذمہ داری [illegible] چاہیئے کہ ریاست کی حکومت [illegible]

[illegible] ذمہ دار کا عہدہ کو متعین کریں جو اس زمانہ میں جبکہ استصواب رائے کی تیاری کی جا رہی ہو اور استصواب رائے کیا جا رہا ہو۔ وزارتی سطح پر نظم و نسق کا بوجھ اٹھانے میں پوری طرح اور برابر کا حصہ لیں۔

۷۔ حکومت ہند کو یہ ذمہ داری لینی چاہیئے کہ ریاست کے ہند یا پاکستان سے الحاق کے مسئلہ پر جتنی جلد ممکن ہو جموں اور کشمیر میں نظام استصواب رائے قائم کیا جائے گا۔

۸۔ حکومت ہند کو یہ ذمہ داری لینی چاہیئے کہ ریاست کی طرف سے ناظم استصواب رائے کو وہ اختیارات تفویض کر دیئے جائیں گے جو موخر الذکر کو ایک آزاد اور غیر جانبدار استصواب کے لئے ضروری معلوم ہوں اور ان میں اس مقصد کے لئے صرف ریاست کی فوج اور پولیس کی نگرانی اور ہدایت شامل ہوگی۔

۹۔ حکومت ہند کو ناظم استصواب رائے کی درخواست پر ہندوستانی فوجوں سے اتنی اعانت کرنی چاہیئے جتنی کہ ناظم استصواب کو اپنے فرائض منصبی پورے کرنے کے لئے ضروری معلوم ہوں۔

۱۰۔ (الف) حکومت ہند کو اس بات سے اتفاق کرنا چاہیئے کہ ناظم استصواب رائے متحدہ اقوام کے سیکرٹری جنرل کا نامزد مقرر کیا جائیگا۔

(ب) ناظم استصواب رائے کو ریاست جموں و کشمیر کے ایک آفیسر کی حیثیت سے یہ اختیار ہونا چاہیئے کہ وہ استصواب رائے کے ضوابط کی تیاری کے لئے اپنے معاون اور ماتحتوں کو نامزد کر سکے یہ تمام نامزدگان باضابطہ جموں و کشمیر کی طرف سے مقرر کئے جائیں اور اس کے لئے ضوابط [illegible]

نافذ کئے جائیں۔

(ج) حکومت ہند کو یہ ذمہ داری لینی چاہیئے کہ حکومت جموں و کشمیر اعلیٰ پوری استعداد رکھنے والے اشخاص کو جنہیں ناظم استصواب نے نامزد کیا ہو، ریاست کے نظام عدالت میں اسپیشل مجسٹریٹ کی حیثیت سے ایسے مقدمات کی سماعت کے لئے مقرر کرے گی جو ناظم استصواب رائے کے خیال میں ایک آزاد اور غیر جانبدار استصواب رائے کی تیاری اور عمل کے سلسلے میں خاص اہمیت رکھتے ہوں۔

(د) ناظم کے شرائط خدمات حکومت ہند اور متحدہ اقوام کے سیکرٹری جنرل کے مابین ایک جداگانہ مفاہمت کا موضوع رکھے جائیں گے اور ناظم ہی اپنے معاونوں اور ماتحتوں کے شرائط خدمات کا تعین کرے گا۔

(ی) ناظم کو یہ حق ہونا چاہیئے کہ وہ ریاست کی حکومت اور متحدہ اقوام کو کمیشن سے براہ راست اور کمیشن کی وساطت سے متعلقہ کونسل اور ہند اور پاکستان کی حکومتوں اور ان کے کمیشن کے نمائندوں سے مراسلت کرے کہ اگر ایسے کوئی حالات پیدا ہوں جو ناظم استصواب کی رائے میں آزادی استصواب میں خلل انداز ہو سکتے ہوں تو ناظم کا فرض ہو گا کہ وہ ایسے حالات کی اطلاع مذکورہ بالا میں سے کسی ایک یا سب کو (اس کا فیصلہ وہ اپنے اختیار تمیزی سے کرے گا) دے۔

۱۱۔ حکومت ہند کو یہ یقین دلانا چاہیئے کہ وہ ہر اس خطرے یا دباؤ یا دھمکی، رشوت یا دوسرے ناجائز اثرات کو جو استصواب رائے میں ووٹ دینے والوں پر ڈالے جائیں خود روکے گی اور اس کے روکنے میں ناظم نیز اس کے عملے کی پوری مدد کرے گی اور حکومت ہند کو یہ اعلان کرنا چاہیئے اور ریاستی حکومت سے یہ اعلان کرانا چاہیئے کہ یہ یقین دلانے والی ایک بین الاقوامی ذمہ داری ہے جو جموں اور کشمیر کے تمام افسروں اور دوسرے سرکاری لوگوں پر عاید ہوتی ہے۔

۱۲۔ حکومت ہند کو خود نیز ریاست کی حکومت کی وساطت سے یہ اعلان کرنا چاہیئے کہ ریاست جموں و کشمیر کی ساری رعایا بلا امتیاز مذہب، ذات یا جماعت محفوظ رہے گی اور ریاست کے الحاق کے مسئلہ پر اپنے اظہار خیال میں آزاد رہے گی اور یہ کہ آزادی تحریر و تقریر اجتماعات اور سفر جس میں جائز طور پر ریاست میں آنا اور ریاست سے باہر جانا بھی شامل ہے سب کو حاصل رہے گی۔

۱۳۔ حکومت ہند کو اس بات کی انتہائی کوشش کرنی چاہیئے نیز ریاستی حکومت سے یہ کوشش کرانی چاہیئے کہ وہ تمام ہندوستانی علاوہ اُن کے جو وہاں پہلے سے ساکن ہیں یا جو ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو یا اس کے بعد کسی جائز مقصد کے لئے ریاست میں داخل ہوئے ہیں، واپس چلے جائیں۔

۱۴۔ حکومت ہند کو یہ یقین دلانا چاہیئے کہ حکومت ریاست کے تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کرے گی اور حسب ذیل کے لئے تمام امکانی اقدامات کرے گی۔

(الف) ریاست کے وہ تمام شہری جو فسادات کی وجہ سے چلے گئے تھے بلائے جائیں اور ان کو اس بات کی آزادی دی جائے کہ وہ اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں اور ریاست کے شہری کی حیثیت سے اپنے حقوق سے فائدہ اٹھا سکیں۔

(ب) ... کسی ... پر ... شمار ... کیا جائے ... اور ریاست کے تمام ... ہوں

میں اقلیتوں کی مناسب حفاظت کی جائے۔

۱۵۔ حفاظتی کونسل کے کمیشن کو استصواب رائے کے خاتمے پر کونسل کو یہ اطمینان دلانا چاہیئے کہ آیا، استصواب رائے واقعی طور پر آزاد اور غیر جانبدار رہا کہ نہیں۔

۱۶۔ حکومت ہند اور حکومت پاکستان دونوں کو اس بات کی دعوت دی جائے کہ وہ کمیشن سے وابستہ رہے اور اسے استصواب رائے کے کام میں اس کی ضرورت کے مطابق مدد دینے کیلئے اپنا ایک ایک نمائندہ نامزد کریں۔

۱۷۔ مذکورہ بالا پیراگرافوں میں جن اقدامات کا ذکر کیا گیا ہے اُن میں سے جس کے لئے بھی ضروری ہو کمیشن کو جموں و کشمیر میں اپنے مشاہدین مقرر کرنا چاہیئے۔

۱۸۔ حفاظتی کونسل کے کمیشن کو وہ فرائض انجام دینا چاہیئے جو اس قرارداد میں اُسے تفویض کئے گئے ہیں۔

کمیشن برصغیر ہندو پاک میں

مندرجہ صدر قرارداد کے تحت کمیشن کے ممبروں[1] کے درمیان جنیوا میں ۱۵ جون ۱۹۴۸ء کو پہلا اجلاس[2] ہوا۔ ۷ جولائی ۱۹۴۸ء کو کمیشن کراچی پہنچا۔ جہاں کمیشن کو پاکستان کے وزیر خارجہ نے دوران گفت و شنید کہا کہ مئی کے مہینے سے پاکستان کی باقاعدہ فوج کی تین بریگیڈ کشمیر میں ہیں جس سے کمیشن تو کیا ساری دنیا حیران رہ گئی کہ کتنی

لہ: کمیشن کے ممبران۔ امریکہ۔ ارجنٹائن۔ چیکوسلواکیہ۔ بلجیم اور کولمبیا

ٹہ: کمیشن کے ۵۵ کامل اور بہت سے غیر رسمی اجلاس ہوئے۔

تاخیر کے ساتھ اب پاکستان نے اپنی افواج کی کشمیر میں موجودگی کا اعتراف کیا۔ پاکستانی وزیر خارجہ نے اس کی وجوہات بیان کرتے کہا کہ "انہیں پاکستان کے وسیع مفادات کے تحفظ کے لئے وہاں بھیجا گیا ہے وہ دریائی پانی کی حفاظت کریں گے۔ سیاسی اور فوجی لحاظ سے پاکستان پر لازم تھا کہ وہ آزاد کشمیر کی دفاعی لائن کو زیادہ محفوظ کرے تاکہ پاکستانی سرحدات کو جو خطرہ ہندوستانی افواج سے پیدا ہوا ہے۔ اُس کا تحفظ کیا جائے۔ کشمیر میں اکثریت کے ساتھ زیادتی نہ کی جائے اور پاکستان میں پناہ گزینوں کو روکنے کے لئے بھی یہ اقدام لازمی تھا۔

۱۰ جولائی کو کمیشن نئی دہلی[1] پہنچا جہاں حکومت ہند کے گورنر جنرل اور وزیر اعظم نے اس کا استقبال کیا۔ کمیشن کو وزیر اعظم ہند نے بنیادی حقیقت گنواتے ہوئے کشمیر میں تصادم کے وجوہات بتائے کہا حکومت پاکستان نے پہلے بالواسطہ اور پھر بلاواسطہ کشمیر کے ہندوستانی علاقہ پر ناروا حملہ کیا۔ اگرچہ ہر شخص کو اس حقیقت کا علم تھا۔ مگر حکومت پاکستان نے اس سے انکار کیا۔ تاہم حال کے چند مہینوں کے اندر پاکستان کی باقاعدہ فوج کے بہت سے سپاہی کشمیر کے ہندوستانی علاقے میں پھر داخل ہوئے اور اس ہندوستانی فوج کے خلاف نبرد آزما

لہ: نئی دہلی میں کمیشن کی آمد آمد کی بات چل پڑی سری نگر میں قریشی محمد یوسف نے کشمیر کمیشن کے نام سے ایک یادداشت کمیشن کے ممبروں کے نام تیار کی جس کا خلاصہ یہ ہے۔ ریاست جموں وکشمیر میں نیشنل کانفرنس ہی صرف سیاسی جماعت نہیں ہے بلکہ مسلم کانفرنس جملہ اسلامیان ریاست کی واحد نمائندہ جماعت ہے جس کے تقریباً تمام قائدین اور سرکردہ ممبران یا تو جیلوں میں بند ہیں یا سرحد پار دھکیل دیئے گئے ہیں کمیشن کی تشریف آوری کا ہم خوش آمدید کرتے توقع رکھتے ہیں کہ کمیشن اپنے سری نگر کے قیام کے دوران کشمیر کمیٹی کے ممبروں سے رابطہ قائم کرے گا۔ تاکہ کمیشن کے ممبروں کے سامنے صحیح حالات آجائیں۔ یادداشت فل سکیپ کاغذ کے چار صفحات پر مشتمل تھا۔ جو کمیشن کے چیئرمین کے نام نئی دہلی کے پتہ پر بھیجا گیا۔ اس پر قریشی محمد یوسف اور محمد اسماعیل ساغر

ہوئے جو ریاست کے دفاع کے لئے وہاں بھیجی گئی تھی۔ اب ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حکومت پاکستان نے بھی کشمیر میں اپنی باقاعدہ فوج کے وجود کو تسلیم کیا ہے لیکن اس بارے میں پاکستان نے حکومتِ ہند کو ماقبل کوئی اطلاع نہیں دی پاکستانی افواج کی مزید مداخلت سے جو نئی صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم نے تا حال کوئی کارروائی کرنے سے اجتناب کیا ہے ہم کمیشن کی موجودگی میں توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس کا انسداد کرے گی۔

قرارداد ۱۳ اگست

۲۱ جولائی کو کمیشن واپس کراچی چلا گیا اور دونوں حکومتوں کے نظریات جاننے کے بعد ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء کی قرارداد مرتب و منظور کی اور ۱۴ اگست کو جنگ بندی اور عارضی سمجھوتہ کی یہ تجویز دونوں حکومتوں کو پیش کیں۔ جس پر دونوں حکومتوں کے استفسار پر اس نے اپنی تجویز کی توضیحات اور تصریحات کیں۔ اس طرح ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء کی قرارداد اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہند و پاک کی کوششوں اور دونوں فریق کے اعتماد و تعاون سے عالم وجود میں آئی قرارداد مندرجہ ذیل ہے۔

"ریاست جموں و کشمیر کی صورت حال کے بارے میں ہند و پاکستان کے نمائندے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سے آگے) کے علاوہ کئی دوسرے لوگوں کے دستخط تھے۔ ان دنوں بخشی غلام محمد دلی میں تھے کسی نہ کسی ذریعے سے انہیں اس یادداشت کا علم ہوا۔ انہوں نے دہلی سے ہی دستخط کنندگان کی گرفتاری کے احکام جاری کئے۔ لیکن مولانا محمد سعید مسعودی نے اس حکم میں یہ دلیل دیکر مداخلت کی چونکہ ساغر اور دوسرے لوگ انگریزی زبان سے ناواقف ہیں اور یہ سب کچھ قریشی محمد یوسف کے ذہن کی پیداوار ہے اس طرح ... ف اس جرم میں صرف قریشی گرفتار ہوئے اور پھر کچھ عرصہ بعد ان کو جبراً پاکستان بھیجا گیا۔

کے نقطہ ہائے نظر پر پوری توجہ سے غور کرنے کے بعد اور یہ رائے رکھتے ہوئے کہ جارحانہ کارروائیوں کا جلد از جلد بند ہونا اور ان حالات کا سدھرنا جن کا قیام بین الاقوامی امن اور سلامتی کے لئے خطرناک ہو سکتا ہے اس کی ان تدابیر پر عملدرآمد کے لئے لازمی ہے جو اس سلسلے میں ہند اور پاکستان کی حکومتوں کے مابین ایک معین سمجھوتہ کرنے کے لئے کی جا رہی ہیں، تجویز کرتا ہے کہ حسب ذیل قرارداد ہند اور پاکستان کی حکومتوں کے سامنے ایک ساتھ پیش کی جائے۔ (حصہ اول)

جنگ بندی کا حکم

(الف) ہند اور پاکستان کی حکومتیں اب اس بات پر راضی ہیں کہ جس دن یہ تجویزیں دونوں حکومتیں مان لیں گی اس کے چار دن کے اندر اندر ان کے ہائی کمان کسی قریب ترین قابل عمل تاریخ یا تاریخوں میں جو کہ باہمی مفاہمت سے طے پائیں گی۔ ریاست جموں و کشمیر میں اپنی زیر کمان فوجوں کو الگ الگ اور ایک ساتھ جنگ بندی کا حکم دیں گے۔

(ب) ہند اور پاکستان کی فوجوں کے ہائی کمان اس بات پر راضی ہیں کہ وہ ایسے اقدامات سے اجتناب کریں گے جن سے ان فوجوں کی طاقت بڑھ سکے جو ریاست جموں و کشمیر میں ان کی زیر کمان ہیں ان تجویزوں کے مقصد کے لئے ان کی زیر کمان فوجوں میں وہ تمام منظم اور غیر منظم فوجیں شامل بھی جائیں گی جو ان کی طرف سے لڑ رہی ہیں یا جارحانہ کارروائیوں میں حصہ لے رہی ہیں۔

(ج) ہند اور پاکستان کے کمانڈر انچیف فوجوں کی موجودہ تقسیم و ترتیب

میں ایسی مقامی تبدیلیاں کرنے کے لیے جن سے جنگ بندی میں سہولت ہو ایک دوسرے سے جلد از جلد صلاح کریں گی۔

(د) اپنے اختیارِ تمیزی کو استعمال کرتے اور قابلِ عمل پہلو پر نظر رکھتے ہوئے کمیشن فوجی مشاہدین مقرر کرے گا، جو کمیشن کی ماتحتی میں اور دونوں کمانوں کے اشتراکِ عمل کے ساتھ جنگ بندی کے حکم کی تعمیل کی نگرانی کریں گے۔

(ہ) ہند اور پاکستان کی حکومتیں اس بات پر راضی ہیں کہ وہ اپنے عوام سے ایسا ماحول پیدا کرنے اور قائم رکھنے میں مدد دینے کی اپیل کریں گے جو مزید سمجھوتے کے لئے مفید ثابت ہو۔ (حصہ دوم)

عارضی صلحنامہ

جارحانہ کارروائیوں کے فوری اختتام کی تجویز کو منظور کرنے کے ساتھ ساتھ، جس کا بیان حصہ اول میں کیا گیا ہے، دونوں حکومتیں ایک عارضی صلح نامہ مرتب کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اصولوں کو بطور بنیاد تسلیم کرتی ہیں۔ جن کی تفصیلات دونوں حکومتوں کے نمائندوں اور کمیشن کے بیچ مذاکرات کے ذریعہ طے کی جائیں گی۔

(الف) (۱) حکومت پاکستان نے حفاظتی کونسل کے سامنے صورت حال کے متعلق جو بیان دیا تھا اس کے بعد سے چونکہ جموں و کشمیر میں پاکستانی فوجوں کی موجودگی نے اس صورت حال میں نمایاں تبدیلی کر دی ہے، اس لئے حکومت پاکستان ریاست سے اپنی فوجیں ہٹا لینے پر رضامندی کا اظہار کرتی ہے۔

(۲) حکومت پاکستان ریاستِ جموں و کشمیر سے ان قبائلیوں اور پاکستانیوں کو ہٹانے کی ہر ممکن کوشش کرے گی جو عام طور پر ریاست کے باشندے

نہیں ہیں اور جنگ کی غرض سے ریاست میں داخل ہو گئے ہیں۔

۳۔ جب تک اس سلسلہ کا کوئی قطعی حل نہیں نکلتا اس وقت تک مقامی حکام کمیشن کی زیر نگرانی اس علاقہ کا انتظام کریں گے جس کا پاکستانی فوجیں تخلیہ کریں گی۔

(ب) حکومت ہند اس امر پر رضامند ہے کہ جب کمیشن اسے اطلاع دے کہ قبائلی اور پاکستانی (جن کا حصہ ۲ کے الف میں حوالہ دیا گیا ہے) واپس چلے گئے ہیں اور اس اقدام سے وہ صورت حال ختم ہو گئی ہے جس کے متعلق حکومت ہند نے حفاظتی کونسل کے سامنے یہ بیان دیا تھا کہ ریاست جموں و کشمیر میں ہندوستانی فوجوں کی موجودگی کے باعث یہی صورت حال ہے نیز یہ کہ جب کمیشن اسے یہ اطلاع دے کہ ریاست جموں و کشمیر سے پاکستانی فوجیں ہٹائی جا رہی ہیں، اس وقت حکومت ہند اپنی فوجوں کا بیشتر حصہ منزل بہ منزل جو کمیشن کے اتفاق رائے سے طے ہوگی ریاست مذکور سے ہٹانا شروع کر دے گی۔

۲۔ جب تک ریاست جموں و کشمیر کی صورت حال کے متعلق قطعی سمجھوتہ کے شرائط منظور نہ ہو جائیں اس وقت تک حکومت ہند جنگ بندی کے وقت جو حدود تھے ان کے اندر اپنی فوجوں کا وہ حصہ بدستور تعینات رکھے گی جو کمیشن کے اتفاق رائے سے امن عامہ کو برقرار رکھنے میں مقامی حکام کی مدد کے لئے ضروری سمجھا جائے۔

۳۔ حکومت ہند اس امر کی ضمانت دے گی کہ ریاست جموں و کشمیر کی حکومت وہ تمام امکانی اقدامات کرے گی جن سے یہ امر ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ امن عام برقرار رکھا جائے گا اور تمام انسانی اور سیاسی حقوق

کا تحفظ کیا جائے گا۔

ہ ج: (۱) دستخط ہو جانے کے بعد عارضی صلحنامہ کا متن یا ایک سرکاری اعلانیہ جس میں اس کے وہ تمام اصول درج ہوں گے جن پر دونوں حکومتوں اور کمیشن کو اتفاق ہوگا، عوام کی اطلاع کے لئے شایع کر دیا جائے گا۔ (حصہ سوم)

حکومت ہند اور حکومت پاکستان اپنی اس خواہش کی تجدید کرتی ہیں کہ ریاست جموں وکشمیر کی آئندہ حیثیت عوام کی مرضی کے مطابق متعین کی جائے گی اور اس مقصد سے دونوں حکومتیں اس امر پر رضامند ہیں کہ عارضی صلحنامہ ہو جانے کے بعد وہ ایسے معقول اور مناسب شرائط متعین کرنے کے لئے جن سے عوام کا آزادانہ اظہار خیال یقینی ہو سکے، کمیشن سے مشورہ کریں گی۔"

چند فیصلے

حکومت ہند نے جنگ بندی کی تجویز منظور کرتے ہوئے کئی دفعات کی تشریح میں چیئرمین کمیشن سے کہا۔

"یہ کہ تجویز کے حصہ دوم کے پیراگراف الف۔۳ کی اس طرح تشریح نہ کی جائے یا اس پر اس طرح عمل نہ کیا جائے (الف) پاکستانی فوجیں حکومت جموں وکشمیر کے جس علاقہ کا تخلیہ کریں اس پر حکومت جموں وکشمیر کا اقتدار معرض بحث میں آ جائے (ب) نام نہاد آزاد کشمیر حکومت کو تسلیم کرنے کی گنجائش ہو۔ (ج) عارضی صلحنامہ کے دوران ریاست کے مفاد کے خلاف اس علاقہ کو کسی شکل میں منظم کرنے کا موقع ملے۔"

چیئرمین کمیشن نے ۲۰ اگست ۱۹۴۸ء کو وزیراعظم ہند کو جواب دیتے لکھا۔

"آپ نے اپنے خط کے پیراگراف ۳ میں تجویز کی جو تشریح کی ہے وہ کمیشن کی تشریح کے مطابق ہے البتہ یہ ضروری سمجھ لینا چاہئے کہ جہاں تک (۱) ج کے تعلق سے خالی شدہ علاقہ کے مقامی باشندوں کو جائز سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی آزادی ہوگی اس سلسلے میں خالی شدہ علاقہ کا مطلب ریاست جموں وکشمیر میں ان علاقوں سے ہے جو اس وقت پاکستان ہائی کمان کے موثر کنٹرول میں ہیں۔"

وزیر خارجہ پاکستان نے ۱۹ اگست ۱۹۴۸ء کو تجاویز جنگ بندی کے ضمن میں چیئرمین کو لکھا:

"ان تجاویز پر جو کمیشن نے مرتب کی ہیں، اپنی رائے محفوظ رکھتے ہوئے حکومت پاکستان چند باتیں اس زاویہ نظر کے بارے میں دریافت کرنا چاہتی ہے۔ حکومت پاکستان کی سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ جموں اور کشمیر کا مسئلہ صرف دو عملی طریقوں سے حل کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہیں (۱) خالص اور سیدھی سادھی جنگ بندی جیسی کہ کمیشن کی قرارداد کے حصہ اول میں مذکور ہے یا (۲) جموں وکشمیر کے سارے مسئلہ کو شروع ہی سے مختتم طور پر حل کرنے کی کوشش کرنا۔ حکومت پاکستان افسوس کے ساتھ محسوس کرتی ہے کہ کمیشن نے پہلی صورت نہیں اختیار کی جس کے نتیجہ میں جنگ آزمائی فوراً بند ہو جاتی اور ایسی فضا پیدا ہو جاتی جو مختتم تصفیہ کے امکانات کو کہیں بہتر بنا دیتی۔ قرارداد کے حلقہ کو حصہ اول سے زیادہ بڑھانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ سارا تنازعہ معرض بحث میں آ جائے گا۔ اور جنگ بندی میں اس وقت تک تاخیر ہو جائے گی جب تک کہ سارے مسئلہ کو مختتم فیصلہ پر اتفاق نہیں ہوتا۔"

۲۹ ستمبر ۱۹۴۸ء کو کمیشن نے حفاظتی کونسل کو عبوری رپورٹ دینے کے لئے یورپ جانا طے کر لیا اور ساتھ ہی دونوں حکومتوں سے اپیل کی کہ وہ کمیشن کی غیر حاضری میں موجودہ کشیدگی کو اس حد تک کم کرنے کی انتہائی کوششیں کریں تاکہ پرامن تصفیہ کے لئے زمین ہموار ہو سکے جس کے نتیجے میں ہند و پاک کی حکومتوں نے کشمیر میں عارضی جنگ بندی کے

سمجھوتے پر رضامند ہو گئیں اور دستاویزِ جنگ بندی مرتب پایا جو مندرجہ ذیل ہے:-

یکم جنوری ۱۹۴۹ء

"ہند اور پاکستان کی حکومتوں نے متحدہ اقوام کے کمیشن برائے ہند و پاکستان کو مطلع کیا ہے کہ کمیشن نے ریاست کی آئندہ حیثیت متعین کرنے کے لئے ریاست جموں و کشمیر میں استصواب رائے کے جو اصول تجویز کئے ہیں وہ ان کو منظور ہیں۔ یہ اصول کمیشن کی ۱۳ اگست کی قرارداد کے جس میں جنگ بندی اور عارضی صلح کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ تتمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کمیشن کی سابقہ تجاویز پر راضی ہو جانے کے بعد دونوں حکومتوں نے ریاست میں اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ وہ یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو گیارہ بجکر ۵۹ منٹ (شب) سے جنگ بندی کر دیں۔

ہند اور پاکستان کی حکومتوں نے کشمیر کے مسئلہ پر جس دوستانہ اور پُرامن سمجھوتہ کی کوشش کی ہے وہ قابل تعریف ہے نیز جس مستعدی سے دونوں حکومتوں نے جنگ بندی کا اعلان کیا ہے وہ خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔"

شیخ محمد عبداللہ کی تقریر

یہ جن کے صبح کاذب دھوکے دئیے ہیں شب نے
تکتے ہیں منہ سحر کا تاریکیوں کے مارے

یکم جنوری ۱۹۴۹ء کی رات کے پونے ۹ بجے ریڈیو کشمیر جموں سے وزیراعظم جموں و کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے جنگ بندی کا خیرمقدم (حکومت ہند [illegible] وزیراعظم ہند پنڈت [illegible]

[illegible]

"۱۹۴۹ء کا آج پہلا دن ہے جب ریاست جموں و کشمیر کے لئے اس سال کی پہلی خبر میدان جنگ میں گولی بند کر دینے کے احکام کی خبر سے دی جاتی ہے۔ عارضی سمجھوتہ کے مطابق آج رات کو بارہ بجے سے قبل کشمیر کے محاذ پر لڑنے والی ہندوستانی اور پاکستانی افواج لڑنا بند کر دیں گی اور چودہ مہینے اور دس دن کی مسلسل لڑائی کے بعد پہلی بار جموں و کشمیر کے باشندے ایک گونہ امن کی فضا میں سانس لیں گے۔

لڑائی بند کر دینے کے احکام اس بات کی تمہید ہیں کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ ریاست کے باشندے اپنی مرضی اور اختیار سے کریں گے اور اس معاملے میں کسی بیرونی طاقت کی تلوار نہیں بلکہ اہل ریاست کی رائے عامہ آخری اور حقیقی اقتدار تصور کی جائے گی یہی نیشنل کانفرنس کا دیرینہ نصب العین اور مطالبہ چلا آ رہا ہے۔ کشمیر پر جو حملہ آج سے چودہ ماہ پہلے کیا گیا تھا وہ اس مطالبے کو کچلنے کے لئے تھا اور آج جبکہ اس اصول کو تسلیم کیا گیا تو کشمیر اور اہل کشمیر کی اس لڑائی میں پہلی فتح ہے جس پر ہمیں خوش ہونا چاہئے۔ اور یقین رکھنا چاہئے کہ ہمارے اصولوں کی یہ فتح آگے چل کر اہل ریاست کے روشن مستقبل کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔

کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ رائے عامہ کے ذریعے کیا جائے یہ امر مدِمقابل کے لئے نیا ہو سکتا ہے لیکن ہمارے لئے نیا نہیں۔ ایک یاد [illegible] یونین کے ساتھ ریاست کے الحاق کا سوال ہندوستان کی تقسیم سے پیدا ہوا۔ جب تقسیم عمل میں آئی تو ان دنوں نیشنل کانفرنس بحیثیت جماعت جیلوں کی چار دیواری میں مقید تھی۔ جیل سے باہر آتے ہی میں نے اور میرے

[illegible]

کا حق صرف ریاست میں بسنے والے عوام کو ہی حاصل ہے اور یہ حق استعمال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک ایسی فضا اور ایسا ماحول پیدا کیا جائے جس میں وہ پوری آزادی کے ساتھ اس حق کو استعمال کر سکیں۔ لہٰذا پہلے باشندگانِ جموں و کشمیر بجائے خود استبدادیت اور جاگیرشاہی کے پنجے سے نجات حاصل کرلیں۔ اس کے بعد ہی وہ آزادانہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ دونوں میں سے کس یونین کے ساتھ کیسے تعلقات رکھیں۔ مگر بدقسمتی سے پاکستان کے لیڈروں نے اس سیدھے سادھے اور منصفانہ اصول کی کچھ قدر نہ کی اور انہوں نے بہ نوکِ شمشیر اپنی مرضی باشندگانِ کشمیر پر ٹھونسنے کی غرض سے ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کشمیر پر دھاوا بول دیا جس کے مدافعت کے لئے ہمیں مجبوراً ہند یونین سے امداد لینا پڑی۔ ۲۷ اکتوبر کو ہند یونین نے جو رسمی الحاق تسلیم کیا اس میں صریحاً لکھا کہ حملہ آوروں سے کشمیر کو نجات ملتے ہی عوام سے الحاق کے بارے میں رائے لی جائے گی جو آخری اور فیصلہ کن ہوگی۔ پنڈت جواہر لال نے اس موقعہ پر جو بیان دیا اور سری نگر اور بارہ مولہ میں جو تقریریں کیں ان میں بھی رائے عامہ کے اصول پر ہی کشمیر کے فیصلہ کا انحصار رکھا اور ۳۱ اکتوبر کو انتظامیہ کی ذمہ داریاں سنبھالتے وقت میں نے عوام سے جو خطاب کیا اس میں ازسرِنو اس اصول کا اعادہ کیا گیا جس کے لئے میں اور میرے رفقاء ہمیشہ لڑتے آئے ہیں۔ آج پورے چودہ مہینے کی لڑائی اور تباہ کاری کے بعد اگر ہمارے پاکستانی بھائی بھی اس اصول کو تسلیم کر لینے پر آمادہ ہو گئے ہیں تو ہم سے بڑھ کر کسی کو خوشی نہیں ہو سکتی اور مجھے امید ہے کہ اب جبکہ

انہوں نے رائے عامہ کی سرداری کا جمہوری اصول مان لیا ہے وہ اس کو عملی شکل دینے کے لئے اس کے ضروری تقاضوں کو بھی پورا کریں گے۔

پاکستان نے کشمیر پر جو حملہ کروایا تھا وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے اتنا ہولناک اور وحشیانہ تھا کہ اگر اس کی مدافعت بروقت نہ کی گئی ہوتی تو کشمیری آبادی صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہوتی۔ جہاں تک اس حملے کا اثر پہنچا اور جو علاقے مہینوں تک حملہ آوروں کے قبضے میں رہے اُن پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ حملے کی تباہ کاریاں کس درجہ کی تھیں۔ اس طوفانِ بدتمیزی سے بچنے کے لئے جو طاقت ہمارے کام آئی وہ اہلِ کشمیر کا اندرونی استقلال اُن کی قربانیاں اور حکومت ہند کی فوجوں کی جانبازانہ مدافعت ہے۔ آج جبکہ لڑائی بند کرنے کے احکام صادر ہوئے ہیں میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ہند یونین کی جمہوری حکومت کے وزیرِ اعظم پنڈت جواہر لال نہرو، نائب وزیرِ اعظم سردار پٹیل اور وزیرِ جنگ سردار بلدیو سنگھ کی امداد اور اعانت کا تہہ دل سے اعتراف کروں اور ہندوستان کی افواج کے اُن تمام سپاہیوں، سرداروں اور سالاروں کا جنہوں نے کشمیر کے محاذ پر دادِ شجاعت دی شکریہ ادا کروں اور کشمیر نیشنل ملیشیا کے بہادر نوجوان اور رضاکار جو قوم اور ملک کی حفاظت کے لئے بہترین سپاہی ثابت ہوئے ہیں اُن کو شاباش اور زندہ باش کہوں۔ آج میرا فرض ہے کہ بریگیڈیئر عثمان، کرنل رائے، کرنل سین، میجر شرما، کیپٹن زاڈو اور دیگر افسران اور سپاہیوں کو تحسین و آفرین کے پھول پیش کروں، جنہوں نے اپنی جانیں دے کر ہمارے بچوں، بوڑھوں اور نہتے عوام کی جانیں، ہزاروں ماؤں کی عصمتیں اور

اور لاکھوں ریاستیوں کی آزادی کو [illegible] دستبرد سے بچایا۔ میں اپنے فرض کو پورا کرنے سے کوتاہی کروں گا اگر اُن غیر مسلح عوام کا شکریہ ادا نہ کروں۔ جنہوں نے آزمائش کے سخت دور میں امن و آشتی کو بحال رکھ کر لڑنے والی فوجوں اور رضاکاروں کی امداد کی۔ اور اکثر اوقات شہید شیروانی اور ماسٹر عبدالعزیز کی طرح اپنے وطن اور قوم پر سب کچھ نچھاور کر کے قومی کامیابی کے لئے روشن امکانات پیدا کئے۔ اس لڑائی کے دوران میں حملہ آوروں کے ہاتھوں جو ہندو، مسلم اور سکھ مظلوم لوٹے گئے، قتل ہوئے اور جو مائیں اور بہنیں اغوا کی گئیں اور پاکستانی علاقوں میں لے جا کر فروخت کی گئیں، اُن کی قربانیوں کو ہم کبھی بھلا نہیں سکتے۔ بالخصوص ضلع مظفرآباد، پونچھ، میرپور اور علاقہ جات جموں، کٹھوعہ، ریاسی، راجوری کے لوگ اس دوران میں بیرونی حملہ آوروں یا مقامی فرقہ پرست قاتلوں کے ہاتھوں بربادی کا شکار ہوئے اُن کی مظلومیت ہمارے دلوں پر کندہ ہے۔ اور پوری قوم کے دل اُن کی ہمدردی کے جذبہ سے لبریز ہیں۔ اُن کے پسماندگان کو میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ امن قائم ہوتے ہی انہیں از سر نو آباد کر کے قوم کے باقی افراد کے دوش بدوش زندگی اور ترقی کی شاہراہ پر ڈالنا ہمارے مقاصد کا اہم ترین حصہ ہے۔

اس وقت ریاست جموں و کشمیر کے باشندوں سے میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ آج آپ تمام دُنیا سے اپنا یہ حق منوانے میں کامیاب ہو گئے ہیں، کہ کشمیر کا فیصلہ آپ ہی کر سکتے ہیں۔ عنقریب اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کا پروگرام آپ کے سامنے آئے گا۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ اپنے لئے کونسا راستہ تجویز کرتے ہیں۔ یہ آپ کے امتحان کا موقع ہے اور تمام دنیا کی نگاہیں آپ کی طرف لگی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جس طرح آج تک بارہا نازک موقعوں پر کشمیر کے فیصلے اور اقدامات دوسروں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوئے ہیں، اسی طرح آج بھی آپ کا فیصلہ بہترین فیصلہ ہوگا جو نہ صرف دنیا کے لوگوں سے آپ کے لئے خراجِ تحسین حاصل کرے گا۔ بلکہ کشمیر کے مستقبل کو بھی کشمیر کی شان کے مطابق بنا دینے کا موجب ہوگا۔"

حکومت آزاد کشمیر اور پاکستان کے درمیان معاہدہ

یکم جنوری ۱۹۴۹ء کی جنگ بندی کے فوراً بعد حکومت پاکستان اور آزاد کشمیر کی حکومت کے مابین پہلا معاہدہ طے پایا۔ جس پر حکومت پاکستان کی جانب سے مشتاق احمد گورمانی وزیر امور کشمیر و سردار محمد ابراہیم خان صدر حکومت آزاد کشمیر اور چودھری غلام عباس خان نے بحیثیت قومی رہنما کے دستخط ثبت کئے۔[1]

اس معاہدے کے مطابق مختلف امور اور معاملات کی تقسیم کار یوں ہوئی تھی:-

حکومت پاکستان کا دائرہ کار

۱۔ دفاع ۲۔ آزاد کشمیر کی خارجہ پالیسی۔ ۳۔ اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہند و پاک سے بات چیت۔ ۴۔ غیر ممالک اور پاکستان میں نشر و اشاعت۔ ۵۔ مہاجرین کی امداد اور آبادکاری کے انتظامات کی ترتیب۔ ۶۔ رائے شماری کے سلسلہ میں نشر و اشاعت کی ترتیب۔ ۷۔ کشمیر کے سلسلے میں پاکستان میں تمام سرگرمیاں، مثلاً

لہ: ۱۹۷۴ء میں آزاد کشمیر کے عبوری آئین ایکٹ ۱۹۷۴ء کی رُو سے آزاد کشمیر حکومت اور حکومت پاکستان کے باہمی تعلقات اور روابط کو باقاعدہ صورت اسی معاہدے کی روشنی میں دی گئی۔

غلہ حاصل کرنا، سول سپلائز، مہاجرین کے کیمپوں کو چلانا اور طبی امداد۔

۹۔ گلگت ولداخ کے تمام حالات جو پولیٹکل ایجنٹ کے کنٹرول میں ہیں۔

حکومت آزاد کشمیر کا دائرہ کار

۱۔ آزاد کشمیر کے علاقے کے نظم ونسق کی پالیسی ۲۔ آزاد کشمیر کے علاقے میں نظم ونسق کی دیکھ بھال۔ ۳۔ آزاد کشمیر حکومت اور افسروں کے سلسلے میں پالیسی۔ ۴۔ وزیر بے محکمہ کو اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندوپاک کے بارے میں مشورہ دینا۔ ۵۔ آزاد کشمیر کے علاقے کے اقتصادی ذرائع کی ترقی۔

مسلم کانفرنس کا دائرہ کار

۱۔ آزاد کشمیر کے علاقے میں نشرواشاعت۔ ۲۔ "مقبوضہ" کے بارے میں فیلڈ و نشرواشاعت۔ ۳۔ آزاد کشمیر کے علاقے میں سیاسی سرگرمیاں۔ ۴۔ رائے شماری کے سلسلے میں ابتدائی انتظامات۔ ۵۔ رائے شماری کے لئے تنظیم ۶۔ پاکستان میں کشمیری مہاجرین میں سیاسی کام اور نشرواشاعت۔ ۷۔ وزیر بے محکمہ (وزیر امور کشمیر پاکستان) کو کمیشن برائے ہندوپاک سے بات چیت کے سلسلے میں مشورہ دینا۔

دستخط: ایم۔ اے۔ گورمانی (وزیر بے محکمہ حکومت پاکستان) دستخط: محمد ابراہیم خان (صدر

نوٹ: میں اس معاہدے میں ان باتوں پر اتفاق کرتا ہوں جو مسلم کانفرنس سے تعلق ہیں

دستخط: غلام عباس (صدر آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس)

اس کے ساتھ ہی جنگ آزادیٔ کشمیر کے اس پُرآشوب دور کے اہم حصے کو ختم کرکے رخصت چاہتا ہوں۔ فی امان اللہ

حال وماضی دونوں تاثیر کٹ گئے آلام میں!
جب بھی گھبراتا تھا دل اور اب بھی گھبراتا ہے دل

رشید تاثیر

اعتراف

اس کتاب کی ترتیب وتسوید کے سلسلے میں شکروسپاس کے ساتھ یہ اعتراف کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہوں کہ میں نے مندرجہ ذیل کتابوں، اخبارات اور پمفلٹوں سے استفادہ حاصل کیا:۔

۱۔ انڈیا فرام کرزن ٹو نہرو اینڈ آفٹر۔ درگا داس
۲۔ مہاتما گاندھی دی لاسٹ فیز۔ پیارے لال
۳۔ لوکنگ بیک۔ مہر چند مہاجن۔ ۴۔ متاع زندگی۔ سردار ابراہیم خان
۵۔ دخانیہ کشمیر، وزارت اطلاعات حکومت اتر پردیش
۶۔ سردار پٹیل دستاویزات۔ جلد اول
۷۔ مشن ود ماؤنٹ بیٹن۔ ایلن کیمپل جانسن
۸۔ کشمکش۔ چوہدری غلام عباس خان، مطبوعہ لاہور
۹۔ کشمیر ڈوگرہ راج۔ ترلوکی داس نرگس
۱۰۔ کشمیر۔ غلام احمد کشفی۔ ۱۱۔ نوائے کشمیر۔ غلام سرور فگار
۱۲۔ سیاست دنیا۔ موہن داس کرم چند گاندھی
۱۳۔ ٹرانسفر آف پاور۔ وی۔ پی مینن۔ ۱۴۔ کشمیر ساگا۔ سردار محمد ابراہیم خان
۱۵۔ اینٹیگریشن آف انڈین سٹیٹس۔ وی۔ پی مینن
۱۶۔ کشمیر چھوڑ دو۔ مولوی عبدالواحد۔ ۱۷۔ ناتمام، لہو اس چنار، حکیم منظور
۱۸۔ کلیات فیض۔ فیض احمد فیض۔ شعلۂ طور۔ جگر مراد آبادی
۱۹۔ کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۵ء تک ... ثناء اللہ بٹ
۲۰۔ ... کشمیر۔ پادری ... بزگینی

۲۱۔ سیلنڈر وار تھرو۔ لیفٹنٹ جنرل ایل۔ پی۔ سین
۲۲۔ لاس ڈیز آف برٹش رول۔ لیونارڈ موسلے
۲۳۔ کشمیر کا مسئلہ۔ منوہر چھیل۔ ۲۴۔ چند ارشادات۔ مولانا محمد سعید مسعودی
۲۵۔ کشمیریز فایٹ فار فریڈم۔ محمد یوسف صراف
۲۶۔ جموں و کشمیر کی صورت حال کا جائزہ۔ منسٹری آف انفارمیشن اینڈ براڈ کاسٹنگ، جموں و کشمیر مطبوعہ ۱۹۵۳ء۔ ۲۷۔ جادۂ آزادی۔ مضمون عبد الغنی شیخ ماہنامہ تعمیر سرینگر
۲۸۔ کشمیر اے سٹیڈی ان پاکستان ریلیشنز۔ اے۔ پی گپتا۔ ۲۹۔ کشمیر یا ثقافتی تہذیبی محوظ اینڈیا۔
روزنامہ "خدمت" سری نگر۔ روزنامہ "سری نگر ٹائیمز" سری نگر۔ روزنامہ "ہمدرد" زیر ادارت غلام رسول عارف۔ روزنامہ "ہمدرد" زیر ادارت پنڈت پریم ناتھ بزاز۔ روزنامہ "آفتاب" سری نگر۔ روزنامہ "آزاد" زیر ادارت آغا شورش کاشمیری و نوابزادہ نصر اللہ خاں۔ روزنامہ "احسان" لاہور۔ روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ روزنامہ "نئی دنیا" دہلی۔ روزنامہ "ملاپ" دہلی۔ ہفت روزہ "جاوید" جموں۔ ہفت روزہ "ملت" سری نگر۔ ہفت روزہ "چاند" جموں۔ ہفت روزہ "جوہر" سرینگر۔ ہفت روزہ "انصاف" راولپنڈی۔ ہفت روزہ "کشمیر" راولپنڈی۔ ہفت روزہ "قائد" راولپنڈی۔ ماہوار "آستانہ" دہلی۔ ہفت روزہ "بے باک" راولپنڈی۔ جموں و کشمیر گورنمنٹ گزٹ۔ ہفت روزہ "البرق" سرینگر۔ ہفت روزہ "پاسبان" جموں۔ ہفت روزہ "محافظ" سری نگر۔ ہفت روزہ "نیا دور" جموں۔ ہفت روزہ "عوامی دور" جموں۔

صحت نامہ

پریس مشین کی خرابی کی وجہ سے کئی صفحات پر کہیں کہیں حروف، الفاظ، جملے شکستہ اور مسخ ہوئے کے علاوہ پروف ریڈنگ میں سہواً خامی رہ گئی ہے برائے کرم حسب ذیل صحت نامہ کے مطابق درست فرمائیں۔

صفحہ	سطر	غلط و مسخ	صحیح عبارت	حذف	اضافہ
۴۱	۲	گے	لگے		
۴۴	۱۴	بدلہ	بدلہ لینے کے لئے		
۳۸	۱۷	انتخاب	انتخابی		
۳۸	۵	مل کر	ملا کر		
۳۸	۷	احد	اجداد		
۴۲	۴			ان چیف	
۴۳	۴	بارہ مولہ	دو میل		
۶۰	۱۸	سکئے گئے	کے لئے		
۶۲	۱۱	ٹنڈی	توڑی		
۶۳	۱۹	اس میں	اس پر		
۶۷	۷	گھنٹوں	گھٹنے		
۸۷	۱۵	مشتمل	مشتعل		
۱۲۴	۵				نیشنل کانفرنس
۱۳۷	۱۶	سوئی	سرخی		

صفحہ	سطر	غلط	صحیح عبارت	حذف	اضافہ
۱۳۵	۵	نقص عام	نقص عامہ		
۱۵۳	۱۳	لاہے	اُچھلا		
۱۹۳	۹	روپوسی	روپوشی		
۱۷۷	۱۲	اکتوبر ۱۹۴۷ء	اگست ۱۹۴۷ء		
۱۹۸	۵	شتشنی	مستثنیٰ		
۲۱۵	۱۳				محمد یوسف ڈار، غلام حسن کرملی، حسام الدین بانڈے، بشیر احمد درانی اور تین ہندو ممبران نے
۲۱۸	۲	بیگم ختر جہاں	بیگم اختر جہاں		
۲۲۲	۴	سیٹھ کستوری لال	سیٹھ کشوری لال		
۲۳۱	۵	بکنے	بچ نکلے		
۲۶۲	۲۱				
۲۸۹	۳	کرے	کرنے		
۳۰۱	۲۱		الحاق توڑ دوں گا		
۳۱۰	۲،۳،۴	ناکا باجی صاحب	نانگا باجی صاحب		
۳۲۱	۵	اپنے	اپنے ساتھ لیکر		
۳۲۲	۶	کرتا ہے	کرتے ہیں		
۳۳۲	۹	سیدھے	سیدھا		
۳۳۲	۱۲	م	حکم		
۳۳۵					سومناتھ، بطلی، عبدالعزیز ہارون اور غنی زردوش ہیں۔
۳۴۷	۱۹	ہیں	پیش کئے جاتے ہیں		
۳۴۹	۱۸	میں	بعد میں		

صفحہ	سطر	غلط	صحیح عبارت	حذف	اضافہ
۳۷۶	۸	آدین	یقین		
۳۸۵	۱۶	کردیا گیا	کروایا گیا		
۳۹۷	۱۱	وزارت	وزیر وزارت		
۴۳۲	۱۱	محمد امان بچھو	محمد امین بچھ		
۴۸۶	۱۲	دنیسی	دیسی		
۵۱۱	۱۳	میشن	کمیشن		
۵۱۱	۱۶	اقدامہ	اقدامات		
۵۱۴	۵	پاکستانی	پاکستان		
۵۲۱	۴	کمشن کے مابین	کمیشن کے مابین		
۵۲۴	۲۱	حکومتوں نے کشمیر	حکومتیں کشمیر میں		
۵۲۵	۱۶	ان جی	ین جن		

تحریکِ حریتِ کشمیر

جلد چہارم

جو ۱۹۳۹ء سے آگے کے ریاستی سیاسی واقعات پر مشتمل ایک مکمل تاریخی مجموعہ ہے، ابتدائی مراحل سے گذر رہا ہے۔ انشاء اللہ بشرطِ زندگی عنقریب پیشِ خدمت کرنے کی سعادت، حاصل کی جائے گی۔

(ادارہ)

خطاط: معراج مسکین

Tele. No. :- 74342 — 73213

MUHAFIZ PUBLICATIONS

MUKHDOM MANDOW
SRINAGAR—190002
KASHMIR

صفحہ	سطر	غلط درج	صحیح عبارت	حذف	اضافہ
۳۷۶	۸	آئین	یقین		
۲۸۵	۱۰	کر دیا گیا	کروایا گیا		
۲۹۷	۱۱	رزارت	وزیر وزارت		
۴۳۲	۱۱	محمد امان بچھو	محمد ایان بچھو		
۴۸۶	۱۲	ذیسی	دیسی		
۵۱۱	۱۳	میشن	کمیشن		
۵۱۱	۱۶	اقدامہ	اقدامات		
۵۱۴	۵	پاکستانی	پاکستان		
۵۲۱	۱۴	کمیشن سے مابین	کمیشن کے مابین		
۵۲۴	۲۱	حکومتوں نے کشمیر	حکومتیں کشمیر میں		
۵۲۵	۱۶	ین بن	بن بن		

تحریکِ حریتِ کشمیر

جلد چہارم

جو ۱۹۳۹ء سے آگے کے ریاستی سیاسی واقعات پر مشتمل ایک مکمل تاریخی مجموعہ ہے، ابتدائی مراحل سے گذر رہا ہے۔ انشاء اللہ بشرطِ زندگی عنقریب پیشِ خدمت کرنے کی سعادت حاصل کی جائے گی۔

(ادارہ)

خطاط: معراج مسکین